THE SOHAIL

MONTHLY

سرپرست :- جناب مولوی حافظ محمد عبدالرحمٰن صاحب سہیل سہسرامی

۱۹۶۳

GAYA

رسالہ سہیل ماہانہ گیا

کیا آپ کو معلوم ہے ؟

مگر کون سا زردہ اچھا ہے وہ جس کے کھانے سے دل و دماغ تازہ رہیں۔ سر میں چکر نہ ہو۔ پان مزادار ہو منہ کی تمام خرابیوں کو دور کرے۔ اس لئے عطریات کے بادشاہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

نے

عطریات کے ساتھ ساتھ زردہ کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ پبلک کو آسانی ہو۔ آزمائش شرط ہے۔

ذیل کے پتہ سے طلب کریں

معرفت محمد علی احمد علی اینڈ برادرس نمبر ۱۲۲ لور چیت پور روڈ کلکتہ نمبر ۱۵۶ گلی نمبر ۲۵ رنگون

ہمیشہ نکٹائی مارکہ زردہ کھائیں
دوسرے مارکہ کو ہاتھ نہ لگائیں
تمام زردوں کا بادشاہ ؛ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؛ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفرانی
تمام زردہ قواموں کا امام ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام
تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؛ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دل رُبا ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الائچی دانوں کا تاج شاہانہ ؛ نکٹائی مارکہ خوشبودار الائچی دانہ
اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی وہاں بھی ہے ✱ برما بھی مدح خواں ہے ہندوستان بھی ہے
(مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو)
محمد مصطفےٰ حسین کا شہرۂ آفاق کارخانہ
نکٹائی مارکہ
کی بہترین و عمدہ ترین و ملذذ ترین چیزیں مغرب و مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں
بلکہ خوبصورتی، خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر اِن سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور
خوش تر سے خوش تر فینسی پیکٹوں اور خوش وضع شیشیوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمتیں پیش کرتا ہے۔ ضرور آزمایش کیجئے
شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ
کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور
دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں
ھیڈ آفس :- نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ۔ ہوڑہ
برانچیں :-
کلکتہ
۵ کیننگ اسٹریٹ
بمبئی
۶۱ ارسکین روڈ بمبئی
رنگون
۱۱۸ سورتی بڑا بازار

زردہ طلائی

یہ ہندوستان کے تمام زردوں کا بادشاہ ہے نہایت قیمتی نفیس مقوی اور مفرح اجزاء سے مرکب ہے زردہ طلائی مشکی دانہ اکسٹرا کوالٹی فی تولہ [illegible]

. . . . کوالٹی [illegible]

زردہ نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
سادہ دانہ مشکی چہارم قیمت فی سیر ۸ "
" " پنجم " " " ۴ "
" " ششم " " " [illegible] "
" " ہفتم " " " [illegible] "

پیلی پتی نقرئی و زعفرانی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
" چہارم " " " ۴ "
(سادہ) پنجم " " " ۲ "

زردہ موتی نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "

زردہ نقرئی سرخ زعفرانی پتی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
(سادہ) قسم ششم " " " [illegible]

زردہ براؤن زعفرانی پتی

سادہ قسم اول قیمت فی سیر ۳ روپیہ
قسم چہارم قیمت فی سیر [illegible]

قوام تمباکو مشکی خوشبودار نقرئی

قسم اول قیمت فی تولہ ۳ روپیہ
(طلاورق) قسم اول " " " [illegible]
" " چہارم " " " ۴

پیکڈ زردہ

بکسوں میں جو زردہ بند کیا جاتا ہے وہ بہترین قسم کا زردہ ہے۔ ذیل میں آدھ سیر کے بکسوں کی قیمت دی گئی ہے

پیکڈ زردہ خوشبودار

سیاہ پتی سرخ بکس پیکارڈ قیمت [illegible]
" سبز بکس " " ۱۲
براؤن پتی سیاہ لیبل " " [illegible]
" " سبز لیبل " " [illegible]
" " سرخ لیبل " " ۱۰
براؤن زعفرانی پتی سبز لیبل ایک پاؤ کا بکس قیمت ۹
" " سرخ لیبل " ۷

ہوائی جہاز مارکہ زردہ بکس آدھ سیر کے بکس قیمت [illegible]
ہوائی جہاز مارکہ گلابی بکس آدھ سیر ۱۲
سانپ مارکہ زردہ بکس " [illegible]

پان کے مسالے (نکٹائی مارکہ)

کھہ بلاس گلاب پھول مارکہ فی ڈبیہ ۴
" " " فی گروس ۳۶ روپیہ
پان بلاس نقرئی گولیاں فی شیشی ۶
" " " فی گروس ۵۴ روپیہ
دل بہار یعنی اسپیشل پان فی شیشی ۴
تمبل بہار نکٹائی مارکہ قسم اول فی درجن [illegible]
" " " فی گروس [illegible]
نقرئی شیشی سلور زردہ فی شیشی ۴
بیٹل سپ پڑی ڈبیہ قیمت ۴
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم اول فی سیر ۴۰ روپیہ
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم دوم فی سیر ۲۰ روپیہ
" " سوم " ۱۰
سیاہ چمکیلا سادہ خوشبودار دانہ قسم اول فی سیر ۴ روپیہ
" " قسم دوم " ۲

بیوٹی کریم سنگھڑہ والی (نکٹائی مارکہ)

اس کے استعمال سے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں اور مہاسے بالکل دور ہو جاتے ہیں جلد صاف ستھری نکل آتی ہے۔ خوبصورتی پیدا ہوتی ہے مردوں کے علاوہ عورتوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔

قیمت فی درجن ۸ فی گروس [illegible]

جہاز مارکہ خضاب (نکٹائی مارکہ)

سول ملٹری جہاز مارکہ خضاب صرف دو منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ چمکیلا اور نرم کر دیتا ہے بالکل بے ضرر اور بہت سستا ہے۔

قیمت فی شیشی ۸ فی درجن [illegible]

نکٹائی مارکہ

روغن پیپر منٹ ———
روغن دار چینی ———
روغن الائچی ———
روغن کافور ———
روغن لونگ ———
روغن لیمو ———
روغن صندل ———

روغن نورجہاں، روغن تل رنگین اور دیگر تیل، السینس سینٹ اور عطر بھی بازار میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

محمد مصطفیٰ حسین کا نام اور نکٹائی مارکہ کا لیبل مال کی عمدگی پاکیزگی اور لذت کا سرٹیفکیٹ ہے

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

منظور شدہ محکمہ تعلیم صوبہ بہار

ادارہ
عارف شنشہاوی
قیصر عثمانی

رسالہ سہیل گیا

پروپرائٹر
محمد زین العابدین احمد
شنشہاوی

جلد ۳ | جنوری سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ | نمبر ۱

تصویر . . . . قندیل کعبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سال نو ــــــــــــــــ!

خدا کا شکر ہے کہ سہیل نے اپنی زندگی کا پہلا سال ختم کیا اور دوسرے سال میں قدم رکھا ہے۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں اس کا اجرا ہوا تھا دسمبر ۱۹۳۹ء میں پورے بارہ مہینے ہوئے۔ سرزمین بہار کی شعریت اور آب و ہوا کی ناموافقت کو دیکھتے ہوئے اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ بہار کے اور رسالوں کی طرح سہیل بھی جلد ہی ٹمٹماتا ہوا روز روشن کے ہنگاموں میں گم ہو جائیگا۔ لیکن خدائے کارساز نے ان کے خیالوں کو غلط ثابت کیا اور بتا دیا کہ اگر قدردانوں کی اعانت کے ساتھ ساتھ ہمت و استقلال میں ثابت قدمی رہی تو سہیل کو فخر دوام حاصل ہو سکتا ہے۔

اس ایک سال کے عرصہ میں سہیل کی ہمتیں بہت کچھ بلند ہو چکی ہیں۔ محبان وطن نے اسکی آب و تاب کو دیکھتے ہوئے اسکی ہمت افزائی میں کافی حصہ لیا ہے۔ قدردانوں کی تعداد بفضلہ بڑھتی جا رہی ہے۔ ملک کے مشاہیر اہل قلم اس کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور اپنے رشحات سے اسکے صفحوں کی زینت بڑھا رہے ہیں۔ وہ حضرات جو سہیل کو کچھ عرصہ قبل ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ یا ایک نوخیز کلی سمجھتے ہوئے اس کی اعانت سے جھجک رہے تھے وہ بھی اب متوجہ ہو چکے ہیں۔ اور قلمی و مالی اعانت فرما رہے ہیں۔

خاص نمبر ــــــــــــــــ!

خاص نمبر کے متعلق دسمبر ۱۹۳۹ء کے لمعات میں لکھا جا چکا ہے اسلئے مزید تفصیل تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہیں۔ پھر بھی اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ انشاء اللہ یہ خاص نمبر ملک کے مایہ ناز قلمی معاونین، باہمت ناظرین اور ذی حوصلہ مرتبین کا آئینہ دار ہوگا۔ بہت سے شاہکار مضامین دفتر میں پہنچ چکے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اکثر مشاہیر اہل قلم نے دسمبر کی مصروفیتوں اور سالناموں کے سیلاب کو دیکھتے ہوئے خاص نمبر کے مضامین کے لئے معذرت خواہی کی تھی۔ لیکن وقت بڑھا دینے کے باعث وہ بھی اب مضمون بھیجنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ بقیہ اہل قلم حضرات سے بھی درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے افکار و رشحات سے سہیل کو سرفراز فرمائیں تاکہ مرتبین کو خاص نمبر کی ترتیب و انتخاب میں آسانی ہو۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ــــــــــــــــ!

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ۵۲ واں سالانہ اجلاس کلکتہ میں ۲۹، ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۳۹ء کو عالیجناب نواب کمال یار جنگ بہادر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آنریبل مسٹر اے کے فضل الحق وزیر تعلیمات بنگال مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ دونوں حضرات کے خطبات صدارت قابل ذکر

ہوتے ہیں۔ مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اگر حالات کی رفتار یہی رہی تو مسلمانوں کا تعلیمی مستقبل یقیناً ایک دن شاندار ہو کر رہیگا۔ عزیز موصوف نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کو ایک ایسی لائحۂ عمل اور مفید چیز سے متعارف کرایا ہے جس کی سعی بہتگی یقیناً اردو زبان کی ترقی و بقا میں ممد و معاون ثابت ہوگی یعنی

قادری ٹائپ ـــــــــ!

اُردو زبان کی ترقی و بقا کے سلسلہ میں جو چیز سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ وہ طباعت کا مسئلہ ہے۔ اس وقت تک دوسری زبانوں کو طباعت کے سلسلہ میں جو آسانیاں حاصل ہیں وہ شاید اردو کو نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُردو پریس اور اخبارات کی بہت بڑی کمی ہے۔ بہت سے لوگوں نے کوشش کی کہ اور زبانوں کی طرح اُردو کو بھی ٹائپ بنایا جائے لیکن اب تک اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ کام بھی اب حل ہوتا نظر آرہا ہے۔ بنگال کے ایک ہونہار نوجوان مسٹر عبد الودود بی۔ اے نے سالہا سال کی محنتوں کے بعد قادری ٹائپ کے نام سے اُردو کا ایک ٹائپ ایجاد کیا ہے۔ جو حال ہی میں ولایت سے ڈھل کر بھی آ چکا ہے۔ اس ٹائپ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسکے جوڑوں اور ٹکڑوں کی کل تعداد ۸۰ ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس ٹائپ کے الفاظ لینو ٹائپ کی مشین میں فٹ ہو گئے ہیں۔ اور اس کی مدد سے منٹوں میں کالم کے کالم اور صفحے کے صفحے کمپوز ہو سکتے ہیں اور بات کی بات میں اخبار و رسائل چھاپے اور نکالے جا سکتے ہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قادری ٹائپ کے ذریعہ "اردو ٹائپ رائٹر" بالکل آسان ہو گیا ہے۔

مندرجہ بالا خصوصیتوں کو دیکھتے ہوئے اُمید ہے کہ یہ ٹائپ ملک عالمگیر مقبولیت حاصل کریگا۔ پریس اور اخبار و رسائل والوں کا فرض ہے کہ وہ اس ٹائپ کا نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کریں اور اس کو جلد از جلد رائج کرنے کی کوشش فرمائیں۔ ملک کے قدر دان حضرات اور محبان زبان سے بھی درخواست ہے کہ وہ قادری ٹائپ کی ممکنات ترقی سے کوتاہ دستی نہ برتیں اور ہمارے نوجوان موجد مسٹر عبد الودود بی۔ اے کو موقع دیں کہ وہ اس ٹائپ میں مزید آسانیاں پیدا کر کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچا سکیں۔

سال نو ـــــــــ!

"سال نو" کے عنوان سے جناب وحشی آروی کا ایک تحقیقی مقالہ تاریخ ۲۱ ۱۱/۴۹ کو دفتر میں موصول ہوا تھا نئے سال کی مناسبت کا خیال رکھتے ہوئے اُسے جنوری کی اشاعت میں جگہ دی گئی۔ کاپی پتھر پر جا چکی تھی اور ایک پشت چھپ بھی چکا تھا کہ تاریخ ۹ ۱/۵۰ کو رسالہ محشر خیال تبادلہ میں دفتر میں پہونچا اور وہی مضمون محشر خیال میں ادارہ کی طرف سے نظر آیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا رہا۔ لیکن صفحۂ فہرست مضامین کو دیکھنے پر معلوم ہوا کہ جناب وحشی جنوری ۱۹۵۰ء سے محشر خیال کی ادارت میں شامل ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ جناب وحشی کو "سال نو" کے سہیل میں بھیجنے کا خیال نہ رہا ہو۔ اور سہواً ایسا ہو گیا ہو۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے شہر کے ہونہار نوجوان جناب قیصر عثمانی اس ماہ سے سہیل کی ادارت میں شامل ہو گئے ہیں۔ جناب موصوف غالباً اہل دنیا نا واقف نہ ہوں گے۔ آپ کے مضامین اور تراجم ملک کے اکثر و بیشتر رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میں اپنی اور کارکنان سہیل کی جانب دلی مسرتوں کا اظہار کرتا ہوں۔

"ادارہ"

سالِ نو کے نو بند

از فصیح الفصحا علامہ شفیق رضوی عماد پوری مقیم الہ آباد کے تازہ رشحات سے

(۱)

پھر نئے سر سے بہار آئے چمن میں ساقی
پھر نئے پھول کھلیں باغِ سخن میں ساقی
دَور ہو علم کا میخانۂ فن میں ساقی
دے مئے تازہ مجھے جامِ کہن میں ساقی
نور سے سینے کو عرفاں کا سفینا کر دے
دیدہ و دل کو مرے ساغر و مینا کر دے

(۲)

سالِ نو پہنے ہوئے خلعتِ نو آیا ہے
ہاتھ خالی ہے کہ ڈالی بھی کوئی لایا ہے
آسماں پر وہی اگلا سا سماں چھایا ہے
ہر زمیں پر وہی دھوپ اور وہی سایا ہے
موسموں اور مہینوں کے بھی ہیں نام وہی
دن وہی۔ رات وہی۔ صبح وہی۔ شام وہی

(۳)

چاند سورج کی ستاروں کی ہے رفتار وہی
مرکز نقطہ وہی گردش پرکار رہی
سب علامات وہی۔ سارے ہیں آثار وہی
ہیں زمانے کے سب انداز سب اطوار وہی
کیا زمیں بدلی ہے کیا چرخِ کہن بدلا ہے
سَن بدل جانے سے کیا کوئی چلن بدلا ہے

(۴)

ہیں وہی راس وہی پل نہ ٹھہرنے والے
وہی لمحے وہی گھنٹے ہیں گزرنے والے
ڈوبنے والے وہی اور ابھرنے والے
جینے والے ہیں نئے اور نہ مرنے والے
جو نفس آتا ہے آکر وہ نفس جاتا ہے
ہر برس ساتھ لئے ایک برس جاتا ہے

(۵)

کسکے آنے کی خوشی کسکے ہو جانے کا ملال
آنا جانا ہی لگا رہتا ہے ہر ساعت و سال
کس کو رخصت کریں ہم کس کا کریں استقبال
فکر ماضی ہے کبھی اور کبھی ہے غمِ حال
عکس فردا ہے ہر امروز کے آئینے میں
لطف جینے کا ہے مر مر کے فقط جینے میں

(۶)

کوئی کہتا ہے زراعت نہیں اچھی امسال
کوئی کہتا ہے تجارت پہ پڑا سخت وبال
کوئی کہتا ہے کہ بگڑا ہے بہت ملک کا حال
کوئی کہتا ہے زمیں کو ہے نیا اک بھونچال
قبل از وقت ہے بجلی سے قیامت برپا
جنگ مغرب سے ہے مشرق میں بھی آفت برپا

(۷)

الاماں موت کی ہے گرمی بازار وہی
عرصۂ جنگ وہی حملۂ پیکار وہی
ہند میں ہندو و مسلم کی ہے تکرار وہی
وہی گرداب وہی موج ہے منجدھار وہی
کہیں بیڑا نہ ہو برباد خدا خیر کرے
ناخدا کی بھی ہے فریاد خدا خیر کرے

(۸)

اے سہیل اب ہوا ہمعصروں میں شہرت تمام
شکر ہے تو نے بالخیر کیا سال تمام
جیسے پہلے ہوا آغاز کا بہتر انجام
بڑھکے اب اس سے بہتر ہو ترقی مدام
سلسلہ تیرا خریداروں کا بڑھتا جائے
اونچے زینوں پہ ہمیشہ یونہیں چڑھتا جائے

(۹)

سال نو دیتا ہے ہر سال نیا ایک سبق
رات دن دفتر ہستی کے الٹتا ہے ورق
آسمان شام و سحر رنگ بدلتا ہے شفق
پھر بھی یہ آج تک ایک ہی عقدے میں ہے طبق
کب سے ہے دور زمانے کا رہیگا کب تک
فلسفی سے نہ ہوا حل یہ معما اب تک

قطعہ

از حضرت رسا ہمدانی۔ گیاوی

سنتا ہوں اس جہاں میں عیش و مسرت بھی کوئی شے
یا دور غم ہے گردش لیل و نہار میں
اُف اتنی آفتیں۔ یہ مصائب یہ کلفتیں
قسمت بدل دیں ہم یہ نہیں اختیار میں
دل میں تو خاک اڑتی ہے اندوہ سے رسا
سرسبز خاک ہوں چمن روزگار میں

قسمتِ مشرق

دربارِ خداوندی میں تقسیم انعام کا جلسہ

از حضرت رخشان ابدالی۔ اسلام پور (پٹنہ)

اس دُنیائے بے ثبات کی تخلیق کا دوسرا دن تھا، کہ کائنات میں صدا گونجی "قدرت کی بنائی ہوئی مخلوقات! میرے گرد جمع ہو جاؤ کہ میں تمہیں صفات و خصوصیات کی دولت سے مالا مال کردوں"

دفعتہً آسمان مخلوقات سے پٹ گیا، بوڑھے، جوان، بوڑھی اور جوان عورتیں، بچیاں اور بچّے، سب ہی تھے۔۔

الٰہی بخشش میں اُن کے پلّے کیا پڑیگا، یہ تھا اُن کی سرگوشیوں کا موضوع، سرگوشی نے شوروغل کی صورت اختیار کرلی، تا اینکہ فرشتے یہ سمجھنے لگے کہ اس انسانی زندگی کا شاید آغاز ہوگیا، جسکے باب میں خدا نے پہلے دن اُن کو آگاہ کیا تھا۔ اور وہ اس گھڑی سے آثارِ قدرت کے دلکش مناظر کا مطالعہ کرینگے۔ وہ ہیبت و جلال کے مارے ساکت و صامت ہوگئے۔ وہ خاموش تھے اور اُن کے صبیح چہروں سے اس ناخوشگوار ماحول پر جس نے اُنکے نظامِ عالم ——— مہیب سکون ——— کو درہم برہم کردیا تھا" اور جس نے اس لمحہ ان کو ان کے محبوب شغل، خدائے کارساز کی عبادت سے غافل کردیا تھا، ناگواری کے آثار ظاہر تھے،

وہ ابھی اسی عالم میں تھے کہ انہوں نے اپنے سردار کی، اعماقِ قلب میں نفوذ کر جانیوالی آواز سنی ———

"مصنوعاتِ قدرت! خاموش!! خداوندِ عظیم و جبار تجلّی گستر ہوا ہی چاہتا ہے کہ تمہیں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے"۔

یہ سن کر، سب پر ایک سکوت طاری ہوگیا، ایسا بسیط سکوت کہ سارے عالمِ ملکوت میں بس صرف وہ خشوع و خضوع ہی سنا جاتا تھا" جو علیین میں فرشتوں کا نغمۂ عبادت تھا۔ سبحانک اللہم ——— سبحانک اللہم!

فرشتے، منادی سنکر، سربسجود ہوگئے اور تسبیح و تہلیل میں محو ہوگئے اور حاضرین محسوس کرنے لگے کہ شاید موعودہ وقت آگیا۔

اب ایک نورِ عظیم کا اطراف سے ظہور ہوا، سبھوں کے قلوب ہیبت سے معمور ہوگئے اور ایک نوع کا خشوع، جس سے قلب میں ایک طمانیت سی محسوس ہوتی تھی ——— حاضرین بھی ملائکہ کی تسبیح میں ممنوا ہوگئے، اور یک زبان چلائے، سبحانک اللہم ——— سبحانک اللہم! سر ادب سے جھک گئے، اور سکوت، پُرامید سکوت، پھر چھا گیا،

اب ایک آواز سنائی دی جو نامعلوم مقام سے آرہی تھی، دلوں پر ہیبت و جلال کا تسلط ہوگیا اور ایک مخصوص راہوتی نغمہ سنائی دیا:

"میری خواہش ہوئی کہ تم اُس عالم میں ہو جاؤ جسے میں نے تمہارے لئے بنایا ہے اور جہاں تمہارے لئے اسبابِ حیات مہیّا کئے ہیں ——— پھر میں نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری صورتیں گڑھیں اور میں ہوں بنانے والا، ایجاد کنندہ، بے تشبیہ و لاثانی"۔

سب چلّا اٹھے، سبحانک اللہم ——— سبحانک اللہم!

"میں نے تمہیں بلایا ہے کہ تمہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کروں اور ہر ایک کو کوئی ایسی صفت عطا کروں، کہ جس زندگی سے تم دوچار ہونیوالے ہو اس زندگی کے بنیادی ارکان کو وہ صفت، استوار

اور جو میری قسمت کے نشانات ظاہر کریگا"۔

"تو تم میں سے ہر ایک میرے سامنے آئے اور اس مجمع میں اپنا تعارف کرائے اور میں جو صفات و خصوصیات بخشنے والا ہوں اُسے قبول کرے، تمہیں ناپسندیدگی اور اعتراض کا حق نہیں ہے میں دانا اور خبردار ہوں اور تم نادان"۔

سبحانک اللہم ــــ سبحانک اللہم!

"اچھا بڑھو، سمجھ لو میں تمہاری خصوصیات کے ذریعہ تمہاری بے ثبات زندگی کی قدر و قیمت بڑھاؤنگا۔ اور ان خصوصیات سے تم اپنے نقص کی تلافی کروگے"!

خموشی طاری ہوگئی، سکون مستولی ہوگیا، سبھوں نے سمجھا امتثال امر ناگزیر ہے،

سب سے پہلے ایک صبیح نوجوان اٹھا پُرنور چہرہ، بشرہ سے دانائی اور وقار نمایاں، نرم آواز سے بولا "میں ہوں..... میرے پروردگار! میں "علم" ہوں، میرے نصیب میں کیا ہے؟"

"اے محبوب! تیرے لئے "حقیقت" ہے۔

اب ایک نوجوان عورت بڑھی، چیتے جیسی آنکھ، ببر کی سی چال، بولی "خداوندا! میں "ارادہ" ہوں"۔

"تجھکو قدرت انسانی ہوئی"۔

پھر تو مجمع ٹوٹا، ایک کے بعد ایک بڑھتا اور بخشش الٰہی سے سرفراز ہوکر کلمات شکر و تکبیر کہتا ہوا لوٹتا۔

عقل بڑھا.......... جسکو "سعادت مطلقہ"۔

کاہلی.......... کو ... "بدحالی و مسکنت"

"تدبر و علم"..........کو..... "آمیزش و کامیابی" [illegible]

نفس..........کو..... "خواہش"۔

فصاحت..........کو..... "زبان عطا ہوئی"۔

"جمال"... کو...... "کمال" ملا۔

"محبت"...... کو.... "قلب" عطا ہوا۔

"میں شاعری ہوں" ــــ ارشاد ہوا "میری کائنات میں جو کچھ ہے وہ تیرا ہے"

آنکھوں کو "کشش" عطا ہوئی اور بدبختی کو "اشک ندامت"

جھوٹ.... کو "رسوائی" ــــ

"خیانت" کو "ناگواری" اور

امانت... کو "اعتماد" عطا ہوا۔

اسکے بعد ایک جوان عورت آئی، زرہ میں چھپی ہوئی تھی اور پیٹھ سے تلوار لٹک رہی تھی، نیزہ کمر سے لٹکا ہوا تھا اور ایک ہاتھ میں ڈھال تھی، اس کا منظر عجیب تھا، زوردار آواز میں چلائی:-

"خداوندا! میں قوت ہوں"۔

"تیرے لئے حق ہے" جواب ملا۔

آخر میں ایک نوجوان، پاکیزہ رو، صاف کپڑے پہنے، آنکھوں پر خوبصورت سی عینک رکھے، بغل میں ایک بامعاشرت کی کتاب دبائے، داہنے ہاتھ میں ایک خوبصورت عصا تھامے آیا۔ خداوند اسکے درمیان دیر تک بات چیت ہوتی رہی [illegible]

خاص نمبر کے چند فسانہ و ڈرامہ نگار

حضرت ایم اسلم لاہوری۔ پروفیسر تپش ایم اے ملتان۔ جناب احسن تحسین ایم اے۔ پروفیسر اختر اورینوی ایم اے۔ حضرت شعلہ وارثی لکھنوی۔ مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی۔ جناب اختر قادری بلیاوی۔ جناب حاجی نبی احمد صاحب بریلوی۔ جناب سہیل عظیم آبادی۔ مفتی گوہر شادانی۔ جناب جی آر قیس شیخپوروی۔ جناب "شش" مظفرپوری۔ جناب نصرت آروی جناب اختر ماہ پوری۔ مسز محمودہ فاروقی [illegible] محترمہ حلیم النساء عظیم آبادی (کوئٹہ)۔ محترمہ [illegible] اول۔ محترمہ راحت آرا بیگم بنگال۔ محترمہ صغرا بیگم سبزواری۔

آخری کلمہ سنا گیا "میں تجھے بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں"

اب کوئی محروم نہ رہا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو اس کی عطا شدہ خصوصیات وصفات پر مبارکباد دے رہے تھے، جس سے شور ہونے لگا۔ فرشتوں کا سردار سب کو ہٹا رہا تھا ناگہاں دُور سے آتی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔

"اور میں! خداوندا میں! کیا تیری بخشش میں میرا حصہ نہیں ہے؟"

یہ کہتا ہوا، ایک نوجوان آیا، گرد آلود چہرہ، خاک پیراہن، ہانپتا ہوا۔ مانگنے کی جگہ پر پہنچنے کے لئے صفوں کو چیرتے پھاڑتے اُس نے دوبارہ صدا بلند کی ——

"اور میں! خداوندا میں "مشرق" ہوں —— ایشیا

—— میرے لئے کیا ہے؟

اس وقت صدائے قدرت —— کڑکتی ہوئی اور جھنجھناتی گونجی" بدنصیب! تو اب تک کہاں تھا؟"

اپنی سرزمین کے مذاہب —— کثیر مذاہب —— کی ایک جنگ کا تماشہ دیکھ رہا تھا، اسی نے صبح کی حاضری سے باز رکھا،

جواب ملا "بیوقوف! یہ مذاہب —— کثیر المذاہبی! —— کے کیا معنی مذہب تو بس ایک ہی ہے، اور وہ ہے "آپس کی محبت" اور "مواخات" کا مذہب جا!! میرے سامنے سے دور ہو!!! تیرے لئے "ناکامی" ہے —— —— جب تک تو نزاع مذہبی کا تماشائی رہے گا"

دہلی سے

شربت حیات (رجسٹرڈ)

عام جسمانی کمزوری کے لئے بیحد مفید ہے۔ قوی دماغ و مقوی باہ ہے۔ خون صالح پیدا کر کے جسم کو فربہ کرتا ہے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب کیلئے یکساں مفید ہے اور ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قیمت فی بوتل عہ

سفوف اعظم (رجسٹرڈ) یہ سفوف ریاح، سرعت، انزال، خفقان کی شکایت کو دور کر کے طاقت بڑھاتا اور اسکے پیدا ہونے نہیں دیتا۔ سیلان الرحم کے لئے بھی بیحد مفید ہے۔ قیمت ر ۱۰ خوراک ۱۲ر

اکسیر بخار (رجسٹرڈ) یہ عرق جاڑا بخار، ورم جگر، طحال اور تپ لرزہ، تپ کہنہ اور باری کا بخار اور ہر قسم کے بخار کے لئے بیحد مفید ہے۔ حرارت، اعضا شکنی، کھانسی، قبض وغیرہ کو دُور کرتا ہے۔ قیمت فی پاؤ ۱۰ر فی شیشی ۶ر (ترکیب استعمال ہمراہ دوا)۔

سرمہ حسن نظر (رجسٹرڈ) آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے مثلاً جالا، پھولا، ناخونہ، دھند، رتوندھی، آنکھوں سے پانی کا گرنا وغیرہ کیلئے اکسیر ہے۔ قیمت ۸ر

لیکوریا سیلان الرحم اور ماہواری کی تمام شکایتوں کے لئے اکسیر ہے۔

اسکے علاوہ ہمارے یہاں ہر قسم کے مفردات و مرکبات کافی مقدار میں موجود رہتا ہے۔

دواخانہ ۹۰ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ

تمام قسم کے بندوق، رائفل اور کارتوس وغیرہ کیلئے

ان۔ سی۔ ڈاڈ

کی دوکان میں ایک مرتبہ تشریف لا کر آزمائش کیجئے

ہیڈ آفس:۔ ان۔ سی۔ ڈاڈ اینڈ کو ۹ ڈلہوزی اسکوائر بجانب کلکتہ

برانچ:۔ رانی گنج، ای۔ آئی۔ آر۔ بانکی پور

از حضرتِ احسن مارہروی

ہمیں رسوا کیا خود چھپ گیا خلوت نشیں ہو کر
غضب کی شوخیاں سوجھیں کسی کو شرمگیں ہو کر

نہ مٹنے پائے خاکِ سجدہ پیوندِ زمیں ہو کر
ترا نقشِ قدم چمکے مرا نقشِ جبیں ہو کر

وہ رہتا ہے نمایاں رات دن، نور آفریں ہو کر
کبھی ماہِ مبیں بن کر کبھی مہرِ مبیں ہو کر

معاذ اللہ فرقت کی اذیت اور تنہائی
کنارہ کر گیا دل بھی مرا پہلو نشیں ہو کر

چمن میں رنگ چھایا جب تمہارے حسنِ رنگیں کا
جھکا لی شاخِ گل نے اپنی گردن شرمگیں ہو کر

چھپے وہ جب سے، اُن کی دیکھا دیکھی چشمِ ظاہر سے
تصور بھی چھپا رہتا ہے اُن کا دلنشیں ہو کر

لبِ معجز نما کا یہ کرشمہ بھی دکھا ہم کو
ترے صدقے کسی دن ہاں بھی ہو جائے نہیں ہو کر

نہ دیکھا جلوہ آرا جب نگاہِ شوق نے تجھ کو
پلٹ آئی ترے در سے نگاہِ واپسیں ہو کر

کسی محفل میں اب کیا خوش دلی کیسا بیٹھوں گا
اُٹھا ہوں تیری محفل سے بہت اندوہگیں ہو کر

شگرا ہم تو سمجھے تھے، یہ چھریاں چلکے مانیں گی
یہ تو نے کیا کیا، کیوں رہ گیا چیں بر جبیں ہو کر

میسر خاک ہوتی زیب و زینت خانۂ دل کو
بسا وہ، کب مکاں بن کر، بسے تم کب مکیں ہو کر

گزرگاہِ خیالی، تم نہ سمجھو دل کو عاشق کے
کبھی دیکھا تو ہوتا اس مکاں کو بھی مکیں ہو کر

وفاداروں کی مٹی بھی کہیں برباد ہوتی ہے؟
جمے گی خاک اُن کی تیرے کوچے میں زمیں ہو کر

تعلّی ہو کہ پستی، دونوں بے جا ہیں جو بے حد ہوں
نہ کھنچنا آسماں بن کر نہ پس جانا زمیں ہو کر

حرم کے راہ رو یا دیر کے ہوں رہ نورد احسن
عدم کو ایک دن جائینگے سب، جائیں کہیں ہو کر

تلافی — ایک دلچسپ سبق آموز افسانہ

از مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

بھارت اسٹور میں نازنین لیلا ایک اسٹول پر سرنگوں بیٹھی تجارت کو فروغ دینے کی فکروں میں غرق تھی۔ پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا کہ صبح سے شام تک خریداروں کے انتظار میں چشم براہ رہنے کے باوجود بھی کسی کسٹمر کے خیر مقدم کا موقعہ حاصل نہ ہو سکا تھا۔ وہ کاروبار کے ٹھپ ہو جانے کے باعث اپنی ملازمت کی طرف سے مایوس ہوتی جاتی تھی۔ بھیانک مستقبل اور دربدری کی ہولناک مصیبتیں آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔ یکایک کسی بھاری قدموں کی چاپ نے اُسے نیم خوابی کی حالت سے چونکا دیا۔ وہ کسی مالدار گاہک کی توقع میں کھڑی ہو گئی۔ مایوس و مغموم چہرے پر اُمیدوں کی ہلکی ہلکی سرخی دوڑنے لگی۔

آنے والا خوبصورت نوجوان تھا لیکن اُس کی میلی اور شکن در شکن پوشاک نے لیلا کی اُمیدوں کو تیز دھار چھری بن کر قطع کر دیا۔ پھر بھی نووارد کے قریب جا کر تشریف آوری کا سبب دریافت کرنا اُس کے فرائض میں داخل تھا۔ وہ بجھی ہوئی کلی کی طرح مایوسی و اُمید کو سینے میں دبائے بڑھی اور نزدیک پہنچ کر پوچھا۔ "آپ کو کیا چاہیئے جناب؟"

"مجھے ایک ملازمت کی ضرورت ہے دیوی!" نوجوان نے لیلا کی طرف رحم طلب نظروں سے تکتے ہوئے جواب دیا۔

لیلا کی رہی سہی توقع بھی برق پاش سے جل بھن کر خاکستر ہو گئی۔ وہ اپنے اسٹول کی طرف پلٹتے ہوئے بولی۔ "ہمارے اسٹور میں نئے ملازم کی گنجائش نہیں"۔

"مگر دیوی! میں تو نیا نہیں ہوں، دنیا کی ہوا کھاتے ہوئے بائیس ۲۲ سال ہو چکے ہیں"۔ نوجوان نے کامل شگفتگی کے ساتھ جواب دیا اور دو قدم آگے بڑھ کے لیلا کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

لیلا دوبارا اسٹول پر بیٹھ چکی تھی۔ نوجوان کے بیباکانہ جواب سے چونک پڑی۔ برق وش نظریں اُٹھیں اور شوخ طبع ملازمت خواہ کی صورت پر جم گئیں۔ وہاں شباب کی رعنائیوں میں اُمیدوں کے اختلاط کے سوا کوئی علامت نہ تھی۔ چند لمحہ توقف کر کے اُس نے کہا۔ "ہاں یہ تو تمہارے بشرے سے ظاہر ہے۔ لیکن اس اسٹور میں تمہارے داخلے کا یہ پہلا ہی موقع ہے"۔

"بالکل سچ ہے دیوی! نوجوان نے فی الفور جواب دیا۔ "کئی دنوں تک اسٹور کا کام کرنے کی مشق کرتا رہا ہوں اور اب اس قابل ہو چکا ہوں کہ تمام کاموں کو نہایت حسن و خوبی سے انجام دے سکوں"۔

"شاید ——" لیلا نے پس و پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دیوی! شاید نہیں یقیناً۔ نوجوان نے لیلا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں آپ کی اسٹور کو خریداروں سے بھر دوں گا۔ ایک روز میں اتنی بکری ہو گی جو ایک ایک سال میں نہ ہوئی ہو گی اس لئے —— صرف اس لئے مجھے ملازمت

ضروری بلکہ لابدی ہے اور یہ بھی سُن لیجئے کہ مجھے کثیر تنخواہ کی ضرورت نہیں صرف بیس روپے ایک مہینہ کی ضروریات کو کافی ہونگے جو کثیر آمدنی کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہیں ـــــ بس بس! اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے اسی وقت سے کام جاری کر دینا چاہیئے۔"

"ٹھہرو ـــــــ میں تو صرف ملازم کی حیثیت رکھتی ہوں" لیلا نے معذوری ظاہر کی۔

"کچھ مضائقہ نہیں۔ جوان نے کہا۔ آپ کی زبان سے ادا ہونے والی چند لفظیں مالک کے موم کر دینے کو کافی ہیں ـــــ ہاں فرمایئے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

نوجوان کا نام جوتندر ناتھ تھا لیکن عموماً جوتن کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اُس کی بیباکانہ گفتگو نے لیلا کو مجبور کر دیا کہ وہ اسٹور کے مالک سے سفارشی طور پر کچھ کہے اور جوتن کو کام دلانے میں مساعی ہو۔ ایسا ہی ہوا بھی۔ اگرچہ اسباب و علل اُس کے کاروبار کو دیوالے کی طرف لئے جا رہے تھے، نقصانات کا سلسلہ جاری تھا تاہم ساکھ قائم رکھنا ضروری چیز تھی۔ اُس کو تجربے نے بتا دیا تھا کہ ان حالات میں ظاہری ٹیم ٹام بڑھا دینا عمدہ اثر رکھتا ہے۔ بہرکیف جوتن کو کنویسنگ کی خدمت دیدی گئی اور اُس نے کام جاری کر دیا۔

بظاہر آٹھ روز تک صبح سے شام تک بیل کی طرح جُتے رہنے کے باوجود ایک پیسہ کی بھی فرمائش حاصل نہ کر سکا! ایک دن دوپہر ڈھلے اسٹور واپس آیا تو حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی، سُرخ و سفید چہرے کو دھوپ کی شدت نے جُھلس ڈالا تھا، جوتے کے تلے میں بڑے بڑے سوراخ ہو گئے تھے اور پاؤں میں کئی کئی چھالے پڑ چکے تھے۔

اسٹور میں داخل ہوتے ہی کرسی پر گر پڑا۔ تکان کے مارے رگ رگ ٹوٹ رہی تھی۔ دورانِ سر کی شدت سے سر پھٹا جاتا تھا۔ اُس پر مایوسی نے اور بھی شکستہ خاطر کر دیا تھا۔

لیلا نے ہمدردی کی نظروں سے دیکھا۔ اسٹول سے اُٹھ کر برقی پنکھے کا سوئچ کھول دیا۔ بجلی پر بسنتی کی طرح ناچنے لگے۔ پسینے سے تر اور جسم میں ٹھنڈی ہوا لگی تو جان میں جان سی آگئی۔ نیم وا آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ اور جوتن تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچانے میں مصروف ہو گیا۔

"تمہارے واسطے چائے بنا لاؤں؟" لیلا نے مزید ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے بہت تھک گئے ہو۔"

"بہت بہت شکریہ" جوتن نے آنکھیں بند کئے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت چائے سے زیادہ سکون کی ضرورت ہے۔"

لیلا پھر اسٹول پر جا بیٹھی۔ اسٹور کے دروازے حسرت نصیب عاشق کی خالی آغوش کے مانند کھلے ہوئے خریداروں کے منتظر تھے۔ برابر کی تمام دکانوں میں خریداروں کی بھیڑ تھی لیکن ادھر کوئی رُخ بھی نہ کرتا تھا اس لئے لیلا کو بیٹھے رہنے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ خاموش رہ کر اُس نے کہا "مسٹر جوتن! تمہارے آرڈر وصول کرنے کے وہ بلند بانگ دعوے کیا ہوئے؟ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے اس وقت تک اسٹور کو تمہاری بدولت ایک پیسہ کا بھی فائدہ نہیں ہوا ہے۔"

"میری محنت و کوشش تمہاری باریک بیں نگاہوں سے مخفی نہیں۔ جوتن نے بجبر مُندی ہوئی آنکھیں کھول کے جواب دیا۔ مگر جس کسی سے تحریک کرتا ہوں وہ ٹکرا تو ٹکرا ہاتھ میں رکھ دیتا ہے!"

"چند روز اور یہی حالت رہی تو۔ لیلا نے ہولناک مستقبل کے خیال سے لرز کر کہا۔ ہم لوگوں کو کہیں اور کام تلاش کرنا ہوگا۔"

"میں بھی کچھ ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔" جوتن ہاتھوں سے سر

دباتے ہوئے بولا۔

"سمجھے تو۔ لیلانے خودداراندانہ شان سے کہا۔ دکان دکان کام کی بھیک مانگنا اچھا نہیں لگتا"۔

"پھر اس کا علاج ہی کیا ہے؟" جوتن نے مجبوری کا اظہار کیا۔

"اگر کہیں سے۔ لیلانے سرگوشی کے طور پر کہنا شروع کیا۔ روپیے کی امداد مل جائے تو حالت سنبھل سکتی ہے"۔

"روپیے کی امداد؟ جوتن نے کرسی پر سنبھلتے ہوئے کہا۔ بھلا! روپیہ کیا کرے گا؟"

"بہت کچھ کریگا مسٹر جوتن! لیلا بولی۔ بات یہ ہے کہ مالک کے ذمہ بازار کا بہت قرضہ ہو گیا ہے۔ اگر تھوڑا تھوڑا مطالبہ تاجروں کو وصول ہو جائے تو پھر ساکھ قائم ہو جائیگی۔ اور کام چل نکلے گا"۔

"تم چاہو تو۔ جوتن نے غور کرتے ہوئے کہا۔ یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے"۔

"میں چاہوں!" لیلانے انتہائے تعجب سے سوال کیا۔

"ہاں، تم"۔ جوتن نے زور دے کر کہا۔

"کیسے؟ لیلانے دریافت کیا۔

"مسٹر جوگندر ناتھ بوس کے پاس چلی جاؤ تو۔ جوتن نے بتایا۔ دس پانچ ہزار بڑی آسانی سے لا سکتی ہو"۔

لیلا کے حسین تیوروں پر بل پڑ گئے۔ گلابی رخساروں پر نفرت و حقارت، جھلکنے لگی اُس نے غیظ و غضب سے ہاتھوں کی دونوں مٹھیاں باندھتے ہوئے کہا "جوگندر؟ دوسروں کی جائداد ہڑپ کر جانے والا کیرا اسے طوفان حوادث میں پھنسی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی ہمت کہاں؟ مجھے اُس کے نام سے نفرت ہے جوتن! اُس نے میری خاوندی املاک پر قبضہ کر کے دوسروں کی تابعداری پر مجبور کر دیا ہے۔ اُف! اس وقت جب دم توڑتے ہوئے پتاجی گڑگڑا گڑگڑا کر رحم کی درخواست کر رہے تھے اور غریبوں کے خون کا قطرہ قطرہ چوس لینے والی جونک ایک لمحہ کی مہلت دینے کو تیار نہ تھی۔ یہاں تک کہ پتاجی اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکے۔ ابھی اُن کی چتا کا دھواں دینے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے گھر سے بے گھر ہونا پڑا! لیکن ——— لیکن عورت کا انتقام سخت ہوا کرتا ہے"۔

جب لیلا کے غیظ و غضب کا سیلاب جوش و خروش سے بہہ رہا تھا تو جوتن چپ چاپ اُسکی صورت تک رہا تھا جیسے قلبی جذبات کا رنگین انعکاس عجیب مرعوب کن حسن سے معمور کر رہا تھا۔ وہ اُس وقت تک مہر بر لب رہا جب تک بولتی رہی۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی نرم و شیریں لہجے میں بولا۔ لیلا دیوی! تم یقیناً غلط فہمی کا شکار ہوئی ہو حالانکہ جوگندر کی شریفانہ سخاوتیں افسانہ بن رہی ہیں ——— ہو سکتا ہے کسی کارندے کی سہل انکاری نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہو، تاہم جوگندر اس کوتاہی سے متاسف ضرور ہوگا۔ گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے۔ اگر جوگندر نہ سہی کوئی دوسرا ہی سہی تمہارے واسطے ——— صرف تمہارے واسطے کوشش کرونگا کہ روپیے کا انتظام ہو جائے۔

خاص نمبر کے چند مقالہ نگار

ادیب جلیل جناب سید وصی احمد بلگرامی۔ رئیس الاحرار حضرت ہرف اجتہادی لکھنوی۔ جناب مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔ جناب پروفیسر محفوظ الحق صاحب ایم۔ اے جناب پروفیسر طاہر رضوی صاحب ایم۔ اے۔ جناب مولانا عبدالمالک صاحب آروی۔ حضرت مانپوری۔ جناب عطاء اللہ صاحب پالوی۔ حضرت حمید عظیم آبادی جناب سید رضا قاسم صاحب مختار۔ جناب رفعتان صاحب ابدالی۔ جناب مسلم عظیم صاحب

جناب ولی الرحمٰن صاحب حمادی

جوتن نے جو کہا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔ ساحرانہ عنوان سے روپیہ فراہم کیا اور کاروبار ایک دفعہ پھر سابقہ زور و شور سے جاری ہو گیا معمولی کنویسر کی اتنی قیمتی ہمدردی نے اسٹور کے مالک کو خرید لیا اُس نے احسان مندی کے احساس میں جوتن کو شیئر ہولڈر کی حیثیت دینا چاہی۔ خود لیلا نے بھی اپنی حسین سفارشوں سے مجبور کیا لیکن جوتن کی شرافتِ نفس نے منظور نہ کیا۔ وہی تیس روپیوں کی معمولی رقم جو ابتدا میں اُس کے مصارف کے واسطے تجویز کی تھی ماہ بماہ وصول کرتا رہا۔

ایک ساتھ کام کرنے کے باعث لیلا سے میل جول اور بے تکلفی بڑھتی گئی اور اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ باہمی تعلقات مخفی محبت کے رشتہ میں جکڑنے لگے۔ جوتن کی شگفتہ گفتگو، شرافت کی شیرینی میں ڈوبے ہوئے دلچسپ جملے، سنجیدہ مذاق اور دل آویز شوخیاں لیلا کے معصوم دل میں نقش بن کر گھر کرنے لگیں اور وہ جوتن کی غیر حاضری میں درپردہ بے چینی سی محسوس کرنے لگی۔

نہ معلوم جوتن اُس کی جانب سے کیسے خیالات کو دل میں جگہ دیئے تھا؟ اُس نے کم و بیش چھ مہینے کی یکجائی اور صحبت میں جس اُصول کی پیروی کی وہ اتنا مخلصانہ اور بے غرض تھا کہ نقاد و تبصرہ کرنے والی نگاہیں کسی یقینی نتیجے تک رسائی حاصل کرنے سے قطعی قاصر تھیں۔ اور تو اور خود لیلا بھی اُس کی جذباتی کیفیت سے ناواقف تھی۔

اُن دونوں کا وقت بڑے لطف سے کٹ رہا تھا گاہے ماہے اسٹور کے کام سے فارغ ہو کر دونوں ساتھ ساتھ نکلتے، حسین تفریح گاہوں کی سیر سے مسرت اندوز ہوتے اور جب واپس ہوتے تو اُن کے قلوب سکے پیالے چھلک چھلک اُٹھتے۔

جوتن کی خالص ناز برداریوں نے لیلا کے اُٹھتے ہوئے شباب کی اُمنگوں میں غیر محسوس عنوان سے نئی نئی خواہشات کی تخلیق شروع کر دی تھی۔ جب کسی خوش نصیب ہوتے کو فینسی ڈریس میں موٹر کار پر برقی چمک کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گزرتے دیکھتی تھی تو خود بھی اُسی طرح گھومنے پھرنے کی تمنائیں کرنے لگتی تھی۔ سنجیدہ اخلاق کے احساس نے سمجھا دیا تھا کہ رنگین دنیا کی رنگین لذتیں صرف اُن لوگوں کیلئے وقف ہیں جنہیں اقتصادیات نے ان دلچسپیوں کو خریدنے کی قدرت عطا کر دی ہے۔ نادار ہستیوں کا اِن مسرتوں میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔

بسا اوقات وہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکنے کے باعث غیر ارادی طور پر کوئی کلمہ ایسا کہہ بیٹھتی تھی جس سے اُس کی آرزوئے تعیش بے نقاب ہو جاتی تھی۔ جوتن اُسے ڈھارس دیتا اور کہتا تھا کہ "نہ گھبراؤ لیلا! بھگوان تمہاری یہ آشائیں ضرور پوری کریں گے"۔ وہ بڑی حسرت کیساتھ آسمان کو دیکھتی اور دبی ہوئی ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو جاتی تھی۔

تقریباً ایک سال گزر گیا۔ اس درمیان میں جوتن نے اُس کی اکثر چھوٹی چھوٹی آرزوئیں پوری کرنے میں اپنی کمائی کا بڑا حصہ صرف کر دیا اُس نے بارہا کسی نہ کسی موٹر کار پر بٹھا کر تفریح گاہوں کی سیر کرائی سینما گھروں کے تازہ بتازہ فلم دکھائے اور متعدد بار ہوٹلوں میں بٹھا کر ڈنر کھلائے بقدرِ حیثیت لباس بھی فراہم کیا اور جھوٹے زیورات کے تحائف بھی پیش کئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ پُراسرار طریقے سے کبھی کبھی وہ غائب بھی ہو جایا کرتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسے موقعے فراہم ہوئے جب خود اُسکے مالک نے اُسے اسٹور میں رہنے کی دعوت دی مگر جوتن نے اس دعوت کو نامنظور کر دیا! زیادہ مصر ہونے پر ملازمت سے کنارہ کشی تک اختیار کرنے پر آمادہ ہو گیا! حالانکہ لیلا نے بھی مقدور بھر اُسے روکنے کی سعی کی۔ عدم منظوری پر دل شکنی کا اظہار کیا پھر بھی جوتن نے ناقابل قبول معذرت کی بنا پر اُن خواہشات کو رد کر دیا!

یہی واقعات تھے جن سے لیلا اور اسٹور کے مالک کیلئے جوتن کی ذات ایک لاینحل معمہ بن کے رہ گئی تھی اور اُن کی راز جوئی کا شوق

ترقی پذیر ہو کر جوتن کا وہ ٹھکانا تلاش کرنا چاہتا تھا جہاں وہ راتیں بسر کرنے کا عادی تھا۔

تجربہ شاہد ہے کہ دونوں نے متفقہ طور سے جاسوسی اور سراغ رسی کا امکانی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مگر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ البتہ عملی اتحاد نے اسٹور کے مالک پر لیلا کی نیکیاں، پاکبازی اور فطری شرافت کا سکّہ جما دیا۔ غیر معمولی حسن و شباب نے اُس کے قلب میں عشق کی سوزش پیدا کر دی۔ اگرچہ زندگی کی ڈھلتی ہوئی دوپہر تھی۔ جوشِ شباب کو آمدِ پیری کے اثرات نے دبا کر سرد کر دیا تھا تاہم حسن کی گرمی نے پھر منجمد لہو کو پگھلانا شروع کر دیا۔

اوّل اوّل تو اُس نے قلبی واردات کی پردہ داری کرنا چاہی لیکن بڑھاپے کی کمزوریاں خود بخود مغلوب ہونے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ خواہشات کا بندہ بن کر ایک رات لیلا کی خواب گاہ میں حاضر ہو گیا۔

کوئی گرگِ باراں دیدہ کسی سادہ لوح نازنین کو شیشے میں اُتارنے کے لئے جیسے سبز باغ دکھا سکتا ہے اسٹور کے مالک نے اُس میں کمی نہ کی۔ لاکھوں کی جائداد و املاک اُس کے خوبصورت قدموں پر ڈال دینے کا اقرار کیا۔ اُس پر شدید عہد و مواعید کی مہریں لگائیں اور گھر کی رانی بن جانے پر مجبور کرنا چاہا۔ ساتھ ہی ساتھ نامنظوری کی صورت میں ملازمت سے علٰحدہ کر دینے کی دھمکی بھی دیدی جو فکرِ معاش کے بندھنوں میں جکڑ دینے والی تھی۔

لیلا کے لئے یہ واقعہ نہایت نازک تھا۔ وہ جانتی تھی کہ دنیا کی وسعتیں ایک کمزور اور ناتجربہ کار عورت پر تنگ تر ہیں۔ چند روز پہلے جب ملازمت کی جستجو میں دردر کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی تھی تو کوئی سیدھے منہ بات کرنے کا روادار نہ تھا۔ معلوم کتنی زحمتیں برداشت کرنے کے بعد اسٹور میں توڑ نکلنے کا سہارا ہوا تھا۔ اب یہاں سے نکلنے پر نہ جانے کیا کچھ پیش آئے؟

اُس نے اپنے دل کو بہت ٹٹولا مگر وہ ایک ادھیڑ عمر کے مرد کی دولت پر نہ ریجھ سکا۔ جواہرات کی ضوفشانیاں اور سیم و زر کی جگمگاہٹیں اُس کی معصوم نگاہوں کو خیرہ کرنے سے قاصر رہیں۔ اُس نے کئی فکر پرورد راتیں کامل غور و خوض میں جاگ جاگ کر گزار دیں بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ اس بات میں جوتن سے مشورہ طلب کرنا چاہئے۔ یقیناً اُس کی رائے صائب ہوگی۔ چنانچہ ایک دن جب دونوں دریا کے کنارے چہل قدمی کرنے میں مصروف تھے اُس نے تمام واقعات بیان کر دیئے۔

معلوم ہوتا ہے کسی مخصوص طریقے سے جوتن نے ان اُمور کو دریافت کر لیا تھا۔ اُس نے کسی قسم کی حیرت ظاہر کئے بغیر شروع سے آخر تک لیلا کی گفتگو سنی۔ پھر مخصوص انداز میں کہا۔ "لیلا! اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے کہ تم اتنی بڑی اسٹور کی مالکہ بن جاؤ گی؟ جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا ہونے والا شوہر پختہ کار ہے۔ اُس کی جوانی تم سے پہلے ہونے والی بیویوں کی مزاج دانی میں بسر ہوئی ہے۔ وہ عمر کا بڑا حصہ عورتوں میں صرف کرنے کے بعد اس قابل ہو گیا ہے کہ تمہارے جذبات کا احترام کر سکے۔ میرا گمان ہے کہ اُس سے بیاہ رچا کے تمہیں جسمانی تکلیفوں کا سامنا نہ ہوگا۔"

"سچ کہتے ہو جوتن!" لیلا نے جواب دیا "لیکن سن و سال کے تفاوت پر بھی تو نگاہ کرو۔ فرض کرو وہ جوان و خوش حال بھی ہو تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ عورت ذات صرف ایک مرد سے محبت کر سکتی ہے۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ شدائد کا زمانہ بھی ہنس ہنس کر کاٹ لے جائیگی۔ برخلاف اس کے دولتوں کے ڈھیر اُسے ہمیشہ مبتلائے آلام رکھیں گے۔ اس صورت میں کہ جب اُس کا دل قبول نہ کرتا ہو وہ اُسے راحت و آسائش کی طرح میں قبول کر لے۔"

"آخر! یہ سب واہیات ہے لیلا!" جوتن نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

زندگی وہی زندگی ہے جس میں تن آسانی اور تنعم حاصل ہو۔ فرض کرو کہ میں تم سے کہوں کہ لیلا! مجھے تمہاری لازوال محبت نے بیقرار کر رکھا ہے۔ اگر تم نے اپنی ناز برداری کے لئے مجھے انتخاب کر لیا تو میں سچے پجاری کی طرح تمہاری پرستش کروں گا۔ تم کو ہمیشہ من مندر کی دیوی بناکے رکھوں گا وغیرہ وغیرہ تو کیا تم کو یہ دریافت کرنے کا حق نہ ہوگا کہ تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم میرے لئے قیمتی زیورات نفیس ملبوسات، عالیشان محلات اور شاندار موٹریں کہاں سے لاؤگے؟"

"بالکل نہیں جوتن! لیلا نے بات کاٹ کے جواب دیا۔ میں ہرگز ایسے خودغرضانہ سوالات سے تمہارے جذبات کی توہین نہیں کر سکتی۔ میں اُنکی قدر کرونگی۔ میں اصرار کروں گی کہ تم زیادہ سے زیادہ محنتی اور جفاکش بنو کہ جائز طریقے سے وہ سامان فراہم ہو سکے جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے مجھے اُمید ہے کہ تمہارے بڑھتے ہوئے حوصلے اور اُبلتا ہوا جوش اُس ترقی کے زینے پر لا کھڑا کریگا جہاں سے اس لطیف خواب کی تعبیر شروع ہوتی ہے۔"

"نہیں لیلا! تم غلطی پر ہو۔ جوتن بولا۔ ایک مفلس تلاش محض بیس۲۰ روپئے میں تضیع اوقات کرنے والا کبھی ایسا خیال نہیں کر سکتا تم اس سنہری موقعہ کو ضائع نہ کرو، فی الفور اپنی رضامندی کی اطلاع دیدو اگر وقت نکل گیا تو پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔"

لیلا نے اپنی جیب سے ایک کھلا ہوا لفافہ نکالا اور جوتن کو دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری رائے سے متفق نہیں ہو سکتی جوتن! میں اُن عورتوں میں ایک ہوں جو اپنے پاکیزہ جذبات کی قدر کرنا جانتی ہیں۔ میں نے مسلسل کئی راتیں غور کرنے میں بسر کی ہیں۔ پھر جس نتیجے پر پہنچی ہوں وہ اس استعفے کی صورت میں اسٹور کے مالک کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں۔ کل سے میں آزاد ہوں اگر تم مجھے کوئی کام دلا سکو تو مہربانی ہوگی۔"

جوتن نے استعفا پڑھا پھر واپس کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ تمہیں اس جلد بازی کا سخت خمیازہ اُٹھانا پڑیگا۔"

"جو کچھ ہو جوتن! لیلا نے جواب دیا۔ اب تو میں نے فیصلہ کر ہی لیا ہے۔"

لیلا نے ملازمت ترک کردی۔ جوتن بھی اسٹور سے علٰحدہ ہوگیا مگر اسے زیادہ عرصہ تک بیکار نہ رہنا پڑا۔ بہت جلد کسی امیر کے یہاں موٹر ڈرائیوری میں جگہ مل گئی۔ البتہ لیلا کو انتہائی کوشش کے باوجود بھی کہیں کام نہ مل سکا۔ اس نے کفایت شعاری کے ذریعہ سے جتنا اندوختہ جمع کیا تھا بیٹھے بیٹھے ختم کردیا۔ حتیٰ کہ کھانے پینے کی زحمتیں شروع ہوگئیں۔ تاہم اُس نے کوئی بددلی محسوس نہیں کی۔ اسٹور کا مالک در پردہ اُس کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا مصیبتوں کے نزول سے خبردار ہوکے اُس نے پھر مطالبات پیش کرنے کا آغاز کردیا۔ لیکن لیلا نے ایک دفعہ جو فیصلہ کر لیا تھا اُس فیصلے پر استقلال سے جمی رہی۔ اُس کے انکار نے اقرار کی صورت میں تبدیل ہوجانا کبھی منظور نہ کیا۔

آخر ایک زمانہ ایسا آگیا کہ جوتن کو اپنے آقا کے ساتھ سفر میں جانا پڑا اور کامل چھ مہینے تک باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس درمیان میں وہ اس درجہ معروف رہا کہ لیلا کو ایک مختصر سا خط بھی بھیج کر اپنی حالت سے مطلع نہ کرسکا اور لیلا کو اُس کی جانب سے مایوس ہوجانا پڑا۔

مفلسی کا زمانہ امتحان کا زمانہ ہوتا ہے۔ کھانے پہننے اور رہنے سہنے کی تکلیفوں کے علاوہ اسکی صحت کی طرف سے بھی جواب ملنے لگا۔ آئے دن کی علالت سے رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ صاحب فراش ہوگئی۔

غریب علاج معالجہ تو ایک طرف روٹیوں سے محروم ہوگئی۔

ایک دن جب بخار ۱۰۵ ڈگری پر تھا، فاقہ کشی نے لاغر سے لاغر تر کر دیا تھا اسٹور کا مالک عیادت کے واسطے آیا اور لیلا سے اس کی خیریت کا استفسار کیا۔ لیلا نے نیم غشی کے عالم میں وہی جواب دیا جو اُسے دینا چاہئے تھا۔

اسٹور کے مالک نے وقت کی نزاکت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیلا! تم نے نادانی سے میری بات نہ مان کر اپنے لئے خود ہی مصیبتیں مول لیں۔ تاہم وقت ہے کہ میری آغوش محبت میں پناہ لیکر ان مصائب سے محفوظ ہو جاؤ۔ میں تمہاری وہی قدر کروں گا۔ جو باغبان پھولوں کی یا جوہری موتیوں کی قدر کرتا ہے۔ میری بے انتہا دولت تمہاری مسرتوں پر قربان ہونے کو تیار ہے۔ صرف تمہاری منظوری کی دیر ہے"۔

لیلا بے بس اور مجبور تھی۔ تاہم اُس کے تیور پر بل پڑ گئے اُس نے غصے سے تھرتھراتے ہوئے اُسے فوراً چلے جانے کا حکم دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

چھ مہینے کے بعد جوتن واپس آ گیا۔ وہ کافی روپیہ کما کر لایا تھا۔ روز ایک ڈاکٹر معالجہ کی غرض سے آنے لگا۔ ایک نرس چوبیس گھنٹے تیمارداری کو موجود رہنے لگی اور مرض کا زور گھٹنے لگا۔

چند روز بعد ہی لیلا کی صحت تمام گمشدہ رعنائیوں کے ساتھ واپس آ گئی اور دونوں کو محسوس ہونے لگا کہ وہ آئندہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں رہ سکتے۔ محبت کے پاک رشتے نے دونوں کے دلوں کو متحد و متفق کر دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ مذہبی رسوم پر عمل پیرا ہو کے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے وابستہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک شبھ لگن میں دونوں کی شادی ہو گئی۔

بیاہ کے بعد جب دولہا، دلہن حجلۂ عروسی میں داخل ہوئے تو جوتن نے کاغذات کا ایک پیکٹ ہاتھوں پر رکھ کر نذر کے طور پر پیش کیا۔

"یہ کیا ہے جوتن؟" لیلا نے کسی قدر تعجب آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری موروثی جائداد کا ہبہ نامہ۔ جوتن نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔ لیلا! یہ تحفہ ہوں کی تلافی کے طور پر پیش کر رہا ہوں"۔

"میں سمجھی نہیں"۔ لیلا نے متحیر نظروں سے جوتن کا منہ تاکتے ہوئے کہا۔

"مجھے خوف ہے۔ جوتن بدستور سر جھکائے ہوئے بولا۔ کہ تم خفا نہ ہو جاؤ"۔

"نہیں جوتن! لیلا نے پُر محبت انداز سے جواب دیا۔ یہ وقت خفا ہونے کا نہیں ہے"۔

"تو کیا۔ جوتن نے پوچھا۔ تم وہ باتیں سننا چاہتی ہو؟"

"ہاں، ہاں۔ لیلا بولی۔ میں اس معمہ کا حل دریافت کرنا چاہتی ہوں"۔

"اچھا، تو سنو۔ جوتن نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ جو گندر کی عدم واقفیت میں اُس کے اٹرنی نے تمہاری جائداد نیلام کرا کے تم کو بے گھر کر دیا۔ جب اُسے معلوم ہوا تو اُس نے ساری جائداد واپس کر دینے کا حکم دیا مگر تم نجانے کہاں غائب ہو چکی تھیں۔ ممکن ہے کارندوں نے تلاش کرنے میں تساہل سے کام لیا ہو۔ بہرکیف کسی ایسے جذبہ کے ماتحت جس سے وہ خود بھی انجان تھا تمہیں ڈھونڈھ کر جائداد واپس کر دینے کی قسم کھائی۔ مسلسل کئی ہفتوں کی سعی میں ایک روز تم کو دیکھ پایا۔ اور معصوم صورت پر نگاہ ڈالتے ہی نثار نثار ہو گیا۔ ساتھ ہی تمہاری فطری خوبیاں اور اخلاقی محاسن دریافت کرنے کے واسطے کلرک کی حیثیت سے اسٹور کی ملازمت اختیار کر لی۔ دن کو اسٹور میں کام کرتا، رات کو اپنے محل میں آرام کرنے جاتا تھا۔

پندروز میں اُس نے تمہارے مخفی جوہروں کو پرکھ لیا۔ حسنِ اتفاق سے
قوی مگر سخت آزمائش کا موقعہ بھی حاصل ہوگیا۔ اُس نے اشنو کے ملک
کی بدامنی سے فائدہ اُٹھاکر تمہاری محبت کا امتحان لیا اور اب وہ
تم سی شریف، نیک نہاد اور وفاشعار بیوی پاکر اپنے بخت رسا پر جتنا
بھی فخر و ناز کرے وہ کم ہے۔"

لیلا بت بنی اس کی تقریر کو سن رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جلد جلد
رازسے پردے اُٹھ رہے تھے اور وہ نئی نئی معلومات سے بہرہ ور
ہو رہی ہے۔

جب جوتن اپنا بیان ختم کرچکا تو بے اختیار اُس کی زبان پر
جاری ہوگیا۔ "آہ! تو کیا تم جوتن نہیں بلکہ وہی جوگندر ناتھ ہو
جس ——————"

"ہاں، ہاں۔ جوتن نے بات کاٹ کے جواب دیا۔ میں وہی
جوگندر ہوں جس کی مبارک غفلتوں نے تم کو زحمتوں میں مبتلا کیا لیکن بعد
میں مجھے ایک ایسا انمول رتن دلوا دیا جس کی قیمت دنیا کا کوئی خزانہ
ادا نہیں کرسکتا۔"

"ایسا نہ کہو جوتن! لیلا نے جوش و غرور سے کہا۔ تم چاہے
کوئی بھی ہو لیکن میرے واسطے جوتن ہی بنے رہو۔ مجھے جوتن ہی کی ضرورت ہے کسی
جوگن کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں، ہاں پریم پیاری لیلا! جوتن نے محبت پاش لہجہ میں جواب دیا۔
میں دنیا بھر کے لئے جوگندر رہی لیکن تمہارے واسطے وہی جوتن بنا ہونگا۔"

کسی قومی جذبہ نے غیر ارادی طور سے دونوں کو ہم آغوش
کر دیا اور ان کی بیتاب روحیں جہانِ محبت کی سیر
میں گم ہوگئیں۔"

قائم شدہ ۱۸۷۵ء

ایک نظر ادھر بھی

فصل خزاں ہو صبر کہ فصل بہار ہو　　سنسان دشت یا چمنِ لالہ زار ہو
تمباکو کے دھوئیں کی کرامت تو دیکھئے　　پہنچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

کیا آپ تمباکو کا شوق رکھتے ہیں تو گیا کے اس کارخانے کا تمباکو پیجئے جو پینے میں اعلیٰ خوشبو میں نرالا پیتے ہی طبیعت کو مست بنانیوالا جگر کو تازگی و دل کو تراوٹ پہنچانیوالا نہایت پایہ کی خوشبو رکھنے والا اسکی نہایت میٹھی خوشبو کے سامنے گیا کے کل تمباکو پھیکے پڑ گئے ہیں جس خمیرہ کی پیاری خوشبو سے آپ خود اور آپکے دوست حیرت میں ہوجائینگے جس کو نہایت صفائی کیساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ خوبی تو یہ ہے کہ بہت دیر تک تمباکو جلتے ہوئے بھی اگر جلنے کا نام نہیں۔ اسی لئے تو ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے۔ صرف ایک بار آزمائش کریں۔ فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔

تمباکو منگانے کا پتہ یہ ہے
کرامت میاں تمباکو کارخانہ گیا

ہیڈ آفس:- پرانی گودام گیا　　　　برانچ آفس:- کچہری روڈ گیا۔

قائدِ اعظم مسٹر محمد علی جناح

فرماتے ہیں

"تمہاری سیاسی برتری تمہاری تنظیم میں پوشیدہ ہے"

ہم بھی یہی کہتے ہیں

"تمہاری اقتصادی ابتری صرف تمہارے انتشار کے سبب ہے

دولت کی فراوانی

اگر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے پیسوں کو منظم شکل میں کچھ کرنے دو"

شیرِ بنگال مسٹر اے۔ کے فضل حق

لیگرین سیمنٹ فیکٹری کے ہیڈ آفس کے معائنہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں

".............میں بلا تامل کہونگا کہ اس آفس کے تجارتی ماحول سے میں بے حد متاثر ہوا اُس کے ارباب اقتدار کافی دور اندیشی سے کام لے رہے ہیں اور اعلیٰ تجارتی اصول پر عمل نظر آتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ہو کر رہیں گے اور مجھے توقع ہے کہ مستقبل قریب میں یہ مارکٹ میں نیا قدم جمالینگے۔"

ہمارے شیئر آرگنائزرس مسرس رحمٰن برادرس کا آفس پٹنہ میں سائنس کالج کے سامنے گن گن سنگھ لین میں ہے کمپنی کے متعلق مفصل معلومات، پراسکٹس ودیگر کاغذات آپ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے ساتھ اپنے پیسوں کی بھی تنظیم کیجئے۔ حصے **تیزی** کے ساتھ بکتے چلے جا رہے ہیں۔

جلد درخواست کیجئے

غزل

از حضرت علامہ آرزو لکھنوی

اک بیخودیِ الفت کو اچھا نہیں ہوش آنا
منزل سے ہٹا دیگا رستے کا بدل جانا

دیوانگیِ دل کا بے ربط سا افسانہ
ہنس ہنس کے سنا پہلے سمجھے تو بُرا مانا

تو رمزِ محبّت کو خود سمجھا ہے کیا ناصح
پہلے تو سمجھنا ہے بعد اسکے ہے سمجھانا

اے عمرِ رواں تجکو اک روز تھکا دے گا
ہر سانس کا سینہ تک آ آ کے پلٹ جانا

خودداری و بیتابی یہ فیصلہ کرتی ہے
بے پر ہے تو ہے شعلہ پر ہیں تو ہے پروانا

اے درد بدل کروٹ دلِ مردہ سی بہتر ہے
موقوف تجھی پر ہے پیغامِ عمل لانا

مستی میں بلا نوشی ہے کیف کی بے کیفی
چھلکے ہوئے ساغر کا اچھا نہیں چھلکانا

دیوانگیِ دل کے مضبوط عقیدے نے
آشوبِ جہاں کو بھی آشوبِ نظر جانا

ہے ہوش کے مسلک سے منزل کہیں دور اپنی
گم ہونے پہ ٹھہرا ہے اپنا بھی پتا پانا

بے آس ہنسوں کیوں میں اے شمع بسِ پردہ
بدلی میں بھی دیکھا ہے تارے کا جھلک جانا

بس آرزو اس ضد کا چارہ نہیں چپ رہیئے
جو بات بھی سمجھائی، ظالم نے بُرا مانا

سال نو

از جناب وحشی آروی

شمالی ہندوستان اور گجرات میں عام طور پر سنہ بکرمی رائج ہے۔ ہندوؤں نے اس سنہ کو خاص طور پر مذہبی اہمیت دیدی ہے اس سلسلہ میں بعض انگریز مورخین کا بیان ہے کہ سنہ بکرمی کے موجد راجہ بکرماجیت کا وجود بالکل بے حقیقت اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی تاریخ میں پردستاؤ آرتھر کو ایک فرضی انسان تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن راجہ بکرماجیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں ہندوؤں کے قدیم لٹریچر کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مہاتما رسکن نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ "مجھے سمجھنے کے لئے اور اُنھو میں تمہیں سمجھنے کے لئے نہیں جھکوں گا"۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑا آدمی آج تک ٹھیک طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔ سنہ بکرمی ۵۷ق م سے رائج ہے اور یہ اتنا طویل عرصہ نہیں ہے کہ راجہ بکرماجیت کے وجود کو تسلیم نہیں کیا جائے آئندہ پھاگن کے مہینے سے سنہ بکرمی کا ۱۹۹۷واں سال شروع ہو جائیگا۔ عام سنوں کی طرح بکرمی سال بھی بارہ مہینے کا ہوتا ہے اور ہر مہینے میں چار ہفتے ہوتے ہیں۔ پورا سال ۳۶۵ دن ۱۵ گھڑی ۳۰ پل اور ۲۲/۱۱ وپل کا ہوتا ہے۔ حساب کو مکمل رکھنے کے لیے اس سنہ میں دن مہینے اور یہاں تک کہ سال گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں۔ جیسے ہندی میں "لون ورش" کہا جاتا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں جو سنہ رائج ہے اس کا نام "شاکے" ہے۔ اسے مہاراجہ شالی واہن نے ایجاد کیا تھا۔ یہ سنہ حضرت مسیح سے ۷۸ سال بعد وجود میں آیا تھا۔ انگریزی مفکروں کے خیال کے مطابق کلجگی سنہ، ۳۱۰۱ ق م سے شروع ہوا تھا۔

بنگال میں دو طرح کے سنہ مستعمل ہیں۔ ایک وہ جو نصف بنگال میں رائج ہے۔ اور شاید اسے سنہ بنگالی کہا جاتا ہے۔ یہ سنہ ۱۵۵۶ء سے شروع ہوا تھا۔ اس سنہ کے متعلق مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اسے شہنشاہ اکبر نے ایجاد کیا تھا یا اسی کے زمانہ میں ایجاد ہوا تھا کیونکہ ہندوستانی تاریخ میں اکبر کی تاجپوشی ۱۵۵۶ء میں بتائی جاتی ہے۔

دوسرا بنگالی سنہ حضرت مسیح سے ۵۹۵ سال بعد شروع ہوا تھا۔ شاید یہ بنگالی سنہ کا ۱۳۴۷واں سال ہے۔ یہ سال بیساکھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مہاراشٹر کا سنہ ۶ جون ۱۶۷۴ء کو شروع ہوا تھا۔ شمالی ہندوستان میں پرشورام کے سنہ کا نام بہت کم لوگوں نے سنا ہوگا۔ منگلور سے کیپ کیمرین تک یہ سنہ استعمال میں ہے۔ اسکا چوتھا جگ ایک ہزار سال کا ستمبر ۱۸۲۵ء سے شروع ہوا تھا۔ پرشورام کے سنہ کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ یہودیوں کے سنہ کا شاید یہ ۵۶۹۷واں سال ہے۔ ان کا سال یکم اکتوبر کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے۔

پارسیوں کے عقیدے کے مطابق ان کا موجودہ جگ سنہ عیسوی کے ۶۳۲ سال بعد ۱۶ جون کو شروع ہوا تھا۔ ان کے سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ تیس ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح پانچ دن جو بچ رہتے ہیں انہیں سال کے آخری مہینے میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ ان دنوں کو وہ لوگ "گاتھا" کہتے ہیں۔ ان کے

ہر دن کا نام کسی دیوتا کے نام پر ہوتا ہے۔ انگریزی مہینے کی طرح ان کے مہینے ہفتوں میں منقسم نہیں ہوتے۔ پارسیوں کا ایک دوسرا فرقہ اول الذکر فرقہ سے اپنا سال ایک مہینہ پیچھے شروع کرتا ہے پہلے فرقے کا سال سنہ فارسیہ کے مطابق چلتا ہے۔

برما میں دو طرح کے سنہ مروج ہیں۔ ایک وہ جسے سنہ عیسوی کے ۶۳۹ سال بعد پپا چنزا من (Puppa Chauvahan) نے قائم کیا تھا۔ دوسرے کو وہ لوگ "چینیت" سال کہتے ہیں۔ اس کے حساب سے یہ نیا سال ان کا ایک سو گیارہواں سال ہے۔ ان کے مہینے مسلمانوں کے قمری مہینوں کے اصول پر چلتے ہیں۔ اڑیسہ کا سال ۹ ستمبر سنہ ۱۵۵۵ء کو شروع ہوا تھا۔ یہ سال سنہ بکرمی کے قاعدے پر مروج ہے۔

مسلمانوں کا سال ۱۶ جولائی سنہ ۶۲۲ء کو شروع ہوا تھا۔ اسے سنہ ہجری کہا جاتا ہے۔ ان کے سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں اور ہر مہینہ چار ہفتوں میں منقسم ہوتا ہے۔ چونکہ قمری مہینہ ½ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اس لئے کوئی مہینہ انتیس ۲۹ اور کوئی تیس ۳۰ کا چاند کے حساب سے رائج کر لیا گیا ہے۔ ان کا سال ۳۵۴ دن چار گھنٹے اور ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے۔ اور ہر سال گزشتہ سال سے بارہ دن پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے ہر تیسرے سال ایک مہینے کی تفریق ہو جاتی ہے اور ۳۶ سال کے بعد پورے ۳۵۴ دن غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ سال محرم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور بقرعید میں ختم ہو جاتا ہے۔ یہودیوں کا سنہ بھی ٹھیک اسی اصول پر قائم ہے۔ مسلمانوں میں ایک اور سنہ بھی رائج ہے جسے سنہ فصلی کہا جاتا ہے۔ اسے شہنشاہ اکبر کے وزیر مالیات راجہ ٹوڈرمل نے ایجاد کیا تھا۔ جنوبی ہند میں یہ سنہ سنہ ۱۶۳۸ء سے استعمال میں آ رہا ہے۔

ہندوؤں کا دن کبھی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور کبھی آفتاب طلوع ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن ہندوؤں کے بعض فرقے بارہ بجے دن سے دوسرے دن کا شمار کرتے ہیں۔ مسلمانوں اور یہودیوں کا دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے انگریز اپنے دن کا شمار بارہ بجے رات سے کرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کودنے والے سال (Leap year) کے متعلق لوگوں کا کیا خیال رہا ہے۔ جولیس سیزر نے سوسی جینیز کی امداد سے نجامنگ (ترتیب اوقات) میں ترمیم کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ سنہ عیسوی کے پہلے کا ۴۶ واں سال "کودنے والا" سال ہوگا۔ کودنے والے سال سے دو سال قبل سیزر کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد پتہ چلا کہ سیزر کے حساب میں خامی تھی کیونکہ اس کے حساب سے کودنے والا سال ہر تیسرے سال آتا تھا اور صحیح حساب سے ہر چوتھے سال آتا ہے۔ سنہ عیسوی سے آٹھ سال پہلے سیزر کے جانشین آگسٹس نے اس خامی کو دور کیا تھا۔ سیزر سے قبل جولین کے زمانہ میں سال ۳۶۵ دن کا سمجھا جاتا تھا۔ سیزر کے حساب سے ¼ ۳۶۵ دن کا ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ خامی بہت معمولی ہے لیکن ایک صدی میں بہت فرق پڑ جاتا ہے۔ سیزر کے بہت عرصہ بعد پھر شمار کیا گیا اور معلوم ہوا کہ ایک سال میں ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۹٫۷ سکنڈ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل کے دونوں حساب رد کر دیئے گئے۔ سنہ ۱۵۸۲ء میں سولہویں پوپ گری گوری نے ترتیب اوقات میں از سر نو ترمیم کی اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ سال جن کا شمار سینکڑوں کے اعداد سے ہوتا ہے (مثلاً اٹھارہ سو، انیس سو، بیس سو وغیرہ) اگر چار سو کے عدد سے ٹھیک ٹھیک منقسم ہو جائیں تو وہ کودنے والا سال ہوگا۔ اگرچہ سنہ ۱۹۰۰ء چار کے عدد سے تقسیم ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ چار سو کے عدد سے منقسم نہیں ہوتا اس لئے یہ سال کودنے والا سال نہیں تھا۔ اس کے بعد پتہ چلا کہ گری گوری کے حساب میں بھی خامی ہے۔ اس سے سال میں ۲۶ سکنڈ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور ۳۵۰۰ سال میں ایک دن بڑھ جاتا ہے۔ ماہرین نظام شمسی کا بیان ہے سنہ ۱۹۰۰ء کا سال ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۵٫۹۸ سکنڈ کا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر ایک صدی میں سال نصف سکنڈ کے قریب کم ہو جاتا ہے۔

جولیس سیزر کے حکم سے فروری کا مہینہ ۲۹ دنوں کا ہوتا تھا۔ اور کودنے والے سال میں ۳۰ دن کا ہوتا تھا۔ جولیس سیزر نے جولائی کا نام اپنے نام پر رکھا تھا۔

اس کا جانشین آگسٹس پیچھے کیوں رہ جاتا۔ اس نے اگست کا مہینہ اپنے نام پر رکھدیا۔ لیکن اس میں ایک بات کی کمی تھی۔ جولائی ۳۱ دن کا ہوتا تھا اور اگست ۳۰ دن کا۔ چنانچہ فروری کا ایک دن نکال کر اگست میں شامل کر لیا گیا اور فروری کا مہینہ ۲۸ دن کا رہ گیا۔ کودنے والے سال میں ۲۹ کا ہو جاتا ہے گری گوری کے پہلے حساب میں بہت گڑبڑی رہا کرتی تھی۔ اس نے ۱۵۸۲ء میں یہ حکم نافذ کیا کہ ۵ اکتوبر کو ۱۵ اکتوبر سمجھا جائے۔ ۱۷۵۲ء تک برطانیہ نے یہ نیا قاعدہ تسلیم نہیں کیا لیکن جب ترتیب اوقات میں گڑبڑی ہوئی تو اسی سال تین ستمبر کو ۱۴ ستمبر مان لیا گیا اور گیارہ دنوں کی تفریق مٹ گئی۔

امریکہ والوں نے ۲۸ دن کا مہینہ اور تیرہ مہینوں کا سال ایجاد کیا ہے۔ سال کے ختم پر جو ایک دن بچ جاتا ہے اس کا نام "یوم راحت" رکھا گیا ہے۔ اور اس دن تمام ملک میں تعطیل منانے کا خیال ظاہر کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس حساب میں بھی پانچ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۵،۹۸ سکنڈ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور کودنے والے سال کے بغیر یہ تفریق نہیں مٹ سکتی۔

اکثر اقوام عالم میں یہ بھی متفق نہیں تھا کہ نیا سال کب سے تسلیم کیا جائے۔ گری گوری کے پنچانگ کے مطابق نیا سال جولیس کے حساب سے ۱۲ دن پہلے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح انگریزوں کا نیا سال ۱۳ جنوری کو شروع ہوتا تھا۔ قدیم مصر اور فارس والے ۲۱ ستمبر سے اپنے نئے سال کی ابتدا سمجھتے تھے۔ باشندگان یونان سنہ عیسوی سے پانچ صدی پہلے تک ۲۱ دسمبر سے نیا سال مانتے تھے۔ جو لیس کے پنچانگ کو سیزر نے تسلیم کر لیا تھا اور یہ حکم جاری کیا تھا کہ نیا سال یکم جنوری سے مانا جائے۔ یہودیوں کا معمولی سال ستمبر یا اکتوبر سے شروع ہوتا ہے لیکن ان کا مذہبی سال ۲۱ مارچ کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے۔ بہت پرانے زمانے میں عیسائی اپنے سال کی ابتداء ۲۵ مارچ سے سمجھتے تھے۔ اینگلوسکسن انگلستان میں ۲۵ دسمبر کو نئے سال کا پہلا دن سمجھا جاتا تھا جب نارمن نے انگلستان پر فتح حاصل کی تو ولیم (فاتح) نے حکم دیا کہ یکم جنوری سے نئے سال کا شمار کیا جائے۔ اسی روز اس کی تاجپوشی کا دن قرار پایا تھا۔ اس کے بعد پھر انگلستان نے وہی ۲۵ دسمبر والا پرانا قاعدہ جاری رکھا۔ گری گوری نے یکم جنوری کو نئے سال کا پہلا دن تسلیم کیا اور سنہ ۱۷۰۰ء کے قریب جرمنی، ڈنمارک اور سوڈن نے اس تجویز کو مان لیا لیکن انگلستان نے سنہ ۱۷۵۲ء میں اس جدید قاعدہ کو تسلیم کیا۔ اب تو پورے یورپ اور اکثر برطانوی مقبوضات و مہذب ایشیائی ممالک میں یکم جنوری ہی کو سال کا پہلا دن سمجھا جاتا ہے اور ۳۱ دسمبر کی نصف رات کو شہروں میں بڑی چہل پہل ہو جاتی ہے۔

چین میں نیا سال ایک ہی مہینے اور تاریخ سے شروع نہیں ہوتا ہے۔ ترتیب اوقات کے مطابق اس میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ اس دن ملک بھر میں سرکاری اور غیر سرکاری تعطیل ہو جاتی ہے۔ لوگ نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ کاغذ پر کوئی متبرک جملہ لکھکر دروازہ پر چپکاتے ہیں۔ خوب دعوتیں ہوتی ہیں اور رات بھر آتشبازی چھوٹتی ہے۔ وہاں نئے سال کی نوچندی کے روز بھی بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس تہوار کو وہ لوگ ضیافت چراغاں (Feast of lanterns.) کہتے ہیں اس رات کو رنگ برنگ کی قندیلیں بنا کر سڑکوں اور دروازوں پر آویزاں کرتے ہیں۔ پارکوں اور میدانوں میں بڑی رونق رہتی ہے اور آتشبازی کا ایک طوفان سا آجاتا ہے۔

وینجل شراب کے لئے بہت مشہور شہر ہے۔ یہاں نصف رات سے دوسرا دن شمار کیا جاتا ہے۔ نئے سال کی نصف رات کو یہاں بڑی دھوم دھام رہتی ہے۔ گھروں میں چراغاں ہوتا ہے اور جی کھول کر آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ یہاں کے لوگوں میں یہ خصوصیت ہے کہ گذرنے والے سال میں مصیبتیں اٹھانے کے باوجود بھی نئے سال کا استقبال ہنس کر اور خوش ہو کر کرتے ہیں۔

جاپان والے بھی نئے سال کا خیر مقدم پوری عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں۔ قومی نقطۂ نظر سے سال کا پہلا دن ان کے لئے بہت اہمیت

رکھتا ہے۔ بانسوں کو بیلوں اور پھولوں سے سجا کر جا بجا کھڑا کرتے ہیں اور کوئی مقدس نشان مثلاً نارنگی یا گھاس میں بندھا ہوا کومل دروازہ پر لٹکاتے ہیں۔ لوگ تحفے تحائف بھیجتے ہیں ملنے ملانے جاتے ہیں اور ایسے موقع پر آنے والے مہمان کا خیر مقدم بہت جھل کر کرتے ہیں۔

فرانس میں نئے سال کا پہلا دن مسلمانوں کی عید کی طرح منایا جاتا ہے۔ دوست احباب آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں۔ جو دور ہوتا ہے اسکے پاس مبارکبادی کا کارڈ بھیجتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء کی ۳۱ دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب کو جبکہ فرانسیسی پارلیمنٹ کا بجٹ سیشن (اجلاس) ہو رہا تھا گزشتہ سال کو اس کی تمام نحوستوں کے ساتھ پیچھے چھوڑنے کی غرض سے تھوڑی دیر کے لئے ہاؤس کی گھڑی بند کردی گئی تھی۔ اس سے فرانس والوں کی عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

انگلستان میں بھی نیا سال ٹھیک اسی طرح منایا جاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کا نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے اور یہ لوگ مذہبی عقیدہ کے مطابق نئے سال کا خیر مقدم کلیجہ پیٹ کر کرتے ہیں۔ ہندوؤں کا نیا سال ہولی کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے نئے سال کے پہلے دن کو مذہبی تہوار کی حیثیت دیدی ہے اور خوب جی کھول کر فضا میں عبیر اور گلال بکھیر دیا جاتا ہے۔ موسم کے اعتبار سے بھی ہندوؤں کے سال کا پہلا دن بہت قدر و قیمت رکھتا ہے۔

نوٹ:۔ اس مقالہ میں "انسائکلو پیڈیا برٹانیکا" اور کتاب "لینڈ اینڈ پیپلز" سے تھوڑی بہت امداد لی گئی ہے۔ (روحشی)

سروتہ برینڈ زردہ فیکٹری
شمیمی زردہ۔ دلاری قوام۔ کیسر بلاس استعمال کیجیے
شمیمی زردہ ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جو اسے عام بازاری زردوں سے ممتاز کرتی ہے اسکے اجزائے ترکیبی میں کوئی جز مضر صحت نہیں ہے اسکی تیاری میں صفائی و ستھرائی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دلاری قوام خوشبو اور لذت کے اعتبار سے اپنی آپ نظیر ہے۔ شائقین حضرات استعمال کر کے ہمارے دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ کیسر بلاس پان کی جان ہے۔ خوشبودار۔ خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہے اسکے استعمال سے دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ ان اصحاب کے کام اور ذائقہ کی چیز ہے جو زردہ یا قوام استعمال نہیں کرتے
اس کے علاوہ ہر طرح کے عطریات اور عرقیات کیلئے بھی یہ کارخانہ بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔
ایم۔ ایس ورکس نمبر ۲۲ تراہٹی بازار اسٹریٹ کلکتہ

بنگال اسٹیشنرس سنڈیکیٹ
۱۰ مشن رو کلکتہ
مینوفیکچررس۔ اپمورٹرس۔ پیپرس
ہمارے یہاں خوردہ اور بیوپاری اسٹیشنری کا سامان فروخت ہوتا ہے اور چھپائی کا کام بھی نہایت ہی اچھا کیا جاتا ہے
اس کے علاوہ انجینیرنگ اور میتھامیٹیکل انسٹرومنٹ اور ڈرائنگ و پینٹنگ کے سب سامان بکفایت ملتے ہیں۔

عید کے دن

از حضرت حمید عظیم آبادی

آئے کس طرح مرے لب پہ ہنسی عید کے دن (قطعہ) ہائے کیا خاک کھلے دل کی کلی عید کے دن
کیا غرض اہلِ قفس کو اگر آئی ہے بہار | ہم اسیروں کو کہاں تھی خوشی، عید کے دن
ایک وہ ہیں جنہیں ہوتی ہے خوشی عید کے دن | ایک ہم ہیں نہ کھلی دل کی کلی عید کے دن
ایک وہ دن تھا کہ کلفت میں تھی راحت مجھے | صورتِ نالہ ہے اب لب پہ ہنسی عید کے دن
کیا خوشی، کیسا طرب، کیسی ہنسی عید کے دن | ہم سے مجبوروں کی کیا بادہ کشی عید کے دن
دلِ حساس سمجھتا ہے مصائب کو حمید | بے حسوں کے لئے بے شک ہے خوشی عید کے دن
لب پہ رہ رہ کے نہ کیوں آئے ہنسی عید کے دن | غنچہ سا کیوں نہ کھلے دل کی کلی عید کے دن
ہائے بندِ ستم و جور کہاں، عیش کہاں | ہے جو آزاد اسی کی ہے خوشی، عید کے دن

از جناب سالم اندرابی (رچھپرہ)

شادمانی ہوئی آشفتہ سری عید کے دن (قطعہ) دیکھ کر یار تری جلوہ گری عید کے دن
ہو گیا یہ دلِ پژمردہ مرا پھر شاداب | دیکھی گلشن میں جو ہر شاخ ہری عید کے دن
دستِ قدرت نے کی وہ چارہ گری عید کے دن | آگئی خشک دماغوں میں تری عید کے دن
پا لیا لیلیٰ محمل کو سرِ وادیٔ عشق | قیس سے چھوٹ گئی دربدری عید کے دن
دور مجھ سے ہوئی وہ دردِ سری عید کے دن | ہو گیا قید ندامت سے بری عید کے دن
اس خوشی نے تو مرا کام بنایا سارا | ہو گئی فکر سے کیا بے خبری عید کے دن

بھولا ہوا سبق:- مسلمانوں کے روشن مستقبل پر ایک قابل قدر تصنیف -
ایک کارڈ لکھ کر مسرس رحمٰن برادرس مہندرو پٹنہ سے مفت حاصل کریں -

ماں

از جناب ایم اسلم

یہ پاک نام زبان پر آتے ہی تقدس اور پاکیزگی کی ایک حسین تصویر اور ایک دلکش نقشہ اور محبوب تصور آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

ملاء اعلیٰ کے رہنے والوں میں ایک روز محبت پر بحث چھڑ گئی۔

ایک کہنے لگا

محبوب کی محبت کے سامنے سب ہیچ ہے۔

"دوسرے نے اس کی تائید کی۔

آدم کی مثال موجود ہے۔

عرش سے آواز آئی۔

محبت کے راز سے صرف ماں آشنا ہے۔

کسی دانا اور خدا رسیدہ بزرگ کے علم و فضل کا ایک دنیا میں چرچا تھا دور دور سے لوگ آتے اور اسکے فیض سے سیراب ہوتے۔ وہ تقدیر پر شاکر اور ہمہ حالت خوش۔ نہ غم امروز نہ فکر فردا۔

لیکن ایک روز اس کے مریدوں نے اسے خلاف عادت کچھ ملول اور افسردہ خاطر دیکھا۔ لیکن پوچھنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔ لوگوں کے دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں سے دو آنسو [illegible] اور اس کی طرف [illegible] پڑگئے۔ وہ ایک آہ بھر کر بولا۔

ماں! آج پیرانہ سالی میں اگر تو میرے پاس ہوتی تو مرنا مجھے دوبھر معلوم نہ ہوتا۔ آج نہ تو کوئی میرا عصا پکڑنے والا ہے نہ راتوں کو میری خاطر جاگنے والا۔ اور جو میں ٹھوکر کھا کر گروں تو نہ کوئی سینے سے لگا کر پیار کرنے والا۔

نظام قدرت جب مکمل ہو چکا تو خالق اکبر نے مسکرا کر کائنات کی طرف دیکھا۔ فرشتوں نے اس کی قدرت کاملہ پر ہزار تحسین کی پھر سجدہ ریز ہو کر عرض کیا۔

باری تعالیٰ۔

تیری قدرت کے کرشمے ہمارے فہم و ادراک سے بالا ہیں۔ لیکن ایک چیز ہمیں نظر نہیں آتی۔

آواز آئی

کیا؟

فرشتوں نے عرض کیا۔

اے رب العزت! درد

ارشاد ہوا۔

درد ماں کے سینے میں مستور ہے۔

زوالِ مسرت

(جناب عطاء اللہ پالوی)

میرے ملنے والوں میں ایک ہونہار نوجوان محمد عالم صاحب مانڈوی ہیں جنہیں میں "ملا صاحب" کہا کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ صاحب موصوف نے ایک دوسرے نوجوان عبدالقادر۔ قادر سے روشناس کراتے ہوئے مجھے بتایا تھا کہ صاحب موصوف شاعر ہیں اور شرف تلمذ حضرت اختر کاکوی سے حاصل ہے۔ ادھر کچھ دن ہوئے کہ "ملا صاحب" کی وساطت سے قادر صاحب موصوف کی ایک نظم مجھ تک پہنچی ہے جو نہ صرف درج ذیل ہے بلکہ اس کا شان نزول بھی غرض طلب ہے

اُردو زبان کے مشہور رسالہ ساقی (دہلی) کے افسانہ نمبر ۱۹۳۲ء میں جناب حافظ فاز پوری کی ایک مثنوی بعنوان عروس وفا شائع ہوئی تھی جس میں صاحب موصوف نے عہد ہارون رشید کے ایک سچے واقعے کو بڑی خوبصورتی اور جامعیت کیساتھ نظم فرمایا تھا۔ واقعے کی اجمالاً تفصیل یہ ہے کہ قبیلہ بنی عذرا کے ایک رئیس کی پری جمال یتیم لڑکی لطیفہ کو اپنے چچا زاد بھائی واصف سے محبت ہو گئی تھی جو بڑے مرتبہ کا نوجوان تھا۔ کچھ روز تو دونوں نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ اس خاموش محبت کا راز چھپایا لیکن یہ کب تک ممکن تھا۔ واصف کے والدین کو جن کی پرورش اور پرداخت میں لطیفہ تھی، اس کی خبر ہو گئی بالآخر ؎

بڑی شان سے اُن کی شادی رچی ‏ ‏ زمانے میں اک دھوم ہر سو مچی
لطیفہ بنی لالہ گوں، لالہ فام ‏ ‏ ہوا واصف دل رُبا شادکام

مگر کچھ ہی دن بعد یکایک واصف بیمار پڑ گیا اور ہر چند کہ ؎

اطبانے کی چارہ جوئی مگر ‏ ‏ قضا و قدر نے نہ کی درگزر
وہ چھلکا تھا یک ایاغ نفس ‏ ‏ تو گل ہو گیا پھر چراغ نفس

اس حادثۂ عظیم کی وجہ سے لطیفہ دیوانی سی ہو گئی اور ؎

نئے طرز سے وہ ہوئی سوگوار ‏ ‏ کہ تا غم نہ کرتی تھی اپنا سنگار
وہ بنتی سنورتی نئے ڈھنگ سے ‏ ‏ وہ ہر روز تکتی نئے رنگ سے
وہ جوڑے پہنتی بہت قیمتی ‏ ‏ نظر ڈالتی سوئے آئینہ بھی

سلہ پوری مثنوی پوری تفصیل کیساتھ رسالہ مذکور کے صفحہ ۲۱۶ پر ہے۔ ہم نے بنظر اختصار صرف چند شعر پیش کئے ہیں۔ (مصنف)

اور پھر :-

بساتی وہ خوشبو سے اپنا لباس　　زیارت کو جاتی بہ حسرت بہ یاس
سر قبر بے تاب ہوتی بہت　　کہ واثق کے غم میں وہ روتی بہت
وہیں تھی کہیں اور نہ ٹلتی کبھی　　اڑاتی کبھی خاک ملتی کبھی
بلاتی کبھی لے کے واثق کا نام　　مگر جب نہ پاتی جواب کلام
وہیں چاک کرتی وہ اپنی خمار　　نہ آتا تھا اس پر بھی دل کو قرار
یہ معمول تھا اس کا صبح و مسا　　بغیر اس کے چین اس کو آتا نہ تھا

اتفاقاً :-

ہوا ایک دن یہ نیا ماجرا　　گذر اصمعی کا ادھر سے ہوا
یہ دیکھا کہ اک ماہوش نازنیں　　سنور کر ہے بیٹھی لحد کے قریں

چنانچہ اصمعی نے نزدیک جاکر بہ لجاجت پہلے دریافت حال کیا اور پھر چھپ کر جب بچشم خود اس حسینہ کی آہ و زاری اور پریشان حالی دیکھی تو وہ بیحد متاثر ہوا اور اس کے ہارون رشید سے اس کا ذکر کیا جسے سن کر :-

کہا اس نے دنیا کی نعمت سے ملے　　جو ایسی وفادار عورت ملے

اس مثنوی کے ساتھ افسانہ نمبر مذکور میں ایک تصویر بھی شائع ہوئی تھی جس میں دکھایا گیا تھا کہ ایک وفادار نوجوان حسینہ با حال پریشاں ایک مرقد سے لپٹی ہوئی ماتم کناں ہے۔ یہ منظر یقیناً ایک حساس دل رکھنے والے شخص کیلئے بڑا صبر آزما تھا اور ہے۔ چنانچہ یہ تصویر جس وقت قادر صاحب کی نظر سے گزری تو وہ متاثر ہوئے اور اونہوں نے شاعر ہونے کی وجہ سے اس تاثر کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کر ڈالا جس کا عنوان "زوال مسرت" ہے۔ یہ نظم حاضر ہے۔ فرماتے ہیں :-

درحقیقت یہ جہاں ہے اک طلسم رنج و غم　　طرز نو سے چرخ کرتا ہے سدا مشق ستم
شاداں جو کل تھے وہ ہیں آج غم سے بے قرار　　آج جو محو طرب ہیں کل وہ ہوں گے دلفگار

یوں ہی ہوتا ہے سدا دامن سکوں کا چاک چاک
رفتہ رفتہ قصۂ انساں بھی ہو جاتا ہے پاک

اک حسینہ گردش افلاک سے مجبور ہے　　اس کا نازک شیشۂ دل رنج و غم سے چور ہے
آہ یہ معصوم ہستی اور ہجوم رنج و غم　　پھیر لی فطرت نے اس کی سمت سے چشم کرم
اف یہ کالی رات اور یہ پیکر حسن و جمال　　مرقد شوہر پہ ہے ماتم کناں آشفتہ حال
بال ہیں بکھرے ہوئے رخ پر گریباں چاک ہے　　اس پہ ظلمت کی حکومت اور وحشت ناک ہے،

بجھ کے رہ جاتی ہے شمعِ زندگی اک آن میں — کیا ٹھکانا شمعِ مرقد کا کھلے میدان میں
آہ وہ جائے رسا بھی تو قسمت ہی نہیں — کوششِ اظہارِ غم کی ہائے طاقت ہی نہیں

دیکھی دیکھی آہ سے ساری فضا معمور ہے
چہرۂ غم شاہدِ مستی دلِ رنجور ہے

شکوے کے ہمدم مونسِ غم ہائے مجھ سے چھپ گئے — زینتِ ہستی مرے نایاب گوہر لٹ گئے
کٹ گئی شاخِ تمنا گر پڑا نخلِ اُمید — ہو گئی شامِ محرم اب نظر میں صبحِ عید

اژدہا بنکر ہوائے تیز کھا جاتی مجھے
تم سے پہلے کاش پیارے موت آ جاتی مجھے

آہ اے گہوارۂ عصمت! سراپا پاکباز — وہ بھی اک دن تھے کہ تو تھی رنج و غم سے بے نیاز
آج یہ دن ہو کہ تو حسرت کی اک تصویر ہے — منہدم ساری اُمیدوں کی تری تعمیر ہے
اشکبار آنکھیں بھی ہیں چہرہ بھی غم انگیز ہے — حشر افزا یہ سماں لاریب عبرت خیز ہے
جس سے وابستہ مسرت تھی وہی نابود ہے — صفحۂ ہستی پہ غم کھانے کو تو موجود ہے

پیکرِ رنج و الم! لاریب سچ ہے یہ خیال
مرگِ انساں سے بھی پہلے ہے مسرت کا زوال

"ملا صاحب" اصرار کے باوجود اور کمزوریوں پر نظر ڈالتے ہوئے بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہتا کہ یہ نظم اُس نوجوان اور نومشق شاعر کی ہے جس کی گفتگو میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہ آتی تھی۔ اگر واقعی یہ نظم سرقہ نقل یا تمام و کمال استاد کے قلم کی مرہونِ منت نہیں ہے تو میں نہ صرف استاد کو اس ہونہار شاگرد کی کامیابی اور خود شاعر کو اسکی خوش فکری پر مبارکباد دیتا ہوں بلکہ یہ کہنے میں بھی کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتا کہ اس مختصر نظم کا تیور آئندہ چلکر مصنف کی ایک عظیم شخصیت کے مالک ہونیکا پتہ دے رہا ہے۔

؎ تصویر میں ایک جانب شمع جلتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ گو نظم میں اس کا کوئی ذکر نہیں لیکن تصویر میں شمع دکھانا ضرور تھا اور ہے کیونکہ اگر شمع کی روشنی تھی نہیں تو ایک اندھیری رات میں ایک مخصوص قبر کے اصمعی کا پاس اسلئے جانا کہ دیکھوں یہ واقعہ کیا ہے؟ کیسے ممکن ہے؟ تصویر میں دوسری جانب اصمعی کا پیر بھی نظر آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پہلے دور سے دیکھکر جاننا چاہا تھا۔ پھر بغیر شمع کے کیسے ممکن ہے؟ عطاء اللہ

چاندنی

از
سید عبدالحفیظ صاحب بزم سہروردی ایم۔ آر۔ اس۔ ال (لندن)

اے سراپا مظہرِ انوارِ حسنِ ماہتاب — اصل تیری شعلۂ برقِ جمالِ آفتاب
ہے عروسِ شب کے رخ پر صورتِ سیمیں نقاب — تو کبھی معلوم ہوتی ہے برنگِ جوئے آب

سچ بتا اے چاندنی! تو نار ہے یا نور ہے؟
تیرے پردے میں کوئی جلوہ فگن مستور ہے؟

موسمِ گرما میں تیری قدر ہوتی ہے سوا — جس کو دیکھو وہ تمنائی ہے تیری دید کا
مرکزِ صد حسنِ دل آویز ہے تیری ضیا — باعثِ تسکینِ خاطر، دیدہ پرور، جاں فزا

تشنہ لب کے حق میں تو گویا شرابِ ناب ہے!
سوختہ تن کے لئے ایک مرہمِ نایاب ہے!

موسمِ باراں میں تو ہے نعمتِ پروردگار — ایک عالم کو ترے دیدار کا ہے انتظار
دھو دیا قدرت نے چہرے سے ترے گرد و غبار — دیدنی ہے تیری تابانی کی یہ دلکش بہار

رہ گم کردہ مسافر کے لئے ہادی ہے تو!
بے نوا عزلت نشیں کی خانہ آبادی ہے تو!

موسمِ سرما ہے یک دورِ خزاں تیرے لئے — اشک افشاں بھی زمین و آسمان تیرے لئے
آبدیدہ شبنم گوہر فشاں تیرے لئے — مضطرب ہے دریا میں ہر موجِ رواں تیرے لئے

تو وہ سرگرداں ہے جس کے نور سے تاباں ہے تو!
کیا ہوا جو صورتِ آئینۂ حیراں ہے تو!

تو دہی ہے، حسن بھی تیرا دہی اے چاندنی — پھر ترے شیدائیوں کی دلفروشی کیا ہوئی؟
جلوہ گاہ ناز ہیں تیری رہگذر دوچار ہی — شام تنہائی۔ غم ماضی۔ خموشی رات کی

کیا سبب جو اب ترا کوئی تمنائی نہیں
تو تماشہ ہے مگر کوئی تماشائی نہیں

چاندنی! تیرا افسانہ بھی سبق آموز ہے — تیرے اندر نغمۂ پُرکیف ساز و سوز ہے
پردۂ ظلمت میں پنہاں ماہ شب افروز ہے — شام تنہائی نوید عشرت نوروز ہے

بزم! یہ ہیں گردش ایّام کی نیرنگیاں!
گردش ایّام میں قانون فطرت ہے نہاں!

رشحات ایجاد

از
جناب ایجاد [illegible] بہاری

لعل دیا قوت و زمرد نہ گہر رکھتے ہیں — ہم تری نذر کو یہ داغ جگر رکھتے ہیں
دوڑ کر شوق میں ہم تیغ پہ سر رکھتے ہیں — دل میں جانباز کہیں موت کا ڈر رکھتے ہیں
یہ حسین تیغ نہ خنجر نہ تبر رکھتے ہیں — دل کے برملنے کو برچھی سی نظر رکھتے ہیں
کبھی بیمار محبت کو نہ دیکھا آ کر — آپ کیا خاک غریبوں کی خبر رکھتے ہیں
تیغ قاتل میں ہے کیا آیت سجدہ کندہ — دیکھ کر لوگ اسے خاک پہ سر رکھتے ہیں
ہم بھلا منزل مقصود کو کیونکر پہونچیں — زادِ رہ پاس نہیں عزم سفر رکھتے ہیں
آنکھیں بولیں کہ ادا اسکی تری گھات میں ہے — دل پکار اُٹھا کہ ہم اس کی خبر رکھتے ہیں
اب کہاں جائینگے ہم کنج قفس سے صیّاد — زور بازو میں نہ پرواز کو پر رکھتے ہیں

گرمیٔ آتش دوزخ سے نہیں ڈر ایجاد
جوش دریا کا مرے دیدۂ تر رکھتے ہیں

آتش خاموش

صوبہ بہار کا ایک سچا عبرتناک واقعہ افسانے کے رنگ میں

از جناب سید ابو سہیل بہاری۔ شبلی منزل۔ اعظم گڈھ

صبح سے سخت بارش ہو رہی تھی، ہوا سائیں سائیں چل رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا غرق آب ہو جائیگی۔ شام ہوتے ہوتے آسمان صاف ہوگیا اور سورج پھر پوری آب و تاب سے نکل آیا۔ اتنے میں میرے ایک دوست جن کا نام ہم لوگوں نے "اجی ہٹو" رکھا تھا شمیم اور نسیم کو لئے ہوئے پہونچ گئے۔ آپ کو تعجب ہوگا یہ "اجی ہٹو" کیا نام ہے مگر میں بتانے سے رہا اور آپ سمجھنے سے، اسلئے چھوڑ دیجئے اس بحث کو، بس یہ سمجھئے کہ یہ لوگ آفت ناگہانی کی طرح پہنچ گئے، شمیم کہنے لگا "یار عاصم چائے پلاؤ" نسیم نے بھی شمیم کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ چائے منگوائی گئی، ہم تینوں دوست گول کمرے میں جاکر چائے پینے لگے۔ مختلف باتوں پر بحث ہوتی رہی، یہاں تک کہ "Arms and The man" کے ایک کردار رائینا کے متعلق ذکر چھڑ گیا۔ میں ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے اس موضوع پر کچھ بولنے سے رہا، اسلئے خاموشی اختیار کرنی پڑی "مرزا اجی ہٹو" رائینا کے حسن کی تعریف کرنے میں اپنا پورا زور بیان صرف کر رہے تھے کہ ٹرسٹ روزی ہانپتی ہوئی آئی اور خبر دی کہ نئی مریضہ نسیمہ کی حالت بہت خراب ہے، ذرا چل کر اسے دیکھ لیجئے۔ میں نے دوستوں سے کہا "ابھی آیا" اور قریب قریب دوڑتا ہوا مریضہ کے پاس پہنچا اسکی حالت بہت غیر ہو رہی تھی، میں نے اسکے اعزا کو خبر دی، اور جیسے ہی اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اسکے والدین آئے اور لاش [illegible] روتے پیٹتے کر چلے گئے۔ مجھے مریضہ کی جوانمرگی کا بڑا رنج تھا۔

دوسرے دن نرس "روزی" نے مجھے کچھ کاغذات دیئے اور کہا کہ نسیمہ کے سرہانے یہ کاغذات پڑے تھے، شمیم، نسیم اور "اجی ہٹو" بھی موجود تھے، سبھوں نے زور دیا کہ اسے پڑھو، کیا لکھا ہے، میں نے پڑھنا شروع کیا، معلوم ہوا کہ یہ ایک داستان عبرت ہے۔ میں نے بہتر سمجھا کہ اسے منظر عام پر لے آؤں صرف نام اور مقام میں تبدیلی کر دی ہے تاکہ کسی کا راز نہ فاش ہو۔

"میری اچھی راشدہ! میں نے عمر بھر تمہیں اپنے راز غم سے آشنا نہیں کیا، اسلئے تم خفا ہو گئیں، کیوں راشو یہی بات ہے نہ، تو لو اب کچھ ڈالتی ہوں، اب تو خوش ہو جاؤ گی؟ میں جب اپنی عمر کی بارہ بہاریں گزار چکی تو اماں جان کو میری شادی کی فکر ستانے لگی، انہیں بڑی تمنا تھی کہ میری شادی کسی اچھے خاندان کے شریف لڑکے سے ہو جائے، مگر قدرت کو یہی منظور تھا... پھوپھی کو نہ جانے اماں سے کہاں کا بغض تھا کہ جہاں اماں جان میری نسبت کسی کے یہاں ٹھہراتیں وہ وہاں جاکر میری اور اماں کی بیسوں شکایتیں کرتیں، اسی طرح میری نسبت لگتی اور چھوٹتی رہی، اماں کی پریشانیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ مجھے طرح طرح سے کوستیں "کم بخت مر کیوں نہیں جاتی، روز سنتی ہوں کہ آج فلاں کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا اللہ کرے تجھے بھی سانپ ڈس لے اور تو فوراً تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ اے اللہ تو نے میرے کس گناہ کے عوض اس منحوس کو میرے گھر پیدا کیا، میری شادی بھلا کیسے کسی اچھی جگہ ہوتی۔ غریب گھر کی لڑکی ٹھہری، ایک ڈاکٹر کی بیٹی جس کی تنخواہ صرف پچھتر روپیہ تھی، اور پھر کچھ [illegible] کی

آمدنی، مگر وہ بھی کچھ زیادہ نہیں، اسی میں گھر کے چھ افراد اور بھائی قمر کے کالج کا خرچ ہمارا خاندان کھاتا پیتا خوش تھا، لیکن پیسہ والا نہ تھا، جہاں نسبت طے ہوتی روپیہ کا سوال ہوتا، "کتنے روپے ملیں گے؟ پانچ ہزار دوگے؟ ولایت بھیجو گے؟ موٹر دوگے؟" میرے غریب والدین کہاں سے دیتے!!

وہ پھول جو کل تک مرجھایا ہوا نظر آرہا تھا آج اُسے بہار نے پھر سرسبز و شاداب بنا دیا تھا، پھول کی قسمت بدل گئی، لیکن ہائے رافعو! میری قسمت نہ بدلنا تھی نہ بدلی، دن گذرتے گئے یہاں تک کہ میری عمر اٹھارہ برس کی ہوگئی لیکن پھر بھی میری نسبت کہیں طے نہ پا سکی، اماں جان کا تردد روز بروز بڑھتا جاتا تھا، ابا جان اپنی ملازمت سے ریٹائر ہونے والے تھے، اماں بہت بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں، قریب چار بجے کے ابا پہونچے ان کے چہرے پر جلوؤں کو دیکھ کر مسرت کھیلنے لگی، ابا جان کو میں نے سلام کیا، انہوں نے پوچھا "اچھی ہو بیٹی نسیمہ" میں نے کہا "جی ہاں" اس کے بعد میں ابا کیلئے ناشتہ تیار کرنے چلی گئی، جب میں ناشتہ تیار کرکے کمرے میں لائی تو دیکھا کہ ابا اور اماں کچھ سرگوشیاں کر رہے ہیں، میں نے صرف دو لفظ سن لئے "پانچ ہزار"! ابا کے چہرے پر جو نظر پڑی تو دیکھا کہ جو خوشی آنے کے وقت تھی اس کا کہیں پتہ بھی نہ تھا، اماں کی آنکھیں کچھ ڈبڈبائی ہوئی تھیں، میں سب کچھ سمجھ گئی میرا دل کانپ اُٹھا، ہاتھ تھرتھرا گیا، اگر اماں بڑھ کر طشت نہ پکڑ لیتیں تو ساری پلیٹیں اور چائے کا پورا سٹ چکنا چور ہو جاتا، میں درد سر کا بہانہ کرکے اپنے کمرے میں چلی آئی اور بے اختیار اپنے پلنگ پر گر پڑی، میں اپنی قسمت کو کوسنے لگی، اور خوب روئی، یہی جی چاہتا تھا کہ زہر ملتا تو چپکے سے کھا لیتی اور اپنے ماں باپ کو اس قلبی مصیبت سے نجات دلاتی، میری اپی سکھی! کیا لڑکی ہونا گناہ ہے! سچ بتانا ....

"رات کے دس بجے تھے، میں بغیر کھانا کھائے سونا چاہتی تھی۔ رم جھم رم جھم بارش ہو رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی، میں دعا کرتی تھی کہ بجلی مجھ پر گر پڑتی لیکن میں بدقسمت تھی، مجھے موت کیوں آتی، ملتا پھر روتی رہی اور روتے روتے سو گئی، صبح اٹھی تو سر میں سخت درد تھا آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، بال پریشان تھے۔ اماں جب صبح ناشتہ بکانے کیلئے اٹھانے آئیں تو مجھکو دیکھکر بہت پریشان ہوئیں اور پوچھا "آنکھیں پھولی ہیں" میں نے ٹال دیا۔ شام ہوتے ہوتے اچھا خاصہ بخار چڑھ آیا، اس بخار کی حالت میں بھی جب اکیلی ہوتی تو خوب روتی، راشدہ! میں مرنا چاہتی تھی لیکن ابا کیوں مرنے دیتے، انہوں نے مجھے کچھ دوا دی جس سے کچھ افاقہ ہوگیا۔"

"جب اماں کو کوئی لڑکا نہ ملا تو وہ کسی بوڑھے، منگیترے، رنڈوے ہی سے شادی کرنے کیلئے تیار ہوگئیں لیکن راشدہ جی۔ ملاقات ہوتی رہی یہاں تک کہ انہیں ایک صاحبزادے ملے جو بی۔ اے میں پڑھ رہے تھے اور ذہین اسقدر تھے کہ چار سال ہوگئے تھے مگر بی۔ اے پاس کرنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ ابا نے مولوی نسیم صاحب وکیل سے جو ان کے والد تھے بات چیت شروع کی، بڑی بڑی شکلوں سے سودا اس پر چکا کہ شادی میں رقص و سرود کی مجلس ہماری طرف سے ہو اور اسکے علاوہ صاحبزادے کی تعلیم کے لئے ولایت کا خرچ دیا جائے ابا جان اس قدر پریشان تھے کہ ان کے منہ سے بیساختہ "ہاں" نکل گیا، راشدہ! تم نے کچھ سمجھا ۷۵ روپیہ کی ملازمت اور ولایت کا خرچہ!!"

"اماں جو ہر وقت پریشان رہتی تھیں، ان کی پریشانی میں کسی قدر تخفیف ضرور ہوگئی لیکن فوراً ہی ابا اور اماں کو روپیہ کی فراہمی کی فکر ہوگئی، اماں نے اپنے تمام سونے کے زیورات اور ہیرے کی انگوٹھی جو انہیں جان سے زیادہ عزیز تھی سب ساہوکار کے یہاں رکھوائے، اور اسطرح انہیں صرف دو ہزار روپے مل سکے، ابا کے پاس جتنے اچھے کپڑے اور جو کچھ تھوڑی بہت زمینداری تھی سب گروی رکھ دیں

کرنی مجھ سے انہیں آٹھ ہزار روپیہ مل سکے، کیا تم تبھی میرا اس
شادی کو شادی کے نام سے پکاروگی، لیکن دنیا والوں نے شادی
ہی کہی۔ تاریخ بھی مقرر ہوگئی۔ میں گھر کی تباہی کا حال دیکھکر بہت روتی
تھی۔ ادھر میرا یہ حال تھا کہ جیسے کوئی سال بھر کی مریضہ ہو۔ میری آنکھیں
جنہیں تم ہرن کی آنکھیں کہا کرتی تھیں وہ بے رونق اور دھنسی معلوم
ہونے لگی تھیں۔ اکثر شام کو مجھے جاڑا بخار بھی آنے لگا تھا۔
"میری شادی میں ابا نے اچھے سے اچھا کھانا کھلایا مگر پھر بھی
میرے سسر صاحب ناخوش ہی رہے کہ کھانا اس قدر خراب تھا کہ انکی
سخت توہین ہوئی، اور ایسی ایسی باتیں کہیں جن سے میرے ابا کے دکھے
ہوئے دل کو اور رنج پہنچا۔ ابا ایک آہ بھر کر رہ گئے، لڑکی والے جو ٹھہرے!!
"دوسرے دن میری رخصتی ہوئی اور میں اپنی سسرال پہنچی، میں
شمیم صاحب کے کمرے میں لے جاکر چھپرکھٹ پر بٹھادی گئی، میرے گرد
عورتوں کا ہجوم تھا، کوئی میری شکل کی تعریف کررہی تھی اور کوئی برائی،
ساس صاحبہ پہونچیں، انہوں نے جو گھونگھٹ اٹھاکر منہ دیکھا تو ایک
شور مچادیا "ہائے اللہ میں نے اپنے لال کی شادی کیسی لڑکی سے کردی،
یہ تو بالکل مریضہ معلوم ہوتی ہے، اس کی آنکھیں تو دیکھو کیسی زرد زرد
اتنے میں ان کے آنے کا شور ہوا اور سب عورتیں ہٹ گئیں، انہوں نے
ہزار کوشش کی کہ میں ان سے کچھ بولوں لیکن نہ جانے کیوں نہ بول
سکی، میں سمجھتی تھی کہ وہ میری دلجوئی کرینگے، لیکن راشدہ! یہ میری بھول
تھی، جب میں کسی طرح نہ بولی تو "آپ" نے زور سے کہا کہ "عجیب احمق
دیہاتی لڑکی ہے" ہائے قسمت! .... میں تو بھری بیٹھی ہی تھی
خوب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، لیکن انہوں نے
میرے رونے کی کوئی پرواہ نہ کی اور مسہری پر سو رہے، میں وہ جانے
کب تک منہ ڈھانکے روتے روتے سو گئی، صبح اٹھی تو پھر بخار چڑھ رہا
[illegible] دوسرے دن جبکہ مجھے

۱۰۲ ڈگری بخار چڑھ گیا تو ڈاکٹر صاحب بلائے گئے، انہوں نے دوا دی
جس سے چوتھے روز بخار کچھ ہلکا ہوا، راشدہ تم نے تو شادی کے شروع
ایام کا نہایت دلکش نقشہ کھینچا تھا لیکن سکھی! میں نے تو کوئی بھی بات
نہ پائی! ایک ہفتہ کے بعد شمیم صاحب نے ولایت جانے کی تیاری شروع
کردی، جاتے وقت مجھ سے ہمدردی کی اور کہا کہ برابر خط لکھتا رہونگا،
شمیم تو ولایت چل دیئے، میں اسکے چھٹے دن اپنے گھر چلی آئی۔
"گھر آئی تو گھر کی عجیب حالت دیکھی، میری شادی سے پہلے ایک
نوکر اور ایک ماما تھی، اب گھر کا سارا کام اماں کرتی تھیں، بھائی نیر کا بی اے
کا آخری سال تھا، یونیورسٹی اور امتحان کی فیس دینے کیلئے روپیہ کا کوئی
سامان نہ ہوسکا تھا، یہاں تک کہ فیس کی آخری تاریخ بھی گذر گئی، تم جانتی
ہی ہو، بھائی نیر ہر امتحان میں اوّل آتے تھے، اس سال انہیں امید تھی
کہ پورے یونیورسٹی میں اوّل آئینگے مگر آہ . . . . انہیں تعلیم چھوٹنے
کا بیحد رنج تھا، جگہ جگہ نوکری کیلئے مارے مارے پھرے مگر معمولی سی معمولی
نوکری بھی نہیں ملتی تھی، گھر کی یہ حالت دیکھکر میری حالت اور بھی خراب ہوگئی
شروع شروع میں شمیم برابر خط لکھتے رہے مجھے ان کے خطوط سے کافی
دلچسپی تھی، جب ان کا خط آتا تھا تو بیماری دور ہوتی معلوم ہوتی تھی، اور
طبیعت میں ایک قسم کا سرور محسوس کرتی تھی، پانچ چھ مہینہ بعد ان کے
خطوط میں تاخیر ہونے لگی، جو رہی سہی امید تھی وہ بھی ٹوٹ گئی، سال بیت
گیا لیکن کوئی خط نہیں آیا، پھر بھی مجھے امید تھی کہ وہ مجھے بھولے نہ ہونگے
"موسم میں تبدیلی شروع ہوگئی تھی، سرما کا خوشگوار موسم تو
میں میری چھوٹی بہن چھوٹے بھائی اور اماں دھوپ کھا رہے تھے، اماں کا
چہرہ بہت اداس تھا، ابھی تک زیورات چھڑانے کا کوئی انتظام نہ ہوسکا
تھا۔ بھائی نیر جب گھر پہنچے اور کھانا کھاکر جو [illegible]
وہ بھی اور چار خانہ میں آگئے، بھائی نیر بیٹھ گئے۔ [illegible]
کیوں ہو؟ جلد خبر کیا دیدہ [illegible]

ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوگیا مگر شمیم کا کوئی خط نہیں آیا صرف ابا کے ایک دوست سے جو کہ ولایت میں تھے اتنا معلوم ہوسکا کہ وہاں ان کی دلچسپیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اس دن سے مجھے غش پر غش آنے لگے، ابا نے ڈاکٹر کو بلایا، اس نے دوا لکھدی جس سے کچھ افاقہ ہوا۔"

"ایک دن میرے سر میں درد تھا چھوٹا بھائی سر دبا رہا تھا۔ مجھے کچھ آرام ہوا تو میں سوگئی، سوئی تو ایک عجیب خواب دیکھا۔ دیکھا کہ میں بھی ولایت پہنچ گئی ہوں، شمیم اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں، ان کا کمرہ اندر سے بند ہے، دروازے میں شیشہ لگا ہوا ہے۔ وہ ایک گدے پر بیٹھے ہیں سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے، وہ ایک سیب جیسی گالوں والی لڑکی سے محو گفتگو ہیں، میں یہ دیکھکر چیخ پڑی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں اپنے کمرے میں ہی ہوں، دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، اماں بدحواس دوڑی ہوئی آئیں، میں رو رہی تھی، اس دن غشی کا شدید دورہ پڑا، ابا میری حالت دیکھکر بہت گھبرائے، وہ اچھے ڈاکٹر کو لانا چاہتے تھے، مگر فیس کے لئے روپیہ کہاں سے آتے، مجبوراً وہ اپنے ایک دوست ڈاکٹر عاصم کو بلا لائے جو ابھی ولایت سے آئے تھے اور نہایت خلیق آدمی تھے۔ انہوں نے میرا بہت اچھی طرح معائنہ کیا، اور دق تجویز کیا، بے چارے نہ جانے کیوں مجھ پر مہربان ہوگئے، اور مجھے اپنے ہسپتال میں داخل کرلیا، پہاڑ پر لیجانا تو ناممکن ہی تھا۔

"راشو" یہ خط ہفتوں کی کوشش کے بعد لکھا ہے یہ ہے میری روئداد غم۔ مجھے اپنی زندگی کی کوئی امید نہیں۔ اور یہی میں چاہتی بھی ہوں، یہ خط تمہیں اس وقت ملے گا جب میری روح دنیا اور اسکے آہنی پنجہ سے بہت دور ہوگی، سکھی! معاف کرنا، اب لکھا نہیں جاتا، آنکھوں تلے اندھیرا چھا رہا ہے۔ اب باقی انشاء اللہ کل۔

. . . .

جب میں نے پورا خط ختم کیا تو سب کی آنکھیں پُرنم تھیں، اور خاص کر میرے دوست "اجی ہو" تو بیچارے رو رہے تھے۔

سرمہ سوزاک

خدا کی قدرت اور فقیروں کی تلاش سے انسان کو کیسی کیسی چیزیں ملجاتی ہیں کہ عقل حیران رہتی ہے۔ دیکھئے سرمہ ہے لیکن قدرت نے وہ اثر دیا ہے کہ اسے آنکھوں میں لگتے ہی ہر مردانہ زنانہ سوزاک یا خون اور پیپ آتا ہو چند ہی روز میں ایکدم نجات ہوجاتی ہے۔ احتلام جریان اور عورتوں کے سیلان الرحم سفید و حاد میں یہ بالکل اکسیر کا کام کرتا ہے اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ ان مریضوں کا اثر آنکھ کی روشنی پر بھی فوراً ہوتا ہے آنکھ سے معلوم ہونے لگتا ہے قیمت کچھ نہیں لیجاتی ہے صرف مزدوری اور اشتہار کا خرچ بذریعہ منی آرڈر دو روپیہ سوا پانچ آنہ (۲ء/۵) وی پی میں پانچ اور زیادہ (۵) اگر غلط ہو تو ایمان دھرم سے لکھیں رقم داشدہ واپس کردی جائیگی۔ غلط لکھنے سے اثر جاتا رہیگا۔

ملنے کا پتہ: غریب خانہ (۸۰۸) مجھولی۔ ڈاکخانہ پرتاب ٹانڈ (مظفرپور)

GHARIB KHAN (808) MAJHOWLY P.O. PARTAP TAND

MOZAFFAR PUR.

قندیل کعبہ

تھا جو بتخانہ وہ نکلا کعبۂ ربِّ جلیل
اللہ اللہ کتنی مستحکم تھی بنیادِ خلیل

مرکزِ نورِ خدا نافِ زمیں جانِ حجاز
معبدِ جن و بشر تعلیم گاہِ جبرئیل

چشمِ بینا پر نہیں مخفی سیہ پوشی کا راز
نور کا ہوتا ہے مرکز پردۂ چشمِ کحیل

ہے اسی پردے میں لیلائے دو عالم جلوہ گر
ظلمتِ شب ہے فروغِ روزِ روشن کی دلیل

نور کے ترشے ہوئے مینارہ و دیوار و در
صحن میں جاروب کش دن رات بالِ جبرئیل

خاک بھی پہونچا نہ کچھ اللہ کے گھر کو ضرر
فکرِ بربادی میں خود مر کھپ گئے اصحابِ فیل

چشمۂ آبِ بقا ہے ساری دنیا کے لئے
حشر تک جاری رہیگی موجِ زمزم کی سبیل

سنگِ اسود کی سیاہی جاذبِ جرم و گناہ
بابِ رحمت کی تجلی عفوِ عصیاں کی کفیل

منزلِ دشتِ منا مزدلفہ سے تا کوہِ صفا
کچھ نہ کچھ رسمِ عبادت ہر جگہ بے قال و قیل

ہر طرف پروانۂ شمعِ حرم کا اک ہجوم
میزباں ہے اپنے مہمانوں کا خود ربِّ جلیل

حاجیو جاؤ مدینے کی زیارت کو اگر
عرض اتنی کیجیو رو رو کر کے اے ابنِ خلیل

نام لیوا آپ کا اک عاجز و بیکس و غریب
تو وہ غم پائمال گردشِ چرخِ ممیل

دور افتادہ فسردہ دل جگر پارہ بسر کیے
آج تک نکلی نہ کچھ اسکے بلانے کی سبیل

جوشِ بیتابی میں کب تک خاک پر تڑپا کرے
تا کجے جاری رہے پلکوں سے اسکی رودِ نیل

کیا عجب ہے دم نکل جائے دفورِ شوق میں
اسکی نوبت ہے کہ اب بجنے کو ہے کوسِ رحیل

میں - ہم - ہم سب

از جناب عنبر صدیقی بغیہ پوری

میں

بس ایک نہ ایک دن عہد طفلی سے نکل کر عمر کے اس عہد گرامی میں داخل ہوتا ہے جس کو حسن ہستی یا عہد شباب کہتے ہیں۔ یہی وہ عہد ہے جس میں تمام احساسات و جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ انسان تمام دنیاوی فکروں سے بے نیاز، ارمانوں اور آرزوؤں کے گہوارے میں سب سے بے فکر ہوتا ہے تجرد کی تنہا افزائیاں ہوتی ہیں۔ بزم احباب کی دلچسپیاں ہوتی ہیں اور وہ عروس فراغت سے ہمکنار، کیف و مستیوں سے ہم آغوش، راتوں کی بیداری میں خواب کی لذت سے لطف اندوز، ذوق شعور اور شوق وصال میں سرشار ہوتا ہے ؎

دل میں ابھی ہوتی ہے محبت نئی نئی …… رو رو کے مگر دل کو مسلتی ہے جوانی

گرد و پیش جدھر بھی آنکھیں اٹھاتا ہے۔ تو اپنی ذات …… میں …… کے علاوہ کوئی دوسری ہستی اس کے سامنے نہیں ہوتی

موسم برسات میں جب ہلکی ہلکی بوندیں پڑتی رہتی ہیں تو سب سے الگ کیف آگیں خیالات میں غرق …… برسن لاگی بدریا رم جھم رے …… برسن لاگی بدریا رم جھم رے …… گنگناتے ہوئے سرود پنہاں کے مزے لینے لگتا ہے۔

سرما کی طویل راتوں کے سناٹے میں جس وقت تمام دنیا سردی کے خوف سے منہ ہاتھ لپیٹے سوئی ہوتی ہے وہ اپنے بستر پر خلش تنہائی سے بیتاب ہو کر ایک خفیف اور لمبی …… آ …… ہ …… کھینچتا ہے اور نغموں میں ڈوبی ہوئی زندگی کو مرتعش بنا دیتا ہے۔

گرمی کی آتش ریز شب کے پچھلے پہر عالم تنہائی میں بیٹھ کر تاروں سے ہمکلامی کرتا ہے جو شاعر کی اصطلاح میں تارا شماری کہلاتی ہے۔ اور تارے اپنی زبان بے زبانی سے ؎

شب ہجراں کے جاگنے والے — کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

کہتے ہوئے منہ چھپانے لگتے ہیں۔ نسیم سحری کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے آ آ کر میٹھی نیند سلا دیتے ہیں۔ دن چڑھ آتا ہے اور وہ غافل پڑا سوتا رہتا ہے۔ اسی کو عہد تجرد کہتے ہیں یہی اس کے …… میں …… کا زمانہ ہوتا ہے جو انسانی زندگی کا بہترین زمانہ شمار ہوتا ہے جس میں نہ کسی کا غم ہوتا ہے نہ کسی کا خیال ستاتا ہے۔

ہم

انسان کا زمانہ بدلتا ہے۔ تجرد کا مبارک عہد ختم ہوتا ہے۔ وحشت تجرد کا آہوئے وحشی سوسائٹی کے ازدواجی دام میں پھنسا دیا جاتا ہے ؎

اب خیالوں میں نہ شوخی ہے نہ فکروں میں جمال — ازدواجی زندگی ہے حسن ہستی کا زوال

سماجی روایات کے مطابق صنف نازک (حوا کی بیٹی) کا دامن صنف کرخت (آدم کے بیٹے) کے دامن کیساتھ باندھ دینے کو بیاہ۔ ازدواج۔ شادی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ حوا کی بیٹی کو جس کا دوسرا نام عورت ہے بی بی۔ بیگم۔ رفیقۂ حیات۔ شریک رنج و راحت وغیرہ دلفریب خطابات عطا کئے جاتے ہیں اور آدم کے بیٹے کو جس کا دوسرا نام مرد ہے خاوند۔ شوہر۔ میاں وغیرہ القاب دیئے جاتے ہیں۔

سماج کی دی ہوئی ذخیرۂ حیات کہئے یا ...... بی بی ...... روح میں ایک بالیدگی پیدا کر دیتی ہے تصورات کی دنیا پر قابض ہو جاتی ہے۔ مملکت تخیل پر حکمرانی کرنے لگتی ہے ...... تجرد کی صبح و شام رخصت ہو جاتی ہیں۔ وہ لطف فراغت مفقود ہو جاتا ہے۔ وہ راتوں کو تاروں سے ہمکلامی جاتی رہتی ہے وہ کیف سکون غائب ہو جاتا ہے۔

شادی دوسری صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ رات دن شریک زندگی کی خوشنودی دلجوئی پیش نظر رہتی ہے۔ ہر دم یہی خیال رہتا ہے کہ اسکے شیشۂ دل پر غبار غم نہ آنے پائے ہر وقت یہی تمنا رہتی ہے کہ اس کا تبسم ہی لب پر تبسم باری کرتا رہے لیکن آنکھوں سے ناوک فگنی ہوتی رہے۔ بات بات پر اس کا نقرئی قہقہہ دیئے دل کی پرسکون فضا میں ارتعاش پیدا کرتا رہے۔

اب اپنی آدم ...... ہم ...... رہنے میں جو لطف و سرور محسوس کرتا ہے وہ ...... میں ...... کہنے میں نہیں۔ بلکہ ...... میں ...... کا زمانہ یعنی عہد تجرد خواب کی طرح رفتہ رفتہ بھولتا جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس زمانہ کی باتوں کو یاد بھی کرتا ہے تو دل میں شرمسار ہوتا ہے۔ درحقیقت یہی انسان کا عہد رنگین یا دور زریں ہے۔

ہم سب

میاں بی بی چند دن کی نیرنگیوں میں ارمانوں تمناؤں کے دن گزارتے رہتے ہیں ایک دوسرے کی اداؤں اور دلربائیوں پر مفتوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار آنے والے واقعات و حوادث سے بے خبر رہتے ہیں۔ لیکن اس عیش و راحت کی زندگی میں بھی کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ ایک ارمان ایک آرزو دل میں باقی پاتے ہیں۔ جب ان کے ارمانوں میں تلاطم آرزو میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ تو ایک چھوٹی سی ہستی دونوں کے ارمان و آرزو میں سکون۔ زندگی میں سرور و شادمانی کا اضافہ اور ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے کیلئے وجود میں آتی ہے۔ جو دونوں کو ابوت و امومت کے اعلیٰ و معزز مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے۔ ان کی توجہ ایکدوسرے سے ہٹکر اسی ننھی سی ہستی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ نتیجہ مہر و محبت ثمر حیات یہی ننھی سی جان ہوتی ہے یہی دائمی محبت و الفت کا واسطہ اور ذریعہ بنتی ہے۔ اسی کو اولاد کہتے ہیں ...... سچ ہے ؎

لو! اے جہان والو تم کو جہاں مبارک — مجھ دلفگار کو یہ ننھی سی جاں مبارک

اکثر و بیشتر انسان تو اسے دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و برتر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں ع -

یہ عصا وہ ہے کہ پیر اس سے جواں رہتا ہے

اور بعض ایسے انسان بھی ہیں جو اس ننھی سی معصوم ہستی کو اطمینان کا دشمن اور سلب آزادی کی خوبصورت بیڑی کہتے ہیں۔ استاد ذوق بھی اسی طبقہ کے ہمنوا بن کر کہہ گئے ؎

تو ڑا اگر شاخ کو کثرت نے ثمر کی — دنیا میں گرانباری اولاد غضب ہے

کیونکہ جو دن بھر تو انسان اولاد کے لئے محنت و مشقت اٹھانے کے بعد شام کو گھر آتا ہے کہ رات بھر آرام سے سو کر دن کی کلفت دور کریں گے۔ کہ جیسے ہی بستر پر لیٹتا ہے اور آنکھ لگتی ہے کہ بلائے بے درماں کی طرح ننھے میاں۔ ابا۔ اے ابا!! پکارتے ہوئے پہنچتے ہیں۔ اور کہنے لگتے ہیں۔ ابا جی!! آپ سو گئے کیا!! ابا میاں نیند آ رہی ہے تم بھی سو جاؤ۔ مگر مجھے تو نیند نہیں آتی ابا۔ اے ابا جی!! آپ میرے کھلونے لے دیں گے نا۔ چنانچہ میں کل لا دوں گا اس وقت تو سو جاؤ۔........ دو گھنٹے کے بعد جس وقت مدہوشی کی نیند ہوتی ہے ننھی رونے چیخنے چلانے لگتی ہے۔ ماں بیچاری لاکھ بہلاتی چپ کراتی۔ لیکن ننھی ہے کہ چپ ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اوں........ اوں........ اوں...... کا بے سُرا راگ الاپے جاتی ہے۔ دن بھر کا تھکا ماندہ نیند کا متوالا انسان اولاد کو غارت کر سکوں۔ دشمن اطمینان وغیرہ نہ کہے تو کیا کہے ———

لیکن ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں جو ہنگامی زندگی کو ناپسند کرتے ہیں۔ جو ان ننھے ننھیوں کی چیخ پکار شور غوغا۔ زق زق بق بق سے گھبراتے اور تکلیف محسوس کرتے ہوں۔ بلکہ بیشتر ایسے ہی لوگ ہیں جو ہنگامی زندگی کے شیدا ہیں۔ اپنے گھروں کو بچوں سے آباد دیکھ کر نہایت مسرور ہوتے ہیں۔ بچوں کی میٹھی میٹھی اور کٹھی باتیں۔ بچوں کی توتلی زبانیں انکے دلوں کے کنول کھلا دیتی ہیں۔ دن بھر کی تمام کلفتیں دور کر دیتی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ لطف ہے۔ وہ لذت ہے وہ راحت ہے جسے ساری دنیا کی دولت صرف کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ———

جب انسان کسی ایسے فکر و ملال میں گرفتار ہو۔ غم و حزن میں مبتلا ہو جس کو سونے چاندی کی ٹکیاں دور نہ کر سکتی ہوں۔ جس کو ذخیرہ حیات کا انتظام، تقدیر، پیار، نوازش تبسم غلط نہ کر سکتا۔ ننھے کا .. ا .. ا .. ا .. ا .. با اور ننھی کا ..... آغوں ... آغوں .... کہتے ہوئے ہمک ہمک کر ننھے ننھے نازک ہاتھوں کو پھیلا کر گود میں آنے کی کوشش کرنا۔ اور گود میں پہنچ کر خوشی میں اچھلنا سارے فکر و ملال کو دور کر دیتا ہے۔ تمام غم و حزن کو غلط کر دیتا ہے۔ وہی چہرہ جس پر ابھی ابھی غم و اندوہ کی سیاہی چھا رہی تھی اس پر مسرت کی سرخی دوڑ جاتی ہے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگتی ہے انسان اپنے کو فرحت و شادمانی کی جنت میں خوشی و خرمی کی حور و غلمان میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ یہ قول بہت درست ہے کہ "وہ گھر گھر نہیں جس کی رونق بچے نہ ہوں" اور میر انیس صاحب فرماتے ہیں ؎

صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے ریحاں یہی ہے روح یہی روح یہی ہے

اِنَّ اللہ مع الصّادقین

کحل الجواہر

مفید اور لاجواب سرمہ ہے۔ دعوے سے کہتا ہوں کہ کمزوری نگاہ و حدت و تاریکی چشم، نزول، جالا، دھند، ناخونہ، پڑبال، سرخی چشم، آنکھوں کے درد اور پانی آنے کیواسطے بیحد مفید ہے۔ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک کے لوگ بھی استعمال کر کے فائدہ حاصل کر رہے ہیں ہزاروں ریلوے ملازمین اسکی بدولت امتحان میں کامیاب ہو کر اسکے مداح ہیں۔ برابر استعمال کرنے سے چشمہ بھی چھڑا دیتا ہے۔ اور موتیا بند کیلئے اس سے بہتر سرمہ نہیں۔ سلائی مفت، ایک شیشی کا ۱۲ آنے ... تین شیشی کا رستے تین روپیہ۔

ملنے کا پتہ :- بیت الشفا گیا

ایک خط

از جناب ادیب مالیگانوی

مجھے یقینِ محبت دلا رہے ہو تم
ارے یہ کون سا عالم دکھا رہے ہو تم

نظر سے دور کہیں جگمگا رہے ہو تم
مرے خیال کو ممکن بنا رہے ہو تم

کبھی کبھی مجھے اپنی تلاش ہوتی ہے
حواس و ہوش پہ اسطرح چھا رہے ہو تم

برس رہی ہیں فضا سے تجلّیاں کیسی
یہ بات ہے کہ کہیں مسکرا رہے ہو تم

کسی کے غم کا فسانہ، کسی کے دل کی پکار
وہ گیت کیا ہے جسے گنگنا رہے ہو تم

اب اور چاہئے کیا عشق کو صلہ اپنا
مصیبتیں مری خاطر اُٹھا رہے ہو تم

فضا خموش، ہوا دم بخود، ستارے چپ
مجھے یہ وہم کہ جیسے بلا رہے ہو تم

میں جیسے کشمکشِ دل کو جانتا ہی نہیں
تم اور دردِ محبت؟ چھپا رہے ہو تم

پڑی ہوئی تھی مری بزمِ آرزو سونی
تمہارا لطف کہ جنّت بنا رہے ہو تم

بدل رہا ہے، زمانہ نئی نئی کروٹ
کہاں پیامِ مسرت سنا رہے ہو تم

ادیبؔ شکوۂ غربت سے شرمسار نہیں
بس ایک یہ کہ بہت یاد آ رہے ہو تم

استفسار اور جواب کا دوسرا رُخ

از طالب حمیدی

شیوۂ اہلِ تکبر سے رہے طالب حذر
خاک کے پتلے ہو تم کو خاکساری چاہیئے

میں حتی الوسع کوشش کروں گا کہ آسان سے آسان لفظوں اور سہل سے سہل عبارت میں جوابات قلمبند کروں۔ عربی کی جس بحر کے متعلق سوالات تحریر فرمائے گئے ہیں اُس کے متعلق بھی یہی کوشش رہے گی کہ ایک اُردوداں بھی اُس سے فائدہ اُٹھا سکے اور اس کی طبیعت بھی لطف اندوز ہو۔ علم عروض کے متعلق جو تحریر ہوتی ہے وہ عموماً خشک اور مشکل الفاظ کی ایک مربوط لیکن گراں بار کڑی ہوتی ہے۔ خارزارِ عروض کی پُرخار اور دشوار گذار وادیوں کو شگفتہ گلزار بنانا اور اُن سے دامن بچا کر نکل جانا کچھ آسان کام نہیں! جوابات تحریر کرنے کے قبل اس رہبرِ راہِ سخن کی اتنی التجا اور گزارش ضرور ہے کہ میرے جوابات کی تنقیدیں بھی ضرور شائع فرمائی جائیں اور تینوں محترم حضرات یعنی علامہ سید سلیمان ندوی مولانا رضا علی وحشت اور مولانا محمد خاں صاحب خیالی مدظلہم کی گراں قدر معلومات رائیں بھی میرے جوابات کے متعلق کم از کم "سہیل" ہی کے ذریعہ منظرِ عام پر ضرور لائی جائیں تاکہ اربابِ علم اور شعرائے نکتہ سنج و دقیقہ رس کسی غریب طالب العلم کی محنت اور کاوش کی کم از کم داد تو دے سکیں! قبل ازیں کہ میں اصل مضمون کے متعلق کچھ لکھوں معترضین حضرات سے بادب اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرتِ آرزو کے شعر کے متعلق جو سوالات کئے گئے تھے وہ چنداں بے موقع نہ تھے لیکن اُس سوال کے ساتھ ساتھ خواہ مخواہ ایک عربی کی ایسی بحر کے متعلق جو اُردو میں قطعی رائج نہیں سوالات کرنا کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا دوسری بات یہ ہے کہ "سہیل" اُردو زبان کا ایک رسالہ ہے اور اس کا مقصد اردو زبان کی خدمت اور اُردوداں طبقے کے ذوق کو بڑھانا اور ترقی دینا ہے، میرا خیال ہے کہ سہیل کے مطالعہ کرنے والوں میں شاید پانچ فی صدی ایسے اصحاب ہونگے جو زیرِ بحث عربی بحر کی بحثوں سے لطف اندوز ہو سکیں پھر خواہ مخواہ کل ناظرین کو زحمت دینے کا کیا فائدہ سوچا گیا ہے۔ یہ سوال کسی عربی زبان کے رسالہ میں بھیجا جاتا تو بہتر تھا۔ علم عروض ایک تو یوں ہی خشک اور دشوار ہے، دوسرے عربی زبان سے عام طور پر عدم واقفیت اور بھی غیر دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اُردو ہی کی مروجہ بحروں اور تمام زحافات مستعملہ سے کماحقہ واقفیت ہونا کچھ آسان نہیں اور کجا کہ عربی جو ہم لوگوں کی مادری زبان بھی نہیں۔ سوالات کرنے والوں کو سوالات کے تمام پہلوؤں اور مسئلہ کی ہر دشواری اور پیچیدگی پر نظر رکھنی چاہیے تھی۔ اعلان انفاظ بھی یقینی طور پر تہذیب کے دائرے سے باہر تھے۔ معترضین حضرت کی تو ایک دل لگی ہو گئی اور یہاں میری کتنی راتیں کتابوں کے مطالعہ اور مضمون مرتب کرنے میں صرف ہو گئیں۔ ع کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری! اگر میں اپنا پہلا مضمون "دفتر سہیل" میں نہ بھیج چکا ہوتا تو "تصحیح و توضیح"

دیکھنے کے بعد ہرگز اس مسئلہ پر قلم نہ اٹھاتا۔ اب جب میں ایک سوال کے متعلق لکھ چکا تھا تو دوسرے سوال کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ضروری تھا ورنہ شاید یہ خیال فرماتے کہ صرف باتیں بنائی گئی تھیں اور حقیقت کچھ نہ تھی، لہٰذا ناظرین سے معذرت خواہی کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

بلا سے خوں ہو جگر، آنکھ سے لہو نکلے　　کسی کے تیرِ ستم کی تو آرزو نکلے　　(طالب حمیدی)

سوال ۱ کے تحت میں چار سوالات کئے گئے ہیں:۔ (۱) حضرت آرزو لکھنوی کے شعر کی صحیح تقطیع (۲) یہ شعر کس بحر میں ہے؟ (۳) اس کے ارکان میں کون کون زحافات واقع ہوئے ہیں (۴) اس کے ارکان میں کون کون زحافات واقع ہو سکتے ہیں؟۔

میں اسی طرح نمبر کی ترتیب کے ساتھ جوابات پیش کرتا ہوں تاکہ ہر اُردو داں آسانی سے سمجھ سکے۔

جوابات

س　کس نے ٹپکا کھینچ کے ساغر موسم کی بے کیفی پر　۔　اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی　(آرزو لکھنوی)

(۱)　کس نے ۔ ٹپکا ۔ کھینچ ۔ کِ ساغر ۔ موسم ۔ کی بے ۔ کیفی ۔ پر
فِعْلُن　فِعْلُن ۔ فِعْلُ ۔ فَعُولُن ۔ فِعْلُن ۔ فِعْلُن ۔ فِعْلُن ۔ فع

اتنا ۔ برسا ۔ ٹوٹ ۔ کِ بادل ۔ ڈوب ۔ چلا مے ۔ خانہ ۔ بھی
فِعْلُن ۔ فِعْلُن ۔ فِعْلُ ۔ فَعُولُن ۔ فِعْلُ ۔ فَعُولُن ۔ فِعْلُن ۔ فع

(۲) یہ شعر بحرِ متقارب مضاعف یعنی بحرِ متقارب شانزدہ[۱۶] رکنی ہے۔

(۳) اس شعر میں رکن سالم یعنی فعولن کے علاوہ ثلم[۱]، ثرم[۲]، اور بتر[۳] کے زحافات واقع ہوئے ہیں۔

(۴) اس بحر کے مستعمل زحافات سات ہیں:۔ (۱) بتر (۲) تسبیغ (۳) ثرم (۴) ثلم (۵) حذف (۶) قبض (۷) قصر۔ شعر، بحر، شعر اور بحرِ متقارب کے متعلق میں تفصیل سے اپنے مضمون "استفسار اور جواب کے ایک رُخ" میں عرض کر چکا ہوں۔ انہی کہی ہوئی باتوں کا بار بار اعادہ کرنا کچھ اچھا سا نہیں معلوم ہوتا دوسرے مجھے بحرِ طویل کے متعلق کچھ تفصیل اور وضاحت سے اس مضمون میں عرض کرنا ہے، لہٰذا حضرات حکم میرے اس مضمون کو پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں جو اکتوبر ۳۹ء کے سہیل میں شائع ہو چکا ہے۔

سوال ۲ کے تحت میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔ (۱) بحرِ طویل میں کون کون زحافات واقع ہو سکتے ہیں؟ (۲) صدر و مطلع[۱] یا ابتدا و عروض و ضرب اور حشو کے لئے کون کون زحافات معین ہیں؟ (۳) اس بحر میں کن کن زحافات کا وقوع نادر اور معیوب ہے؟ (۴) اس بحر کے کتنے اوزان مستعمل ہیں؟

---

[۱] مولوی قادر بخش صابر مرحوم اپنی تصنیف گلستانِ سخن کے صفحہ ۱۹ میں تحریر فرماتے ہیں "پوشیدہ نہ رہے کہ بیت کے مصرع اوّل کے رکنِ اوّل کو صدر اور ابتدا کہتے ہیں اور اسکے رکنِ اخیر کو عروض اور دوسرے مصرع کے رکنِ اوّل کو مطلع کہتے ہیں اور اس کے رکنِ اخیر کو ضرب اور عجز اور بعضے اسی مصرع کے رکنِ اوّل کو ابتدا کہتے ہیں نہ مصرع اوّل کے۔" جمہور علمائے فن دوسرے مصرع کے رکنِ اوّل ہی کو عموماً ابتدا کہتے ہیں۔　(طالب حمیدی)

میں ما سبق عرض کر چکا ہوں کہ بحر طویل کے متعلق کچھ تفصیل سے عرض کروں گا اس لئے جوابات صرف نمبروں کی پابندی کیساتھ عرض کئے جائیں گے بلکہ جس جگہ جواب کا نمبر آجائیگا' اُس جگہ اُس جواب کا نمبر درج کر دیا جائیگا۔

بحر طویل کی وجہ تسمیہ :-

محمد بن قیس اپنی تصنیف المعجم کے حاشیہ صفحہ ۲۶ (قلمی) میں تحریر فرماتے ہیں :-

"الطَّوِيْلُ سُمِّيَ بِهِ لِوَجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَنَّهُ اَطْوَلُ الشِّعْرِ لِاَنَّهُ لَيْسَ فِي الشِّعْرِ مَا يَبْلُغُ عَدَدُ حُرُوْفِهٖ ثَمَانِيَةً وَاَرْبَعِيْنَ حَرْفًا غَيْرُهُ وَالثَّانِي اَنَّ الطَّوِيْلَ يَقَعُ فِي اَوَائِلِ اَبْيَاتِهٖ الْاَوْتَادُ وَالْاَسْبَابُ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ وَالْوَتَدُ اَطْوَلُ مِنَ السَّبَبِ فَسُمِّيَ بِهٖ طَوِيْلًا"

اسی عبارت کا ترجمہ فارسی میں سیفی نے عروضِ سیفی میں یوں کیا ہے۔

"ایں بحر را ازاں جہت طویل گویند کہ طول در لغت دراز را گویند وایں بحر دراز ترین بحرہائے شعر عرب است چراکہ یک بیت او چہل و ہشت حرف است و ہیچ بحر دیگر بدیں درجہ نمی رسد۔ بعضے گفتہ اند کہ طویل ازاں گویند ایں بحر راکہ در ارکانِ او اوتاد مقدم اند بر اسباب و وتد طویل است نسبت بہ سبب" پھر فرماتے ہیں :-

"بعضے گفتہ اند ایں بحر را ازاں جہت طویل گویند کہ مجزو[1] نیاید و ہرگز از ہشت رکن کمتر نیست بخلاف بحور دیگر"

اسی تیسرے قول کو جناب سید مظفر علی اسیر مرحوم اپنی تصنیف "شجرۃ العروض" میں یوں رقم فرماتے ہیں :- "طویل ازیں جہت نام کردند کہ واضع ایں علم ایں را مثمن وضع کردہ بخلاف دیگر مثمنات ایں بحر مجزو ہم نمی آید"۔

بحر طویل کی وجہ تسمیہ تین بیان کی گئی ہے۔ پہلی یہ کہ اس بحر کے اشعار میں تمام بحروں سے زیادہ حروف ہوتے ہیں یعنی دونوں مصرعوں میں ۴۸ حروف ہوتے ہیں جو اور کسی بحر میں نہیں دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے ارکان میں اوتاد اسباب سے پہلے آتے ہیں اور اوتاد بہ نسبت اسباب کے طویل ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ دوسری بحروں کے برعکس یہ بحر آٹھ رکنوں سے کمتر نہیں آتی ہے یعنی اس کے مصرعوں کا کوئی رکن کم نہیں کیا جا سکتا۔ چار رکنوں کی جگہ تین رکنوں کا مصرع نہیں ہو سکتا۔

اس بحر کی اصل "فَعُوْلُنْ مَفَاعِیْلُنْ" چار بار ہے۔ یہ بحر خاص عربوں کی بحر ہے لیکن بعض فارسی گو شعرائے بھی اس بحر میں طبع آزمائی کی ہے۔ یہ بحر "ارکانِ مخالف بہ کم" سے مرکب ہے یعنی پانچ حرفی اور سات حرفی رکنوں سے بنی ہے۔

(۱) اس بحر کے زحافات آٹھ ہیں کف۔ قبض۔ قصر۔ حذف۔ ثلم۔ ثرم۔ تسبیغ۔ معاقبہ۔ بعض کا خیال ہے کہ معاقبہ حکم نام ہے زحاف کا نہیں تو اس صورت میں اس بحر کے سات زحافات ہیں اور یہی رائے مرجح ہے۔

(۲) اس بحر میں صدر کو مقبوض' اثلم اور اثرم اور حشو کو مقبوض و مکفوف اور ابتدا کو مقبوض لانا جائز ہے اور کبھی اثلم و اثرم بھی لاتے ہیں۔ اثلم یا اثرم صدر و ابتدا کے سوا اور کہیں جائز نہیں۔

(۳) حشو والے مَفَاعِیْلُنْ کے یا و نون میں معاقبہ ہے یعنی دونوں باہم ساقط نہیں ہو سکتے۔ مَفَاعِیْلُنْ یا مَفَاعِلُنْ ہوگا مفاعیل' اسکو مفاعل کبھی نہیں

[1] وہ بحر جسکے ہر مصرع سے ایک رکن کم کر دیا گیا ہو

ہو سکتے۔ یعنی اس بحر میں اجتماعِ قبض و کف ایک جزو میں روا نہیں۔ (اسنوی)

اسنوی کے نزدیک اس کے فعولن میں قبض کا زحاف مستحسن ہے اور مفاعیلن میں قبض مرغوب لیکن خلیل کی رائے میں مفاعیلن میں قبض، کف سے بہتر ہے لیکن اخفش قبض سے بہتر سمجھتا ہے مفاعیلن میں ثلم اور خرم دونوں قبیح ہیں۔

اس بحر میں جب شعر کے دونوں مصرعے وزن اور صورت میں برابر ہوتے ہیں جیسے مطلع تو اس حالت میں عروض و ضرب موافق کر لیتے ہیں خواہ اس عروض میں تغیر کی ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن ضرب میں کوئی تغیر نہیں کرتے تاکہ باقی اضراب سے موافقت رہے۔

محمد بن قیس المعجم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"در بحرِ طویل دو جزو را زحف روا نیست یکے ضرب سالم را اما قبض روا نیست تا بہ ضرب باقی کہ مقبوض است ملتبس اما کف روا نیست تا وقف بر متحرک لازم نیاید دوم ضرب ثالث را کہ مقبوض است، قبض نہ کنند۔"

عروضیانِ فارس اس بحر کے اشعار مجزو اور مشطور[1] بھی لائے ہیں لیکن بقول غلام حسین قدر بگرامی وہ اشعار بے کیف ہوتے ہیں۔ عروض سالم کو ضرب مسبغ یا مقبوض مسبغ کے ساتھ لاتے ہیں۔ اور کبھی عروض مسبغ کو ضرب مسبغ کے ساتھ اور عروض مقبوض یا مقصور یا محذوف کو ضرب مقصور کے ساتھ اور کبھی عروض مقصور یا محذوف کو ضرب محذوف کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اس بحر کے عروض مقبوض ہی لانا واجب ہے لیکن بہ ندرت سالم و محذوف بھی آیا ہے اور ضرب سالم و مقصور و محذوف و مقبوض اس بحر میں آتی ہے۔

(۴) عربی میں یہ بحر چودہ طرح پر مستعمل ہے اور فارسی میں عرب والوں کی اتباع میں بہ وقت اور بہ تکلف اس بحر میں سات اوزان عجوبہ[2] وافی آسکے ہیں۔

مثالیں ملاحظہ فرمائی جائیں:۔

عربی کی چودہ مستعمل بحریں

(۱) بحر طویل مثمن، عروض مقبوض باقی ارکان سالم:۔

فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ فَعُولُنْ مَفَاعِلُنْ ✦ فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ

أَبَا مُنْذِرٍ كَانَتْ غُرُوراً صَحِيفَتِي ✦ وَلَمْ أُعْطِكُمْ فِي الطَّوْعِ مَالِي وَلَا عِرْضِي

(شاعر کہتا ہے کہ اے ابو منذر میرے جو نوشتہ تجھکو دیا تھا وہ فریب تھا۔ میں نے نہ اپنا مال تجھے بہ خوشی دیا اور نہ آبرو۔)

(۲) بحر طویل مثمن عروض و ضرب (دونوں) مقبوض باقی ارکان سالم:۔

فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ فَعُولُنْ مَفَاعِلُنْ ✦ فَعُولُنْ مَفَاعِيلُنْ فَعُولُنْ مَفَاعِلُنْ

سَتُبْدِي لَكَ الْأَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلاً ✦ وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

---

[1] شعر جو پورے شعر سے آدھا شعر نکال کر باقی نصف کو ایک شعر کے برابر استعمال کریں اس صورت میں شعر اپنی اصل کے ایک مصرع کے برابر ہوگا۔ [2] وہ شعر جس کے ہر مصرع کے ارکان فارسی ارکان دائرہ کے ہم وزن ہوں خواہ وہ ارکان سالم ہوں یا محذوف۔

(شاعر کہتا ہے عنقریب زمانہ تجھکو ایسی چیزسے روشناس کریگا جس سے تو ناواقف تھا اور ایسا شخص تجھکو خبریں پہنچائیگا جس نے اس کا کوئی صلہ نہ پایا ہو۔)

(۳) بحر طویل مثمن، عروض مقبوض، ضرب محذوف، باقی ارکان سالم :-

فَعُوْلُنْ مُفَاعِیْلُنْ فَعُوْلُنْ مُفَاعِلُنْ فَعُوْلُنْ مُفَاعِیْلُنْ فَعُوْلُنْ فَعُوْلُنْ

أَقِیْمُوْا بَنِی النُّعْمَانِ عَنَّا صُدُوْرَکُمْ وَاِلَّا تُقِیْمُوْا صَاغِرِیْنَ الرُّؤُسَا

(اے بنی نعمان ہماری طرف سے اپنے دلوں کو صاف کرو، ورنہ اپنے سروں کو یا اپنے سرداروں کو برباد کرتے رہوگے یعنی ذلت اور رسوائی کے مرکز بنے رہوگے۔)

(نوٹ :- زجاج کے خیال میں جو فعولن کے ضرب سے مقدم ہے اس کو اس وزن میں مقبوض آنا بہتر ہے۔ سنائی بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ خلیل و اخفش کے نزدیک ایسی ضرب میں قافیہ مردفہ ضروری ہے یعنی جس کی ردی سے قبل حرف مد ہو۔)

(۴) بحر طویل مثمن، عروض و حشو چہارم مقبوض اور ضرب محذوف، باقی سالم :-

فَعُوْلُنْ مُفَاعِیْلُنْ فَعُوْلُنْ مُفَاعِلُنْ فَعُوْلُنْ مُفَاعِیْلُنْ فَعُوْلُ فَعُوْلُنْ

وَفَارَقْتُ حَتّٰی مَا أُبَالِیْ مِنَ النَّوٰی وَاِنْ بَانَ جِیْرَانٌ عَلَیَّ کِرَامُ

(اس شعر میں کیا کیفیت تغزل ہے! سبحان اللہ! شاعر کہتا ہے کہ صدمۂ فراق سہتے سہتے کچھ ایسا عادی ہو گیا ہوں کہ مجھے اب کسی کی مفارقت کا ملال نہیں۔ ہاں! جب کبھی کوئی تازہ صدمہ یا نیا رنج فراق کے ہاتھوں مجھے پہنچے گا، میں رملال کے خیال کو بھی اپنے دماغ میں آنے نہ دوں گا۔)

(۵) بحر طویل مثمن، صدر و حشو دوم و ضرب مقبوض، باقی ارکان یعنی عروض بھی سالم :- "یہ نادر ہے" -

فعولُ مفاعلن فعولُ مفاعیلن فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن

وَنَحْنُ ضَرَبْنَا الْخَیْلَ نَحْوَ نَہَاوَنْدٍ وَقَدْ اَحْجَمَتْ عَنْہَا اللُّیُوْثُ الضَّرَاغِمُ

(اور ہم نے نہاوند کی طرف گھوڑے دوڑائے اور بہ تحقیق اس سے شیران غراں بھی رک گئے۔)

(۶) بحر طویل مثمن، ہر فعولن مقبوض اور ہر مفاعیلن سالم :- (عروض یہاں بھی سالم آیا ہے اور یہ بھی نادر ہے)

فعولُ مفاعیلن فعولُ مفاعیلن فعولُ مفاعیلن فعولُ مفاعیلن

تَلَکُّؤُہٗ حِلْمٌ وَمَنْطِقُہٗ حُکْمٌ وَبَاطِنُہٗ دِیْنٌ وَظَاہِرُہٗ ظَرْفٌ

(ممدوح کا سوچنا تحمل پر مبنی ہے اور قول علم۔ اُس کا باطن دین ہے اور ظاہر دانائی۔)

(۷) بحر طویل مثمن، حشو دوم و چہارم و ضرب مقبوض، عروض محذوف، باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولُ فعولن فعولن مفاعیلن فعولُ مفاعلن

جَزَی اللّٰہُ عَنَّا عَبْسَ آلِ بَغِیْضٍ جَزَاءَ الْکِلَابِ الْعَاوِیَاتِ وَقَدْ فَعَلْ

(خدا عبس بن بغیض کو ہماری طرف سے بھونکنے والے کتوں کی طرح جزا دے اور وہ جزا مل بھی گئی۔)

(۸) بحر طویل مثمن، صدر و ابتدا و عروض و حشو چہارم مقبوض اور ضرب مقصور باقی سالم :-

فعولُ مفاعیلن فعولن مفاعلن — فعولُ مفاعیلن فعولُ مفاعیل

بَنَاتُ بَنِي عَوْفٍ طَاهِرٌ نَقِيَّةٌ — وَأَوْجُهُهُمْ بِيضُ الْمَسَافِرِ غُرَّانُ

(بنی عوف کی لڑکیاں طاہر و پاکیزہ ہیں اور اُن کے چہرے گورے جاذبِ نظر اور روشن ہیں)

(۹) بحر طویل مثمن، ضرب سالم، باقی سب ارکان مقبوض :-

فعولُ مفاعلن فعولُ مفاعلن — فعولُ مفاعلن فعولُ مفاعیلن

أَتَطْلُبُ مَنْ أُسُودِ بِيشَةَ دُونَهُ — أَبُو مَطَرٍ وَعَامِرٌ وَأَبُو سَعْدِ

(کیا تو اُن لوگوں کو بلاتا ہے جن سے شیرانِ بیشہ بھی رتبہ میں کمتر ہیں، اور وہ ابو مطر، عامر اور ابو سعد ہیں)

(۱۰) بحر طویل مثمن، ہر رکن مقبوض :-

فعولُ مفاعلن فعولُ مفاعلن — فعولُ مفاعلن فعولُ مفاعلن

سَمَاحَةُ ذَا وَبِرُّ ذَا وَوَفَاءُ ذَا — وَنَائِلُ ذَا إِذَا صَحَا وَإِذَا سَكِرْ

(خواہ ہوش میں ہو یا مدہوش، بہر حال شجاعت، نیکی وفا اور سخا اُسی شخص یعنی ممدوح کی ذات سے وابستہ ہیں)

(۱۱) بحر طویل مثمن، صدر اثلم حشو اول و سوم مکفوف، عروض مقبوض، باقی سالم :-

فعْلن مفاعیلُ فعولن مفاعلن — فعولن مفاعیلُ فعولن مفاعیلن

شَاقَتْكَ أَحْدَاجُ سُلَيْمَى بِعَاقِلٍ — فَعَيْنَاكَ لِلْبَيْنِ تَجُودَانِ بِالدَّمْعِ

(سلیمیٰ کے ہودجوں نے مقامِ عاقل میں تجھے شوقِ دیدار پر آمادہ کیا پس تیری دونوں آنکھیں فراق میں آنسو بہاتی ہیں۔)

(۱۲) بحر طویل مثمن، صدر و ابتدا دونوں اثلم، عروض مقبوض باقی سالم :-

فعْلن مفاعیلن فعولن مفاعلن — فعْلن مفاعیلن فعولن مفاعیلن

لَكِنْ عُبَيْدُ اللهِ لَمَّا أَتَيْتُهُ — أَعْطَى عَطَاءً لَا قَلِيلًا وَلَا نَزْرَا

(لیکن عبید اللہ ایسا ہے کہ جب میں اُس کے پاس گیا تو اُس نے عطیۂ کثیر دیا، نہ قلیل اور نہ کم)

(۱۳) بحر طویل مثمن، صدر اثرم، عروض مقبوض، باقی سالم :-

فاعِ مفاعیلن فعولن مفاعلن — فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلن

أَهَاجَكَ رَبْعٌ دَارِسُ الرَّسْمِ بِاللِّوَى — لِأَسْمَاءَ عَفَّى آيَهُ الْمَوْرُ وَالْقَطْرُ

(اسما کا معدوم الآثار مکان جو لویٰ میں تھا اور جس کے نشانوں کو موجِ آب نے محو کر دیا تھا جوش میں لے آیا)

(۱۴) بحر طویل مثمن، ابتدا اثرم حشو دوم اور عروض و ضرب مقبوض باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولُ مفاعلن — فاعِ مفاعیلن فعولن مفاعلن

فلمّا أتاني والسماءُ تبلّہ　　　قلتُ لہ أهلاً وسهلاً ومرحباً

(پس جس وقت وہ میرے پاس آیا آسمان اس کو بھگو رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ تو گویا اپنے اہل و عیال میں آیا اور تیری مسافت آسانی سے طے ہوئی اور میرے گھر کا دروازہ تیرے لئے ہمہ دم کھلا ہوا ہے)

فارسی کی سات قلیل الاستعمال بحریں

(۱) بحر طویل مثمن سالم :- فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلن ÷ فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلن

باحساں توئی حاتم برفعت توئی کسریٰ ÷ بخوباں توئی آصف بہ برہاں توئی عیسیٰ

(اس بحر میں اگر عروض مقبوض بھی ہو تو جائز ہے)

(۲) بحر طویل مثمن، عروض و ضرب مسبغ باقی سالم :-　　(یہ تسبیغ دائرے سے خارج ہے)

فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلان　　　فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلان

کسے را کہ در دنیا بعشقش سروکار است　　　یقیں دان کہ در عقبیٰ ہم او را غم یار است

(۳) بحر طویل مثمن عروض مقبوض مسبغ، ضرب مسبغ باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلان　　　فعولن مفاعیلن فعولن مفاعیلان

ببردی دل و جانم بیک غمزہ ناگہاں　　　نہ بردی کہ من دادم تو خود بےگناہی ہاں

(۴) بحر طویل مثمن، حشو دوم و عروض و ضرب مقبوض باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولُ مفاعلن　　　فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن

سریٰ طیفُ من یجلو بطلعتہ الدجیٰ　　　شگفت آمد از بختم کہ ایں دولت از کجا

(رات مجھے اس کا خیال آیا کہ جس کی صورت میری اندھیری رات کو منور کرتی ہے۔ مجھے اپنی قسمت پر حیرت ہوئی کہ یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی)

اگر فعولُ کی جگہ فعولن اور مفاعیلن کی جگہ مفاعلن لائیں تو مضائقہ نہیں۔

ع محبت رقیبوں سے عداوت ہے یاس سے + کسی پر عنایتیں کسی پر یہ شدتیں۔　　(یاس عظیم آبادی معروف بہ یگانہ چنگیزی)

محبت۔ رقیبوں سے۔ عداوت۔ ہ یاس سے　　　کسی پر۔ عنایتیں۔ کسی پر۔ یہ شدتیں

فعولن۔ مفاعلن۔ فعولن۔ مفاعلن　　　فعولن۔ مفاعلن فعولن۔ مفاعلن

(۵) بحر طویل مثمن، عروض و حشو سوم و چہارم و ضرب مقبوض باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولن مفاعلن　　　فعولن مفاعلن فعولُ مفاعلن

بدیں عاشقی ہر کو دہد پند مر مرا　　　ہمی کو زبر کند فسانہ ز ابلہی

(۶) بحر طویل مثمن، عروض و حشو سوم مقبوض، ضرب محذوف، باقی سالم :-

فعولن مفاعیلن فعولُ مفاعلن　　فعولن مفاعلن فعولن فعولن

بجائے کجا حتّا بخوبی ندانمش　　بہ گوئی کرابا شد بعشقش صبوری

(۷) بحر طویل مثمن، صدر و ابتدا اثلم اور حشو دوم و چہارم بقول اکثر اثلم باقی ارکان مقبوض:۔

فعلن مفاعلن فعلن مفاعلن　　فعلن مفاعلن فعلن مفاعلن

رکھتے ہیں چشم نم قاتل نہ کر ستم　　مرتے ہیں تجھ پہ ہم دیکھ اب کہاں ہے دم

قدر بلگرامی مرحوم کو اس میں تامل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بحر طویل خواہ سالم ہو خواہ مزاحف اُردو میں مستعمل ہی نہیں۔ دوسرے ثلم درمیانی ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ خرم سے مرکب ہے اور خرم اوائل مصاریع کے لئے خاص ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں رُکن دوم و سوم میں باہم تجمیع ہوئی ہے تو پھر قبض و کف دونوں کو رُکن دوم میں ماننا پڑیگا اور اشتراک قبض و کف بحکم معاقبہ بالکل غلط ہو جائیگا، اس لئے یہ وزن ہی غلط ہے۔ میں اس کے ماننے کے لئے طیار نہیں کہ اگر اُردو میں کسی خاص بحر میں شعر نہیں کہے گئے ہیں تو کہے ہی نہ جائیں لیکن ہاں دوسری رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ سیّد مظفر علی اسیر مرحوم اپنی کتاب شجرۃ العروض میں صحیح فرماتے ہیں کہ "جمع شدن فعولن یا فعولُ مقبوض جائز است در دیگر مزاحف این بحر آنچہ خالی از اشتباہ و التباس باشد نزد شعرائے عجم مطبوع نیست"۔ فقط۔

نوٹ:۔ معلمین حضرات میری اس کاوش اور جدو جہد لاحاصل پر تبسم فرمائیں گے اور میں اُن کے ایفانہ ہونے والے وعدے کو یاد کرکے کسی کے شعر کا لطف اٹھاؤں گا۔ وہ حضرات بھی خوش اور میں بھی خوش!!

تھا تبسم لب پہ اُن کے رقص بسمل دیکھ کر　　مر مٹا میں شوخیِ اندازِ قاتل دیکھ کر

غالب محمود کاظمی عفی عنہ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ذیل کا مراسلہ بلبل بہار حضرت سرتیر کا بری گیاوی کا آخر میں موصول ہوا جسے ہم قلت گنجائش کے باعث بعض غیر ضروری عبارتوں کے حذف کے بعد شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

۱۶ ستمبر ۱۹۳۹ء کو فرخی منزل میں جو مشاعرہ انجمن ترقی اُردو گیا کے نام سے ہوا تھا اس کی "لیس" بطور ضمیمہ رسالہ ندیم میں شائع ہوئیں۔ جب میں نے اپنے قطعہ پر نگاہ کی تو اس میں دو شعر کا اضافہ پایا اور دونوں شعر غلط اور مہمل ہیں ....

بعض شعرا کو یہ شکایت ہے کہ میرے اچھے شعر غزل سے نکال دیئے گئے اور مجھے یہ شکایت ہے کہ غلط اشعار میرے قطعہ میں اضافہ کر دیئے گئے ....

ذیل کے دو شعر جو قطعہ میں درج ہیں میرے نہیں ؎

وحش اللہ مبارک سا فصیح دوراں　　جنکے دم سے برکت بزم کو حاصل ہو جائے

میزبانِ شعرا ہو شہ قاسم سا غنی　　پھر تو مستغنی ہر اک حاضر محفل ہو جائے

ان اشعار کے متعلق میرے احباب میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اور خطوط آرہے ہیں۔ تین مہینے گزر گئے اڈیٹر صاحب ندیم جو شاید انجمن کے سکریٹری بھی ہیں باوجود وعدہ کے انہوں نے اسکی تصحیح ندیم میں نہ چھاپی لہذا مجھے مجبوراً سہیل میں شائع کرنا پڑا۔ کیا انجمن ترقی اُردو کے اعضائے رئیسہ اس کا کچھ جواب رکھتے ہیں؟

فقیر سرتیر

جذباتِ صبر

از جناب صبر رضوی مخدوم آبادی

ہوا ہے بے نشاں مٹ کر غبار ناتواں میرا
خفا ہو کر بگاڑے گا بھلا کیا آسماں میرا

نہیں ہونے پہ بھی ہیں اک کتاب عہد ماضی ہم
مری خاموشیوں میں جذب ہے ذوق بیاں میرا

مرا دیدہ ہوا ہے ذرہ ذرہ باغ عالم کا
ملے گا تنکے تنکے پر نشانِ آشیاں میرا

جدھر میری نظر اٹھی ادھر ہی کچھ کشش پائی
کیا بربادیوں نے ہر جگہ پیدا مکاں میرا

مری تکبیر سے واقف نہیں ہے کون عالم میں
ابھی تک گونجتا ہے ہر طرف شور اذاں میرا

مری طغیانیوں نے پاک کر ڈالا زمانے کو
خس و خاشاک کو دھوتا گیا سیل رواں میرا

خدا کے سامنے جھکتی رہی جب تک مری گردن
فلک بھی چومتا تھا جھک کے سنگ آستاں میرا

وہی میں ہوں کہ دنیا بھر کی جس نے پاسبانی کی
بھروسہ تھا خدا پر اک خدا تھا پاسباں میرا

مرے اقبال کی بیٹھی ہوئی تھی دھاک کچھ اتنی
زمانہ کانپتا تھا نام آتا تھا جہاں میرا

زمین و آسماں کی وسعتیں بھی تنگ تھیں گویا
کہیں منزل سے آگے بڑھ چکا تھا کارواں میرا

مجھی سے برق نے سیکھی چمن میں شعلہ افشانی
مری ہی آگ سے اب پھونکتی ہے آشیاں میرا

مگر ناکامیوں سے بڑھ رہے ہیں حوصلے میرے
وفورِ ضعف سے دل ہوتا جاتا ہے جواں میرا

مرے ذوق ستم سے خود ستمگر تھکتے جاتے ہیں
کہاں تک اور لیں گے امتحاں پر امتحاں میرا

بدل دی صبر دنیا ہی مری دورِ حوادث نے
نہ وہ رنگِ طبیعت ہے نہ وہ رنگ بیاں میرا

ناہید کا خط حامد کے نام

گمنام نگر۔ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۹ء

گمشدہ حامد!

تمہارا خط بعد انتظار مدید اس طرح نظر آیا جس طرح قحط زدہ ملک پر ابر رحمت۔ یا کسی روزہ دار کو عید کا چاند۔ عجیب لطف تو یہ ہے کہ عید کے روز سہیل کا عید نمبر ملا اور اس میں .... تمہارا خط تھا ... حامد۔ یہ عید کا چاند بھی نظر آ گیا اس وقت میں جذبات کی ترجمانی سے قطعی معذور ہوں۔ اور تمہارا دل دکھانا منظور نہیں۔ "ایفائے عہد" کافی عرصہ کے بعد شائع ہوا اور ایک ایسے پرچہ میں جس کا مجھے خیال بھی نہ تھا۔ یہ مضمون آج سے آٹھ سال قبل میں نے ایک ایڈیٹر کے نام بھیج دیا۔ مگر وہ پرچہ بند ہو گیا۔ اور میں نے بمشکل صبر کر لیا..... حامد..... میں نے بھی دوسری بلکہ تیسری زندگی میں قدم رکھا ہے۔ اور کسی نہ کسی طرح دل کی آگ پر قابو پا چکی تھی مگر فلک کجرفتار کو کب منظور تھا کہ کوئی بدنصیب ازلی سکون حاصل کر سکے۔ "ایفائے عہد" پڑھ کر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں ...... چنانچہ "سہیل" کی راہ دیکھا کرتی تھی کہ خدا اس خواب کی تعبیر بھی دکھا دے۔ اور شکر ہے کہ تمہارا خط شائع ہوا۔ خدا تمکو زندہ رکھے۔ خوش رہو۔ اور جلد از جلد ایفائے عہد کرو ...... میں اپنی دردناک داستان بھی اس کے بعد سناؤں گی۔ جو ہندوستانی بیکس عورتوں کی عبرتناک تصویر ہوگی۔ اور تم میری موجودہ زندگی پر تبصرہ کر سکو گے ... اب میں چشم براہ ہوں کہ جلد اپنا وعدہ پورا کرو ..... ہاں میں اب بالکل اچھی ہوں اگر لفظ اچھی کا مفہوم تندرستی ہے، اور میرا مرض بھی عرصہ سے غائب ہے .... مگر مرض قدیم سے چھٹکارا نہ ہوا اور نہ ہوگا اور دعا ہے کہ تا قیامت نہ ہو۔ باقی آئندہ۔

راقمہ بدنصیب
"ناہید"

نوٹ: پہلے یہ ضرور لکھنا کہ تمہارے محل زندگی میں کتنے فرشتے ہیں کیونکہ مجھے امید ہے کہ تم نے میری دی ہوئی قسم کا خیال کر کے اپنی شادی ضرور کر لی ہوگی۔

خاص نمبر کے چند شعراء

افصح الفصحاء علامہ شفیق عماد پوری۔ امام الشعراء حضرت آرزو لکھنوی۔ علامہ حضرت آزاد عظیم آبادی۔ علامہ سیماب اکبرآبادی۔ خان بہادر سید [illegible] علی وحشت کلکتوی۔ علامہ جمیل مظہری۔ یادگار داغ حضرت سالک عظیم آبادی۔ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی۔ حضرت احسن مارہروی۔ بلبل بہار حضرت [illegible] کاکوی۔ حضرت ادیب مالیگانوی۔ حضرت بہزاد لکھنوی۔ لسان الہند علامہ تمنا عمادی۔ جناب اعجاز صدیقی اکبرآبادی۔ جناب یاس بہاری۔ محترمہ شکیلہ اختر۔

کہانی پھولوں کی

از جناب کیدار ناتھ ورما عشق گیاوی

بلبل نے سُنی جب گلچیں سے کچھ رام کہانی پھولوں کی
آنکھوں میں اُسکی پھرنے لگی پُرکیف جوانی پھولوں کی

گلزار میں آیا موسمِ گل اترا کے یہ کہتی ہے بلبل
اللہ رے گلستاں کا عالم اللہ رے جوانی پھولوں کی

مانا کہ ہے رخصت موسمِ گل مانا کہ ہے آیا دورِ خزاں
گلزار میں پائی جاتی ہے پر اب بھی نشانی پھولوں کی

بلبل تو کس پر پھولی ہے کس بات پہ تو اتراتی ہے
کب تک یہ لڑکپن کلیوں کا کب تک یہ جوانی پھولوں کی

ہوں جیب و گریباں کے پرزے دل اور جگر کے بھی ٹکڑے
گر رام کہانی تم سن لو بلبل کی زبانی پھولوں کی

کیا آیا چمن میں دورِ خزاں غنچوں کی قبا کیوں چاک ہوئی
اب خاک میں ملتی جاتی ہے پُرلطف جوانی پھولوں کی

گلچیں بھی ہے بادِ صرصر بھی پھر اس پہ خزاں کے جھونکے بھی
بلبل سے ہو سکتی ہی نہیں تنہا نگرانی پھولوں کی

سب عشق و حسن کی رودادیں کھل جائینگی گر دل سے سنئے
بلبل کی کہانی پھولوں سے بلبل سے کہانی پھولوں کی

اے عشق ترے دل پر بھی کیا کچھ حسن و لطافت کا ہے اثر
آنکھوں میں جو ہر دم پھرتی ہے خوش رنگ جوانی پھولوں کی

سنہ ۱۹۳۹ء کی رُوداد

سید معین الدین سہروردی غنچہ خلف جناب سید عبدالحفیظ سہروردی۔ بزم

رخصت اے ماہ دسمبر! رات بھر کا میہماں — چند ساعت کیلئے اب اور ہے سال رواں
کل جو پہلی جنوری کی صبح ہوگی جلوہ گر — پھر خدا جانے۔ رہیں گے ہم کہاں اور تو کہاں
ایک عالم کو جدائی کا تری ہوگا ملال — ایک مدت تک رہیگی یاد تیری داستاں
تیری فرقت کا اثر ہر شخص پر یکساں نہیں — کوئی شاکی ہے ترا کوئی ہے تیرا مدح خواں
تونے لاکھوں کو پلایا بادۂ عیش و طرب — اور پھیری سیکڑوں کے حلق پر تیغ رواں
آسٹریا سے کوئی پوچھے ذرا حالت تری — اسکے گلشن کے لئے تھا دور تیرا اک خزاں
ہائے دیکیا آزاد اس کی زندگی دنیا میں تھی — آج دیکھو۔ پاؤں میں اسکے پڑی ہیں بیڑیاں
سال رفتہ! دیدۂ بینا سے اپنے دیکھ تو — جور سے تیرے سلوؤک کی ہیں آنکھیں خونفشاں
گوش دل سے سن ذرا فریاد اک مظلوم کی — جل گیا ہے دور میں تیرے ہی۔ اس کا آشیاں
کس کی یہ آواز ہے؟ پولینڈ کی آواز ہے — یہ زبان حال سے کہتا ہے اپنی داستاں
جرمنی اور روس کے پنجوں میں یہ بھی پھنس گیا — آج اسکے پیرہن کی اُڑ رہی ہیں دھجیاں
اک پھلا پھولا گلستاں آج ویراں ہوگیا — اسکے صحن باغ میں ہے چشمہ خونی رواں
سال رفتہ! تیرے ناوک کے ہدف ہیں اور بھی — ایشیا کوچک ہے گریاں۔ نوحہ گر ہندوستاں
زلزلہ بن کے قضا نے حشر برپا کر دیا — گوشہ گوشہ ایشیا کوچک کا ہے محو فغاں
ہند کو اسکی شکایت ہے کہ تیرے عہد میں — دور آزادی ہوا اس کے لئے دورِ خزاں
تجھ سے کچھ حاصل ہوا تو جرمنی اور روس کو — آج دنیا میں یہی دونوں ہیں تیرے قدرداں
ہاں۔ مگر ان ظالموں کو یاد رکھنا چاہئے — ہوگیا لبریز ان کا ساغرِ عمر رواں
سال نو! میں خیر مقدم کو ترے تیار ہوں — کاش تو لایا ہو دنیا کے لئے امن و اماں

ہے دعا غنچہ کی تیرے دم قدم کے فیض سے
[illegible] سے مرا ہندوستاں

نقد و تبصرہ

شہنشاہ حبشہ :- مصنفہ حضرت اختر اورینوی ایم۔ اے۔ ٹائٹل رنگین مصور۔ کاغذ، کتابت و طباعت اعلیٰ تقطیع چھوٹی۔ صفحات ۸۰۔

ناشر :- مکتبہ اُردو لاہور۔ پنجاب۔ قیمت ۶؍۔

کہا گیا ہے کہ قدرت انسان کو کوئی ایک جوہر عطا کرتی ہے اور زیادہ تر یہی دیکھا بھی گیا ہے لیکن حضرت اختر اورینوی اس کلیہ سے مستثنیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اگر ایک طرف بلند خیال شاعر اور ماہر افسانہ نگار ہیں تو دوسری طرف ایک کامیاب مقالہ نگار اور صاحبِ فن ڈرامہ نویس بھی!

"شہنشاہ حبشہ" ایک المیہ ڈرامہ ہے جو اختر صاحب کی کامیاب تمثیل نگاری کا شاہد ہے۔ معلوم ہوتا ہے مصنف وہی کچھ لکھتے ہیں جو دل محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ یہ کتاب مصنف کے ان ہولناک تاثرات کا نتیجہ ہے جو حبش کی خونریزی اور انسانیت سوز جنگ کی پیداوار تھے۔ پوری کتاب میں جوش و ولولہ کا عنصر زیادہ غالب ہے۔ اور حب الوطنی کے مقدس جذبہ کی فراوانی ہے۔

یہاں صرف مصنف کی کامیاب منظر کشی کی اثر آفرینی ملاحظہ ہو۔

"اطالوی ہوائی جہازوں سے ہر طرف بم اور شعلے گر رہے ہیں۔ سارا محلہ علیحدہ علیحدہ شامیانوں کی آڑ میں چھپ جاتا ہے۔ زخمیوں کا ایک کیمپ ہے۔ دفعتاً آتشگیر ہو کر بھک سے جل اٹھتا ہے۔ خیموں میں بیکسی کی آہ و زاری، مضطرب کراہیں اور بھاگنے کی تگ و دو کا مسلسل شور سنائی دیتا ہے۔ خیموں کے باہر سپاہی بھیانک گول گول سیاہ و سپید دیدے نکالے آسمان کی طرف تک رہے ہیں۔ زخموں کے باعث اُٹھنے سے مجبور ہیں۔ زیر لب نیم مردہ یا بلند آواز سے بڑبڑا رہے ہیں۔ ایک خیمہ سے ایک مجروح سپاہی نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے باہر آتے ہی دھم سے گر کر دم توڑ دیتا ہے۔"

الاماں! کیا جنگ کی یہ ہیبت ناک تمثیل قاری کے دل میں تیر بنکر چبھ جانے کو کافی نہیں؟ بظاہر یہ کتاب حبش و اطالیہ کی لڑائی جیسے خشک موضوع سے متعلق ہے۔ لیکن مصنف کے جوہر نگار قلم نے اس میں ادب کی لطافت کو بھی ساتھ ساتھ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جا بجا اختر صاحب کے لطیف رجحان پرور خیالات کی جھلک کتاب کی قدر و قیمت میں چار چاند لگاتی ہیں۔

ہماری پر زور اپیل ہے کہ اگر آپ اہلِ حبشہ کی وفاداری اور اطالیہ کے وحشی درندوں کی خونخواری، محبت کرنے والی ہستیوں کی قربانی اور ظلم و تشدد سے بھڑنے والے سپاہیوں کے جذبۂ ایثار کی چلتی پھرتی تصویر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنی پہلی فرصت میں اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ اُردو۔ لاہور۔

رسالہ انیس الہ آباد :- سائز ۲۰×۲۶/۸ ٹائٹل خوش رنگ مصور۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ۔ چندہ سالانہ ۱۲؍۔ فی پرچہ ۵؍۔ ملنے کا پتہ :- انجمن انیس اُردو۔ الہ آباد۔

انیس اُردو کا علمی، ادبی اور تاریخی رسالہ ہے جو الہ آباد سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں زیادہ تر دلچسپ اور معیاری افسانے چھپتے ہیں۔ علمی اور تحقیقی مضامین کی اشاعت کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کا ایک حصہ "شعبۂ نسواں" ہے جس کے ماتحت صرف عورتوں کے بہترین ادبی مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں۔ اسکی مدیرہ جناب بیگم حمیدالدین عباسی صاحبہ قابل مبارکباد ہیں۔

کتابت کی غلطیوں سے رسالہ کو حتی الامکان پاک صاف رہنا چاہئے۔ اُمید ہے اس کی طرف لائق مدیران توجہ فرمائیں گے۔

پرچہ مجموعی طور پر مفید اور قابل مطالعہ ہے۔ بہی خواہانِ اُردو اسکی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اُردو نوازی کا ثبوت دیں۔

مفرحات

مخلصانِ قوم

(از جناب سید حمید الدین صاحب رضوی سرسری مخدوم آبادی متعلم پٹنہ کالج)

لے دہ کر جامِ بادۂ غفلت میں چور ہے
تجھکو مئے الست کا اب تک سرور ہے

جلسے میں ہو تو دیتا ہے تو درسِ حریت
پر حاکموں کے آگے دبی جی حضور ہے

کرتا نہیں ہے بات غریبوں سے چھوٹے منہ
نخوت ہے تجھکو آز ہے کبر و غرور ہے

چندوں کو ہضم کرکے بھی لیتا نہیں ڈکار
تیرا شکم نہیں ہے دہکتا تنور ہے

تو کیوں ملے کسی سے کہ تجھکو تو روز و شب
فکرِ حصولِ جنت و غلمان و حور ہے

ثانی نہیں ہے کوئی سیاست میں بھی ترا
مشہورِ خلق آج تو نزدیک و دور ہے

مانا امامِ فلسفۂ دہر بھی ہے تو
دنیا کے سب علوم پہ تجھکو عبور ہے

علامۂ زمانہ ہے علم الکلام میں
مانا کہ تجھ کو فقہ پہ کامل عبور ہے

ازبر ہیں یاد تجھ کو احادیث بے شمار
قرآن ہے زباں پہ تری یاد زبور ہے

لیکن مرے خیال میں تیری ہر ایک بات
دھوکا ہے یا فریب ہے یا مکر و زور ہے

دنیا کی تجھکو فکر ہے عقبیٰ کی آڑ میں
در پردہ اک اژدہا ہے ناشکور ہے

جب کرتا ہے مخالفتِ عقدِ بیوگاں
در پردہ تو بھی حامیٔ فسق و فجور ہے

جب پوچھتا ہوں میں سببِ برق و صاعقہ
کہتا ہے یہ تو شانِ خدا کا ظہور ہے

جب پوچھتا ہوں تجھ سے کہ آزاد ہوگا ہند
کہتا ہے بے رخی سے ابھی دلی دور ہے

جب مانگتا ہوں تجھ سے میں فتویٰ جہاد کا
کہتا ہے کچھ دماغ میں اس کے فتور ہے

سلجھا سکے گا جب تو نہ مذہب کی گتھیاں
کہہ دیگا ہر کسی سے کہ تو بے شعور ہے

چلتا نہیں جو اب تو بھر کر اک آہِ سرد
کہتا ہے اب قریب ہی یوم النشور ہے

ہوگی بھی یا نہ ہوگی قیامت تری مگر
بیٹھا ابھی سے منتظرِ نفخِ صور ہے

ہیں سرکشی میں تیری تو کہتا ہوں میں عبث
تجھکو امیدِ رحمتِ ربِ غفور ہے

اپنے ہمالیہ پہ نہ ہو ناز کیوں مجھے
جب جانتا ہوں پست ترا کوہِ طور ہے

عقلِ سلیم رکھتا ہوں کس طرح مان لوں
وہ بات جو کہ عقل سے بالکل ہی دور ہے

الحاد کی طرف جو یہ مائل ہیں نوجواں
سچ سچ بتا مجھے کہ یہ کس کا قصور ہے

کہہ سکتے ایک مصرعِ موزوں نہیں مگر
حضرت کو پھر بھی ٹانگ اڑانا ضرور ہے

ان حامیٔ غریب کے گھر جا کے دیکھئے
مسند ہے گاؤ تکیہ ہے جامِ بلور ہے

محفل سجی ہے جامِ تعیش ہے دور میں
ساقی سیمتن بھی کوئی رشکِ حور ہے

جنت کا ہے خیال نہ دوزخ کا خوف کچھ
تو تو تلون آپ کے سر میں سرور ہے

بہرِ حصولِ مقصدِ خود ساختہ کبھی
نوٹس ہے پروگرام ہے میٹنگ ہے ٹور ہے

سچ پوچھئے تو وعظِ سیاست کے نام پر
مقصود بس سیاحتِ نزدیک و دور ہے

پنجاب ہے تو کرتے ہیں کشمیر کا سفر
بنگال سے کبھی سفرِ کانپور ہے

روشن ہو اور لگے کہ کسی کو بھلا لگے
جو بات حق ہے وہ تمھیں کہنا ضرور ہے

المختصر یہ شانِ ریاست میں چور ہیں
دنیا قریب ان کے ہے دین ان سے دور ہے

سالِ ہفتم ۱۹۴۰ء

ہندوستان کا مشہور ترین

خالص ادبی - علمی - فنی اور اصلاحی

قیمت سالانہ ۳ روپے

نمونہ فی پرچہ ۴ر

ماہنامہ **شاعر** آگرہ

اگر آپ اردو میں اجتہاد و اختراع - علو اور بلندی، ٹھوس تنقیدیں، بلند پایہ ادبی تاریخی اصلاحی مضامین - ادب میں اضافہ خیز ہیجان انگیز رنگ کو شرمانے والی نظمیں، دلچسپ اور تدبیرِ منزل بتلانے والے افسانے، صنفِ نازک کے آزاد خیالات و رجحانات اور ہندوستان کے تمام واقعی شعرا کا تازہ ترین کلام دیکھنا چاہتے ہیں۔

تو آج ہی ماہنامہ "شاعر" آگرہ کے خریدار ہو جائیے

جو دس سال سے اردو کی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے اور جس کا ہر پرچہ ادب کا ایک شاہکار ہوتا ہے۔ "شاعر" کے معیار اور حسنِ مضامین کی وجہ سے ایک نمونہ دیکھنے کے بعد کوئی صاحبِ ذوق اس کی خریداری سے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لکھائی چھپائی کاغذ بہترین ٹائٹل آرٹ کا رنگین شاہکار

ملنے کا پتہ
منیجر شاعر قصر الادب آگرہ

عالمگیر حسن نمبر ۱۹۴۰ء
باتصویر

رسالہ **عالمگیر** لاہور

پندرہ سولہ سال سے اردو ادب کی اہم بالشان خدمت انجام دے رہا ہے اور نہایت پابندیٔ وقت سے شائع ہوتا ہے اس کے مستقل خریداروں کو سال بھر میں بڑے سائز کے دو ضخیم اور قابلِ دید خاص نمبر بالکل **مفت** نذر کئے جاتے ہیں حال ہی میں اس کا خاص نمبر سنہ ۱۹۴۰ء جلوہ گاہِ اشاعت پر آیا ہے جس کی ترتیب میں ہندوستان کے قریباً تمام مایہ ناز شعرا اور جلیل القدر ادبا نے حصہ لیا ہے

قیمت خاص نمبر [illegible] | علاوہ محصول ڈاک | سالانہ چندہ [illegible]

منیجر رسالہ عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور

ضروری نہیں کہ آپ ہر دوکاندار۔ کارخانہ اور کمپنی کا نام یاد رکھیں

صرف

آل انڈیا جنرل آرڈر سپلائی کمپنی کلکتہ

۴۵ مکلوڈ اسٹریٹ کلکتہ

کا پتہ نوٹ کرلیں اور ضرورت کے وقت ہر خدمت کے لئے یاد فرمائیں

آپ کو کلکتہ جیسے بڑے شہر سے اپنی تجارت اور ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں تو شوق سے اس کمپنی کو لکھیں۔ آپکی ساری فرمائشیں مختلف کمپنیوں سے فراہم کرکے عہ (ایک روپیہ چار آنہ) فی صدی کمیشن پر نہایت ارزاں بہت جلد روانہ کریگی خصوصاً پریس کے جملہ سامان۔ ہر قسم کی روشنائی، وارنش، پالش، پتھر، کاغذ وغیرہ کے بھیجنے اور بلاک مثلاً ہاف ٹون، لائن، الکٹرو کے بنوانیکا کافی انتظام ہے۔ ایک مرتبہ معمولی آرڈر دیکر آزمائیں۔

"منیجر"

THE SOHAIL
MONTHLY
سرپرست :- جناب مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب
رسالہ ماہانہ سہیل گیا
GAYA
صوبہ بہار کا علمی ادبی تاریخی
تنقیدی اخلاقی
ماہنامہ
مقام اشاعت

کیا آپ کو معلوم ہے ؟

کہ کون سا زردہ اچھا ہے وہ جس کے کھانے سے دل و دماغ تازہ رہیں۔ سر میں چکر نہ ہو۔ پان مزادار ہو منہ کی تمام خرابیوں کو دور کرے۔ اس لیے عطریات کے بادشاہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنو

نے

عطریات کے ساتھ ساتھ زردہ کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ پبلک کو آسانی ہو۔ آزمائش شرط ہے۔

ذیل کے پتہ سے طلب کریں

اکبر علی احمد علی اینڈ برادرس ۱۲۲ لور چیت پور روڈ کلکتہ۔ ۱۱۶ گلی ۲۵ رنگون

پھولوں کی بارش

عطر صنوبر ہمارے یہاں کا خاص عطر ہے جس کی خوشبو نہایت دلفریب اور فرحت بخش ہوتی ہے۔ ایک بار لگانے سے آپ یہ محسوس کرینگے جیسے کہ پھولوں کی آپ پہ بارش ہو رہی ہے نیز اس کی خوشبو کافی مدت تک قائم رہتی ہے اسکے علاوہ ہار سنگار عطر روح افزا اور دیگر عطریات بہتر قسم کے ہمارے یہاں آپ کو دستیاب ہوسکتے ہیں۔ اور ان سب کی قیمتیں بالکل مناسب رکھی گئی ہیں۔ دیگر قسم کے خوشبودار تیل و عرقیات ہم سے خریدیں ہمارے یہاں کا خاص تیل روغن حیات دماغی کام کرنے والوں کے لئے نایاب چیز ہے۔ فہرست مفت طلب کیجئے۔ آزمائش شرط ہے۔

حافظ محمد زکریا برادرس

۳۱/۳۶ سراج بلڈنگ۔ فوجداری بالاخانہ۔ کلکتہ

ہمیشہ نکٹائی مارکہ زردہ کھائیں
دوسرے مارکہ کو ہاتھ نہ لگائیں
تمام زردوں کا بادشاہ ؛ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؛ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفرانی
تمام زردہ قواموں کا امام ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام
تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؛ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دل و جان ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الایچی دانوں کا تاج شاہانہ ؛ نکٹائی مارکہ خوشبودار الایچی دانہ
اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی وہاں بھی ہے ٭ برما بھی مدح خواں ہے ہندوستاں بھی ہے
(مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو)
محمد مصطفےٰ حسین کا شہرۂ آفاق کارخانہ
نکٹائی مارکہ
کی بہترین و عمدہ ترین و ملذذ ترین چیزیں مغرب و مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں بلکہ خوبصورتی خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور خوش تر سے خوش تر نفیس پیکٹوں اور خوش وضع شیشیوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ضرور آزمایش کیجئے
شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں
ہیڈ آفس :- نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ۔ ہوڑہ
برانچیں :-
کلکتہ
۱۵ کیننگ اسٹریٹ
بمبئی
۹۱ ارسکین روڈ بمبئی
رنگون
۱۱۸ سورتی بڑا بازار

زردہ طلائی

یہ ہندوستان کے تمام زردوں کا بادشاہ ہے نہایت قیمتی نفیس مقوی اور مفرح اجزاء سے مرکب ہے زردہ طلائی خشکی دانہ اسکی قیمت فی تولہ پانچ روپیہ

" " " ۱ تولہ کی ڈبیہ [illegible]

زردہ نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
سادہ دانہ خشکی چہارم قیمت فی سیر ۸ "
" " پنجم " " ۴ "
" " ششم " " [illegible] "
" " ہفتم " " [illegible] "

پیلی پتی نقرئی و زعفرانی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
" چہارم " " " ۴ "
(سادہ) پنجم " " " ۲ "

زردہ موہنی نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "

زردہ نقرئی سرخ زعفرانی پتی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
سادہ اول قسم ششم " " [illegible] "

زردہ براؤن زعفرانی پتی

سادہ قسم اول قیمت فی سیر ۳ روپیہ
قسم چہارم قیمت فی سیر [illegible] "

قوام بمبا کو مشکی خوشبودار نقرئی

قسم اول قیمت فی تولہ ۳ روپیہ
(جاوتری) قسم اول " " " [illegible] "
" " چہارم " " " ۴ "

پیکڈ زردہ

بکسوں میں جو زردہ بند کیا جاتا ہے وہ بہترین قسم کا زردہ ہے۔ ذیل میں آدھ سیر کے بکسوں کی قیمت دی گئی ہے

پیکڈ زردہ خوشبودار

سیاہ پتی سرخ بکس پیکارانہ قیمت [illegible]
" سبز بکس " " ۱۲ "
براؤن پتی سیاہ لیبل " " [illegible]
" " سبز لیبل " " [illegible]
" " سرخ لیبل " " ۱۰ "
براؤن زعفرانی پتی سبز لیبل ایک پاؤ کا بکس قیمت ۹ "
" " سرخ لیبل " ۷ "

ہوائی جہاز مارکہ زردہ بکس آدھ سیر کے بکس قیمت [illegible]
ہوائی جہاز مارکہ گلابی بکس آدھ سیر ۱۰ "
سانپ مارکہ زردہ بکس " ۸ "

پان کے مسالے (نکٹائی مارکہ)

مکھ بلاس گلاب پھول مارکہ فی ڈبہ ۴ "
" " " " فی گروس ۹ روپیہ
پان بلاس نقرئی گولیاں فی شیشی ۶ "
" " " " فی گروس ۵۴ روپیہ
دل بہار یعنی اسینس الایچی فی شیشی ۴ "
تمبل بہار نکٹائی مارکہ قسم اول فی درجن [illegible]
" " " " فی گروس [illegible]
نقرئی شیشی سلور زردہ فی شیشی ۴ "
بتیل چیپ تری ڈبیہ قیمت ۶ "
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم اول فی سیر ۴۰ روپیہ
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم دوم فی سیر ۲۰ روپیہ
" " " سوم " " ۱۰ "
سیاہ چمکیلا سادہ خوشبودار دانہ قسم اول فی سیر ۴ روپیہ
" " " قسم دوم " " ۲ "

بیوٹی کریم سنگدرہ مائی (نکٹائی مارکہ) اسکے استعمال سے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں اور مہاسے بالکل دور ہو جاتے ہیں جلد صاف ستھری نکل آتی ہے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے مردوں کے علاوہ عورتوں کیلئے نہایت ضروری ہے
قیمت فی درجن ۲ فی گروس [illegible]

جہاز مارکہ خضاب (نکٹائی مارکہ)

سونی طرح جہاز مارکہ خضاب صرف دو منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ چمکیلا اور نرم کر دیتا ہے بالکل بے ضرر اور بہت سستا ہے۔
قیمت فی شیشی ۸ فی درجن [illegible]

نکٹائی مارکہ

روغن پیپرمنٹ
روغن دارچینی
روغن الائچی
روغن کافور
روغن لونگ
روغن لیمو
روغن صندل

روغن نورجہاں روغن تل رنگین اور دیگر تیل اسینس سینٹ اور عطر بھی بازار میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

محمد مصطفےٰ حسین کا نام اور نکٹائی مارکہ کا لیبل

مال کی عمدگی پاکیزگی اور لذت کا سرٹیفکیٹ ہے

حسینؑ ابن علیؑ

از بلبلِ بہار حضرت شہ مینائی کابری گیاوی

ہے آج یزید اور نہ وہ تخت نہ وہ تاج
مشہور ہے لیکن جو ستم ڈھائے شقی نے

خط بھیج کے فرزند پیمبر کو بلایا
رہنے نہ دیا قبلۂ عالم کو مدینے

لوٹا گیا پردیس میں کعبہ کا مسافر
مومن کو مسلمان بھی سمجھا نہ کسی نے

پانی سے بھی مہماں کی نہ کی آہ تواضع
کھویا کچھ عجب الفتِ دنیائے دنی نے

اب نام بھی ملعون کا لیتا نہیں کوئی
کر ڈالا فنا حوصلۂ کبر و منی نے

روشن کیا انوارِ صداقت سے جہاں کو
گل ہوتے ہی شمعِ لحدِ مرتضوی نے

ہے کون جو قائل ہے ممات شہدا کا
دکھلائے کرشمے یہ حیاتِ ابدی نے

ہر سال بپا ہوتی ہے اک مجلسِ ماتم
کیا کیا نہ رلایا المِ تشنہ لبی نے

مٹ جاتا ہے مظلوم کہ مٹ جاتا ہے ظالم
دکھلا دیا دنیا کو حسین ابن علی نے

محرم

وابستہ ہے ہر خوشی یہاں غم کے ساتھ
ہے خندۂ گل بھی اشک شبنم کے ساتھ

دو دن عیدین کے محرم کے دس
کیا کیا غم و رنج ہیں آدم کے ساتھ

حضرت علامہ آزاد عظیم آبادی

منظور شدہ محکمہ تعلیم صوبہ بہار

ادارہ
عارف سنسہاوی
قیصر عثمانی

پروپرائیٹر
محمد زین العابدین صدیقی
سنہاروی

جلد ۳ | فروری سنہ ۱۹۴۰ء مطابق محرم الحرام سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۲

محمد زین العابدین صدیقی اڈیٹر و پروپرائٹر و پرنٹر و پبلشر نے شمسی پریس گیا میں چھپوا کر وہیں سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درسے چمن کے اٹھ گئی ہے بہار کی
آمد ہے انجمن میں کسی گلعذار کی

خاص نمبر ——————!

حسب اعلان سہیل کا خاص نمبر اپریل میں شائع ہو رہا ہے۔ دفتر میں ملک کے مشاہیر اہل قلم کے مضامین موصول ہو چکے ہیں اور ان کی کتابت بھی شروع کرا دی گئی ہے۔ اُمید غالب ہے کہ آخر فروری تک کتابت ختم ہو جائیگی اور پھر فوراً ہی ترتیب کے بعد طباعت میں ہاتھ لگا دیا جائیگا۔ اس پرچہ کے کسی صفحہ میں خاص نمبر کے مضامین کی ایک فہرست دی جا رہی ہے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ خاص نمبر کی تکمیل میں ملک کے کن کن ادیبوں نے حصہ لیا ہے اور اس میں کیسے کیسے بلند پایہ مضامین شریک ہیں۔

ہماری انتہائی کوششیں خاص نمبر کو کامیاب بنانے میں صرف ہو رہی ہیں۔ مضامین دفتر میں اتنے پہنچ گئے ہیں کہ اگر بغیر انتخاب کے ان کی اشاعت کر دی جائے تو تقریباً پانچ سو صفحے کا ایک کامیاب خاص نمبر مکمل ہو جائے۔ لیکن ملک کے قیمتی رسائل جو ہر ماہ ۲۷ یا [illegible] صفحے دیا کرتے ہیں ان کا سالنامہ یا خاص نمبر بھی [illegible] صفحوں سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ پھر ہم جب قارئین کی خدمت میں ہر ماہ ۴۸ صفحے پیش کیا کرتے ہیں تو اتنا ضخیم خاص نمبر دینا کہاں تک ممکن ہے۔ اور پھر جنگ کی اس حوصلہ شکن گرانی میں ۔ اس لئے موصول شدہ مضامین میں انتخاب ضروری ہے۔ اور انتخاب میں جتنی پریشانیاں اور دقتیں ہوتی ہیں اس سے کچھ رسالوں کے مدیران ہی واقف ہیں۔

اشاعت مارچ ——————!

فروری [illegible] خاص نمبر کی ترتیب میں مشغول ہو جائیں گے [illegible] سے مارچ کا رسالہ شائع نہ ہو سکیگا قارئین سہیل [illegible] [illegible] بہت [illegible] آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیگا

چندہ ——————!

[illegible] کی خدمت میں [illegible] جلد [illegible]

ہے کہ وہ مارچ کے دوسرے ہفتہ تک دفتر میں ۴ر کا ٹکٹ رجسٹری کیلئے روانہ فرمادیں تاکہ ان کی خدمت میں یہ خاص نمبر بحفاظت تمام پہنچ جائے۔ ٹکٹ نہ آنے کی صورت میں خاص نمبر کے غائب ہونے کا الزام دفتر پر نہ ہوگا اور نہ رسالہ دوبارہ روانہ کیا جائیگا۔

خیر مقدم ——— !

جناب فخر مناظر پوری صوبہ بہار کے ہونہار ادیب ہیں آپ پہلی مرتبہ دل کی کروٹ لے کر "بزم سہیل" میں شریک ہو رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے جناب موصوف کا یہ دلگداز افسانہ بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

علمی مقالہ بعنوان "تخریب پسند تاتاریوں کی علم نوازی" جناب گلاب چند گپتا [illegible] کی کاوشوں کا قابل قدر نمونہ ہے۔

توقع ہے کہ دونوں نو وارد حضرات آئندہ بھی سہیل نوازی سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

فلم پکار کے مکالمے ——— !

یوں تو ہندوستان میں آئے دن فلمیں بنتی رہتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ [illegible] ایسے معاملے میں زیادہ تر ہماری یہ فلمیں ناکامیاب رہی ہیں۔ اس کی وجہ اول یہ کہ ناخدایان فلم مکالموں کی اہمیت کو سمجھتے ہی نہیں، دوسرے [illegible] مکالمہ نویسی کی خدمات ایسے [illegible] سپرد کی گئی ہیں جو پورے طور سے [illegible] محاورات سے واقف نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ ہمارے کانوں کو [illegible] مکالمے [illegible] نہیں بھاتے۔

شکر ہے کہ "منروا موویٹون" اس لحاظ سے بعض دیگر فلم کمپنیوں سے [illegible] آگے ہے۔ حال ہی میں اس کی تازہ ترین فلم "پکار" نے فلمی دنیا میں ہلچل مچا دی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس فلم کو کامیاب بنانے میں دیگر لوازمات کے علاوہ مکالمہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ "پکار" کے مکالمے جو صاف شستہ اردو زبان میں لکھے گئے ہیں فلم بین پبلک کے لئے حد درجہ خوشگوار ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مکالموں نے اس فلم میں چار چاند لگا دیئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ "پکار" سارے ملک میں مقبولیت عام پاکر خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔

"پکار" کے مکالموں کی طرح اگر دوسری کمپنیاں بھی اپنی فلموں کے لئے ایسے دلکش مکالمے تیار کرائیں تو عام پبلک [illegible] ان کی خوبیوں سے متاثر ہو کر خود بخود صحیح زبان بولنے اور لکھنے پر قدرت حاصل کرے گی۔ اور اس طرح زبان و ادب کی خدمت بھی ہوتی رہیگی لیکن [illegible] یہ بھی ضروری ہے کہ صنعت فلم سازی کے ارباب حل و عقد ایسے مکالمہ نویس کی خدمات حاصل کریں جو آسان، سادہ اور فصیح زبان لکھنے پر کافی مہارت رکھتے ہوں اور جو واقعی ادیب کہلانے کے مستحق ہوں۔

آخر میں ہم منروا والوں کو قابل مبارکباد سمجھتے ہیں کہ انہوں نے زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے [illegible] سلجھے ہوئے مکالمے تیار کرائے جن سے ادبیت کی کافی جھلک نظر آتی ہے۔

بعض بعض جگہ معمولی سی قواعد زبان کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ غلطیاں سہواً اداکاروں سے ہوئی ہوں۔

بہر حال فلم "پکار" کی شاندار کامیابی اس کے لیپڈ یہ مکالموں کی احسان مند ہے۔

کاش ہمارے دوسرے پروڈیوسر بھی اس نکتہ کو سمجھ کر اپنی پکچروں کی قدر و منزلت بڑھاتے ———!!!

ادارہ

سازِ زندگی

از
افصح الفصحا حضرت علامہ شفق رضوی عماد پوری

زندہ دل تھا کون چھیڑا کس نے سازِ زندگی ؎۱ کس کے نغموں سے کھلا سربستہ رازِ زندگی

یوں کھلے گا کس طرح سربستہ رازِ زندگی ؎۲ کھول اس عقدے کو ہو کر بے نیازِ زندگی

نکلے ہر تارِ نفس سے نغمہائے جانفزا ؎۳ بن گئی دل کی تڑپ مضرابِ سازِ زندگی

پڑتے ہیں پردے نگاہوں پر تو اٹھتا ہے حجاب ؎۴ بند آنکھیں ہوتے ہی کھلتا ہے رازِ زندگی

جب ہے جینے سے زیادہ مجھکو مرنے کی ہوس
کیا اٹھاؤں ناز تیرے اے نیازِ زندگی

ایک سے ہے ایک کا رشتہ بندھا کیونکر کھلے ؎۵ راز سے ہے موت کے وابستہ رازِ زندگی

آدمی کو جاننی مشکل موت کی پہچان ہے ؎۶ اس سے بھی بڑھکر ہے مشکل امتیازِ زندگی

سجدے کرلے پھر جنازہ ہوگا محتاجِ نماز ؎۷ جب قضا ہو جائیگی تیری نمازِ زندگی

؎۸ اس کے در پر سر بسجدہ مر کے جی اٹھے شفق
بندگی سے ہو بہ بندہ سرفرازِ زندگی

؎۱ وہی جسکے نغموں کا یہ ساز ہے ؎۲ یعنی زندگی چند روزہ سے بے نیاز ہو کر آخرت کی زندگی کا راز کھول ؎۳ تارِ نفس نغمۂ جانفزا نے ردیف کو نکالا دل کی تڑپ نے نازِ زندگی کا مضراب جانا۔ سبحان اللہ کیا کیا لفظی و معنوی رعایتیں ہیں۔ ؎۴ آنکھیں بند ہوتے ہی یعنی مرتے ہی حجاب اٹھ جاتے ہیں اور زندگی کا راز کھلتا ہے ؎۵ سربستہ راز لکھنے کے بعد وابستہ راز کو دیکھیے دونوں کا محل استعمال۔ ؎۶ موت کی پہچان امتیازِ زندگی کیا بالمقابل ہیں ؎۷ نمازِ زندگی قضا ہوئی تو نمازِ جنازہ اس نماز کی قضا ادا کرنے کا موقع کہاں؟ کیا کہدیا ہے؟ ؎۸ مر کے جی اٹھے سے عوض سرفراز نہیں بلکہ سرفرازِ زندگی ہوگا۔ ردیف کا لحاظ رکھ کر ایسا لفظ رکھدیا جاتا ہے کہ حسب محل ہو۔ ۱۲

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھیے

تخریب پسند تاتاریوں کی علم نوازی

ایک تاریخی تحقیقی مقالہ

از منشی گلاب چند لطف پوری

غالب کا شعر ہے:۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

جس حقیقت کی ترجمانی یہ شعر کر رہا ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہماری تعمیر درحقیقت تخریب ہی کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے۔ اور پھر اس تعمیر ہی کی شرط کیوں لگائی جائے۔ ہم تو خود اپنی فنا کی آپ دلیل ہیں ہمارا وجود ہمارے عدم پر ہر وقت شہادت دیا کرتا ہے۔ اس سے بھی ایک منزل نیچے اتر کر تمام انسانی کوششوں کو اگر منکرانہ نگاہ سے دیکھئے۔ تو باوجود ہزار رجائی فطرت رکھنے کے ماننا پڑیگا کہ:۔

ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

لیکن آج کی فرصت میں مجھے مندرجہ بالا شعر کے دوسرے رخ کی نقاب کشائی منظور ہے۔۔ انتہا تو بہرحال اس شعر کے برعکس ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن ابتدا اور انتہا کے جھمیلوں میں پڑنے کی ہم ناتوانوں کو کہاں فرصت۔ بقول شاد:۔

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی　　نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

ہر تعمیر کے بعد تخریب کا ہونا مسلم۔ لیکن تخریب کی ہمہ تفصیلی کے کرشموں کا مطالعہ بھی خالی از دلچسپی نہیں اور پھر شکر ہے کہ ہم بیسویں صدی میں ہیں جہاں زمان و مکان تک کی قید ایک حد تک ختم ہو گئی ہے۔ کسی چیز کی خواہش کی نہیں کہ علاؤالدین کے چراغ کے بالکل ہی کی طرح فوراً پوری ہو گئی۔ ورنہ خدانخواستہ کہیں دو چار صدی پیچھے ہوتے۔ تو تخریب کی برکتوں کی سیر اتنی آسانی سے ممکن نہ ہوتی۔ اور اتنے ہی کے لئے برسوں درکار ہوتے۔ جنگل جنگل۔ اور صحرا صحرا کی خاک چھاننی پڑتی۔ کبھی غزنی جانا پڑتا۔ اور کبھی اندلس۔ کبھی قرطبہ کی گلیوں میں چکر لگانا پڑتا اور کبھی بغداد کے دارالمطالعوں میں دیدہ ریزی کرنی پڑتی۔ لیکن۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

بغداد کا نام لیتے ہی تہذیب حجازی کی ایک جھلک آنکھوں میں پھر گئی۔ عباسیوں کے جاہ و تجمل کا دھندلا سا عکس سامنے آگیا۔ سلجوقیوں کا شکوہ قیصرانہ نظروں میں پھرنے لگا۔ لیکن مجھے تو تخریب کے کارنامے بیان کرنے ہیں ۔۔۔۔۔۔ آیئے آج بغداد کے بگاڑنے والوں ہی کی داستان بیان کر دی جائے۔

حضرات! تاتاریوں سے بڑھکے تہذیب و تمدن کو خاک میں ملانے والی دوسری کون قوم ہو سکتی ہے؟ یہ تاتاری ہی تھے۔ جنہوں نے اسلام کے لہلہاتے ہوئے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ تاتاری ہی تھے۔ کہ ایران کے چمن زار کو صحرائے خارزار میں مبدل کر دیا۔ یہ تاتاری ہی تھے جنکی

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھیے

شان میں الکامل کا مصنف ابن الاثیر لکھتا ہے کہ "اگر آج سے قیامت تک سرزمین ایران کی آبادی کو کوئی گزند نہ پہنچے تو بھی اس کی تعداد اتنی نہیں ہو سکتی جتنی یہ حملۂ تاتار سے قبل تھی"۔ یہ تاتاری ہی تھے۔ جن کی تباہ کاریوں کا رونا سعدی اپنے مرثیۂ بغداد میں اس طرح روئے ہیں۔ کہ تقریباً آٹھ سو سال ہو گئے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ اسکے پڑھنے والے پر ایک دفعہ پھر وہی کیفیت طاری نہ ہو جائے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ ان اشعار کو پڑھے اور اسکی آنکھیں پرنم نہ ہو جائیں۔

شعر　آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں　٭　بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں

تاتاریوں کے تخریبی کارناموں سے یوں تو اُس زمانہ کی ہر تاریخ بھری پڑی ہے لیکن عطا ملک جوینی مصنف تاریخ جہاں کشا کے تین فقرے تو اپنی بلاغت اور اختصار کی بنیاد پر غزل کے کسی کامیاب شعر پر بھی بھاری پڑتے نظر آتے ہیں۔ "وہ (تاتاری) آئے ــــ قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ اور چلے گئے"۔ اور واقعتاً جس ملک سے بھی انکا گذر ہوا۔ اُسے اس طرح ویران اور برباد کیا کہ دوسری جگہ اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ بہانے تلاش کر کے ظلم توڑتے تھے اور اپنی سفاکیوں میں بھی جدتیں کیا کرتے تھے۔ غرض یہ کہ تاتاریوں نے جتنی اور جیسی تباہی عالم اسلام پر لائی شاید ہی کسی قوم پر کسی لائی ہو ــــ لیکن جتنی ہیبت ناک اور المناک انکی تخریب کی کہانی ہے ــ اس سے کچھ کم حیرت انگیز اور روح پرور ان کی تعمیر کی داستان نہیں ہے ــــ اگر ان تاتاریوں نے عباسیوں، سلجوقیوں اور خوارزمیوں کی بلند عمارتوں کو منہدم کیا۔ تو دنیا کو اس کا بدلہ بھی ایسا دیا۔ جو ہر لحاظ سے اسکے شایانِ شان تھا ــــ

اس مضمون میں صرف ایلخانی حکومت یعنی چنگیز اور ہلاکو کے خاندان والوں کی حکومت کی خدمت علوم و فنون کی طرف اشارہ کروں گا۔ لیکن اسے نہ بھولنا چاہئے کہ حملۂ تاتار کے بعد جو بہار بھی اسلام کے خزاں رسیدہ باغ میں آئی۔ وہ تمام و کمال انہیں تاتاریوں کی رہین منت ہے۔ بڑھتے بڑھتے انکا زور یہاں تک بڑھا کہ مسندِ خلافت تک انکے قبضہ میں آ گئی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی خدمات اور قربانیوں سے انہوں نے اپنے کو اس کا اچھا اہل ثابت کیا۔ ہندوستان میں جتنی بھی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں ماسوا سیدوں اور لودیوں کے سب کی سب ترکی ہی تھیں۔ مغلوں کی حکومت جس پر ہمیں نہیں سارا عالم اسلام بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ اسکے فرمانروا تو براہ راست چنگیز اور تیمور سے سلسلۂ نسب رکھتے تھے ــــ ہاں۔ ایران میں ایک خاندان ضرور ہوا۔ جسے ترکوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ مشہور صفوی خاندان ہے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا شاہ اسمٰعیل تھا۔ سنہ ۱۴۹۹ء میں اس کی حکومت کی ابتدا ہوئی۔ اور سنہ ۱۷۹۹ء میں نادر شاہ نے اسکے چراغ کو گل کیا۔ لیکن ترکوں کے مقابلہ میں اسکی وہی حیثیت ہے جو چراغ کو آفتاب سے ہوئی ہے۔ صفویوں کے عہد میں ایران علما۔ فضلا و شعرا سے بھرا پڑا تھا۔ لیکن جائے حیرت ہے۔ کہ انکی قدر ایران میں نہیں بلکہ ہندوستان میں ہوتی ہے۔ یہ مغل تھے جو ان جواہرات کو خریدتے تھے ــ

چنگیز خاں کا بھتیجہ ہلاکو خاں فاتح ایران و بغداد کے مرنے کے بعد سنہ ۱۲۶۵ء میں ایلخانی خاندان کا پہلا فرمانروا اباقاآں خاں ایران کے تخت پر متمکن ہوا ــــ اس خاندان کی حکومت آسانی سے دو ادوار میں منقسم کی جا سکتی ہے پہلی غیر اسلامی اور دوسری اسلامی ــــ اباقاآں خاں سے غیر اسلامی ایلخانوں کا دور شروع ہوتا ہے جو بیدو خاں تک قایم رہا ــــ اس دور میں ما سوا ایک احمد۔ کے جو صرف ڈیڑھ یا دو سال حکومت کر سکا سب سلاطین غیر مسلم ہوئے لیکن علوم و فنون کی ترقی اس دور میں بھی کافی ہوئی۔ فتوحات کا دور ختم ہوتے ہی نظم و نسق کی سہولت کے لئے تاتاریوں کو ایرانیوں کی مدد لینی پڑی ــــ خود ہلاکو نے محقق طوسی کو اپنا وزیر بنایا۔ اور صرف انہیں پر حد نہیں جو ہر قابل کی تاتاری دربار میں ہمیشہ خوب قدر رہی ــــ خواجہ شمس الدین اور علاؤ الدین غیر مسلم تاتاری دربار کے آفتاب و ماہتاب تھے ــ مزید برآں چونکہ ایلخانوں کو مسلمانوں سے مخاصمت تھی ــ

غیر مسلموں کو یہ بہ نظر عنایت دیکھتے اور عموماً انہیں کو ممتاز عہدوں پر فائز کیا کرتے تھے۔ اس سے اور کچھ ہوا یا نہ ہو۔ اتنا ضرور ہوا۔ کہ عربی اور فارسی علوم کو بہتیرے غیر مسلم سرپرست مل گئے ــــــ اس دور میں سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ۔ یورپ میں اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا بہت موقع ملا۔ اہل یورپ ایلخانوں کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے برسر اقتدار ہوتے ہی یورپین سلاطین کے سفیروں کا مغلوں کے دربار میں تانتا بندھ گیا۔ اور متعدد یورپین سفیر انکے یہاں مستقلاً رہنے لگے۔ غیر مسلم ایلخانی عہد میں تصانیف بھی کچھ کم نہیں ہوئیں۔ براؤن نے ایک محقق طوسی ہی کی چھپن تصانیف کے نام گنائے ہیں۔ دوسرا قابل ذکر نام علاء الملک جوینی کا ہے۔ اس کی مشہور تاریخ جہان کشا محتاج تعارف نہیں۔ یہ تاریخ تین حصوں میں منقسم ہے پہلے حصہ میں چنگیز ہلاکو اور اس کے جانشینوں کے کارنامے درج ہیں۔ دوسرے میں۔ خوارزمیوں کی تواریخ بیان کی گئی ہے۔ اور تیسرے کا تعلق حسن بن صباح اور اسکے فرقہ باطنیہ سے ہے۔ اس دور کی ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے۔ کہ کیخاتو نے جو چوتھا ایلخانی سلطان تھا۔ کاغذ کے نوٹوں کو بھی رواج دینا چاہا تھا۔ لیکن یہ چلے نہیں۔ اور اسے بند کر دینا پڑا۔ ان نوٹوں کو چاؤ کہتے تھے۔

اس دور کی شاعری کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ کیونکہ ایرانی شاعری کے تین پیغمبروں میں ایک اسی عہد میں موجود تھا ــــــ یعنی سعدیؒ شیراز۔

در شعر سہ تن پیمبرانند　　　ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را　　　فردوسی و انوری و سعدی

تاتاری دربار میں سعدی کی قدر ہی تھی۔ اور تاتاری شاہزادوں کی شان میں شیخ کے متعدد قصیدے بھی موجود ہیں۔ انکے علاوہ مندرجہ ذیل شعرا بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں:۔ امامی ہراتی مجدالدین ہمگر یزدی۔ عراقی ہمدانی۔ شیخ ابو حمید کرمانی۔ وغیرہم۔

ایلخانی حکومت کا دوسرا دور غازان خان سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۲۹۵ء میں یہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس کا ایام طفولیت ایک مسلمان امیر نوروز کو اتالیقی میں گذرا تھا۔ اس لئے اسلامی تعلیمات سے اچھی طرح باخبر تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی۔ اسنے اپنے اسلام قبول کر لینے کا اعلان کر دیا ــــ اس کی عظمت اور بزرگی کے اسکے ارکین سلطنت اس درجہ گرویدہ تھے۔ کہ اسکے ساتھ ساتھ ان کی ایک کثیر تعداد مع ساٹھ ہزار ترکوں کے حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ اسلام قبول کرتے ہی غازان کا پہلا کام یہ ہوا۔ کہ اس نے۔ قاآن منگولیہ سے قطع تعلق کر لینے کا اعلان کر دیا۔ اسکے قبل اس خاندان کے جتنے حکمران بھی گذرے سبھوں کو قاآن کی اطاعت کا اعتراف تھا۔ اس بنا پر غازان کو پہلا خود مختار ایلخانی سلطان بھی کہا جا سکتا ہے۔ غازان خود بھی علوم و فنون کا ماہر تھا۔ اور اس کا دربار بھی علما اور فضلاء کا ماویٰ و ملجا بنا ہوا تھا۔ فن تعمیر اور دیگر فنون لطیفہ سے اسے کمال انس تھا۔ نیز کئی زبانوں پر کامل عبور رکھتا تھا۔۔ غازانی یا ایلخانی صدی کی ابتدا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اسی کے عہد میں ہوئی ــــ رشید الدین فضل اللہ صاحب جامع التواریخ اور وصاف مصنف تزجیۃ الامصار و تجزیۃ الآثار۔ مشہور بہ تاریخ وصاف اس کے درباری مورخین تھے۔ فضل اللہ کے سپرد تو قلمدان وزارت تک تھا ــــــ اسلام قبول کر لینے کے بعد ترکوں کی تخریب پسند فطرت میں جو انقلاب عظیم آگیا۔ اس کی شہادت انکے تعمیری کارنامے آج تک دے رہے ہیں۔ ایک انگریز مستشرق کرنل سائکس کی شہادت بھی ملاحظہ ہو۔ کرنل موصوف اپنی تاریخ ایران میں غازان کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ایک طویل محاصرے کے بعد جب شہر دمشق پر اس کا قبضہ ہوا تو۔ اسکی اسلامی حمیت نے گوارہ نہیں کیا کہ اہالیان شہر پر اسکے وحشی ترک تاخت و تاراج کی مصیبت نازل کریں۔ لیکن وہ انکی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے صاف منادی کرادی کہ۔ ایک تاتاری سپاہ بھی

کتب خانہ جامعہ

قبر کے اندر تقسیم ہو کے - نیز باغوں کے قریب بھی نہ جائے" ۔۔۔ ۳۰ سال کی عمر میں، اسی ۱۳۰۴ء میں غازان نے انتقال کیا۔ اور الجایتو خدابندہ سر پر آرائے مسند ایلخانی ہوا ۔۔۔

خدابندہ کے عہد حکومت میں رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ پایۂ تکمیل کو پہنچی - علاوہ مشرقی بادشاہوں کے اسکے دربار میں یورپین سفرا بھی رہا کرتے تھے - اڈورڈ اول شاہ انگلستان نے اسی کے دربار میں جیوفری ڈی لنگلی (JEOFFREY DE LANGLEY) کو بھیجا تھا ۔۔۔ لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے - ان دانایانِ فرنگ کی راہ و رسم بے غرض نہ تھی - اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی - خصوصاً مسلمانوں کا بڑھتا ہوا اقتدار اور مشرقِ ادنیٰ میں اسلامی حکومت کا قیام ان کے لئے ناقابل برداشت تھا - ایلخانوں سے راہ و رسم بڑھانے کی بھی غرض تھی - وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح اس غیر مسلم حکومت کو ایک دفعہ پھر مسلمانوں سے بھڑا دیا جائے اور صرف یہ اتنا ہی نہیں - اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے اس دفعہ پورا یورپ تیار تھا ۔۔۔ غرض اس دوستی کے پیچھے بہت بڑی سازش کارفرما تھی - لیکن ان مدبروں کو اتنی بھی خبر نہ تھی - کہ جس قوت کو وہ مسلمانوں کے خلاف ابھار رہے تھے - عرصہ ہوا کہ وہ خود آستانۂ اسلام پر اپنی جبین نیاز خم کر چکی ہے ۔۔۔ اب یہ لکھنا فضول ہے کہ اس نامہ و پیام کا ماحصل یورپ کو سوا ندامت و خفت کے اور کچھ نہ ملا ۔۔۔

علم و فضل کی سرپرستی کے علاوہ خدابندہ تعمیر کا بھی بہت شائق تھا - فنِ تعمیر پر اسکے بہت احسانات ہیں - سلطانیہ کے شہر کا بانی یہی ہے - یہاں اس نے ایک عالی شان ہشت پہلو مقبرہ تعمیر کرایا تھا جس کا گنبد اب بھی اتنا بڑا اور ایسا حسین ہے کہ ایران میں اسکی نظیر نہیں - خدابندہ کی خواہش تھی کہ نجف اشرف سے حضرت علیؑ کا تابوت لا کر یہیں رکھا جائے ۔۔۔ لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی - اور وہ خود اسی مقبرہ میں دفن ہوا ۔۔۔ امام رضا علی کے مقبرے میں بھی ایلخانوں نے متعدد عمارتوں کا اضافہ کیا ۔۔۔

خدابندہ کے بعد ۱۳۱۶ء میں اس کا بیٹا ابو سعید ایلخانی تخت پر بیٹھا - اگرچہ اسکے زمانہ میں حکومت پر کوئی زوال نہیں آیا - لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطنت زوال پذیر ضرور ہو گئی تھی - جا بجا بغاوتیں شروع ہو گئیں - اور امرا کا اقتدار بہت بڑھ گیا ۔۔۔ ان میں ایک امیر چوبان کا زور تو اتنا بڑھا کہ خود بادشاہ اس سے خائف رہنے لگا - اور آخر میں چوبان کو مع اسکے خاندان والوں کے ابو سعید کو تہ تیغ کر دینا پڑا - ابو سعید ہی کے عہد میں حمد اللہ مستوفی کی شہرۂ آفاق تاریخ گزیدہ پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔۔۔ ۱۳۳۵ء میں ابو سعید اس دار فانی سے رخصت ہوا - اسکے بعد یکے بعد دیگرے اسکے دو لڑکے اور ایک لڑکی ستی بیگ تخت پر بیٹھے - لیکن ان کی مدتِ حکومت صرف تین سال ہے ۔۔۔ ایلخانی حکومت کے کمزور ہوتے ہی - ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا - اور اسکے کھنڈروں پر چھوٹی چھوٹی آپس میں لڑتی جھگڑتی متعدد حکومتیں قائم ہو گئیں - اس طوفان بے تمیزی سے ایران کو پھر اس وقت نجات ملی جب ابو سعید کے مرنے کے ۳۵ سال بعد تیمور کا آفتاب اقبال نصف النہار پر آیا ۔۔۔

ایلخانی عہد کے کچھ مشاہیر علما و ادبا کا ذکر ضمناً آ چکا ہے - اس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر دو چار اور کا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا - مندرجہ بالا سطور میں رشید الدین کا ذکر آ چکا ہے - یہ صرف مورخ ہی نہ تھا - بلکہ ایک جید عالم - بہت بڑا حکیم - اور ماہر سیاسیات بھی تھا - ہمدان میں ۱۲۴۷ء میں پیدا ہوا اور یہاں تک ترقی کی کہ غازان کے عہد میں منصب وزارت پر فائز کیا گیا ۔۔۔ لیکن ابو سعید کی حکومت میں جب امیر چوبان اور علی شاہ کا زور بڑھا تو رشید الدین کا ستارۂ اقبال گردش میں آیا - اور آخر ۱۳۱۸ء میں مع اپنے لڑکے خواجہ ابراہیم کے قتل کر دیا گیا - زیادہ شہرت اسکی تاریخ غازانی یا

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے۔

جامع التواریخ کی ہے ۔ لیکن تصانیف میں کتاب الاحیا والآثار ۔ توضیحات اور مفتاح التفسیر بھی قابل ذکر ہیں ـــــ اس دور کے علما میں حمد اللہ مستوفی بھی بہت ممتاز درجہ رکھتا ہے ۔ رشید الدین کی صحبت سے اس نے بہت استفادہ حاصل کیا ۔ اس کی تاریخ گزیدہ ۷۳۰ھ میں اختتام کو پہونچی اور رشید الدین کے لڑکے غیاث الدین سے معنون ہے ـــ یہ ایران ہی کی نہیں بلکہ پورے دنیا کی تاریخ ہے اور یورپ کے متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے ۔ اس کی دوسری قابل ذکر تصانیف نزہت القلوب اور ظفر نامہ ہیں ۔ نزہت علم جغرافیہ پر ایک نادر تصنیف ہے ۔ اس کا ترجمہ بھی انگریزی میں ہو چکا ہے ظفر نامہ ایک رزمیہ مثنوی ہے جو شاہنامۂ فردوسی کے انداز پر لکھی گئی ہے ۔ آغاز اسلام سے مصنف کے زمانہ تک واقعات اس میں درج ہیں یہ تقریباً پچھتر ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ ڈاکٹر ریو ر (Dr. Riew) تاریخی حیثیت سے ظفر نامہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں ۔ ابو سلیمان داؤد کی تاریخ روضۃ الالباب فی تواریخ الاکابر والانساب محض اس لئے قابل ذکر ہے کہ غیر مسلم سلاطین اور ممالک کا ذکر اس میں بہ وضاحت کیا گیا ہے ـــ ابو سلیمان شاعری میں بھی اپنے عہد کا مسلم الثبوت استاد تھا ۔ غازان کے دربار کا اسے ملک الشعرا سمجھنا چاہئے ۔ لیکن زمانہ نے اسکے کلام کو زندہ نہ رکھا ـــ جس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ؎

آن را کہ خواندی استاد گر بنگری بہ تحقیق صنعت گری ست اما طبع رواں نہ دارد (حافظ)

اس عہد کی رزمیہ داستانوں میں احمد تبریزی کی تصنیف شاہنامہ یا چنگیز نامہ اور نور الدین ابن شمس الدین کی غازان نامہ بھی ممتاز درجہ رکھتی ہیں ۔ نصیر الدین بیضاوی کی نظام التواریخ اور محمد ابن علی کی مجمع الانساب بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی ۔

مندرجہ ذیل تصانیف بھی اگرچہ بہت ممتاز ہیں ۔ لیکن ایک تو طوالت کا خوف مانع ہو رہا ہے ۔ دوسرے سب کی سب عربی کی کتابیں ہیں ۔ اس لئے صرف ناموں پر اکتفا کرتا ہوں ۔

تاریخ ابو الفدا ـــ ابو فراج کی مختصر الدول ـــ زکریا بن محمد کی اسرار البلاد ـــ ابن ابو اصیبعہ کی طبقات الاطبا ـــ قاضی القضاۃ نصیر الدین بیضاوی کی اسرار التنزیل ـــ غرض کہاں تک نام گنائے جائیں ۔ صرف ناموں کی فہرست سے ایک کتاب تیار کی جا سکتی ہے ۔

کحل الجواہر رجسٹرڈ ۱۸۸۸ء

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰدِقِین

مفید اور لاجواب سرمہ ہے دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کمزوری نگاہ صرت و تاریکی چشم ، نزلہ ، جالا دھندھ ، ناخونہ ، پربال ، سرخی چشم آنکھوں کے درد اور نظر آنے کے واسطے بیحد مفید ہے ۔ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک کے لوگ بھی استعمال کر کے فائدہ حاصل کر رہے ہیں ہزاروں ریلوے ملازمین اس کی بدولت امتحان میں کامیاب ہو کر اسکے مداح ہیں ، برابر استعمال کرنے سے چشمہ کا چھڑا دیتا ہے ۔ اور موتیا بند کیلئے اس سے بہتر سرمہ نہیں ۔ سلائی مفت ۔ ایک شیشی کا دی پی عمر ۔ دو شیشی کا عگر ۔ تین شیشی کا ۔ ستر تین روپیہ

ملنے کا پتہ :- بیت الشفا گیا

یادگارِ داغ حضرت مبارک عظیم آبادی

کبھی دل کبھی ہم جگر دیکھتے ہیں
کبھی اُن کی ترچھی نظر دیکھتے ہیں

مری شکل بیمارِ غم کہہ رہی ہے
مری نبض کیا چارہ گر دیکھتے ہیں

چھڑکنا نمک سیکھ آئے کہاں سے
یہ مرہم نیا زخم پر دیکھتے ہیں

بہت دھوم سنتے ہیں وقتِ سحر کی
دعا کر کے ہم بھی اثر دیکھتے ہیں

نگاہِ غضب سے نہ دیکھو ہمیشہ
یونہیں کیا بشر کو بشر دیکھتے ہیں

قیامت کے آتے ہیں غمزے اجل کو
کہ راہ اس کی سب عمر بھر دیکھتے ہیں

لڑا کر تجھے چشمِ تر سے ہم اپنی
تماشا ترا ابرِ تر دیکھتے ہیں

نئی آزمائش نیا امتحاں ہے
وہ ناوک لگا کر جگر دیکھتے ہیں

کسی کی تمہیں جستجو ہے مبارک
پریشاں تمہاری نظر دیکھتے ہیں

رباعیات

از جناب بہزاد فاطمی بی۔ اے (آنرز)

(۱)

آیا تو فقط اُس کی تمنا لیکر
دنیا سے چلا تو غمِ دنیا لیکر
اے خاک کے پتلے تری ہمت کے نثار
دامن میں چلا جاتا ہے صحرا لیکر

(۲)

حسرت نہ کوئی دل میں تمنا لیکر
بیٹھا ہوں یہاں درد کی دنیا لیکر
کیا اُس پہ اثر ہوگا فریبِ ہستی کا
جو موت کا جیتا ہے سہارا لیکر

دل کی کروٹ

از "س" مظفرپوری

۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کے زلزلے نے یہاں بہار کی دو منزلہ بڑی عالیشان عمارتوں کو ایک پل میں منہدم کر کے رکھ دیا تھا وہاں [illegible] کے گرلز اسکول کی چھوٹی سی حسین عمارت بھی اس کی دستبرد سے نہ بچ سکی۔ اسکول گاؤں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر نہایت ہی پر فضا مرغزار میں واقع تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کی خاموشی اور سناٹے میں یہاں پریاں تفریح کرنے آتی ہونگی اور حسن و فطرت کے سرمدی راگ الاپتی ہونگی۔ اسکول کی عمارات تو حسب ضرورت مختصر تھی مگر صحن بہت وسیع تھا جس میں جا بجا قرینے سے خوشنما پھول کے پودے لگائے گئے تھے۔ بہار کے اس تاریخی زلزلے نے اسکے سارے نظام کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اسکی بربادی اور ویرانگی سے یہاں کی فضا بھیانک اور سنسان ہوگئی تھی۔ صرف ایک مخدوش دیوار ایک بوڑھے اور کمزور انسان کی طرح کھڑی کانپ رہی تھی۔ اور بزبان حال زلزلہ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کی خوفناک کہانی سنا رہی تھی۔ یہ دیوار بیچوں بیچ سے کچھ اسطرح شق ہوگئی تھی گویا مخلوق خدا کی درد و اذیت میں ڈوبی ہوئی چیخوں سے اس کا کلیجہ پھٹ گیا تھا۔

مارچ کی آخری تاریخوں میں ایک چاندنی رات شہاب اور فریدہ اسی اجڑے ہوئے مقام پر ملے۔ دونوں اسی دیوار کے سائے تلے شال میں لپٹے ہوئے سمٹے ہوئے کھڑے تھے۔ رات بھیگ چکی تھی۔ شبنم آلود ہوا سہک سہک کر چل رہی تھی جو دونوں کے جسم میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔

"فریدہ، تمہاری یہ دیوانگی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ بھلا ایسی سرد رات میں اس طرح یہاں ملنے کی کیا ضرورت تھی" شہاب ایک لرزیدہ آواز میں بولا۔

"شہاب!" فریدہ کے [illegible] ایک رنجیدہ [illegible] بولی

"آج میں تمہارے لئے ایک بری خبر لائی ہوں۔"

شہاب چونک کر کہنے لگا "کون سی خبر کیا؟"

"جو خواب ہم دونوں دیکھ رہے تھے وہ جھوٹا نکلا" فریدہ کی آواز بھرا گئی۔

"یعنی؟ ــــ صاف صاف کہو فریدہ۔ کیا بات ہے؟" ہر لمحہ شہاب کی حیرت دو چند ہوتی جا رہی تھی۔

"میری شادی کی بات آج طے ہو گئی ہے" یہ کہتے ہوئے فریدہ کی گردن جھک گئی۔

"کس کے ساتھ؟"

"میرے ممیرے بھائی کے ساتھ۔ وہ امیر ہے۔۔۔ اس سال ایف اے پاس کریگا۔ ایسی امید تو نہ تھی کیونکہ وہ لوگ امیر ہیں اور ہم غریب۔ مگر میں اس کو پسند ہوں صرف اس لئے کہ میں پڑھی لکھی ہوں" فریدہ آگے بھی کچھ بولنا چاہتی تھی مگر بول نہ سکی۔

"تمہاری شادی رفیق بھائی کے ساتھ ــــ آئیں!" گویا یہ الفاظ بدحواسی میں خود بخود اس کی زبان سے نکل پڑے۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے لوہے کی دہکتی ہوئی سیخ اسکے دماغ میں پیوست کر دی۔ وہ اپنا سر تھام کر زمین پر بیٹھ گیا۔ شہاب کی یہ حالت دیکھکر فریدہ کا دل

اندر ہی اندر سسک رہا تھا۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہو شہاب؟" فریدہ اسکا بازو تھام کر اکھڑی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرا دماغ چکرا گیا ہے فریدہ! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محبت کریں ہم دونوں اور شادی کرے رفیق۔ صرف اسلئے کہ میری تعلیم رفیق سے کم ہے اور میں اس کی طرح امیر نہیں ـــــ اُف! یہ کیسا ظلم ہے؟"

دونوں تھوڑی دیر تک خاموشی سے اپنے اپنے خیال میں کھوئے رہے۔

"تمہیں یہ شادی منظور ہے فریدہ؟" شہاب نے ایک عجیب دردانگیز انداز سے پوچھا۔

شہاب کے اس سوال سے فریدہ کے دل کو ٹھیس سی لگی اور وہ بولی

"یہ نہ پوچھو شہاب! پھر میری منظوری یا نامنظوری سے ہوتا ہی کیا ہے۔ ماں باپ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں۔ میں تو اتنی مجبور ہوں کہ دل دکھتا ہے مگر زبان سے آہ نہیں کر سکتی۔ میں نے دبی زبان میں نسبتاً ابتداً سے اس نسبت کی مخالفت کی تو ماں نے اتنی زور سے ڈپٹ دیا کہ میں کانپ اٹھی"

"تم صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" شہاب نے اسکی ہمت کو ابھارنے کی کوشش کی۔

"دیوانے ہوگئے ہو شہاب۔ ایک لڑکی اتنی دلیر کیسے ہو سکتی ہے۔ ایسی گستاخی پر تو ابا مجھے ذبح کر ڈالیں گے"۔

"گویا تمہاری شادی میری موت کا پیغام ہے"۔ شہاب ایک سرد اور طویل سانس کھینچکر بولا۔

"نہیں شہاب۔ مایوس کیوں ہوتے ہو۔ ایک صورت ہے" فریدہ نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

"وہ کیا؟"

"ہم یہاں سے بھاگ چلیں"

"کہاں؟" شہاب نے پوچھا۔

"کہیں بھی۔ وہاں جہاں ہمیں کوئی نہ پہچان سکے"۔ فریدہ نے رازدارانہ طریقہ سے کہا۔

شہاب ساز کے یکایک ٹوٹ جانیوالے تار کی طرح خاموش ہو گیا۔ خیالات نہایت سرعت سے آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔ اسکے دل و دماغ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ وہ دیر تک اس بات پر غور کرتا رہا۔ دیوار کا سایہ ترچھا ہو چکا تھا اور چاند کی خنک روشنی فریدہ کے پورے جسم پر برس رہی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا فریدہ۔ تم لڑکی ہو اسلئے گھر کے باہر کی دنیا سے بے خبر۔ تم نہیں سمجھ سکتیں کہ ہماری اس حرکت سے آئندہ کیلئے کتنے بڑے اور گھناؤنے نتائج مرتب ہو جائیں گے" یہ کہتے ہوئے شہاب کھڑا ہو گیا"۔ ہمارے والدین کے سر سماج میں نیچے ہو جائیں گے۔ دنیا ہنسیگی۔ ہمیں بُرے نام سے یاد کریگی۔ گاؤں والے ہمارے ماں باپ کو بات بات میں طعنہ دیا کرینگے ہماری اس بیوقوفی سے ہم دونوں کے ماں باپ کا دل ٹوٹ جائیگا۔ پھر ایسا کرنے کے بعد ہم دونوں کی جو رسوائی ہوگی اس سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ ساری عمر ہم غم میں گھلتے رہیں"۔

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے شہاب؟"

"ہاں" شہاب نے دل مضبوط کرکے جواب دیا۔

فریدہ کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک برفانی ہاتھ نے اسکے دل کو ملسے شکنجے میں دبا لیا۔ شہاب نے اسکے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ستارے کانپ رہے تھے۔ یہ آنسوئے تھے۔ جو ایک لمحہ کے لئے جھلملائے اور پھوٹ کر رخساروں پر بہہ پڑے۔ شہاب کو اپنے سینے میں دل بیٹھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"رو رہی ہو فریدہ؟" شہاب خود بھی رو پڑا۔

شہاب کے ان الفاظ نے فریدہ کے آنسوؤں کے سیلاب کا بند توڑ دیا۔ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ فریدہ اس سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شہاب نے جذبۂ محبت سے مغلوب ہو کر [illegible]

اس کو اپنے سینے سے دبا لیا اور آنسوؤں کی شبنم سے منہ دھونے لگا۔

"اب جاؤ فریدہ۔ بہت دیر ہو گئی۔ تمہارے گھر کہیں کوئی جاگ نہ جائے"

شہاب اس وقت بولا جب فریدہ کی سسکیاں ٹوٹ چکی تھیں۔

"ہاں اب جاتی ہوں چھوٹی بہن کو اکیلی چھوڑ کر آئی تھی"۔

"پرسوں میں کلکتہ چلا جاؤنگا۔ نوکری کی خبر آئی ہے" شہاب چلتے چلتے بولا۔

"پھر کب واپس آؤگے؟" فریدہ نے اس طرح پوچھا گویا وہ نہیں چاہتی تھی کہ شہاب اس کو چھوڑ کر کلکتہ چلا جائے۔

"کوئی ٹھیک نہیں کب آؤنگا۔ جلدی آنے کی کوشش کرونگا"

تم آلود سڑک پر دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ سردی سے دونوں کے ہاتھ پاؤں شل ہوئے تھے۔ گاؤں کے قریب ہو کر شہاب بولا۔

اب جاؤ فریدہ میں رحیم کے دالان کی طرف سے جاؤنگا۔ کسکر شہاب نے پھر اسکے حسین چہرہ کو اپنی آنکھوں میں جذب کر لینے کی کوشش کی۔

آہ! فریدہ کی لانبی لانبی، گھنی گھنی اور بھیگی بھیگی پلکیں شہاب کے دل میں نشتر بن کر چبھ رہی تھیں۔ "اس غم کو بھول کر خوش رہنے کی کوشش کرنا فریدہ شاید میں تمہاری شادی میں شریک نہ ہو سکونگا۔ خدا تمہیں خوش رکھے"

"یہ غم میری زندگی میں گھن کی طرح لگ گیا ہے۔ میں اسے کبھی نہ بھلا سکونگی"۔ —— فریدہ کی آنکھیں پھر ایک بار ڈبڈبا آئیں۔ شہاب چلا گیا۔

شہاب کلکتہ پہنچکر ایک دفتر میں ملازم ہو چکا تھا۔ اسکے غائبانہ ہی میں فریدہ کی شادی رفیق کے ساتھ انجام پا گئی۔ اس کی محبت کچل کر مجروح کر دی گئی۔ اسے یہ غم انگیز خبر کلکتہ ہی میں ملی اور وہ گھنٹوں اپنے بستر پر پڑا رہا۔ سوچتا رہا۔ کہ اس کی مسرت چھین کر رفیق کی آغوش میں پھینک دی گئی تھی۔ بڑے دن کی تعطیل میں وہ اپنے گاؤں آواپور گیا۔ مگر ان دنوں فریدہ اپنی سسرال میں تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ پورا گاؤں ویران ہو چکا تھا۔ فریدہ کے دالان کے پیچھے گھنی گھنی شاخوں والا نیم کا درخت اب بھی کھڑا تھا مگر اس پر اداسی اور بیکسی چھائی ہوئی تھی کیونکہ اس کی اوٹ سے کوئی مسکراتی ہوئی شرماتی ہوئی فریدہ جھانک نہیں رہی تھی۔ ایکروز وہ فریدہ کے گھر جا رہا تھا۔ فریدہ کی ماں نے اس کو کسی ضرورت سے بلا بھیجا تھا۔ فریدہ کی نوجوان نوکرانی سی کی پرانی" سبز ساڑی پہنے کنوئیں سے پانی کھینچ رہی تھی۔ شہاب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ نوکرانی نے مسرت و یاس بھری نظروں سے اس کو دیکھا وہ سب کچھ جانتی تھی۔ شہاب کو نوکرانی کی تیز تیز نگاہوں سے اپنا کلیجہ کٹتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ وہ خاموشی سے جاتا رہا۔

دن گذرنے گئے اور شہاب کے دل پر غم کا بوجھ ہلکا ہوتا گیا۔ مگر درد محبت کی پوری پوری کسک اسکے دل میں باقی تھی۔ وہ جب بھی گاؤں پر گیا فریدہ سسرال ہی میں ہوتی۔ پورے پانچ سال تک دونوں کی ملاقات نہ ہو سکی۔ شہاب کی سب سے بڑی خواہش یہ بھی کہ وہ فریدہ کو دیکھے کہ شادی کے بعد وہ کیسی ہے۔ اسکے دل اور خیالات میں کیا کیا تغیرات نمایاں ہوئے تھے۔ اپنی ماں کی زبانی اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ فریدہ ایک نہایت خوبصورت بچے کی ماں بن چکی تھی۔ کئی مرتبہ اس نے سوچا کہ اپنی فریدہ کے لخت جگر کو کچھ تحائف بھیجدے مگر ہمت نہ پڑی۔ کرسمس کی تعطیل میں وہ مکان نہیں گیا کیونکہ والدین زبردستی اسکی شادی کر دینا چاہتے تھے مگر وہ اس وقت تک شادی کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک درد محبت کی کسک اسکے سینے میں موجود تھی۔

ایکروز وہ اپنے چند احباب کے ساتھ ہیراڈائز سینما کے سامنے سے گذرتا ہوا تفریح کو جا رہا تھا۔ یکایک اسکی نگاہیں کوندا اٹھیں۔ رفیق اپنی شریک حیات (فریدہ) اور اپنے بچے کیساتھ موٹر سے اتر کر سینما میں داخل ہو رہی تھی شہاب نے سوچا شاید یہ لوگ بڑے دن کی تعطیل منانے یہاں آئے ہیں جس وقت شہاب اور فریدہ کی نگاہیں چار ہوئیں۔ فریدہ کے چہرہ پر برقعہ نہیں تھا۔ شہاب نے دیکھا کہ فریدہ پہلے سے زیادہ خوبصورت جوان، اور "خوش" نظر آ رہی تھی۔ شہاب کو یاد آیا "یہ غم میری زندگی میں گھن کی طرح لگ گیا ہے میں اسے کبھی نہیں بھلا سکونگی" —— مگر وہ بھول چکی تھی۔ غم محبت تو کیا وہ شہاب کو بھی بھلا چکی تھی۔ اور کچھ اسطرح بھلا چکی تھی کہ شہاب کو پہچان بھی نہ سکی اور اس کو اجنبی سمجھ کر اس نے منہ پھیر کر برقعہ ڈال لیا۔ شہاب کا دل خون ہو کر رہ گیا۔ اب فریدہ اسکی کوئی بھی نہ تھی

نقوشِ بہزاد

از حضرت بہزاد لکھنوی

ہماری وہ اب زندگانی نہیں ہے
جوانی میں کیف جوانی نہیں ہے

جو آنکھوں سے بہتا ہے اشکوں کی صورت
یہ پانی حقیقت میں پانی نہیں ہے

غم ہجر آ تجھکو سینے میں رکھ لوں
مقدر میں اب شادمانی نہیں ہے

طبیعت ہے بے رنگ آنکھیں فسردہ
جوانی کے دن ہیں جوانی نہیں ہے

فسانہ ہے یہ میرے درد و الم کا
یہ قصہ نہیں ہے کہانی نہیں ہے

ہم آنکھیں جھکائے چلے جا رہے ہیں
کہ گویا ہماری جوانی نہیں ہے

غم جاوداں دے مجھے دینے والے
غم ہجر تو جاودانی نہیں ہے

ہمیں انکے دیکھنے میں لطف آ رہا ہے
کرم ہے ترا دستانی نہیں ہے

میں بہزاد گو ہوں شکارِ محبت
مرے پاس کوئی نشانی نہیں ہے

رُباعیات

از
جناب سعید احمد اعجاز

اے دوست اٹھا جام کہ ہم شاد رہیں
نیرنگیِ آفاق سے آزاد رہیں
آ رقص کریں بزم [illegible]
اور [illegible] خرابات میں آباد رہیں

وابستہ مری آغوشِ تمنا ساقی!
بے کیف ہے روح و جام ادھر آ ساقی!
[illegible] عشق ہیں نذر باہم
[illegible] خیالِ عشقی ساقی!!

میرا سفرنامہ

جناب عطاء اللہ پالوی

انگریزی ملک کے بے مثل سفرناموں کو تو چھوڑئیے کہ وہ غیروں کی چیزیں ہیں۔ اپنے یہاں بھی ایسے سفرناموں کی کمی نہیں۔ پھر ایسی صورت میں میرا سفرنامہ کیا اہمیت رکھتا ہے مگر یہ حالی کا دہلی سے علی گڑھ تک کا سفرنامہ "سفرنامہ" ہے اور وہ پڑھا جا سکتا ہے تو پھر میں نے کیا قصور کیا ہے؟ اور آخر یہ کیوں نہ پڑھا جائیگا؟

گیا کے مشہور نوجوان شاعر جناب قیصر شاہی کی تعمیل پر ۱۴ دسمبر ۱۹۳۶ء کو میں گیا پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ قیصر صاحب جس حسن اخلاق سے پیش آئے وہ زیادہ تر اکثر انسانی میں سے تھا۔ ایک انسان چاہے سب کچھ ہو لیکن اگر اس میں اخلاق نہیں تو وہ اور کچھ کیا انسان بھی نہیں ہے کیونکہ انسانیت کا دارومدار اخلاق پر ہے بلکہ بقول اڈلین انسانیت کے معنی ہی اخلاق اور ایک غیر متعلق شخص کو بھی اپنا سمجھنے کے ہیں۔ بہرکیف! ہرچند کہ میرے نزدیک "شاعر معلم اخلاق نہیں" مگر چونکہ شاعر انسانیت کا بہترین علمبردار ہوتا ہے اسلئے اس میں اخلاق کا پایا جانا بھی ضروری ہے ورنہ وہ شاعر ہے نہ انسان۔ قیصر صاحب چونکہ شاعر ہیں اسلئے ان میں انسانیت کا بہترین جوہر حسن اخلاق بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی جو چیز ہمیں بہت زیادہ پسند آئی وہ ان کی غیر معمولی بے تکلفی تھی۔ ہماری موجودہ حماقت مآب تہذیب و معاشرت نے ہماری روزمرہ زندگی کو جس مشکل سے دوچار کردیا ہے وہ یہی ہمارا ہر جگہ بیجا تکلف برتنا ہے جو روزمرہ تکلیف دہ بھی ہے اور انسانی روابط میں حارج بھی۔ کاش ہمیں اس کا احساس ہو اور ہم اپنی روزمرہ زندگی میں یک رنگی پیدا کرسکیں۔

قیصر صاحب شاعر ہیں لیکن غزل گو نہیں صرف نظم کہتے ہیں۔ ہرچند کہ میں نے بہت خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے اپنا کلام سنانے سے انکار کیا بہت اصرار کے بعد صرف ایک نظم "پیری" سنائی۔ جس کا یہ شعر مجھے بہت پسند آیا :-

کمر میں خم کچھ ایسا ہے کہ شرمائے کماں اس سے　　چلا دیگی کسی دن تیر مرگ ناگہاں اس سے

ضعیفی میں کمر کی خمیدگی کو مختلف انداز سے پیش کرنا یا کمر کی خمیدگی کو کمان سے تشبیہ دینا تو کوئی نئی بات نہیں۔ بہتوں نے اس موضوع پر زور قلم دکھایا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا کہ اس کمان سے مرگ ناگہاں کسی دن ایک تیر سر کردیگی جو جان لیوا ثابت ہوگا' بالکل نئی چیز ہے۔ اور میری دانست میں اس انفرادیت کا سبب جتنی قیصر صاحب کی بلند دماغی نہیں اتنا اردو زبان کے منفرد شاعر وادیب حضرت علامہ عندلیب شادانی کا فیض تلمذ ہے۔

لارڈ میکالے کے اس حکم کی تعمیل میں کہ "ہر شخص کو اپنے پاس ایک لائبریری ضرور رکھنی چاہیئے۔ چاہے وہ جتنی بھی مختصر ہو" قیصر صاحب نے عربی، فارسی اور اردو کی ایک مختصر سی لائبریری بھی تیار کرلی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ذاتی لائبریری کو کوئی اہمیت حاصل نہیں اور ہماری نظر میں لائبریری سے زیادہ لطیف اور فرحت بخش کوئی سیرگاہ نہیں اس سے زیادہ جلیل القدر کوئی سرمایۂ زندگانی نہیں اور اس سے افضل و اعلیٰ دنیا کی کوئی نعمت نہیں۔

جب ہی تو ایک مغربی مصنف نے لکھا ہے کہ لائبریری کو مشورہ کا کمرہ سمجھو کیونکہ وہاں دنیا کے تمام گزشتہ عقلا اور فضلا کا دماغ اور دنیا کے سارے مدبر و محقق کی عقل تمہاری رہبری اور خدمت کے لئے حاضر رہتی ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے لائبریری اور صرف لائبریری ہی وہ جگہ ہے جہاں پہنچنے پر سکندر اور تیمور کے شاہانہ دبدبے خون کو گرمانے لگتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں افلاطون اور ارسطو کے عاقلانہ فلسفے دماغ میں گردش کرنے لگتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بطلیموس اور جالینوس کے فاضلانہ کارنامے آنکھوں میں گھومنے لگتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں فردوسی و انوری کے شاعرانہ نغمے کانوں میں گونجنے لگتے ہیں یہاں ہیں وہ کچھ سنائی دیتا ہے۔ جو ہم کبھی اور کہیں نہیں سن سکتے کاش ہم اب بھی اسکی اہمیت کا اندازہ کرسکیں۔ کیسی بدقسمتی ہے کہ ہم سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن نہیں کرسکتے تو کتابوں کی خریداری؟ ہم فضولیات میں تو پیسے برباد کرسکتے ہیں مگر نہیں کرسکتے تو خدمت ادب و زبان؟

یہاں قیصر صاحب نے اپنے ایک نوجوان دوست جناب حافظ خورشید عالم عاصی بھاگلپوری سے ملایا۔ حافظ صاحب موصوف نہ شاعر ہیں نہ ادیب مگر ذوق بہت پاکیزہ رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ "یہ مصنف اور تصنیف کی انسائیکلوپیڈیا ہیں" اور جب گفتگو ہوئی تو یہ صفت صحیح نظر آئی۔ صاحب موصوف ایک حد تک ہندی، اور اُردو کے تمام اچھے شاعروں اور ادیبوں کے نام اور کام سے باخبر ہیں۔ یہ ہونا بھی چاہئے تھا۔ صاحب موصوف جب قرآن مجید کے تیس پارے دماغ میں محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یہ کونسی "بڑی چیز" تھی۔

اسی روز سہ پہر کو گیا کے مشہور مطبع "شمسی پریس" میں گیا جہاں رسالہ "سہیل (گیا)" کا دفتر بھی ہے۔ جناب حافظ بسمل صاحب شنہاروی سرپرست رسالہ سہیل، جناب عارف شنہاروی مدیر رسالہ سہیل اور جناب احمر شنہاروی پرو پرائٹر سہیل سے بھی ملا۔ اول الذکر نے ازراہ قدردانی جتنی بزرگانہ شفقت دکھائی اُس کی یاد میرے لئے تمام عمر باعث مسرت رہیگی اور آخر الذکر دونوں زندہ دل نوجوانوں نے جس مخلصانہ سلوک کا اظہار فرمایا اُسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

دوران گفتگو میں جناب عارف اڈیٹر سہیل نے فرمایا کہ وہ سہیل کا "خاص نمبر" نکال رہے ہیں۔ لیکن ان کے مخصوص اور مشہور اہل وطن اس میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتے۔ مثلاً پروفیسر محمد مسلم صاحب اس حد تک کنارہ کش اور محترز ہیں کہ خاص نمبر کے لئے کوئی افسانہ عنایت فرمانا تو کجا اڈیٹر کے ملتجیانہ خطوط تک کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔

کیسی بدقسمتی ہے کہ دیگر اقوام و ممالک کے نتیجہ خیز افعال و اقوال کے دن رات مطالعہ و مشاہدہ نے بھی ہم ہندوستانیوں میں اب تک وطن پرستی کا وہ جذبہ پیدا نہیں کیا جو اوروں کے یہاں پایا جاتا ہے۔ ہمیں اب تک اپنی اچھی چیزیں بھی دوسروں کے مقابلے میں ناقص نظر آتی ہیں اور ہمیں اب بھی اپنوں کے مقابلے میں غیروں سے زیادہ محبت ہے۔ خصوصاً علم و ادب کے معاملے میں ہمارا یہ رویّہ اسلئے اور بھی زیادہ حسرتناک ہے کہ ہماری یہ ذہنیت دیگر اقوام کی نظر میں قطعاً نامستحسن خیال کی جاتی ہے۔ بقول جناب اختر امام صاحب ایم۔ اے علیگ (جو ابھی حال ہی میں جرمنی سے تشریف لائے ہیں) آج جرمنی میں اقبال سے زیادہ ٹیگور کی عزت ہے اسلئے نہیں کہ ٹیگور اقبال سے افضل ہے بلکہ اسلئے کہ وہ پکا وطن پرست ہے اس نے جو کچھ بھی پیش کیا وہ اپنی زبان میں ہے بر خلاف اسکے اقبال کا اعلیٰ ترین سرمایۂ زندگانی غیر ملکی زبان میں ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ اقبال فارسی کے زبردست عالم سہی لیکن وہ ایرانی نہیں ہندوستانی تھے اور ہندوستان ہزار نا قدر سہی پھر بھی ان کا وطن تھا۔ کاش ہمارے شعرا اور ادبا کو اس کا احساس ہو۔

رخصت ہوتے وقت جناب عارف نے دسمبر کا سہیل دیا۔ پڑھا۔ صفحہ ۱۰ میں "گل نغمہ" پر حضرت حمید عظیم آبادی کی تنقید دیکھی۔ جہاں تک تنقید

اشعار کی نشاندہی کا سوال ہے میں عرض کروں گا کہ یقیناً پیش کردہ اشعار کی ایک بڑی تعداد اسی تحسین کے لائق تھی اور ہے۔ لیکن مضمون کے آخر میں حافظؔ کے اس شعر کا سہارا لیکر کہ ؎

کمال صدق و محبت بہ بیں نہ نقص گناہ ۔۔۔ کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بہ عیب کند

ایک نقاد کا رجیکا اسکے مضمون کا عنوان "تنقید" بھی ہو) صرف مدح سرائی کرکے یہ سمجھنا کہ اس نے تنقید کا حق ادا کردیا اور نہ صرف یہ بلکہ "گل نغمہ" پر بالاستیعاب نظر ڈالنے والوں کو "بے ہنر" کہنا یا سمجھنا کسی صورت میں مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ نیز سلسلۂ نقد و تبصرہ میں حمیدہ صاحبہ نے جو انداز بیان اختیار فرمایا ہے اور جس طرح کے الفاظ استعمال کئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل نقاد اپنے ممدوح کیساتھ دوستانہ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں عرض کروں گا کہ ؎

تعریف دوستوں کی نہیں معتبر شمیرؔ ۔۔۔ اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند

بہرکیف ایک نقاد کو کسی موقع پر بھی اپنی ذمہ داری فراموش نہ کرنی چاہیئے۔

صفحہ ۲۸ میں جناب عابد نقوی کی وہ مکمل غزل دیکھی جسکے چند شعر "گلدستہ" میں شائع ہونے سے رہ گئے تھے۔ مجھے یہ شعر بہت پسند آیا ؎

اس سفینہ کی تباہی ہی نشانی ہے ۔۔۔ بچکے طوفاں سے جو غرق لب ساحل ہوجائے

جہاں تک تخیل کا سوال ہے۔ شعر بہت اچھا ہے۔ معلوم نہیں منتخبین نے کس وجہ سے اسے نظرانداز یا قلمزد فرما دیا تھا۔ ممکن ہے "لب ساحل" کی ترکیب انہیں کھٹکی ہو۔ مگر "لب ساحل" درست ہے غالبؔ نے اپنے ایک خط بنام ہیرا سنگھ مطبوعہ "اردوئے معلیٰ" جلد دوم میں "لب ساحل" کی صحت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ثبوت میں طالب آملی کا شعر پیش کیا ہے۔ نیز ابھی حال میں رسالہ شاعر (آگرہ) میں اس موضوع پر کافی بحث ہوئی ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔ بہرکیف بلحاظ خیال شعر کے بہتر ہونے میں کلام نہیں لیکن "ہنسی آتی ہے" زمانہ حال اور "ہوجائے" زمانہ مستقبل کی موجودگی محل نظر ہے۔

دفتر سہیل ہی میں مشہور افسانہ نگار جناب سہیل عظیم آبادی سے بھی شناسائی ہوئی۔ سہیل کے دفتر میں سہیل کا ملاپ بجائے خود ایک دلچسپ مختصر افسانہ ہے جو کرشمہ ہے جناب سہیل کی افسانہ نگاری کا۔ صاحب موصوف بڑے تپاک سے ملے جس سے اندازہ ہوا کہ آپ جہاں افسانوی دنیا میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں وہاں اپنی خوش خلقی کے اعتبار سے بھی قابل قدر انسان ہیں۔

اسی دن "تاریخ عقلیہ" کے مصنف جناب مولانا ریاست علی صاحب ندوی مدیر رسالہ "ندیم" (گیا) کے یہاں بھی گیا صاحب موصوف اسوقت بالاخانہ پر کتابوں کی ڈھیر کے سامنے کاغذ و قلم سے تفریح فرما رہے تھے۔ ان کے متعلق میرے خیالات غلط نکلے ملنے سے قبل میں سمجھتا تھا کہ صاحب موصوف ایک پنجاہ سالہ بزرگ اور خشک اخلاق مولانا ہوں گے۔ لیکن جب میں اُن سے ملا تو یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ صاحب موصوف ایک ۳۵ سالہ مجسمۂ اخلاق نوجوان ہیں۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ پان بھی کھلایا اور رخصت ہوتے وقت کچھ اس طرح تعظیم و تکریم کو راہ دی کہ مجھے ندامت سی محسوس ہونے لگی۔

۲۲ دسمبر کی صبح کو میں بہار کے تنہا مزاح نویس اور واحد طنز نگار حضرت مانپوری سے ملا۔ تصویر میں اُنہیں میں نے ایک خندہ جبیں ۳۵ سالہ جوان دیکھا تھا لیکن جب ملا تو ایک مضمحل ۵۵ سالہ بزرگ کی صورت میں پایا۔ مگر باوجود اس اضمحلال کے بھی گفتگو میں شگفتگی اور ظرافت کا حصہ زیادہ تھا

چونکہ صاحب موصوف غسل کے لئے تیار تھے اسلئے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور چلا آیا۔

۲۳ر دسمبر کو حضرت شریعہ کا بے دیکھا سے نہ ملنے کی حسرت دل میں لئے ہوئے ہزاری باغ کے لئے روانہ ہو گیا اور وہاں دس بجے شب کو پہنچا۔ مولوی سید محمد ابراہیم صاحب انسپکٹر محکمہ آبکاری کے یہاں قیام رہا جو میرے عزیز دوست مولوی ابن الحسن صاحب کے قبلۂ محترم ہیں۔ صاحب موصوف دوسری صبح (۲۴ر دسمبر) کو اپنی خاص ضرورتوں سے دیہات چلے گئے اس لئے ان سے ملاقات نہ رہی لیکن ان کی غیر موجودگی میں بھی "ہمہ خانہ آفتاب" نظر آیا۔ خصوصاً میرے دوست ابن الحسن کی بیگم نے جو نہ صرف تمام نسوانی محاسن سے متصف اور ادبی حیثیت سے ایک نہایت خوش مذاق اور منفرد خاتون ہیں بلکہ فن کشیدہ کاری میں بھی کمال رکھتی ہیں اور حرف تو اتنا پاکیزہ لکھتی ہیں کہ سبحان اللہ، جو کچھ اخلاق برتا اُن کی متشکرانہ تشریح نہ تو اسقدر آسان ہے کہ میں بتفصیل بیان کروں اور نہ ان کی گرانباری ایسی ہے کہ تذکرہ کر کے میں سبکدوش ہو جاؤں گا لہٰذا اس سلسلے میں خاموش رہنا ہی زیادہ انسب ہے۔ انسپکٹر صاحب کی بچی ممتاز بھی بڑی چنچل اور پُر مذاق لڑکی ہے۔ پان کا انتظام اسی کے متعلق تھا اور اُس نے خاص مدارات بھی کی۔ پڑھے گھر کی پڑھی بلّی۔ انسپکٹر صاحب کا نوکر عبدالرحمٰن (جس کی چند نسوانی خصوصیات کی بنا پر میں اسے "بی رحیمن" کہتا تھا) یا دوسرے وابستگان نے بھی بلا کسی خیال نفع اور اُمید معاوضہ میری جیسی عزت اور خدمت کی وہ صاحب خانہ کی بلند اخلاقی کا بیّن ثبوت ہے۔

ادبی حیثیت سے یہاں پروفیسر مسلم صاحب کی ذات قابل قدر تھی۔ چنانچہ میں ان کی کوٹھی پر حاضر ہوا مگر چونکہ آپ اکسمس (X'MAS) کی چھٹیوں میں گھر تشریف لے گئے تھے لہٰذا ملاقات نہ ہو سکی۔ جس کا مجھے افسوس ہے۔ رہا شہر، اس کی مشہور چیزیں اور اس کے مقتدر مقامات تو یقیناً یہ ساری چیزیں دلچسپ تھیں اور ہیں لیکن چونکہ تمام بہار کے اصحاب ان حقائق سے باخبر ہیں۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تصریح و تشریح نہ دلچسپ ہوگی نہ مفید۔ لہٰذا نظر انداز کرتا ہوں۔ البتہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں جولیس سیزر کے الفاظ میں عرض کروں گا کہ "یہاں میں آیا[1] میں نے دیکھا اور میں محظوظ ہوا" ۔ بس۔

---

[1] روما کے مشہور جنرل اور شہنشاہ جولیس سیزر نے جب سنا کہ اسکے حریف فرناکس نے آرمینہ منسہ پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ ایک لشکر جرار لیکر آناً فاناً روما سے آرمینیہ کی طرف بڑھا اور زیلا کے مقام پر شکست فاش دی اس خوشی میں اس نے اپنے دوست امانٹیس کو اپنی سرعت اور مستعدی کے اظہار میں لاطینی زبان میں ایک خط لکھا تھا جسمیں اس نے واقعہ کا اظہار محض تین لفظ "وینی۔ ویڈی۔ ویسی" میں کیا تھا۔ جسکے معنی ہیں "میں آیا۔ میں نے دیکھا اور میں نے فتح کیا"۔ اور جو اس وقت تمام انگریزی داں اصحاب میں (I CAME, I SAW & I CONQURED.) کی صورت میں مشہور اور مقبول ہے۔

عطاء اللہ

بھولا ہوا سبق

مسلمانوں کے روشن مستقبل پر ایک قابل قدر تصنیف

ایک کارڈ لکھ کر مسرس حسن برادرس ہندو پٹنہ سے مفت حاصل کریں

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح

فرماتے ہیں

"تمہاری سیاسی برتری تمہاری تنظیم میں پوشیدہ ہے"

ہم بھی یہی کہتے ہیں

تمہاری اقتصادی ابتری صرف تمہارے انتشار کے سبب ہے

دولت کی فراوانی

اگر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے پیسوں کو منظم شکل میں کچھ کرنے دو

شیر بنگال مسٹر اے کے فضل حق

لینگرن سیمنٹ فیکٹری کے ہیڈ آفس کے معائنہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"........ میں بلا تامل کہونگا کہ اس آفس کے تجارتی ماحول سے میں بے حد متاثر ہوا۔ اُس کے ارباب اقتدار کافی دور اندیشی سے کام لے رہے ہیں۔ اور اعلیٰ تجارتی اصول پر عمل نظر آ رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ہو کر رہیں گے۔ اور مجھے توقع ہے کہ مستقبل قریب میں یہ مارکٹ میں اپنا قدم جما لینگے"

ہمارے شیر ارگنائزرس مسرس رحمٰن برادرس کا آفس پٹنہ میں سائنس کالج کے سامنے کُن نگر لین میں ہے کمپنی کے متعلق مفصل معلومات پراسپکٹس و دیگر کاغذات ہم سے طلب کریں

اپنے ساتھ اپنے پیسوں کی بھی تنظیم کیجئے جسے تیزی کے ساتھ بکنے چلے جا رہے ہیں

جلد درخواست بھیجئے

ہوش ہی

ایک قافیہ کا رنگ تغزل

از حضرت رسا ہمدانی۔ گیاوی ٹرپل ایم۔اے ایڈوکیٹ

دم لبوں پر آچکا ہے غم کا ایسا جوش ہی
نام اس کا لے رہا ہوں پھر بھی اتنا ہوش ہی

تیرا دیوانہ کئی عالم میں ہے وہ جوش ہی
جذب ہی وارفتگی ہے بیخودی ہی ہوش ہی

جب خودی کو کھو کے ہم بیخود ہوئے سمجھے یہ راز
رخنہ گر دیدار جاناں میں جو ہے وہ ہوش ہی

تیرے صدقے اے مرے ساقی کی چشم نیم باز
مجھ کو آدھی بیخودی ہی اور آدھا ہوش ہی

دور رقص بیخودی میں منہ ہے ساقی کی طرف
نشہ میں سرشار ہوں اس پر بھی اتنا ہوش ہی

ہم صف محشر میں بھی ہیں محو چشم مست ناز
دادخواہی کس کی ہو کس سے ہو کس کو ہوش ہی

ساری محفل محو چشم مست ساقی ہی رسا
بزم سے اب کون جائے کس کو اتنا ہوش ہی

فغان حسرت

از جناب حسرت شاہجہان پوری ڈالی گنج لکھنؤ۔

زخود رفتہ ہیں لیکن شیوۂ بسمل سمجھتے ہیں
ابھی احساس ہی اتنا کہ دل کو دل سمجھتے ہیں

ہمارے دل سے پوچھے کوئی قدر داغ ناکامی
کہ ہم اپنی محبت کا اسے حاصل سمجھتے ہیں

وفور ضعف سے نا کامیابی کامیابی ہے
جہاں ہم بیٹھ جاتے ہیں اسی منزل سمجھتے ہیں

یہ جسکے تیر کا پیکاں ہو وہ پیکاں اسے سمجھے
ہمارے دل کا ٹکڑا ہی ہم اسکو دل سمجھتے ہیں

کلیجہ جس جگہ دھڑکے دل مضطر جہاں تڑپے
اسی کو ہم زمین کوچۂ قاتل سمجھتے ہیں

ہزاروں ٹھوکریں کھا کر نہ سنبھلے ہیں نہ سنبھلینگے
جو تیرے سنگدر کو جادۂ منزل سمجھتے ہیں

ترے کہنے سے کیونکر چھوڑ دیں ہم بت کو اے ناصح
کہ ہم ساری خدائی کا اسے حاصل سمجھتے ہیں

یہ کہکر کاٹ دی صیاد نے شاخ نشیمن بھی
قفس کی تیلیوں کے ہم اسی قابل سمجھتے ہیں

سہارا ایک تنکے کا بہت ہوتا ہی اے حسرت
مصیبت آشنا ہر موج کو ساحل سمجھتے ہیں

محبت کی ناکامیوں سے لبریز افسانہ

بمحترمہ آنسہ نسیمہ سوز نیوباؤس اروال

کئی دنوں سے سن رہی تھی کہ آج کل ایک بہترین فلم "پریم کہانی" کی نمائش ہو رہی ہے تمام لوگ اُسے دیکھ آئے تھے اکثر لوگوں سے اس کی تعریف سنکر میرا شوق بھی بڑھ رہا تھا۔ لیکن افسوس میں اپنی علالت کے باعث اب تک اُسے دیکھنے سے مجبور تھی !!!

کچھ روز بعد جب میں قدرے رو بہ صحت ہوئی تو ایک شام بھابی جان سے اجازت لیکر "سینما ہال" کی طرف روانہ ہوگئی! اگرچہ جنوب کی جانب سے اٹھتی ہوئی گھنگھور گھٹا میرے ارادے کو شکست دینے کے لئے کافی تھی! تاہم میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کچھ بھی آج "پریم کہانی" ضرور دیکھونگی کیونکہ آج اس کا آخری دن تھا۔ باوجودیکہ میرا دل علالت کے سبب افسردہ ہو رہا تھا تاہم میں ایک قوی ارادے کے ماتحت "سینما ہال" کی جانب کھنچی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں وہاں پہنچ ہی گئی — یک نخت میری نگاہیں حیران رہ گئیں! کچھ فاصلے پر ناہید کسی سوچ میں غرق کھڑی تھی۔ پاس ہی انکے چچا زاد بھائی نجمی بھی خاموش کھڑے تھے! ایں نجمی صاحب؟؟ یہ کب آئے۔ میں نے دل میں کہا۔ اور چشم زدن میں ناہید کے قریب پہونچ گئی — ناہید! اس کا شانہ آہستہ سے ہلاتے ہوئے پکارا — اری تو کہاں عذرا — ؟؟ ابھی میں تجھے یاد ہی کر رہی تھی! ناہید کا چہرہ فرط مسرت سے سُرخ ہوگیا — ہاں نجمی بھائی آپ نے عذرا کو پہچانا؟؟ ناہید نے نجمی صاحب کی طرف مڑتے ہوئے سوال کیا۔ میں جھینپ سی گئی — نجمی صاحب سے تین سال کی طویل مدت کے بعد میری ملاقات ہوئی تھی — وہ اب بھی بالکل ویسے ہی تھے — وہی ہنستا ہوا چہرہ — وہی شرارت آمیز آنکھیں اور وہی متبسم لب" نجمی صاحب کو دیکھکر مجھکو ساری اگلی باتیں یاد آنے لگیں "خدا کی پناہ" ہم لوگوں نے بھی کیا کیا شرارتیں کی تھیں ؟ !

ہاں کیوں نہیں۔ میں نے تو پہچان لیا — بھلا یہ بھی بھولنے کی چیزیں ہیں"؟ نجمی صاحب کی مترنم آواز نے میرے سلسلۂ خیالات کو توڑ دیا —!

وقت کم تھا لہٰذا ہم تینوں نے جلد جلد ٹکٹ لئے اور اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھ گئے۔ کھیل فوراً ہی شروع ہوگیا۔ ہم لوگوں نے اور بھی سنجیدگی اختیار کر لی۔ اس دوران میں نجمی صاحب کبھی کبھی فلم کے متعلق اظہار خیال کرتے رہے جس کا جواب ناہید برابر دئے جا رہی تھی! اور میں بالکل بے حس تماشہ دیکھنے میں محو تھی۔ واقعی یہ فلم نہایت دلچسپ تھا!

کھیل ختم ہوگیا اور ہم لوگ اپنے اپنے مکان کی طرف چلے۔ میں نے آخر شرماتے شرماتے نجمی صاحب کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے ہی دی جس کو انہوں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کیساتھ قبول کر لیا!

دوسرے روز شام کو میں نجمی صاحب اور ناہید کے انتظار میں چشم براہ صحن میں ٹہل رہی تھی کہ دور سے بھابی جان نے مجھکو ایک گہرے آسمانی رنگ کا لفافہ" دکھایا — میں بھاگی بھاگی انکے پاس

تینی اور جھپٹ کر ان کے ہاتھ سے وہ خط چھین لیا۔ بھابی جان زیرِ لب مسکرا رہی تھیں۔ ارے! دلفگار کا خط دلفگار کے نام!؟ یہ کیا ہے بھابی جان؟ میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔ خوب یہ تجاہل! مجھ ہی سے "پردہ پوشی" عذرا؟ انہوں نے قصداً مجھے چھیڑنے کو یہ کہا۔ دیر تک ہم دونوں اس ناقابلِ فہم تحریر میں الجھے رہے۔ آخر میں یہ بات طے پائی کہ کسی احمق نے یہ سمجھ رکھا ہوگا کہ عذرا ہی کبھی کبھی "دلفگار" کے پردے میں دنیائے ادب میں آتی ہے۔ دلفگار صاحب نے لکھا تھا کہ نظم "ربابِ شکستہ" رسالہ "ساقی" میں دیکھی میں اس سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے کسی قدر جسارت سے بھی کام لیا تھا۔ نظم کا بعض حصّہ ان کے دل پر ایک خلشِ دائمی بن کر مرتسم ہو چکا تھا!

"یہ بات ہے" میں چونک پڑی کیونکہ پشت پر سے ناہید خط کو بغور پڑھ رہی تھی۔ اور نجمی صاحب کہاں ہیں؟ میں نے ناہید سے پوچھا اس نے بتا کر خط کو میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

نجمی صاحب و بھابی جان چمن کی اگلی روش پر گفتگو کرنے میں معروف تھیں۔ میں ناہید کو خط پڑھتا چھوڑ کر ان دونوں کی طرف چلی۔ وہ دونوں کسی اہم موضوع پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور باورچی خانہ کی طرف دوڑ گئی کیونکہ ان لوگوں کے لئے ناشتہ اور چائے میں جلدی کرنی تھی۔ سب چیزیں جلد ہی تیار ہو گئیں میں نے صحن میں چند کرسیاں اور میز بچھوا دیں اور اسی پر ناشتہ لگوا دیا۔ نجمہ نے دو حسین گلدان رنگین و شگفتہ پھولوں سے آراستہ کر کے اسی میز پر قرینہ سے رکھ دیا۔ بہر کیف بھابی جان ناہید اور نجمی صاحب کی رنگین اور دلچسپ باتوں کے درمیان ناشتہ ختم ہو گیا۔ میں نے صرف چائے ہی پر اکتفا کی کیونکہ طبیعت کچھ مضمحل سی تھی

"کوئی معشوقہ ہے اس پردۂ زنگاری میں"۔ دفعتہ ناہید نے سرگوشی کے لہجہ میں مجھ سے کہا۔ بھابی جان نے ناہید کی اس حرکت سے باخبر ہو کر زور سے ہنسنا شروع کیا۔ لیکن میں اپنی نظروں سے ان دونوں کو منع کر رہی تھی کہ مبادا نجمی صاحب پر بھی دلفگار صاحب کی حماقت آشکارا نہ ہو جائے!

نجمی صاحب کی وہ سب شرارتیں آپ کو یاد ہیں بھابی جان؟ میں نے بات بدلنے کے خیال سے یکایک یہ سوال کیا! شکر ہے کہ میری یہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی اور سب لوگوں کا خیال نجمی صاحب کی شرارتوں کی جانب مبذول ہو گیا۔

تمہاری انگلی میں اب تک وہ داغ باقی ہے جو میرے دانتوں کا رہینِ منت ہے۔ نجمی صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ناہید نے ایک پُرزور قہقہہ لگایا۔ ہاں ابھی تک یہ یاد کرتی ہیں نجمی بھائی۔ "دیکھا دو عذرا اپنی انگلی" یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ نجمی صاحب کے ہاتھ میں دیدیا۔ شرم سے میری نگاہیں جھک گئیں۔ "اور وہ واقعہ یاد ہے تمہیں ناہید جب ہم تم کمرہ بند کر کے مشقِ موسیقی کرتے تھے تو نجمی بھائی نے چچا جان سے جا کر کتنی شکایتیں کی تھیں؟ اُف! چچا کتنے ناراض ہوئے تھے؟ اور وہ بھول گئیں کہ اچھی پٹیں بھی تھیں؟ نجمی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ بھابی جان یہ سُن کر مارے ہنسی لوٹ گئیں۔ ہاں تو میں نے بھی آپ سے انتقام لے لیا تھا۔ اور تم عذرا؟ بھابی جان نے متنفرانہ نگاہوں سے تکتے ہوئے پوچھا۔ یہ بیچاری بہت نیک تھیں! اس لئے میرے قصور کو انہوں نے معاف کر دیا۔ نجمی صاحب نے جواب دیا!

او بیوقوف لڑکی! تو نے کیوں نہیں نجمی کی مرمت کر ڈالی تھی؟؟ بھابی جان نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں کس طرح کچھ کر سکتی تھی بھابی جان؟ نجمی بھائی نے تو مجھے سخت دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے

میری کاپی چھین لی تھی۔ بے تحاشا صاف کھول کر تالاب میں پھینک دوں گا۔ یہ سن کر نجمی صاحب نے ایک طویل قہقہہ لگایا ۔۔۔!

لیکن تمہارے بہرو دشاطر نے اس کی ساری کسر مجھ سے نکال لی تھی۔ میری تمام کاپیوں اور کتابوں پر اس نے مزاحیہ تصویریں بنا کر میرا نام لکھ دیا تھا۔۔۔ میں بھی ماسٹر صاحب کی کافی ڈانٹ کھائی تھی۔۔۔ "اچھا ہوا تھا" یہ کہتے ہوئے ناہید نے اپنی شوخ نگاہیں نجمی صاحب پر ڈالیں۔ بہت دیر تک بچپن گزرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے ہنستے رہے۔۔۔ ماضی کی دلچسپ معصوم باتیں دیر تک باعث تفریح بنی رہیں۔ پھر باغ کی طرف چہل قدمی کے لئے چلے۔۔

آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ اور شفق نے آسمان کا مغربی حصہ خون آشام بنا رکھا تھا۔ نارنگی کی کلیاں اپنی جانفزا نکہتوں سے ساری فضا کو معطر بنا رہی تھیں۔۔۔ سرخ گلاب کے تختہ میں ایک بڑا سا شگفتہ گلاب اپنی رعنائی و شادابی پر والہانہ جھوم رہا تھا۔۔۔ یاسمین کی نازک نازک کلیاں شاخوں سے چمٹی ہوئی آہستہ آہستہ شرمگیں نگاہیں کھول رہی تھیں۔ کچھ دور ننھا بیلا کے پھول توڑنے میں مصروف تھی۔۔۔ لیموں کے درخت کے پاس فاختہ کا جوڑا خاموش بیٹھا ہوا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھائی جان اور ناہید چمن کی ایک شاداب روش پر بیٹھ گئے اور نجمی صاحب ہر ایک تختہ کے پاس جا کر رنگین کھلے ہوئے پھولوں کو بغور تک رہے تھے۔۔۔ ان کی آنکھیں فرط مسرت سے چمک رہی تھیں!

کچھ دیر بعد یکایک میری نظر شیشم کے جھنڈ کی طرف جا پڑی۔۔۔ مہتاب شرمگیں ادا سے "عروس نو" کی طرح درخت کے پتوں کے درمیان سے جھانک رہا تھا۔ بھائی جان آج کشتی کی سیر کی جائے! میری زبان سے بے اختیار نکلا۔۔۔

ہاں! ہاں ضرور۔۔۔ بھائی جان اور ناہید نے فوراً اس خیال کی تائید کی۔ اور ہم تینوں اٹھ کر نجمی صاحب کی جانب چلے۔ وہ پھاٹک پر لہرانے والی بیلوں کے پاس کھڑے نظر غائر کر رہے تھے۔ کیوں نجمی بھائی۔۔۔ آپ کو ان کی سرفرازی پر رشک آ رہا ہے!؟ ناہید نے شوخی سے کہا۔۔۔ نجمی بھلو! کی صلاح ہوتی ہے کیا آج کی رات کا کچھ حصہ دریا کی سیر میں گذارا جائے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ بھائی جان نے ناہید کی بات کاٹ کر پوچھا! نجمی صاحب نے سنجیدگی سے اپنی غیر حاضری کی معافی مانگی! مگر وہ شریر ناہید سے خود کو کس طرح چھڑا سکتے تھے؟ اس نے اُن کے انکار کو صرف شرارت پر محمول کیا اور آخر انہیں راضی ہی ہونا پڑا۔

چنانچہ ہم سب بہت جلد دریا تک پہونچ گئے۔ اور ہماری چھوٹی سی ہلال نما کشتی دریا کی بیقرار موجوں پر آہستہ آہستہ خم کھاتی ہوئی چلنے لگی! کشتی کھینے کا کام نجمی صاحب کے سپرد کیا گیا۔۔۔ میں نجمی صاحب کے قریب بیٹھی تھی وہ زیرلب کچھ گنگنا رہے تھے اور چپو چلائے جاتے تھے۔ جب میں نے کافی غور و خوض سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ وہ اختر شیرانی کی نظم "لے عشق کہیں لے چل" گنگنا رہے ہیں! چاند آسمان کے وسط میں آ چکا تھا اس کی سیمیں شعاعیں کائنات کو پر نور بنا رہی تھیں۔ کنارے کی جھکی ہوئی شاداب جھاڑیاں خاموش زبان سے اپنی تفسیر زندگی سنا رہی تھیں ۔۔۔ دور جھونپڑی میں سے ٹمٹماتے ہوئے دیئے نزع کی حالت میں پڑے ہوئے بیمار غم کی طرح دم توڑتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔

"پریم کہانی سکھی! سنتے سوہاوے" دریا کے اس پار چند دہقانی لڑکیاں اپنی معصوم و سادہ زبان میں یہ وجد آفریں گیت گا رہی تھیں "پریم کہانی سکھی سنتے سوہاوے"! بڑی شیریں آوازیں گا رہی ہیں سب! نجمی نے اس طرف متبسم نگاہیں پھیرتے ہوئے کہا۔ اور ہم تینوں بھی شوق سے گیت سننے لگے۔ مگر پہاڑ کی جانب سے بانسری کی دلکش صدا آئی شاید کوئی "ملاح" منظر کی دلفریبوں سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کر رہا تھا۔۔۔ کیسی رومان پرور ہے یہ رات! نجمی صاحب نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں" آپ کو تو بھلوگوں کا

شکرگزار ہونا چاہئے کیونکہ ہم ہی لوگوں کی عنایت کے باعث ایسی حسین شب نصیب ہوئی ہے ناہید کے اس شرارت آمیز جواب پر ہم سب ہنس پڑے۔ "دریا کی سیر عموماً بہت پُرکیف ہوتی ہے۔" بھابی جان نجمی سے بولیں! لیکن۔ ان بچاری کو اس کا تجربہ کہاں؟ ناہید کی گفتگو دلچسپیوں میں اضافہ کر رہی تھی!

"پریم کہانی سنکھی! سنتے سو جاوے" رفتہ رفتہ یہ آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ کتنی سادگی ہے اس دیہاتی زندگی میں۔ مجھے تو رشک آتا ہے نجمی صاحب بولے! ہاں آپ تو رشک و حسد کے عادی ہی ہیں کتنی خراب بات ہے یہ عذرا؟ ناہید بدستور بولتی جا رہی تھی!

طویل عرصہ تک سطح دریا پر ایک ہنگامہ بر پا رہا — بعد ازاں کشتی سے اُتر کر ہم لوگ تھوڑی دیر تک ساتھ چلتے رہے۔ نجمی صاحب اور بھابی جان کا دیہات و شہر کے موضوع پر تبادلہ خیال ہو رہا تھا۔ ناہید البتہ بالکل چپ تھے۔ اچھا تو شب بخیر" ناہید نے اپنے مکان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ نجمی صاحب بھی اس طرف چلے — بھابی جان اور میں اپنے یہاں آئی اور اپنے کمرے میں آکر بستر پر نڈھال پڑ گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھ کو تکان کی وجہ سے حرارت ہو گئی ہے — میں اپنی خوش نظروں سے چاروں طرف تک رہی تھی — نہ جانے کیوں میرا کمرہ بے انتہا اداس نظر آ رہا تھا۔ سامنے دریچہ سے چاند کی کرنیں میرے بستر پر پڑ رہی تھیں اور کبھی کبھی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ "کوئین آف دی نائیٹ" کی مشامہ نواز خوشبو کمرے میں آکر پھیل جاتی تھی —!

میں نے سونے کی ناکام کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی ناہید اور نجمی صاحب کی دلچسپ باتیں بدستور یاد آ رہی تھیں —!

نجمی صاحب کی پُرلطف صحبت میں ہم لوگوں کے دن نہایت خوشگوار گزر رہے تھے۔ اب ہر روز دریا کی سیر، سینما، برج، کیرم کی بازیاں۔ "گھساروں کی سیر" غرض کہ نہ ایک ہنگامہ بپا رہتا تھا! ان کو آئے ہوئے کامل تین ماہ ہو گئے تھے۔ نجمی صاحب سے میں روز بروز بے تکلف ہوتی جا رہی تھی — اُن کا مذاق اڑانے میں اب علاوہ ناہید کا حصہ بھی برابر رہنے لگا تھا اور بھی اکثر اپنی نئی نئی شرارتوں سے ہم لوگوں کو دلی خوشی کی تکلیف پہنچائے بغیر نہ رہتے تھے —!

ایک حسین شام کو جبکہ میں اپنے کمرے میں بڑے دریچے پر بیٹھی دور گل لالہ کے کھلے ہوئے پھولوں کو بغور تک رہی تھی کہ نجمی صاحب مسکراتے ہوئے نمودار ہوئے انہوں نے شیریں لہجہ میں "آداب عرض" کہا اور دریچہ کی سلاخیں پکڑ کر کھڑے ہو گئے — میں شرما سی گئی۔ میرے ہاتھ میں "ادب لطیف" کا سالنامہ تھا۔ میں اسے ظریفانہ نظر سے گھورنے لگی۔ تم تنہا بیٹھی کیا کر رہی ہو؟ میں خاموش رہی —! اچھا یہ تو بتاؤ بھابی جان کہاں ہیں عذرا؟ انہوں نے پھر سوال کیا —!

"وہ شاید اپنے کمرے میں ہیں" میں نے آہستہ سے جواب دیا —!

لیکن یہ تو کہو اس وقت تم کیا سوچ رہی تھیں؟ یقیناً مجھے ستانے کی کوئی ترکیب؟ ہے نا؟ میں بے اختیار ہنس پڑی — اچھا تو اس حد تک مجھ سے خائف ہیں آپ؟

جی نہیں — میں تو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔

اور ناہید نہیں آئی میں نے پوچھا۔

اُس شیطان کو آج بجی جان سے خوب ہی ڈانٹ سنوائی ہے نجمی صاحب ہنستے ہوئے بولے! کیوں کیا ہوا تھا —؟ میں نے اشتیاق آمیز لہجہ میں سوال کیا اور میرا دل اپنی پیاری ناہید کے لئے بے چین ہو گیا —!

آج علی الصباح میں بے خبر سویا ہوا تھا تو اُس شریر نے مجھے پانی سے شرابور کر دیا۔ اور میری طبیعت جو خراب ہو جاتی؟ اسے کبھی وہ ویسے بھی ہمیشہ سوتے میں کبھی مونچھیں بنا دیتی ہے کبھی روئی رکھ کر دیا سلائی جلا کر "فاختہ" اڑاتی ہے۔ آخر میں نے بھی آج بجی جان سے اس کی شکایت کر دی تاکہ آئندہ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہوں — جا کر

دیکھو تو نہ اپنی ناہید کو منہ پھلائے بیٹھی ہے ـــ اچھا اب چلئے نہ بھابی جان کے پاس! یہ کہکر میں کمرے سے باہر نکل گئی ـــ دوسری طرف سے نجمی صاحب بھی بھابی جان کے کمرے میں پہنچ گئے ـ

تھوڑی دیر گپ کرنے کے بعد بھابی جان کی خواہش ہوئی کہ تاش کھیلا جائے چونکہ صرف تین آدمی تھے اسلئے ہم لوگوں نے "رمی" کھیلا شروع کر دیا! اسی دوران میں چائے بھی چل رہی تھی یکایک دریچے سے ناہید کود پڑی ـ نجمی صاحب چونک گئے میں بے اختیار ہنس رہی تھی ـــ

ارے تم ہو؟ میں نے جانا کہ "بلی" ہے ـ نجمی صاحب نے ناہید کو بنانے کی غرض سے کہا ـــ ناہید چپ چاپ آکر میرے قریب بیٹھ گئی ـــ

کیا بات ہے ناہید؟ بھابی جان ـــ خلاف اُمید اداس دیکھکر پوچھا ـ میں بدستور ہنس رہی تھی ـ

آخر کیا ہوا ہے؟ یقیناً نجمی صاحب سے لڑائی ہوئی ہے انہوں نے معاملہ سمجھتے ہوئے کہا ـــ!

کیا دیکھ رہی ہو ـــ؟ کھیلو گی کیا ـــ؟ نجمی صاحب کے خشک لہجے سے ناہید کی خفگی اور دوچند ہو گئی ـــ اس نے ایک قہر آلود نگاہ نجمی صاحب پر ڈالکر اپنی گردن پھیر لی!!

معلوم ہوتا ہے کہ آج مجھکو زندہ نہ چھوڑو گی ـــ؟ نجمی صاحب نے پھر چھیڑا ـــ! ہم لوگوں نے پھر ایک طویل قہقہہ لگایا ـــ! بھابی جان نے ناہید کو کھیلنے کو کہا ـ مگر اُس نے جواب دیا کہ طبیعت ٹھیک نہیں! خوب! نہ کھیلنے کے لئے ملالت کا بہانہ خوب رہا ـ نجمی صاحب اپنی شرارت آمیز گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولے ـــ!

آخر میں نے بعد اصرار اس کو کھیلنے پر رضامند کیا تاہم وہ بیزار سی انداز میں کھیلتی رہی ـ بازی ہنسی مذاق کے درمیان ختم ہوئی ـ نجمی صاحب اور بھابی جان کو بری شکست ہوئی تھی! ہم دونوں اپنی فتح پر بہت خوش تھے ـــ!

اس طرف میں اپنی علالت کو بالکل بھول گئی تھی ـ اور ہر قسم کی "پرہیزی" سے بے اعتدالی کر رہی تھی ـ جس کا نتیجہ ـ یکایک میری بیماری پھر عود کر آئی اب بخار ہر وقت رہنے لگا ـــ بیچاری بھابی جان بیحد فکرمند رہنے لگیں ـــ دن میں دو بار ناہید و نجمی صاحب آکر پرسش حال کر جاتے ان لوگوں کی موجودگی میں میں اپنی ساری تکلیفیں بھول جاتی ـــ میرا اداس کمرہ تھوڑی دیر کیلئے "رنگین قہقہوں" سے گونج اٹھتا تھا ـــ!!

ایک روز جبکہ شام ہو چکی تھی ـــ اور دریچے سے ڈوبتے ہوئے سورج "کی آخری کرنیں کمرہ میں داخل ہو کر الوداعی سلام کر رہی تھیں تو میں نے محسوس کیا کہ اس وقت طبیعت کچھ اچھی ہے تکیہ کا سہارا لے کر میں بیٹھ گئی اور باغ کی جانب دیکھنے لگی ـ مالی کی لڑکی نجیبا "خوبصورت گلدستے" بنانے میں مشغول تھی ـــ دور کھجور کے درخت پر سبز پروں والا طوطا بیٹھا سیٹی بجا رہا تھا ـــ

"تم نہ دیکھو کہ میرے چہرے پر"
اک تمنا سی پائی جاتی ہے

کسی نامعلوم جذبے کے زیر اثر میں نے یہ شعر گنگنانا شروع کر دیا ـــ کیا واقعی ـــ؟؟ یک لخت یہ آواز خاموش کمرے میں کسی طرف سے آئی ـ پلٹ کر دیکھا نجمی صاحب دوا گلاس میں لئے ہوئے پیچھے کھڑے مسکرا رہے ہیں ـ

تم نہ دیکھو کہ میرے چہرے پر
اک تمنا سی پائی جاتی ہے

خوب! ایک بار پھر کہو تو ـــ وہ گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے بولے ـــ اور میں نے شرما کر چہرہ کو آنچل سے چھپا لیا ـــ

تم نہ دیکھو کہ میرے چہرے پر
اک تمنا سی پائی جاتی ہے

نجمی صاحب یہ شعر بار بار گنگنا رہے تھے —!

میری طویل علالت نے ہر ایک کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا — مکان کے گوشہ گوشہ سے اک اضطرابی کیفیت نمایاں تھی! اس بے پناہ اداسی و معصومیت کو دیکھ کر مجھے بخوبی احساس ہو رہا تھا کہ میری علالت تشویشناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے —

اس چار ماہ کی طویل علالت سے میں اب اکتا گئی تھی — میرا دل اپنی شریر ناہید کے ساتھ شرارت کرنے کو بے اختیار چاہتا — بھابی جان کو چھیڑنے — اور نجمی صاحب کو ستانے کی بے انتہا خواہش ہوتی تھی۔ لیکن یہ ممکن کہاں؟ کہ دل کی ہر ایک خواہش پایۂ تکمیل تک پہنچے؟؟ —!!
ناہید ایک ہفتہ سے میرے یہاں تھی — نجمی صاحب بھی اپنی فرصت کا زیادہ تر حصہ میرے ہی غریب خانہ پر گذارتے تھے —!

میری اس تشویشناک بیماری سے ہر ایک کے چہرے سے پریشانی و افسردگی نمایاں تھی — لیکن نجمی صاحب کے لب اب بھی تبسم کناں رہتے تھے —! ان کے چہرہ پر وہی مسرت خوشی کے تاثرات پائے جاتے تھے! شاید اسی رنگین و حسین تبسم میں میری زندگی کا "آفتاب" اب تک روشن تھا —؟

ایک رات میری طبیعت کچھ زیادہ خراب تھی اور میں عالم بیہوشی میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ یکایک شدید پیاس کے غلبہ سے میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بھابی جان کو بچہ پر بیخبر پڑی ہیں — ناہید بھی میری مسہری کے قریب صوفے پر سوئی ہوئی ہے — اور نجمی صاحب آرام کرسی پر نیم دراز غنودگی کی حالت میں لیٹے ہوئے ہیں۔ کھلا ہوا ادر روماں ان کے سینے پر بے ترتیبی سے پڑا ہوا ہے — ہوا کے تیز جھونکوں سے ان کے بال پریشان ہو کر سفید پیشانی پر لہرا رہے تھے! میری نگاہیں دیر تک ان پر جمی رہیں — نجمی صاحب کی موجودگی میرے لئے کیسا عجیب چیز ہو کر رہ گئی تھی! آخر میں نے اپنی متجسس نظریں چاروں طرف ڈالیں — پیاس سے حلق کانٹا ہو رہا تھا — لیکن کسی کو آواز دیکر جگانا بھی میرے لئے دشوار امر تھا —!

دفعتہً ناہید نے کروٹ لی — اور نجمی صاحب چونک پڑے مجھے اس طرح جاگتے دیکھ کر بولے — کیا ہے عذرا! طبیعت کیسی ہے؟!
میں نے کوئی جواب نہ دیا —!

پھر وہ میرے قریب آکر بولے کیسا مزاج ہے —؟ کسی چیز کی ضرورت ہے تمہیں؟؟ "پیاس" کی شدت سے آواز نہ نکل رہی تھی انہوں نے پھر اسی سوال کی تجدید کی "پا — نی" ایک طویل وقفہ کے بعد میں نے کہا —! جلد اچھی ہو جاؤ نہ عذرا!! انہوں نے گلاس کو میرے لب سے لگاتے ہوئے کہا!
اُف! بہت عاجز کر دیا تم نے۔ بڑی شریر ہو! اچھی ہو جاؤ تو ہم لوگ تم سے اس "تیمارداری" کا صلہ لیں —! نجمی صاحب سرگوشی کے لہجہ میں بول رہے تھے —!
اور ہاں یہ دیکھو ہمارے بلانے کا خط آیا ہے — لیکن میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں —؟ وہ اپنی جیب کی طرف اشارہ کرکے بولے!
میں سوچ رہی تھی کہ آخر میری بد مزگی سے [illegible] کیوں چلے جاتے —؟ کیا واقعی میں میری علالت [illegible] میں "سدراہ" ہے —؟؟
سچ کہتا ہوں عذرا —! میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر کبھی نہیں جا سکتا — کاش تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ — تم مجھے کتنی — عزیز ہو ...

میں سرا پا لرز گئی ــــ لیمپ کی کانپتی ہوئی مدھم روشنی میں میں نے دیکھا کہ نجمی صاحب کی خوبصورت آنکھیں اشک آلود ہیں ــــ ان کے لب پھر مرتعش ہوئے ــــ وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ناہید نے پھر کروٹ لی اور ہاتھوں سے آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی ــــ!

نجمی صاحب اپنی جگہ کی طرف سر جھکائے واپس چلے گئے ــــ اور میں نہ جانے کن خیالات میں گم ہو کر رہ گئی ــــ!

دوسرے روز میری طبیعت بحال تھی ـ ناہید بھابی جان اور نجمی صاحب نے مجھے پیار کر بنا رکھا تھا ـ چند گھنٹے ان لوگوں کی لطیف صحبت میں گذر گئے ــــ اب میں تنہا تھی ـ رات کا "واقعہ" رہ رہ کر یاد آ رہا تھا ــــ

بھابی اور ان دوسرے کمرے میں نجمی صاحب سے دور دور کر گفتگو کر رہی تھیں ــــ

کس خیال میں ہو؟ لو دوا پی لو نہ! ناہید نے دوا کا گلاس بڑھاتے ہوئے کہا ــــ اور میں چونک گئی ــــ اُف "کونین"؟ مجھے کونین سے نہ معلوم کیوں چڑ تھی میں نے اپنا منہ نفرت سے دوسری طرف پھیر لیا ـ! اچھا نہ پیو گی نا تم؟ بلاؤں بھابی جان کو؟ ناہید کی اس دھمکی سے مجبور ہو کر میں نے گلاس کو لے لیا ـ! مگر اس کی "ناخوشگوار تلخی" یاد کر کے کانپ بھی گئی ــــ اور پھر ساری دوا ناہید پر پھینک ڈالی ــــ!

ناہید ہنستی ہوئی کمرے سے نکل بھاگی ــــ اور میں خود کو شال میں لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے میں مصروف ہو گئی!

عذرا ــــ کیا سو گئیں؟ ؟ نجمی صاحب کی دلکش آواز آئی ــــ

جی ہاں! بالکل سوئی ہوئی ہیں ــــ بہت گہری نیند آئی ہے بچاری کو ــــ ناہید نے نجمی صاحب کی باتوں کا جواب دیا ــــ! پھر نجانے دونوں میں کیا "سرگوشیاں" ہوئیں شاید "دوا" کے متعلق کچھ بات تھی ــــ اچھا تو پھر آپ کی بھی یہی سزا ہو گی ــــ ناہید کی آواز ہنسی میں گم ہو گئی ـ انہوں نے شال کو کھینچتے ہوئے کہا ـ سونے کی نقل فضول ہے نجمی بھائی تمہیں ابھی پوری شیشی پلا کر رہیں گے ــــ!

ہاں تو تمہیں اپنی بیماری سے بہت اُنس ہے عذرا! نجمی صاحب بولے!

نہیں ــــ تو!

پھر "دوا" سے نفرت کیوں کرتی ہو؟ یہ لو اچھی لڑکی بن کر پی جاؤ وہ بولے!

لیکن ــــ کہیں نجمی بھائی ......!

کیا ــــ نہیں پیو گی تم! نجمی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا! مگر یہ بہت تلخ ہے میں نے جواب دیا! تو پھر کیا حرج ہے آنکھیں بند کر کے پی جاؤ ــــ

میں بے اختیار ہنس پڑی ــــ خوب تو گویا آنکھیں بند کرنے سے تلخی جاتی رہے گی نا! دور سے ناہید بول پڑی ــــ اور نجمی صاحب لاجواب ہو کر ہنسنے لگے ــــ

اچھا تو میں کہتی ہوں کہ پہلے ایک خوراک آپ پی لیں ــــ پھر میری ــــ عذرا ضد دیجئے گا ناہید نے قریب آ کر کہا ـ ـ اچھا یونہی سہی یہ کہہ کر نجمی صاحب واقعی میں کونین پی گئے ــــ ناہید نے اپنے مترنم قہقہے سے کمرہ کو گونجا دیا ــــ میں بھی ہنس رہی تھی اور نجمی صاحب برا سا منہ بنائے ہوئے تھے ..... بھابی جان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا یہ کیا؟ ـ دیکھئے بھابی جان یہ مریضہ کو دوا پلانے آئے تھے لیکن خود ہی مریض بن گئے ناہید ہنستی ہوئی بولی ــــ!

اچھا اب تو ہنسی ختم کرو ـ بہت ہنسا بھی منع ہے نجمی صاحب نے ناہید کو چھیڑتے ہوئے کہا ــــ ناہید اپنی گردن کو خم دے کر کمرے سے نکل گئی!! ناہید کو آپ نے روٹھا دیا نہ میں نے افسردہ لہجہ میں کہا اور دوسری طرف کروٹ لے لی! لیکن نجمی واقعی تم بہت شریر ہو ــــ ناہید کو نہ معلوم کیوں تم ہر وقت بناتے ہو وہ بچاری

آخر بھاگ ہی گئی اچھا میں بلاتی ہوں یہ کہہ کر بھابی جان چلی گئیں!

اوہ! آپ بھی خفا ہو گئیں؟ نجمی صاحب مجھ سے مخاطب تھے۔ ــــــ لیکن میں خاموش تھی!

واقعی ــــــ آپ بھی ناراض ہو گئیں محترمہ ــــــ؟ وہ مسلسل سوال کئے جا رہے تھے۔ اور میں ہنوز چپ تھی ــــــ!

عذرا ــــــ عذرا ــــــ سچ مچ خفا ہو تم! میں نے مڑ کر دیکھا ان کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی ــــــ ہاں ــــــ میں نے طویل وقفہ کے بعد چھیڑ کر کہا!

تو ــــــ آپ سرکار ملازم کے لئے کوئی سزا بھی تجویز کریں ــــــ ہاں! یہ سزا کافی ہوگی کہ میں دو گھنٹہ تک اس کونے میں کھڑا آپ کی طرف دیکھتا رہوں ــــــ!؟

میں جھینپ سی گئی ــــــ اور شال سے منہ چھپا لیا ــــــ

اتنے میں بھابی جان ناہید کا ہاتھ پکڑے ہوئے داخل ہوئیں۔ لو اب "صلح کر لو تم سب!" وہ مسکراتی ہوئی بولیں! میں اس موذی سے ملاپ ہرگز نہ کرونگا ــــــ یہ شریر ہمیشہ مسرت انگیز موقع پر خفا ہی ہو جاتی ہے۔ آج عذرا کی طبیعت اچھی ہے کتنی خوشی کی بات ہے مگر یہ حضرت ہیں کہ منہ پھلائے ہوئی ہیں ــــــ نجمی صاحب نے ناہید کو چھیڑا ــــــ!

لیکن خیر اب صلح ہو جائے یہ کہہ کر بھابی جان نے دونوں کا ہاتھ ملانا چاہا۔ نجمی صاحب میری طرف مڑے اور ان کی نظر میرے تمتماتے ہوئے چہرے پر پڑی تو گھبرا کر بولے ارے عذرا؟ تمہیں پھر بخار آ گیا کیا ــــــ؟ بھابی جان نے جلدی سے تھرما میٹر لگایا تو بخار ایک سو ایک تھا!

بہت ہی جلد یہ خوشی اور قہقہے حزن و ملال میں تبدیل ہو گئے ــــــ اور میرا ٹمپریچر رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا ــــــ پھر مجھے ہوش نہیں رہا ــــــ!

جب مجھے ہوش آیا تو ڈاکٹر میری نبض دیکھ رہا تھا۔ بھابی جان عجیب اضطراب کی حالت میں مجھ پر جھکی ہوئی تھیں ــــــ اور ناہید ایڈیکالون کی پٹی پر چڑھا رہی تھی ــــــ!!

نجمی صاحب کھڑکی کی طرف رخ کئے آنسوؤں کو رومال میں جذب کر رہے تھے ۔۔۔۔!! نجمی صاحب رو رہے تھے ــــــ مجھے پہلی بار اپنی حالت پر رحم آیا ــــــ اور ان کی محبت کا احساس ہوا!! ـ

متواتر تین ہفتہ کی خود فراموشی کے بعد اب میں رو بہ صحت تھی۔ بھائی جان مجھے اچھی حالت میں دیکھ کر مسرور تھیں ــــــ سارے گھر پر تازگی سی آ گئی تھی ــــــ!

ایک دن بھابی جان نے مجھے تکیوں کا سہارا دیکر جنوبی کھڑکی کی طرف بٹھا دیا۔ میں سامنے باغ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مدت کے بعد نظارۂ گلشن کا جاں بخش موقع ملا تھا! میری پیاسی نظریں گلشن کے گوشہ گوشہ سے سیراب ہو رہی تھیں سارا چمن موسمی پھولوں سے بھرا پڑا تھا ــــــ نجیا کلیوں کا ہار بنانے میں منہمک تھی۔ زیتون کے اونچے شاخ پر سے آفتاب کا تھوڑا سا چہرا نظر آ رہا تھا۔ یکایک مجھے آہٹ معلوم ہوئی ناہید افسردہ انداز میں آ رہی تھی ــــــ اس کی گھنی پلکوں کے درمیان ہر وقت مسکرانے والی آنکھیں سرخ سرخ سی تھیں چہرے سے حزن و ملال نمایاں تھا ــــــ وہ قریب آ کر خاموش بیٹھ رہی۔ خلاف توقع اسے اداس دیکھ کر میں حیران تھی ــــــ لمحوں کے توقف کے بعد میں نے اداسی کی وجہ پوچھی تو وہ گھبرا گئی ــــــ اپنے دلی جذبات کو چھپاتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹ کیساتھ بولی ــــــ نہیں تو میں اداس تو نہیں ہوں۔ لیکن میری ناہید یہ تمہاری آنکھیں سرخ کیوں ہیں؟ میں نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا ــــــ وہ اور گھبرا گئی جیسے میں اسکے دل کا راز آنکھوں میں پڑھ لونگی ــــــ اچھا تو ــــــ میری اچھی ناہید! میں نے کہا۔ اس نے اپنا منہ پھیر لیا ــــــ میں نے جھک کر دیکھا ــــــ وہ رو رہی تھی ۔۔۔۔

میرے بہت اصرار پر اس نے بتایا کہ کل نجمی بھائی کے روانگی کا دن ہے... یہ خبر میرے لئے بھی ایک حد تک الم ناک تھی۔ لیکن پیاری دوست اتم رنجی کیوں ہو؟؟ عذرا ــــ میری نجمی بھائی کی جدائی کا ایک ایک لمحہ یاد کرتی ہوں تو میری عجب حالت ہوتی ہے ــــ اس نے اپنے اُمنڈتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا ــــ میری بھی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ آخر آنکھیں آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ تاہم

ناہید تم غم نہ کرو ــــ بہ مشکل میں نے اتنا کہا ــــ!

عذرا! میں غم نہ کروں ــــ؟ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے مجھے نجمی بھائی سے محبت... ــــ شدید محبت ہے... یہ کہہ کر وہ مجھ سے لپٹ کر رونے لگی... !!!

مجھ پر گویا بجلی گر پڑی ــــ! تو کیا نجمی صاحب بھی ناہید سے محبت کرتے ہیں یہ ایک سوال تھا جو بار بار میں اپنے دل سے کر رہی تھی!!

دوسرے دن بھابی جان نجمی صاحب کو رخصت کرنے کو جا رہی تھیں! لیکن افسوس میں اپنی کمزوری و نقاہت کے باعث اس قابل بھی نہ تھی کہ وہاں تک جا سکوں! مجھے اپنی مجبوریوں پر غصہ بھی آ رہا تھا اور رونا بھی بہرکیف میں بہت دیر تک روتی رہی ــــ اور اسی حالت میں سو بھی گئی!

نہ معلوم کتنے عرصہ تک میں سوئی رہی ــــ نیند جب ٹوٹی تو بھابی جان کو موجود پایا ــــ اُن سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نجمی صاحب جا بھی چکے !!!

نجمی صاحب بغیر مجھ سے ملے ہوئے چلے گئے؟ کتنا تکلیف دہ تھا یہ خیال؟؟ حقیقتاً نجمی صاحب کو بھی ناہید سے محبت ہے۔ جب ہی تو وہ اپنے آخری وقت کو میری ملاقات سے تلخ نہ بنا سکے۔ مجھے ناہید کی سُرخ سُرخ آنکھیں اور اُداس چہرے کیساتھ ساتھ اس کی ساری باتیں یاد آنے لگیں...... رشک و حسد کی آگ دل میں شعلہ زن ہو گئی۔ اور مجھے اپنے خیال کی تصدیق ہوتی معلوم ہوئی......... یک لخت میری اشک آلود نظر سرہانے کی میز پر پڑی ــــ وہاں ایک ہلکے فیروزی رنگ کا لفافہ رکھا ہوا تھا ــــ واقعہ یہ تھا کہ جب میں سوئی ہوئی تھی تو نجمی صاحب آئے اور یہ "لفافہ" چھوڑ گئے ــــ

کتنا لطیف ــــ کتنا کیف پرور تھا ان کا خط ــــ؟ چند حسین محبت آگیں "الفاظ" وہ بھی بکھرے بکھرے۔ جیسے کسی نے سطح آب پر چند خوبصورت "پھول" پھینک دیئے ہوں...

نجمی صاحب کو گئے ہوئے تین دن ہو چکے تھے ــــ میری کمزوری ابھی تک موجود تھی۔ ایک اداس صبح جب میری نیند ٹوٹی تو آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ آج نہ معلوم کیوں طبیعت بے حد مضمحل تھی قلب کسی نامعلوم جذبے کے ماتحت اپنی پوری قوت سے دھڑک رہا تھا۔

اچانک بغل والے کمرے سے بھابی جان کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ "اُف میرے اللہ رحم کر ــــ میرے کلیجے سے" لبوں سے نکلا ــــ بھابی جان اُب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ ــــ میرا اضطراب بڑھتا ہی گیا ــــ لیکن میں اُس کمرے تک بھی جانے سے مجبور تھی... آخر بڑی مشکل سے اٹھ کھڑی ہوئی ــــ چونکہ بیمار ہونے کے بعد پہلی دفعہ کھڑی ہوئی تھی۔ اسلئے پورے جسم میں سنسناہٹ سی معلوم ہوئی ــــ دیوار کا سہارا لیتی ہوئی بہ مشکل اُس کمرہ میں پہنچی ــــ بھابی جان میز پر جھکی ہوئی رو رہی تھیں! میز پر ایک کھلا ہوا لفافہ پڑا ہوا تھا۔ میں میز کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اور اس اجنبی حرفوں کو پڑھنے لگی ــــ یہ خط نجمی صاحب کے دوست کا تھا جس میں انہوں نے یہ روح فرسا جاں گسل خبر تحریر کی تھی کہ ــــ نجمی اسٹیشن سے سائیکل پر مکان کی طرف جا رہے تھے کہ اتفاقاً "لاری" سے ٹکر ہو گئی ــــ اور نجمی سخت مجروح ہوئے ایک روز ہسپتال میں جاں بلب رہ کر آخر مجھ بدنصیب کو ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ــــ!!!

اُف کیسی جان لیوا تھی یہ خبر ــــ کاش میں اس حادثۂ عظیم کے

قبل ہی موت کی آغوش میں پہنچ چکی ہوتی ——— اخط کا اک اک لفظ میرے زخم خوردہ دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہا تھا — !! میرا سر چکرایا ——— اور ایک طویل چیخ کے ساتھ میں بے ہوش ہو گئی ——! جب مجھے ہوش آیا تو اپنی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی پائی — یہ معلوم ہو کر میرے رنج و الم میں اور بھی اضافہ ہو گیا کہ جب میں بے ہوش ہو کر گری تو — دماغ میں تیز سے سخت ضرب آئی جس سے میری آنکھوں کی "بصارت" بھی جاتی رہی ——— آہ نجمی بھی چھین لئے گئے اور میری آنکھوں کی روشنی بھی!! اُف! فطرت ظالم فطرت! کس قدر "ستم ظریف" واقع ہوئی ہے —؟ آہ اب میں دنیا کے اسٹیج پر ایک اندھی لڑکی کا پارٹ ادا کرنے کو رہ گئی ہوں — اس غم انگیز خیال کے آتے ہی میں کانپ اٹھی ——— اور میری "بے نور آنکھوں" سے چند قطرے آنسو کے گر پڑے ——— !!!

سر ہلنے سے آنے والی جنوری کی خنک ہوائیں سارے جسم میں کپکپی پیدا کر رہی تھیں ——— کوئی سڑک پر یہ گیت پرانے لے میں گا رہا تھا — "دنیا ہے اک مسافر خانہ" سچ ہے" میں نے ایک تلخیص آہ کے ساتھ کہا — کیا ہے پیاری عذرا؟ قریب سے بھائی جان کی محبت آمیز آواز آئی — آہ بھائی جان کی آواز سُن رہی تھی لیکن اب انہیں دیکھ نہیں سکتی تھی — چاند تارے، سورج اور قدرت کے حسین و جمیل مناظر جس کی میں دلدادہ تھی اب کہاں نصیب! میری دنیا میں تاریکی تھی مسلسل!! آہیں تھیں عرش رسا ہیں! میرے خدا اس تاریکی میں میری روح کب تک بھٹکتی رہیگی —؟ پھر میرے لبوں سے اک طویل آہ نکل گئی — اور اندھی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے ——— آہ نجمی ... !

تمام قسم کے بندوق رائفل و کارتوس وغیرہ کیلئے

ان۔ سی۔ ڈاڈ

کی دوکان میں ایک مرتبہ تشریف لاکر آزمائش کیجئے

ہیڈ آفس:۔ ان۔ سی۔ ڈاڈ۔ اینڈ کو [illegible] ڈلہوزی اسکوائر ایسٹ
جانب کلکتہ

برانچ: رانی گنج۔ ای۔ آئی۔ آر۔ رانچی۔ بہار۔

سروتہ برینڈ زردہ فیکٹری

شیمی زردہ۔ دلاری قوام۔ کیسر بلاس استعمال کیجئے

شیمی زردہ ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جو اسکو عام بازاری زردوں سے ممتاز کرتی ہے اسکے اجزائے ترکیبی میں کوئی جز مضر صحت نہیں ہے۔ اسکی تیاری میں صفائی و ستھرائی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے دلاری قوام خوشبو و لذت کے علاوہ اپنی آپ نظیر ہے۔ شائقین حضرات استعمال کر کے ہمارے دعوی کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ کیسر بلاس پان کی جان ہے۔ خوشبودار خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہے۔ اسکے استعمال سے دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ ان اصحاب کے کام اور ذائقہ کی چیز ہے جو زیادہ قوام استعمال نہیں کرتے اس کے علاوہ ہر طرح کے عطریات اور عرقیات کیلئے بھی ہمارا کارخانہ بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔

ایم۔ اس ورکس نمبر ۲۲ ترہلی بازار اسٹریٹ کلکتہ

دو لفظ کا فسانہ

جناب شعلہ وارثی لکھنوی

دو لفظ کا فسانہ چھوٹی سی ہے کہانی
چھلکی تھی مہربانی اور اب ہے دلستانی

سنتی ہے ساری دنیا اک تم نہیں ہو سنتے
رگ رگ ہے میرے دل کی مصروف نوحہ خوانی

اشکِ نگاہِ پرنم داغِ دلِ فسردہ
وہ بھی تری نشانی یہ بھی تری نشانی

تصویرِ حسن اب تو تیور بدل رہی ہے
جانے کو ہے لڑکپن آنے کو ہے جوانی

سویا کیا ہے پہروں مستِ شباب کوئی
میں نامرادِ دل کی کہتا رہا کہانی

اک پیکرِ الم ہوں تصویرِ رنج و غم ہوں
میرا فسانۂ غم سنئے مری زبانی

دیکھا ہے خواب واعظ توبہ رہی کہ ٹوٹی
جیسے دیا کسی نے اک جامِ ارغوانی

جلنے دو دل کو شعلہ تم اشکبار کیوں ہو
جب آتشِ محبت دیتی ہے سرگرانی

گنجینۂ شفق

جناب ابو المحمد سید عبد الوہاب شفق پرسا بنوی ایڈوکیٹ

سالکِ منزلِ سکوت رہروِ ہوشیار ہے
حاملِ سرِّ معرفت عشق کا رازدار ہے

جذب میں ہو کے بے نیاز کھو نہ پردہ ہائے راز
عین و عدم میں امتیاز گرچہ باعتبار ہے

سدرۂ منتہائے عشق کوئے حبیب کا ہے نام
دارِ قرار ہے وہیں دل کو جہاں قرار ہے

نورِ عظیم نام ہے جذبۂ کسرِ نفس کا
حاملِ صدق کا وجود عرصۂ کارزار ہے

دیتی ہے چشمۂ ترخامیِ عشق کا پتہ
ضبط اگر نہیں تجھے عشق کو تجھ سے عار ہے

طالبِ حق کا حوصلہ حور و جناں سے دور ہے
زاہدِ خشک کو بہشت مایۂ افتخار ہے

تمغۂ امتیاز سے کیوں نہ وہ بے نیاز ہو
یار کی بندگی کا طوق جس کے گلے کا ہار ہے

اشک بیادِ رفتگاں اپنے ہی دم کا سوگ ہے
ورنہ کہاں کوئی کسی غیر کا سوگوار ہے

میں نے تو ہاتھ باندھ کر مقصدِ دل سنا دیا
مانئے یا نہ مانئے آپ کو اختیار ہے

چشمۂ سلسبیل سے سیر نہوں تو کیا عجب
جس کی دوائے تشنگی شربتِ وصلِ یار ہے

طولِ فسانۂ وجود کون سنے سنائے کون
بیچ میں دو عدم کے ہے بس یہی اختصار ہے

رخصتِ ناگزیر سے لوگ شفق ملول ہیں
مقدمِ خیر کا وہاں دیر سے انتظار ہے

سرگذشت

ایک دلگداز افسانہ

جناب حافظ عبدالوکیل عزیزی - بہار شریف

ٹرین ہوا سے باتیں کرتی، فراٹے بھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اور میں تیسرے درجہ کے ایک گوشہ میں بیٹھا اپنے مستقبل کے تیرہ وتار سمندر میں غوطے لگا رہا تھا اور اپنی غم ناک و الم آگین تباہی و بربادی پر خون کے آنسو بہا رہا تھا۔

ایک گھنٹہ کی طویل دوڑ کے بعد گاڑی جنکشن پر رکی۔ میں دماغی الجھنوں اور ذہنی پریشانیوں کی وجہ سے گھبرا کر اسٹیشن پر چہل قدمی کی غرض سے اتر پڑا۔ تاکہ دماغ کو کچھ سکون حاصل ہو سکے میں وھیلر بک اسٹال پر کھڑا رسالہ "سہیل" کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ یکایک "ہیلو جمیل" کی آواز میرے کان میں آئی۔ پہلے تو میں نے یہ سمجھا کہ میرا حافظہ مجھے دھوکا دے رہا ہے۔ پھر فوراً ہی یہ خیال آیا کہ کوئی دوسرے جمیل ہوں گے۔ جنہیں مخاطب کیا جا رہا ہے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اب میرا دنیا میں کوئی ایسا عزیز رشتہ دار یا محبوب نہ تھا جو مجھے اس میلی شروانی میلا پائجامہ اور معمولی سی چپل میں دیکھ کر اس بے تکلفی سے مخاطب کرتا۔ اور اسی وجہ سے میں نے آواز کی طرف رخ بھی نہ کیا۔ لیکن معلوم کیوں دل کی دھڑکن میں کچھ تیزی ہو گئی۔ اور عقل نے یہ مشورہ دیا کہ "تم ہی وہ جمیل ہو جسے پکارا جا رہا ہے۔ ذرا گھوم کر دیکھو تو سہی" میں عقل کی اس بیوقوفی پر مسکراتا ہوا۔ اس کی نادانی ثابت کرنے کے لئے جیوں ہی مڑا کہ مجھ پر حیرت کی ایک بجلی گر پڑی اور میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ —— کون! شاہد! اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔ اگر گارڈ کی سیٹی کی آواز میرے کان میں نہ آتی۔ تو معلوم نہیں کب تک ہم ایک دوسرے سے چمٹے رہتے آخر میں نے شاہد کو اپنے سے علٰحدہ کرتے ہوئے کہا:۔

"اچھے تو ہو شاہد"

"آؤ! گاڑی کھل رہی ہے۔ کمپارٹمنٹ میں گفتگو کریں گے۔"

اس نے مجھے دوسرے درجہ کے ایک ڈبہ کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرے پاس تیسرے درجہ کا ٹکٹ ہے" میں نے کہا

"کوئی حرج نہیں" شاہد نے کہا۔ اور ہم دونوں دوسرے درجہ کے ڈبہ میں گھس گئے۔

شاہد نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر میری طرف بڑھایا۔ اور خود برتھ پر بیٹھتے ہوئے دریافت کیا:۔

"یہ کیا حالت بنائی ہے جمیل؟"

"آہ شاہد زندگی تاراج ہے"

ع شادمانی مٹ چکی ہے دل کے ساتھ"

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

اچھا تو یہ نہ کہئے کہ آپ کسی کے عشق میں مجنون بنے پھر رہے ہیں۔ لیکن بھلے مانس تمہیں تو صحرائے نجد میں وحشت کے

مجھ کو ناقہ لیلیٰ سمجھ کر پکڑ نیکی کوشش کرنی چاہیئے تھی یہ ٹرین ڈروری کی کیا سوجھی؟" شاہد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے شاہد" ط

سناؤں گا کسی دن داستان دردِ ابھی" میں نے ایک آہ بھر کر کہا۔

تو ابھی سناؤ نا؟" شاہد نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

نہیں، پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جاؤ گے۔" میں نے پوچھا

کلکتہ سے آرہا ہوں اور بمبئی جارہا ہوں ——— مگر تم کہاں جارہے ہو؟"

"میں بھی بمبئی جارہا ہوں" میں نے جواب دیا، کلکتہ کس غرض سے گئے تھے؟"

اپنے کارخانہ کی ایک شاخ قائم کرنے کے ارادہ سے لیکن جمیل! تم یہ حالت کیا بنائے ہوئے ہو؟"

شاہد نے میری ناگفتہ بہ حالت سے مضطرب ہو کر دریافت کیا۔

مگر وہ مجھے پہلے تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ مجھ سے علیحدہ ہونے کے بعد پانچ سال کا طویل زمانہ تم نے کہاں اور کسطرح گذارا۔"

کالج چھوڑنے کے بعد میں سیدھا رنگون اپنے ابا کے پاس پہونچا" شاہد نے کہنا شروع کیا۔ "اور اپنی تجارت کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگا۔ ابھی مجھے ایک ہی سال اس لائن میں شامل ہوئے گذرا تھا کہ والد صاحب کاروبار کا سارا بوجھ مجھ پر ڈال کر خود تجارتی معلومات حاصل کرنے کیلئے یورپ چلے گئے اور چھ ماہ کی طویل سیاحت کرنے کے بعد ہندوستان واپس ہوئے ——— برائے دو کپ چائے لاؤ" شاہد نے تانگو پورا سٹیشن پر ہوٹل کے خانساماں کو پکار کر کہا۔

"پھر" میں نے پوچھا۔

یکایک ان پر فالج کا دورہ پڑا۔ اور وہ تجارتی کاموں سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہو گئے۔

خانساماں نے چائے کا طشت لاکر میرے سامنے رکھ دیا۔ شاہد نے دو پیالی چائے بنا کر ایک میرے سامنے رکھدی اور ایک خود پینے لگا۔

اسکے بعد؟ میں نے چائے کا ایک گھونٹ لیکر دریافت کیا

یکایک ایکدن میرے پاس ایک تار پہونچا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ نیشنل بینک ——— جس میں میرے پچاس لاکھ روپئے تھے فیل ہو گیا۔ اس منحوس خبر سے میرا سر چکرا گیا۔ اور کاروبار کی تباہی و بربادی کا منظر میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ میں مجبور حواس ہو کر فوراً والد صاحب کے بستر پر پہونچ کر یہ منحوس خبر انہیں بھی سنائی۔ جس سے سنتے ہی انکے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئے۔

شاہد سگریٹ سلگانے کیلئے رکا۔

"پھر کیا ہوا" میں نے مجنونانہ گھبراہٹ سے دریافت کیا۔

اس تباہی و بربادی کا میری صحت پر بہت ہی برا اثر پڑا اور میں روز بروز بستر مرض سے قریب تر ہوتا گیا۔ لیکن میں پھر بھی اپنے کاروباری جدوجہد سے باز نہ آیا۔ چونکہ میری ساکھ قائم تھی۔ اور تمام ملکی و غیر ملکی کمپنیوں میں مجھے رسوخ حاصل تھا اس لئے اپنے کاروباری سلسلہ کو جاری رکھنے میں میں کامیاب

ہوگیا۔ اور ابھی والد صاحب کے انتقال کو مشکل سے چھ ماہ گذرے تھے کہ میرے پاس ایک دوسرا تار اس مضمون کا آیا کہ نیشنل بینک نے اپنا کام پھر شروع کردیا ہے۔ اور آپ کے تمام روپے بچ نکلے یہ نشاط انگیز خبر میرے لئے مسرت و انبساط کا ایک بے پایاں سمندر ثابت ہوئی۔ اور میں اپنی کاروباری دشواریوں سے بالکل مطمئن ہوگیا —— لیکن صحت میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی۔ اطبار نے مجھے پہاڑ جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ گذشتہ سال گرمی کا پورا موسم میں نے پہاڑ پر گزارا۔ جس سے میری صحت کو خاطر خواہ فائدہ پہونچا۔ اور اسی وجہ سے امسال بھی اپریل سے جون تک کا زمانہ کشمیر میں گزارا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ دا تقانہ روپ کس عذرائے گلبدن کے عشق میں بھرا ہے۔

"شاہد نے میری مجنونانہ حالت دریافت کرتے ہوے کہا"

شادی بھی کی یا نہیں؟ میں نے پوچھا۔

ہاں! یہ تو کہنا ہی بھول گیا۔ امسال جو میں کشمیر گیا تو نہ معلوم اللہ میاں کو میری کونسی بات پسند آئی کہ فردوسِ جہاں سے ایک حورِ جنت کشمیر میں بھیجدی۔ جو آج پانچ مہینہ سے تمہاری بھابی بنی ہوئی ہے۔ ما لا بارگلا جیسے بہشت ارضی میں مقیم ہے۔"

شاہد نے ہنسکر کہا "لیکن تم میری ہی سنتی جاؤگے یا اپنی بھی کہوگے؟"

"آہ!"

سراپا دردہوں حسرت بھری ہے داستان میری

شاہد بہتر ہے کہ تم اسے نہ سنو۔ کیونکہ تمہیں اسکے سننے سے نفع فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ میری اس غمناک واندوہ گین داستان سنکر تمہیں سخت اذیت ہوگی۔ میری آنکھوں سے قطرات اشک ٹپک پڑے۔ جس سے شاہد بیحد متاثر ہوا۔ دربھرائی ہوئی آواز

میں بولا:-

"جمیل! میں اتنا کمزور دل نہیں ہوں کہ قصۂ اندوہ و الم سنکر میری حرکتِ قلب بند ہوجائے۔ میں بہت سے واقعات غم و الم داستان درد سن چکا ہوں۔ لیکن پھر بھی زندہ ہوں۔ کاش۔ تمہاری داستان مصیبت سنکر میرے قلب کی حرکت بند ہوجائے تو میں اپنے کو بڑا خوش قسمت سمجھوں۔ تم مجھے زیادہ پریشان نہ کرو جمیل! جلد اپنے واقعات غم و الم سناؤ۔ تاکہ مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تمہیں اس نتیجہ تک پہونچانے کا ذمہ وار کون ہے مجھ سے یہ تمہاری حالت دیکھی نہیں جاتی۔ جمیل! اگر میں تمہاری کسیطرح کی مدد نہیں کرسکتا تو کم از کم نمائشی ہمدردی تو کرسکتا ہوں۔ شاہد کے بشرے سے اضطراب کے آثار نمایاں تھے

"اچھا اگر تم نہیں مانتے تو سنو" میں نے کہنا شروع کیا۔

کالج کی تعلیم سے فارغ ہوکر میں دہلی بھائی صاحب کے یہاں چلا گیا۔ اور کاروبار میں انکا ہاتھ بٹانے لگا۔ آج تقریباً دو سال کا عرصہ ہورہا ہے۔ مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ میں کاروباری جھمیلوں سے بیحد تھک چکا تھا۔ اسلئے کشمیر چلا گیا۔ تاکہ اس فردوس ارضی میں پندرہ بیس روز گذار کر طمانیت قلب حاصل کرسکوں۔ اور دل و دماغ کو سکون پہنچا سکوں جون کی پندرہ تاریخ تھی۔ چند دنوں کی بارش کے بعد آج مطلع صاف ہوا تھا۔ برف سے ڈھکے ہوے پہاڑ پر سورج چمک رہا تھا اگرچہ سردی کافی تھی لیکن پھر بھی باغ میں کافی بھیڑ تھی۔ میں فوارہ کے قریب ایک بنچ پر بیٹھا باغ کی نکہت بیز ہوا سے لطف اندوز ہورہا تھا کہ یکایک شباب و جمال کا ایک پیکر نوری کشیدہ قامتی کی مد
اور اپنے سراپائے ناگ دلبر کی فسوں طرازیوں سے

آنکھوں سے تیر چلاتا، خرام ناز سے بجلیاں گراتا۔ اور ہر ہر قدم پر لچک لچک جانیوالی کمر کے بل سے کائنات دل وجگر اور دنیائے ہوش وخرد کو تباہ وبرباد کرتا ہوا میرے پاس سے گذرا۔ میں اس حور کشمیر کے شباب وجمال کی تابانیوں، دلربائی ونزاکت کی بے پناہ مدہوشیوں سے بےہوش ہو چلا تھا کہ اسکی سنہری گھڑی اس کی سیمیں کلائی سے کھلکر میرے سامنے گر پڑی۔ اور وہ مجھ سے چند گز کے فاصلہ پر ایک بنچ پر جاکر بیٹھ گئی۔

میں اس بت کافر کو دیکھتے ہی اس کا پرستار بن چکا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور گھڑی اٹھاکر عالم بیتابی میں اس پر متعدد بوسے دے دئے۔ آنکھوں سے لگایا۔ اور اپنی جبین عبودیت میں ہزاروں سجدوں کو تڑپتا ہوا اور لبوں پر سینکڑوں بوسوں کو مچلتا ہوا لیکر اس معبود مجسم کے حضور تقدیس وتطہیر میں بصد ادب واحترام گھڑی پیش کرتا ہوا قدسیان عرش کیطرح معصوم وپاک لہجہ میں بولا:۔

"آپکی یہ گھڑی گر پڑی تھی"

"شکریہ" بنچ پر سے اٹھکر گھڑی لیتے ہوئے۔ زحمت فرمائی کیلئے معافی چاہتی ہوں۔ تشریف رکھیں۔

اس کافر حسن وشباب کے گلاب کی پنکھڑی جیسے لبوں میں لطیف سی جنبش ہوئی۔

چند دنوں میں ہم اور نیلوفر ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہوگئے۔ اور ابھی ہمیں ایک ساتھ رہتے ہوئے مشکل سے پندرہ بیس روز ہوئے تھے کہ بھائی صاحب کا تار آیا "فوراً چلے آؤ میں سخت علیل ہوں"

طبیعت تو نہیں چاہتی تھی کہ اس فردوس نزہت زار سے جلد واپس ہو جاؤں لیکن موقع کا خیال کرتے ہوئے ہم فوراً دہلی روانہ ہوگئے۔ چونکہ ہم دونوں ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو چکے تھے اور ہر دو ایک دوسرے پر فدا تھے اس لئے کشمیر کی جدائی کا کوئی غم نہ ہوا۔

ہمارے دہلی پہونچنے کے دوسرے ہی روز بھائی صاحب تلین داغ فراق دے گئے۔ جن کی وجہ سے کاروبار کا سارا بوجھ ہمارے سر پڑ گیا۔ جس سے میں کچھ پریشان سا ہوگیا لیکن ہماری محبت میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ اس میں روز بروز ترقی واستواری ہوتی گئی۔ —— ہاں! البتہ یہ خیال میرے دل میں برابر چٹکیاں لیتا تھا کہ میں اپنی پہلی شادی سے نیلوفر کو کیوں بے خبر رکھے ہوا ہوں۔ میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا اور روحانی اذیت محسوس کرنے لگتا۔ کیونکہ محبت کا تو یہ تقاضا تھا کہ اس سے تمام باتیں سچ سچ کہدی جائیں۔

آخر ایک دن میں اپنی اس حماقت پر نادم وشرمسار ہوکر میں نے نیلوفر کو اپنی پہلی شادی سے باخبر کردیا۔ اور ساتھ ہی کہدیا کہ ایک سال کی بچی کا باپ بھی ہوں۔ میں یہ سمجھے ہوا تھا کہ اس کا نیلوفر پر برا اثر پڑیگا۔ لیکن نیلوفر نے اسے سنکر بجائے نفرت وغصہ کے مسکراتی ہوئی میرے گلے میں بانہیں ڈالدیں اور میرے ہونٹوں کو چوم لیا۔

ہم دونوں کا عشق والہانہ طور پر ترقی پذیر تھا۔ اور ہر آنیوالا دن ہماری محبت کو مستحکم سے مستحکم تر بناتا جارہا تھا۔ اور ہم دونوں عشق ومحبت کے نشہ میں دنیا ومافیہا سے بیخبر ہوکر مدہوش وسرشار تھے۔

نیلوفر کی قربت نے مجھے اپنی کاروباری مشغولیتوں سے بالکل

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے

کنارہ کش ہو گیا تھا۔ اور میں اپنے کاروبار کا سارا انتظام اپنے منیجر کے سپرد کر کے عشق و محبت کے نشہ میں نیلوفر کے ساتھ ایک جھونپڑے میں بیٹھکر عیش و نشاط کی پینگیں لے رہا تھا۔

یکایک ایک روز منیجر گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ اور یہ منحوس خبر سنائی کہ چین و جاپان کی جنگ طول پکڑ جانیکی وجہ سے لوہا کا نرخ بالکل کم ہو گیا ہے۔ اور گذشتہ چند ہفتوں میں جسقدر مال یہاں سے جاپان بھیجا گیا اس پر تقریباً دس لاکھ روپئے کا نقصان ہوا۔ یہ خبر سنکر میں متوحش ہو گیا۔

مجھے بہت زیادہ پریشان دیکھکر نیلوفر میرے قریب آئی اور میرے گلے میں باہیں ڈال کر بولی:۔

کیوں پریشان ہوتے ہیں چند دنوں بعد بازار تیز ہو جائیگا۔

ان کے الفاظ میں معلوم کونسا جادو تھا کہ میری ساری پریشانی کافور ہو گئی۔ اور میں نے منیجر کو فوراً ہدایت کی کہ جاؤ اور اس نقصان کی تلافی کا معقول انتظام کرو۔ منیجر میری اس خلاف معمول گفتگو پر مجھے حیرت انگیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ اور مجھے اس حادثۂ عظیم سے متاثر نہ دیکھکر آنکھوں سے افسوس و حیرت کا اظہار کرتا ہوا چلا گیا۔

مجھے نیلوفر کے ساتھ رہتے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہو رہا تھا۔ اتنے دنوں میں صرف نیلوفر کی ذات پر میں نے سات لاکھ روپئے خرچ کر ڈالے تھے۔ ——— لوہے کا بازار روز بروز خراب ہو رہا تھا۔ جس کی وجہ سے ہر ماہ لاکھ دو لاکھ روپئے کا نقصان ہو رہا تھا۔ بنک میں جو کچھ رقم تھی وہ سب اس تجارت کی نذر ہو چکی تھی۔ ریکایک میری قسمت نے مجھے ایک اور چرکہ دیا۔ یعنی نیلوفر ——— اس نیلوفر نے جسے میں اپنی جان سے عزیز سمجھتا تھا جو میری روح، میری زندگی، میری دنیا، میری ساری کائنات تھی۔ اور جو مجھے دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ جس کی محبت میرے دل میں مذہب سے زیادہ تھی۔ وہ دغا دیگئی۔ یعنی مجھے بے یار و مددگار، مجبور و لاچار، مصیبت و پریشانی میں چھوڑ کر فرار ہو گئی۔ اور یہی نہیں بلکہ دو لاکھ کے زیورات کے علاوہ پچھتر ہزار نقد لیکر چلتی بنی۔ اس کے فرار ہوتے ہی میری دنیا تاریک ہو گئی۔ اور میں اسکی بے وفائی و جدائی کی مصیبتوں کے غم سے نیم وحشی ہو گیا۔

کاروبار میں نقصان ہونے کی وجہ سے میں مہاجنوں کا بقایا وصول نہ کر سکا۔ جس کی وجہ سے میری ساکھ قائم نہ رہی۔ اور میرا رسوخ ختم ہو گیا۔ سارے مہاجنوں نے ملکر مقدمہ دائر کر دیا۔ اور جو دوکان اور مکان بچ رہے تھے۔ وہ نیلام کرا کر مجھے فقیر و قلاش بنا ڈالا۔ ——— میری مصیبت بھری داستان یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے مجھے اس سے زیادہ دردناک واقعے سے دوچار ہونا پڑا" میں ایک سگریٹ جلانے کے لئے رکا۔ پھر سلسلہ کلام جاری کرتا ہوا بولا۔

میری اکلوتی بچی قریشہ صرف تین روز بخار میں مبتلا رہ کر ہم سے جدا ہو گئی۔

اب میرا دہلی میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ اور آخرکار ایک شب قریشہ کی ماں کو لیکر کلکتہ چل کھڑا ہوا۔ کلکتہ پہونچکر مچھوا بازار کی ایک بوسیدہ باڑی کے ایک کمرہ میں پناہ گزین ہوا۔ ایک مہینہ بعد اسی بوسیدہ مکان میں قریشہ کی ماں کو ولادت ہوئی۔ چونکہ اب میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا اس لئے ان کی سنہری چوڑیاں فروخت کر کے اخراجات کا انتظام کیا۔ لیکن ابھی بھی میری قسمت میرے خلاف ہی تھی۔ ولادت کے دوسرے دن قریشہ کی ماں کو پرسوت کا بخار آ گیا۔ جس نے آگے چلکر مہلک صورت اختیار کر لی۔ کلکتہ جیسا

بڑا شہر اور علاج کے لئے پیسہ ناکافی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سپٹک Septic ہوگیا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ ان کی موت کے دوسرے دن وہ نوزائیدہ بچہ بھی اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ اور میں اس دنیا میں تنہا غم والم، مصیبت و پریشانی کے خوفناک سمندر میں غوطے کھانے کے لئے بچ گیا۔ متعدد بار ارادہ کیا کہ ٹرام کار کے پٹری پہ سو کر یا موٹر کار کی زد میں آکر اس ناپاک وجود سے نجات حاصل کر دوں۔ بار بار [illegible] ہونے کا خیال ہوا۔ لیکن میری دیوانگی نے مجھے ہمیشہ یہ کہکر منع کیا کہ [illegible] کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک نیلوفر سے اس بے وفائی کا انتقام نہ لے لو ہرگز ہرگز یہ فعل لا حاصل نہ کرنا۔ اور شاہد میں اس بے وفا ناگن کی تلاش میں در بدر مارا مارا پھر رہا ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ ایک دن ضرور ملیگی میں اس سے انتقام لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاہد میری روح اس وقت ٹھنڈی ہوگی جب میں اس ملعونہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھوں گا۔ یہی ہے میری داستان تباہی و بربادی اور بس میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

شاہد پر اس سرگذشت کا بہت بڑا اثر پڑا۔ اس کے دل میں درد و اضطراب کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آنکھیں نم آلود ہوگئیں جب آنا رسی جنکشن سے گاڑی پاس ہوئی تو میں نے زبردستی شاہد کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اور پھر کھانا کھاکر دونوں سو رہے۔

جب صبح کو ہم بیدار ہوئے تو گاڑی ایگتپوری اور کسارا کے درمیان والی پہاڑی کے اندر سے گذر رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر ہم نے چائے پی اور ایک سگریٹ جلا کر کھڑکی کے پاس کھڑا ہوکر [illegible] دھواں اڑا رہا تھا کہ وکٹوریہ ٹرمینس اسٹیشن آگیا۔ ہم دونوں گاڑی سے اترے اور موٹر میں بیٹھکر مالابار ہل روانہ ہوگئے۔

غسل سے فراغت کرکے میں شاہد کا ایک سوٹ پہنے کھانے کی میز پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ [illegible] نے ہنستے ہوئے آکر کہا۔

جمیل تمہاری بھابھی آرہی ہیں۔ دعا دینے کیلئے تیار رہو ورنہ وہ خفا ہو کر چلی [illegible] پھر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا

میری نظر سامنے والے کمرے کے دروازہ کی طرف اٹھی ایک لمحہ بعد پردہ میں حرکت ہوئی۔ یکایک میری چیخ نکل گئی [illegible] اور میری زبان پر یہ الفاظ کانپ کر رہ گئے :-

کون! نیلوفر؟

سرمہ سوزاک

خدا کی قدرت اور فقیروں کی تلاش سے انسان کو کیسی کیسی چیزیں مل جاتی ہیں کہ عقل حیران رہتی ہے۔ دیکھئے یہ سرمہ ہے۔ لیکن قدرت نے وہ اثر دیا ہے کہ اسے آنکھوں میں لگانے ہی سے مردانہ زنانہ سوزاک پاخانہ اور پیشاب کا جلنا [illegible] روز میں ایکدم نجات ہوجاتی ہے۔ احتلام، [illegible] اور عورتوں کے سیلان الرحم سفید دھات میں یہ بالکل اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ ان مریضوں کا اثر آنکھ کی روشنی پر بھی ضرور ہوتا ہے۔ آنکھ سے سلام ہونے لگتا ہے۔ قیمت کچھ نہیں لی جاتی۔ صرف مزدوری اور اشتہار کا خرچ بذریعہ منی آرڈر دو روپیہ سوا پانچ آنہ رکھئے۔ وی پی میں پانچ آنہ اور زیادہ۔ اگر غلط ہو تو ایمان دھرم سے لکھیں رقم ادا شدہ واپس کردی جائیگی۔ غلط لکھنے سے اثر جاتا رہیگا۔

ملنے کا پتہ :- غریب خانہ ر ۸۰، مجھولی۔ ڈاکخانہ پرتاب ٹانڈ (مظفرپور)

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے

زبانِ اُردو

از بلبلِ بہار حضرت سریر کابری گیاوی

۲۷ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کو بمقام ارلیپٹ انسٹیٹیوٹ انجمن ترقی اُردو گیا کا دوسرا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں علامہ شفق عماد پوری، حضرت مبارک عظیم آبادی بھی رونق افروز تھے طرح میں مسنون کے علاوہ بلبل بہار حضرت سریر کابری نے ذیل کا قطعہ پڑھکر سامعین کو محظوظ فرمایا۔ ناظرین سہیل بھی لطف اٹھائیں اور شاعر کی قادر الکلامی کی داد دیں۔ (ادارہ)

اُردو زبان اپنی جو ہے مادری زبان
پروان آج ملک نے بس تو چڑھا دیا

سارے جہان کی ہے یہ اک مستقل زبان
اس نے تمام ملک میں سکہ بٹھا دیا

ہے یہ زبان ہندو و مسلم کی مشترک
باتوں میں جس نے شیر و شکر کا مزا دیا

دونوں ہیں اس کے حسنِ تکلم کے شیفتہ
آپس میں کس نے جوشِ رقابت بڑھا دیا

شاہِ دکن[1] نے اسکو نوازا کچھ اس طرح
مرکز علوم جدیدہ بنا دیا

سپرو[2] سا سرپرست ملا جس نے ملک میں
مقبولیت کا خلعتِ زیبا پہنا دیا

عبد الحق[3] اس کے حامی ذی اقتدار نے
گھٹتے ہوئے وقار کو اس کے بڑھا دیا

ہیں صدرِ بزم اہل گیا حضرت حسن[4]
جن کو خدا نے خلقِ مجسم بنا دیا

اُردو کی آج انجمنوں کو فروغ ہے
صد شکر اب یہ دن بھی خدا نے دکھا دیا

لیکن مشاعروں سے نہ نکلے گا کوئی کام
اس کے سوا کہ ذرہ کو پربت بنا دیا

مانا کہ حسن و عشق کی تصویر کھینچ دی
دل کی تڑپ کا لفظوں میں نقشہ دکھا دیا

مانا کہ حرف حرف بنا رازدارِ دل
اشکوں کی بوند بوند پہ طوفاں اٹھا دیا

پا کر عروج زینۂ فکرِ بلند سے
مانا کہ آسماں سے زمیں کو ملا دیا

آرائشِ سخن میں کمی کچھ نہ کی گئی
مانا عروسِ فکر کو زیور پہنا دیا

یہ سب سہی مگر کوئی اتنا تو پوچھ لے
مضمون بھی نیا کوئی کہہ کر دکھا دیا

بہتر یہ ہے کہ نظم لکھوں نظم کا ہی دور
ساقی کہے کہ لے تجھے جام اک نیا دیا

---

[1] ہز ہائینس میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہٗ [2] سر تیج بہادر سپرو [3] مولانا عبد الحق بی اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو دہلی [4] سید حسن ایم اے وارڈ رئیس گیا

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے

اس کا انجام

آزادیٔ نسواں کا ایک عبرتناک انجام

از سید علی احمد رضوی سہیل آبادی

" مانا کہ وہ سلیقہ شعار تعلیم یافتہ اور صورت جمیل رکھنے والی لڑکی ہے۔ لیکن کیا یہ یقین دلایا جاسکتا ہے کہ لڑکی جدید تہذیب کی دلدادہ بھی ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ قدیمی روایات میں ڈھلی ہوئی لڑکی نئے خیال پر لبیک کہے گی؟" اصغر نے اپنا کالر ٹھیک کرتے ہوئے بھاوج سے سوالات شروع کر دیئے۔

" توبہ کرو اصغر۔ اب تم گریجوٹ ہونیوالے ہو۔ لیکن تم اب تک تعلیم کے صحیح معنی بھی نہیں جانتے؟" اصغر کی بھاوج نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور کیا تم نے سیرت حمیدہ کے معنے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو بچی آزاد منش زلف بریدہ۔ حسین اور قیمتی کپڑوں میں ملبوس ہوکر سینما اور پارک کی سیر و تفریح کو زندگی سمجھے اور دوسروں کو حقیر نظر اور توہین شکن بنا دے؟

اصغر" صرف یہی نہیں۔ میں قدیم رسم و روایات کے خلاف جو علم بغاوت بلند کرنیوالا ہوں اس میں وہ میری ہمخیال اور عملی حیثیت سے شریک کار رہو۔ میں شادی بیاہ کی فضول اور تباہ کن رسم و رواج کو بیکقلم پردہ دنیا سے اٹھا دینے کا آرزومند ہوں ـــ شادی بیاہ کے تباہ کن نتائج سے قطع نظر یہ کس قدر مضحکہ خیز اور لغو اصول ہوکہ دنیا کی وہ عزیز ترین ہستی جب پہلے پہل ملتی ہے تو اس طرح کہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھی۔ کان رکھتے ہوئے بہری۔ پاؤں رکھتے ہوئے لنگڑی اور زبان رکھتے ہوئے گونگی۔ کوئی دوست اپنے دوست سے اس طرح ملے تو دنیا کیا کہے۔ لیکن اندھی دنیا اس سے زیادہ قوی اور زبردست رشتہ رکھنے والوں کے لئے پہلی ملاقات کے موقع پر ایسا اندھا قانون اور لغو اصول بناتی ہے۔ جس میں اختلاف اور سرتابی کی گنجائش نہیں اصغر نے نہایت جوش و خروش میں ایک ہی سانس میں یہ سب کہہ ڈالا۔

بھاوج۔ " تو کیا تم چاہتے ہو کہ ادھر عقد ہو اور ادھر لڑکی تمہارے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہلنے کو نکل پڑے؟"۔

اصغر" بے شک"

بھاوج " تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں یوروپین لیڈی سے بیاہ کرونگا کیونکہ ایسی لڑکی ہندوستان اور شریف گھر میں تو ملنے سے رہی"۔

اصغر " تو پھر میں شادی کرنے سے رہا"

بھاوج " اصغر میں نے جو کچھ کہا یہ میری آواز نہیں بلکہ ابا جان کی آواز ہے جس کو میں نے تعمیل حکم کے خیال سے تم تک پہنچایا ورنہ یہ نہ تو میری کوئی ذاتی رائے ہے اور نہ کوئی خیال۔ ہاں! یہ کہے بغیر نہ رہوں گی کہ تمہاری آزاد خیالی اور مغربی تعلیم کا نشہ ایک دن رلا کر رہیگا۔ اس وقت میری حیثیت ایک ایلچی کی ہے جو کہو گے میں اس کو ابا جان تک پہنچا دونگی۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ بچی میری رشتہ دار ہے اور میں خواہ مخواہ تمہارے گلے منڈھنا چاہتی ہوں تو یہ تمہارا سمجھنا غلط ہے۔ بہر کیف۔ اب تم مجھے آخری جواب دو کہ ابا جان کو جا کر کہدوں"

اصغر" ابا جان کے مقابلہ میں کوئی جواب نہیں جو وہ چاہیں کریں"۔

بھاوج" تعجب ہے کہ اس آزاد خیالی میں۔ اتنی سعادتمندی کی

کیونکر نکل آئی؟

اصغر کی سب باتیں بجا تھیں سب نے سب سے کہہ سنائیں۔ لیکن بوڑھے باپ نے ان باتوں پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اور سوچا کہ جب اس کی زندگی کی کشتی آج کل میں موت کے گھاٹ لگنے والی ہے۔ تو کیوں نہیں جلد از جلد یہ آخری حوصلہ بھی نکال لیا جائے۔

بس ہفتہ کے اندر اندر طرفین میں یہ باتیں طے پاگئیں کہ اصغر کے بی اے کا آخری سال ہے اس لئے قبل نکاح کر دیا جائے۔ اور بوجہ امتحان کے شادی انجام دے دی جائے گی۔ چنانچہ فضول خرافات اور سبھی جا آرائش کے ساتھ عقد ہو گیا۔

چونکہ کالج کھل چکا تھا اس لئے اصغر علیگڑھ روانہ ہو گیا۔

عقد کے بعد اصغر، صغریٰ رہا۔ عقد کے ہونے کے بعد ان کو یہ دھن بندھ گئی کہ جس طرح بھی ہو اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائے۔ اور اپنے دوستوں پر اپنی آزاد خیالی کی دھاک بٹھا کر رہے۔

اسی ادھیڑ بن میں ایک دن اسے یہ سوجھی کہ کسی طرح بیوی سے خط و کتابت کی جائے۔ خیال کا آنا تھا کہ فوراً اسے یہ ترکیب سوجھی کہ کیوں نہیں پہلے سالی ہی سے خط و کتابت کی جائے۔ اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ زبیدہ (بیوی) سے۔

خیال کے آتے ہی اس نے فوراً ایک خط لکھ ڈالا اور اسے ایک خوبصورت لفافہ میں سینٹ لگا کر سپرد ڈاک کر دیا۔

علیگڑھ

میری نادیدہ بہن   جگ جگ جیو

تمہیں تعجب ہوگا کہ میں نے آج سماج کے بیجا رسم و رواج کو توڑ کر تمہیں شادی خط لکھ رہا ہوں۔ جو کہ اور دن کے لئے دلچسپی کا سامان بن جائیگا۔ یقین مانو۔ میں ان مہمل رسوم کا حامی نہیں۔ بلکہ میں تو پردہ کا بھی دشمن ہوں۔ لوگ کچھ بھی کہیں اور سنیں۔ لیکن میں ان رسوم کو توڑ کر رہونگا۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ شادی کی اصل رسم ادا ہو چکی تو پھر ان خرافات سے اپنے جذبات کو کیوں دبائے رکھوں۔

عقد کے بندھن کے بعد ایک نیا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اور اس میں جتنا خلوص پیدا کیا جائے۔ اتنا ہی یہ رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اسی خیال کے تحت میں نے آج خط لکھنے کی جرات کی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے خیال کی تائید کروگی۔ اور جواب دینے میں بیجا تامل سے کام نہ لوگی۔

اصغر

چونکہ لفافہ پر زنانہ ہی لکھا ہوا تھا۔ اس لئے خط بدست سالی ہی پہونچ گیا۔

خط کیا پہونچا ایک ہنگامہ ہو گیا۔ بوڑھی جوان ادھر ادھر مختلف کاموں میں منہمک تھیں خط کا نام سنتے ہی سب کی سب ایک جگہ ہو گئیں۔

ابھی خط کھلا بھی نہ تھا کہ بوڑھی نانی ماں چشمہ ٹھیک کرنے لگیں۔ پھر ادھر کے بول اٹھیں توبہ توبہ۔ کیسی بات ہے۔ آجکل کے انگریزی پڑھے لکھے غضب ڈھاتے ہیں ان کا بس چلے تو لڑکی کو گھر سے نکال لے جائیں۔ آخر میں بھی دولہن بنائی گئی تھی کا ہیکو ایک خط بھی آیا ہوگا۔

ان میں چند جوان جو آزاد طبیعت کی تھیں بولیں اماں اب زمانہ بدل رہا ہے۔ آپ ہر دم پرانی باتیں کرتی ہیں۔ اس میں حرج ہی کیا ہوا۔ نکاح ہو چکا۔ عقد ہونے کے آگے دولہن

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھیے

ایک ہو چکے۔ اب وہ خط لکھیں یا سے ہی جائیں۔

بوڑھی بی غصہ میں لال پیلی ہو گئیں۔ خوب بڑبڑائیں۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کی طرح ان کی بکواس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ نجمہ نے خط پڑھا اور فوراً سہیلی سمیت دلہن کے کمرہ میں چلی گئی۔ دلہن نے خط تو سنا لیکن غریب رسم و رواج کے خوف سے کچھ بول نہ سکی۔ سہیلیوں کی رائے عامہ سے نجمہ نے چند سطور میں جواب دیدیا۔

پیارے بھیا! تسلیم

خط ملا۔ آپکی بے قراری معلوم ہوئی۔ یہاں قدامت پرستی ہنوز غالب ہے۔ بوڑھی پرانی خط کا نام سنتے ہی بھی بھی! توبہ! توبہ! کرنے لگیں۔ انہیں اور کتنا سمجھائیے۔ آپ کچھ خیال نہ کریں۔ خط برابر لکھا کریں۔

آپکی۔ نجمہ

اصغر کو جواب خط ملا۔ کامیابی کی کلید ملی۔ باچھیں کھل گئیں۔ جب دیکھا کہ پہلا پانسہ ٹھیک آیا تو دوسرا پانسہ پھینکا جائے۔ پھر تو بازی اپنی ہے۔ آج نہیں تو کل کسطرح دلہن کو اپنے رنگ میں رنگ ہی لونگا۔ اور جس وقت چاہوں گا لیکر اُسے جہاں چاہونگا چلا جاؤں گا۔

اس نے پھر ایک خط لکھا اور اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ کتنے خط آئے اور گئے۔ نوبت بہ این رسید کہ زبیدہ سے خط وکتابت بہ اطمنان جاری ہو گئی۔

زبیدہ پرانی تہذیب و تمدن کی پلی ہوئی عورت تھی۔ جو اپنی ہر خواہش کو شوہر کی تمناؤں پر بھینٹ چڑھا دینا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ بار بار کے اصرار پر آخر لکھ دیا کہ ہر وقت آپکے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ جس جگہ آپ تجویز کریں آپ سے ملوں۔ موقع اچھا ہے کیونکہ ابا جان چند دن کے لئے باہر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔

اصغر کو جو یہ خط ملا تو پھولے نہ سمایا۔ امتحان کی فیس اور دیگر اخراجات کے لئے روپیہ گھر سے آ ہی چکا تھا۔ دیکھا —— بن سو کی رقم موجود ہی ہے۔ سال بھر پڑھا ہی نہیں۔ پاس کرنا غیر ممکن ہے۔ کیوں نہیں کلکتہ روانہ ہو جاؤں۔ موقع مناسب ہے۔ نوکری ملگئی تو وہیں مگن رہینگے۔ جہاں نہ سماج ہوگا نہ اپنے پرائے کی انگشت نمائی کا خوف۔ وہاں ہم ہونگے اور وہ —— آزادی کے ساتھ پارک اور سینما کی تفریح ہوگی۔

اصغر نے کسی پس و پیش کے بغیر زبیدہ کو لکھ دیا کہ میں پرسوں تمہارے گاؤں کے قریب والے اسٹیشن پر موجود رہونگا تم اپنے ملازم نوری کے ساتھ پہونچ جانا۔ نوری ہمیں بھی خوب پہچانتا ہے۔ ارادہ ہے کہ ہم دونوں کلکتہ روانہ ہو جائیں اور زندگی آزادانہ طور پر بسر کرینگے۔

باتیں طے ہو چکی تھیں۔ آزادی کا دیوانہ اصغر اسٹیشن پر موجود تھا۔ زبیدہ بھی نوری کو لیکر پہونچ گئی۔ لیکن ہر گام پر لغزش کھا رہی تھی۔ اس کے سارے بدن میں رعشہ تھا۔ اور دماغ میں چکر۔ گھر کے ننگ و ناموس کے خیال سے اس کا دل خود بخود بیٹھا جا رہا تھا۔ سوچ رہی تھی "مجھے نہ پاکر گھر میں ایک کہرام مچ جائیگا۔ اماں ڈاڑھیں مار مار کر رو دینگی۔ ابا سنیں گے تو شرم سے کسی کو منہ نہ دکھا سکینگے۔ میرا خط پڑھا جائیگا تو نانی کہیں گی۔ اب تو زمانہ ہی پلٹ گیا۔ یہ انگریزی پڑھنے والے جو نہ کریں۔ میری لڑکی ایسی تو نہ تھی۔ میں نے قبل ہی کہدیا تھا کہ یہ خط وکتابت جو نہ رنگ لائے۔ مجھے تو ان چھوکریوں نے خبطی قرار دیدیا ہے۔ میری ہر بات پر زبان

تراشی جاتی ہے۔ خدایا انگریزی حکومت کیا آئی ایک بلا آئی۔
انگریزی پڑھا پڑھا کر سب کو آزادی کا ایسا سبق دیدیا گیا کہ اب
تھوڑے دنوں میں ہندوستان یورپ کا ایک خطہ بن جائیگا جہاں
تہذیب و شرافت کے نام سے کوئی ماتم کرنیوالا بھی نہ ہوگا۔"

زبیدہ اور اصغر کلکتہ پہونچ چکے ہیں۔ زبیدہ جو کہ کلکتہ کو
ایک تماشہ گاہ سمجھے ہوئے تھی۔ کلکتہ پہونچ کر خود ایک تماشہ
بن گئی۔ غریب جس نے اپنی تمام زندگی گھر کی چہار دیواری میں
بسر کی تھی۔ اتنے بڑے شہر میں جہاں بائیں دائیں کی لغزش
ہوئی اور جان خطرے میں پڑی۔ عجیب پریشانی اور مصیبت
محسوس کر رہی تھی۔

نیو مارکٹ۔ عجائب خانہ۔ وکٹوریہ میموریل چڑیا خانہ
کو جو دیکھا تو ششدر رہ گئی۔ سمجھی کہ خدا کے قدرتی کرشمے یہیں
سمٹ کر چلے آئے ہیں۔

اصغر نے جو روپے کو ختم ہوتے دیکھا تو اسے یہ فکر
ہوئی کہ کسی طرح ابا جان سے ٹیلیگرام پر روپیہ منگوایا جائے
کوئی نوکری بھی تلاش کرنی چاہیئے۔ اصغر جتنا آزاد خیال تھا
اتنا ہی ہوشیار بھی۔ خود تو دہلی میں رہتا تھا لیکن روپیہ ایک
دوست کے پتہ پر منگوایا۔ ٹیلیگرام میں لکھا۔

چونکہ میں سخت علیل ہو گیا تھا۔ اس لئے مجبور
ہو کر علاج کی غرض سے کلکتہ چلا آیا ہوں آپ
تردد نہ کریں۔ میں ہفتہ میں واپس آجاؤنگا۔

ٹیلیگرام کا پہونچنا تھا کہ شفقت پدری ابل پڑی۔ فوراً دو سو کی
رقم روانہ کردی۔ دل نہ مانا تو خود بھی کلکتہ روانہ ہو گئے۔ کئی دن گھوم
گھام کر واپس بھی چلے آئے۔ مگر اصغر کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ گھر پہونچنے
پر ہو سکے چلے جانے کی خبر معلوم ہوئی۔ مگر اب کر ہی کیا سکتے تھے
خاموش ہو بیٹھے۔ سنا ہے زبیدہ کی بستی میں بھی خوب غوغا ہوا۔ خیر
خیریت ہوئی کہ اس نے خط لکھ چھوڑا تھا۔ ورنہ..... نہ جانے کیا
گل کھلتا۔ تھوڑے دنوں میں وہاں بھی قصہ فرو ہو گیا۔

اسی طرح ایک سال گذر چکا۔ زبیدہ حریم ناز کی زینت نہ رہی۔
بلکہ کلبوں کی مایہ ناز ہستی اور سینما کی بہترین رقاصہ۔ پہلے وہ جہاں بھی
جاتی شوہر کے ساتھ یا نہیں تو کم از کم اصغر سے اجازت بھی لے
لیا کرتی تھی۔ لیکن اب تو آزادی کا پورا سبق لے چکی تھی۔ کہاں اصغر
اور اسکی اجازت۔ جب اصغر کام پر جاتا زبیدہ کلب اور متفرق تفریح
گاہوں میں روانہ ہو جاتی۔ اکثر نہیں بلکہ بیشتر ایسا بھی ہوتا کہ اصغر کام
سے واپس آتا اور گھنٹوں اس کے انتظار میں پریشان رہتا۔ وہ
دس بجے پہونچتی بھی تو نوکر سے کھانا مانگتی۔ کھاتی اور سو جاتی
تھی۔

وقت ہمیشہ یکساں نہیں رہتا۔ ہر دن صبح ہوتی ہے شام ہوتی
ہے۔ اسی طرح اصغر گو ایک تنومند تندرست تھا۔ لیکن ایک دن کام
سے واپس آنے کے بعد سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔ زبیدہ حسب
معمول آج بھی دیر کر کے آئی۔ اصغر کو دیکھا کہ کراہ رہا ہے۔
اسے چاہیئے تھا کہ اس کی خیریت پوچھتی۔ لیکن اس نے اس
پر توجہ نہ دی۔ اور کھانا کھا کر سو رہی۔ اصغر کے دل کو اس وقت
ایک سخت دھکا لگا۔ "آزادی اور پردہ" دونوں اسوقت اس کے
دماغ میں متصادم تھا۔ اور پردہ آزادی پر سبقت لیگیا۔ وہ سوچ
رہا تھا کہ "کیوں نہیں گھر چلا جاؤں۔ زبیدہ کو گھر پہونچا دوں۔ وہ
وہاں رہیگی۔ اور رفتہ رفتہ پردہ کی طرف مائل ہو جائیگی۔ میں بھی تو
بی۔ اے کا امتحان دیدونگا یا نہیں تو کوئی اور بہتر نوکری تلاش
کی جائیگی۔"

صبح ہوئی زبیدہ نے بناؤ سنگار کیا۔ سب سے قیمتی ساڑی پہن کر جانے کو باہر نکلی۔ اصغر نے ٹوکا۔ "کہاں جا رہی ہو؟ دیکھتی نہیں کہ میں بخار سے مر رہا ہوں۔ ارادہ ہے کہ آج ہم دونوں گھر روانہ ہو جائیں۔ بخار زوروں پر ہے۔ ایسا نہیں کہ میری موت آ جائے۔ اگر مرنا ہی تو دیارِ غیر میں کیوں مروں گھر ہی پر کیوں نہ مروں"۔

زبیدہ پہلے تو بغور سنتی رہی۔ پھر بولی "اب کہاں میں اور گھر۔ عزت تو خاک میں ملا چکے اس پر گھر جانے کا حوصلہ رکھتے ہو۔ برسوں سے معلوم نہیں گھر میں سب مرتے ہیں یا زندہ ہیں۔ میں اس وقت زیادہ نہیں بات کر سکتی کیونکہ ایک جگہ دعوت میں جا رہی ہوں"۔

اصغر کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ وہ چلتی بنی۔

شام کو اصغر کو ایک خط ملا۔ جس میں اس نے صاف طور پر لکھ دیا کہ "میرا خیال ایکدم چھوڑ دو۔ اب میں پورے طور پر آزاد ہو گئی۔ میں عجلت میں تھی اس لئے صاف صاف نہ کہہ سکی۔ اب میں مناسب سمجھتی ہوں کہ تمہیں مغالطہ میں نہ رکھوں۔ تم سے زیادہ بات نہ کرنیکی وجہ صرف یہ تھی کہ جہاز کے کھلنے کا وقت قریب تھا میں آج رنگوں جا رہی ہوں۔ کیوں جا رہی ہوں؟ وہ تو تمہارا ہی دیا ہوا "آزادی" کا سبق ہے۔ مگر کس کے ساتھ جا رہی ہوں؟ یہ بتانے سے مجبور۔ میری جستجو بے سود ہوگی۔ کیونکہ رنگوں سے کہیں اور کا قصد رکھتی ہوں"۔

خط پڑھتے ہی اصغر کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ بے چینی سے کروٹ بدلنے لگا۔ وہ بے قراری کے ساتھ موت کا انتظار کرنے لگا مگر موت بھی اس سے دور تھی۔ مشیت چاہتی تھی کہ آزاد خیال لوگوں کے لئے وہ ایک جیتی جاگتی مثال ہو۔ جیان کیا کہ ایک دن کیلئے بھی گھر ہو آؤں۔ لیکن شرم نے اس کے قدم پکڑ لئے۔ دل نے کہا اب گھر نہ جاؤ بلکہ پردہ کی حمایت میں ہر جگہ تقریر کرو۔ پردہ کی خوبی لوگوں کو بتاؤ۔

چنانچہ اصغر نے ایسا ہی کیا۔ ایک زبردست کمیٹی انجمن ترقی پردہ کے نام سے قائم کی اور خود اسکا صدر بنا۔ آج وہ ہر جگہ اسی موضوع پر تقریر کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔

قائم شدہ سنہ ۱۸۷۵ء

ایک نظر ادھر بھی

فصل خزاں ہو صبر کہ فصل بہار ہو — سنسان دشت یا چمنِ لالہ زار ہو
تمباکو کے دھوئیں کی کرامت تو دیکھئے — پہنچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

کیا آپ تمباکو کا شوق رکھتے ہیں تو گیا کی اس کارخانے کا تمباکو پیجئے جو بہترین اعلیٰ خوشبوئیں نرالا تیزی طبیعت کو مست بنانیوالا جگر کو تازگی و دل کو تراوٹ پہنچانیوالا نہایت پایہ کی خوشبو رکھنے والا جسکی نہایت میٹھی خوشبو کے سامنے گیا کی کل تمباکو پھیکے پڑ گئے ہیں جس خمیرے کی پیاری خوشبو آپ مع داد آپکے دوست حیرت میں ہو جائینگے جسکو نہایت اعلیٰ کیفیات سے تیار کیا جاتا ہے خوبی تو یہ ہے کہ بہت دیر تک تمباکو جلتے ہوئے بھی الجھن کا نام نہیں ہوتی تو ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے۔ صرف ایک بار آزمائش کریں۔ فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔

تمباکو منگانے کا پتہ یہ ہے :- کرامت میاں تمباکو کارخانہ گیا

ہیڈ آفس :- پرانی گودام گیا۔ برانچ :- کچہری روڈ گیا۔

صفحہ ۲۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے

شکوۂ دوست

از جناب عابد سیمابی

ہوا اُن کو مجھ سے ملال اب مری زندگی ہے وبال اب مرا جینا امرِ محال اب
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
نہ قبول ہو گی دعا کبھی نہ معاف ہو گی خطا کبھی نہ ملے گا چین ذرا کبھی
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا

نہ وہ اب سلام و درود ہے نہ وہ شوقِ نام و نمود ہے نہ وہ اب قیام و سجود ہے
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
نہ وہ بادہ ہے نہ وہ جام ہے نہ وہ صبح ہے نہ وہ شام ہے نہ پیام ہے نہ سلام ہے
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
نہ وہ کیف ہے نہ ترنگ ہے نہ نوائے بربط و چنگ ہے نہ وہ دل میں میرے امنگ ہے
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
مجھے عشق کا یہ صلہ ملا کہ یوں دل سے اُس نے بھلا دیا ہوں چراغ وہ بھی بجھا ہوا
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
تھا نہیں کل تو وہ بے وفا لگا کرنے آج وہ کیوں جفا وہ تھی ابتدا یہ ہے انتہا
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا
میں سیاہ بخت تھا عابدی نہ قصور تھا نہ خطا مری مجھے بے خطا یہ سزا ملی
مجھے وہم تھا نہ گمان تھا
کہ وہ ہوں گے مجھسے کبھی خفا

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو ضرور پڑھئے

اسے ضرور پڑھیے
اشاعت مارچ
خاص نمبر کی ہنگامہ آرا مصروفیتوں کے باعث مارچ کا رسالہ شائع نہ ہو گا
قارئین انتظار کی زحمت گوارا نہ فرمائیں
چار آنے
خاص نمبر کی حفاظت رجسٹری سے ہو سکتی ہے
اور رجسٹری میں چار آنے خرچ ہونگے
خاص نمبر گوناگوں خصوصیات کا حامل ہو گا
اسلئے اس کی قیمت ایک روپیہ ہو گی
۴ر (چار آنہ) کے لئے عہ (ایک روپیہ) کو ضائع نہ کیجئے
مارچ کے دوسرے ہفتہ تک چار آنے کا ٹکٹ دفتر میں روانہ فرمائیے تاکہ یہ جلیل القدر خاص نمبر
بذریعہ رجسٹری آپ کی خدمت میں بحفاظت تمام پہنچ جائے
(مینیجر)

رات کی خاموشی میں

جناب رشید الکیوروی

نتھی خاموش رات ——!

پرشانت یا بو سو رہے ہیں۔ وہ سوتے ہوئے بھلا کیا جانیں کہ ان مسکراتے ہوئے تاروں کی روشنی اور ہنستی ہوئی دنیا میں کتنے بدنصیب پڑے ہیں ——؟ ایک میں ہی ہوں —— ناکام محبت!!

اشوک میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔ کتنی ہی گرمیاں سردیاں ہم کھیلے کھیلے میں کتنی ہی بار میں روٹھی اور وہ مجھے منایا کئے۔ مجھے یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔ انہوں نے کہا تھا —— "رادھا میرے گانے پر تم ناچ سکو گی" وہ گانے کچھ اس طرح کہ میں ناچی جیسے پروانہ دیئے پر ناچتا ہے۔ ہر رگ و پئے میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور میں خوشی سے پاگل تھی۔ پھر مجھے کیا خبر کہ ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا ہی میرے مسکراتے جیون کا خاتمہ کر دے گا۔ وہ گاتے اور میں ناچتی گئی۔ میں گائی اور وہ مسکرا دیئے۔ اور تب انہوں نے بہت دھیرے سے کہا —— "رادھا! یہ ایسا سدا نہ ہو سکیگا"! اس وقت میں سمجھی نہیں اور وہ چلے گئے۔ سب نجانے وہ کہاں ہیں۔ آہ! ان کا جیون آہوں کا گیت —— آنسوؤں کی راگنی —— جدائی کی سیج بن گیا۔

میں اپنے پتی دیو کے نزدیک سے دھیرے سے اٹھی۔ اتنی دھیرے سے جیسے کلیاں چٹک جایا کرتی ہیں۔ دبے پاؤں میں وہاں سے پرے ہٹ کر کھڑکی کی طرف ہو گئی۔ میں خیالات کی چکر لگا کر سوچنے لگی کہ وہ بھی کیا دن تھے جب اشوک کے کندھوں پر اپنا سر رکھکر بڑی دیر تک بیٹھی رہتی تھی۔ اشوک مجھے پریم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور میں مست و بیخود بنی انہیں سنا کرتی تھی۔ جب وہ اپنی کبھی نہ ختم ہونیوالی بات ختم کر لیا کرتے تھے تو وہ مجھے اپنی آغوش میں آہستہ سے دبا کر کہتے "تم مجھے پاگل سمجھتی ہو رادھا"؟ جب میں ان سے پوچھتی کیوں پاگل کیوں؟ تو وہ جواب دیتے "پریم میں انسان دیوانہ ہی تو ہوتا ہے رادھا!" اور میں مسکرا کر کہتی تم سچ کہتے ہو۔

آہ! یہ سب باتیں خواب ہو ہوا کی طرح ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئیں۔ گذشتہ زندگی کے واقعات ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے کہ تاریک فضا میں یہ آواز سنائی دی "رادھا میرے گانے پر تم ناچ سکوگی؟" میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ درد سے تڑپ اٹھی۔ کاش! وہ یہاں ہوتے تو میں بتاتی کہ اب بھی میرے دل میں تمہارا پریم ہے۔ تم اب بھی مجھے پا کر نہال ہو سکتے ہو۔

میرے کان غم و یاس کے ان نغموں کو ہنوز سن رہے تھے جو رات کی خاموشی میں اکثر کسی عاشق مہجور کے غمگین قلب سے نکل کر فضا پر روحانی مگر درد انگیز اثر چھوڑتے ہوئے گذر جاتے ہیں کہ گویا ایک نئی آگ دل میں لگ گئی —— کیا یہ "اُن" سے دھوکا نہ ہوگا۔ کیا وہ یہ جان کر کہ اشوک کی محبت میں میں سلگ رہی ہوں۔ وہ زندہ رہ سکیں گے؟ مانا اشوک مجھے پریم کرتے رہے ہیں۔ کرتے بھی ہونگے —— پر سماج تو یہ نہیں جانتی۔ بچپن کے ساتھی ہم ہوں۔ مگر سماج نے مجھے "اُن" کو سونپ دیا ہے میں ان کی پتنی ہوں۔ وہ مجھ سے پریم کرتے ہیں۔ شاید اپنے آپ سے بھی زیادہ! اور ایسی صورت میں وہ یہ جان کر نہ معلوم کیا کر بیٹھیں کہ اشوک کی پریمی میں ہوں —— کیا یہاں سے بھاگ جاؤں؟۔

انہیں سب کچھ بتلا دوں؟ اللہ — یا — ؟ لیکن خیالات کی دنیا میں کہیں بھی امید کی جھلک نظر نہ آئی۔ میرا دل [illegible] بہتر [illegible] پلنگ پر آکر سوزِ دل سے جلنے لگی۔ دل نازک کو تاب نہ رہی۔ اس میں درد کا ایک دھواں اٹھا اور آنسوؤں کو زبردستی آنکھوں تک کھینچ لایا۔ میں لحاف میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ میں رونا چاہتی تھی۔ اس وقت تک جب آنسوؤں کا آخری قطرہ بھی خشک نہ ہو جائے ...— مگر رات کی خاموشی میں میرا لحاف بھی ان کو دھوکا نہ دے سکا اور وہ پوچھ ہی بیٹھے۔

"اس وقت یہ آہیں کیوں؟"

"کچھ نہیں"

"پھر یہ آنسو کیسے؟"

"نہیں — پیارے سوامی! تمہیں مجھ سے محبت ہے اور مجھے احساس ہے کہ میرے [illegible] تم سب کچھ ہو۔ [illegible] خاموش ہو گئے لیکن تھوڑی دیر بعد بولے۔

"ہاں وہ سسکیاں تو تھیں مگر کیوں؟

"... آپ ایسا نہ کہئے"

یہ کہتے ہوئے میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے دھیرے سے چوم کر اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ دیدیا اور — میرے ہاتھ سے ان کی انگلیاں کھیل رہی تھیں — ان چمکتی چنچل چوڑیوں کی دھیمی راگنی سننے کی کوشش کرتے ہوئے وہ تو سو گئے مگر میں تھی۔ اور بس ایک خیال عجیب الجھے ہوئے سے! غمگین احساسات کی ایک اداسی اور حد درجہ درد انگیز کیفیت دل و دماغ پر طاری تھی ——

شربت حیات (رجسٹرڈ)

عام جسمانی کمزوری کیلئے بیحد مفید ہے مقوی دل و دماغ مقوی باہ ہے خون صالح پیدا کرکے جسم کو فربہ کرتا ہے مرد و عورت بچہ بوڑھا سب کیلئے یکساں مفید ہے اور ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قیمت فی بوتل عہ

مقوی اعظم (رجسٹرڈ) یہ مقوی جریان سرعت انزال وغیرہ کی شکایت کو دور کرکے طاقت مردمی کو بڑھاتا اور مادہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے سیلان الرحم وغیرہ کیلئے بیحد مفید ہے۔ قیمت (۴۰ خوراک) ۱۲ار

اکسیر بخار (رجسٹرڈ) یہ عرق جاڑا بخار ورم جگر طحال اور تپ لرزہ تپ کہنہ و باری کا بخار اور ہر قسم کے بخار کیلئے بیحد مفید ہے حرارت اعضا شکنی کھانسی قبض وغیرہ کو دور کرتا ہے۔ قیمت فی پاٹ ۱۲ار فی شیشی ۶ر (ترکیب استعمال ہمراہ دوا)

سرمہ حسن نظر (رجسٹرڈ) آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے مثلاً جالا پھولا ناخونہ موتیا بند آنکھوں سے پانی کا گرنا وغیرہ کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت ۸ر

لیکوریا، سیلان الرحم اور ماہواری کی تمام شکایتوں کے لئے اکسیر ہے۔ ان کے علاوہ ہمارے یہاں ہر قسم کے مفردات و مرکبات کافی مقدار میں موجود رہتا ہے۔

نیشنل دواخانہ ۱۰۹ لور چیت پور روڈ کلکتہ

بنگال اسٹیشنرس سنڈیکیٹ

۱ مشن رو کلکتہ

مینوفیکچرس۔ اینورٹرس۔ سپلائرس

ہمارے یہاں خوردہ اور بیوپاری اسٹیشنری کا سامان فروخت ہوتا ہے اور چھپائی کا کام بھی نہایت ہی اچھا کیا جاتا ہے۔۔ اس کے علاوہ انجینیرنگ اور میتھمیٹکل انسٹرومنٹ اور ڈرائنگ و پینٹنگ کے سب سامان بکفایت ملتے ہیں۔

صفحہ ۴۶ و ۴۹ کو نمبر دیکر پڑھئے

ضروری نوٹ

۱ جن اصحاب کی خریداری مارچ یا اپریل میں ختم ہوئی ہے یا جن کے ذمہ سنہ ۴۰ء کا سالانہ چندہ وصول نہیں ہوا ہے انکی خدمت میں خاص نمبر بذریعہ وی پی ہے سالانہ چندہ روانہ کیا جائیگا

۲ جو صاحب ابھی تک سہیل کے خریدار نہیں ہیں وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور ۱۵ مارچ سنہ ۴۰ء تک مبلغ ۱۲ روپیہ سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر خریدار بن جائیں اس صورت میں انکو یہ گرانقدر خاص نمبر بھی مفت ہی نذر کیا جائیگا۔

۳ جن حضرات کو صرف خاص نمبر کی خریداری منظور ہو وہ ۱۵ مارچ تک مبلغ ایکروپیہ بذریعہ منی آرڈر دفتر میں روانہ فرماکر اپنا نام و پتہ رجسٹر میں درج کرالیں۔

روغن عثمانی

یہ روغن ہر قسم کے درد اور ورم کے لئے بہترین چیز ہے زخموں کو مندمل کرتا ہے۔ پھوڑا پھنسی تر و خشک خارش کیلئے اکسیر ہے۔ درد گوش اور کان بہنے کو بے حد مفید ہے۔

ملنے کا پتہ ۔ عبد الغفور محمد ابراہیم دار الشفا رفیع گنج ضلع گیا

ہندستانی

ناشر۔ مکتبۂ جامعہ دہلی

آل انڈیا ریڈیو نے ۳ فروری ۱۹۳۹ء سے ۲۵ فروری ۱۹۳۹ء تک "ہندوستانی کیا ہے" پر چھ تقریریں [illegible] لوگوں سے کرائی تھیں جن سے شاید یہ امید کی گئی تھی کہ وہ اس سوال کا جواب اچھی طرح دے سکتے ہیں۔

قریب قریب سبھی تقریریں ہم نے پڑھیں وہ مندرجہ بالا موضوع سے ایک حد تک بھٹکی ہوئی ہیں۔ کیونکہ یہ بات صاف ہے کہ ہندستانی وہی سترہ کیہ آسان زبان ہے جسے ملک والے عام طور سے اردو کہتے ہیں۔ اور جو ہندوستان کے چپہ چپہ میں کم و بیش بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ کچھ سیاسی لوگ جس ناقابل قبول مصنوعی زبان کی تعمیر کیلئے جتن کر رہے ہیں۔ وہ "نئی ہندستانی" ہے۔ بہتر تھا کہ ان تقریروں کا بھی موضوع "[illegible] ہندستانی کیا ہے" ہوتا تو ان کھرے کھوٹے کی پرکھ ہو سکتی تھی۔

مختصر یہ ہے کہ مکتبۂ جامعہ نے آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے ان "بکواسوں" (نئی ہندوستانی میں) کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا ہے۔ جن حضرات کو اکثر و بیشتر مقررین کی بوکھلاہٹ کا مطالعہ کرنا ہو وہ اس کتاب سے اچھی طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کتاب ظاہری خوبصورتی سے مالا مال اور ہر صاحب تقریر کی تصویر سے آراستہ ہے۔ قیمت ۱۲/ مجلد۔ ملنے کا پتہ مکتبۂ جامعہ دہلی۔

ق ع

محکومیت نسواں

حجم ۲۴۴ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر۔ کاغذ عمدہ قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی

یہ کتاب سیاسیات اور معاشیات کے زبردست مفکر جان اسٹوارٹ مل کے اس معرکتہ الآرا تصنیف کا ترجمہ ہے۔ جسے دنیا کی بلند ترین تصانیف کے زمرے میں شامل کیا جا چکا ہے۔ پوری کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ اور ہر حصہ میں مختلف عنوانات پر بحث کی گئی ہے۔ پوری کتاب کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کے حقوق بالکل مساوی ہیں۔ اس لئے ان کا درجہ بھی مردوں کے مساوی ہونا چاہیئے۔ سوسائٹی نے چند بیجا قیود و رسوم کے ذریعہ ان کی بہت بڑی حق تلفی کی ہے۔ اور شاہ راہ ترقی پر ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ قدرت نے عورتوں میں بھی وہ حسن انتظام اور خوبیاں ودیعت کی ہیں۔ جو مردوں کے لئے باعث سرفرازی و برتری ہیں بلکہ بعض بعض خوبیاں تو عورتوں میں ایسی ہیں کہ جن کا مردوں میں فقدان ہے۔ اور جن کو مصنف کے لکھنے کے مطابق مردوں نے چرا لیا ہے۔ اس لئے عورتوں کو دائرۂ محکومیت میں رکھنا اصول فطرت اور قوانین قدرت پر صریحاً ظلم ہے۔ ازدواجی زندگی کا خوشگوار اتفاق بھی زیادہ تر اسی وقت ممکن ہے جب ان کے حقوق کو بھی مردوں کے برابر تسلیم کر لیا جائے۔

کتاب سر لحاظ سے مفید اور دلچسپ ہے۔ ضرورت ہے کہ اسکا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے ضروری حصوں پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ع۔ س۔

اجتماعی زندگی کی ابتدا :- کاغذ کتابت وطباعت بہتر ضخامت ۹۶ صفحے تقطیع چھوٹی۔ قیمت ۸ر ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے فاضل پروفیسر جناب محمد عاقل ایم اے نے اجتماعی زندگی کی ابتدا کے نام سے ایک مختصر سی کتاب تحریر فرمائی ہے۔ پوری کتاب دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں انسان کے آغاز اور اس کے ابتدائی حالات پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد مختلف زمانوں کی معاشرت۔ تمدن اور ایجادات پر روشنی ڈالی گئی ہے دوسرے حصہ میں ابتدائی نظام اجتماعی۔ اس کی مختلف قسموں اور اس کی جداگانہ شکلوں کا ذکر ہے۔

افادی نقطۂ نظر سے کتاب قابل مطالعہ ہے۔ "ق۔ ع"

ہندوستان کا دیہی قرض :- کاغذ کتابت وطباعت بہتر۔ ضخامت ۶۸ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۴ر ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی۔

سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء میں پروفیسر محمد عاقل ایم اے نے ضلع علی گڑھ کے ایک گاؤں کی اقتصادی پیمائش کی تھی۔ اور کاشتکاروں کے قرض۔ قرضخواہوں کی قسمیں قرض کے اسباب۔ سود کا نرخ اور اس کے نتائج وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد مذکورہ بالا رسالہ مرتب کیا ہے۔ آخر حصہ میں ہندوستان کے ساہوکارانہ نظام کے برے بھلے پہلوؤں پر بھی بحث کی ہے۔ گویہ ایک گاؤں کے قرض کا جائزہ ہے۔ لیکن اسکے مطالعہ کے بعد سارے ہندوستان کے قرض کا ایک حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔ "ع۔ س"

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

تجارت اور اشتہار دونوں لازم وملزوم ہیں

اسلئے

تجارت کی شہرت کیلئے اشتہار بہت ضروری ہے سہیل خاص نمبر کافی تعداد میں چھپکر ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچیگا۔ آپ کی تجارت کی شہرت کے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی ذریعہ نہیں

اگر آپ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں تو زیادہ سے زیادہ ۱۰ مارچ تک دفتر سے خط وکتابت کرکے اپنے اشتہارات کا معاملہ طے کرلیں۔ طلب کرنے پر ریٹ فارم اور نمونہ کا پرچہ مفت ارسال ہوگا۔ "مینجر"

ضروری نہیں کہ آپ ہر دوکاندار۔ کارخانہ اور کمپنی کا نام یاد رکھیں

صرف

آل انڈیا جنرل (آرڈر) سپلائی کمپنی کلکتہ

۴۵ مکلوڈ اسٹریٹ کلکتہ
ڈاکخانہ پارک اسٹریٹ

کا پتہ نوٹ کرلیں اور ضرورت کے وقت ہر خدمت کے لئے یاد فرمائیں

آپکو کلکتہ جیسے بڑے شہر سے اپنی تجارت اور ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں تو شوق سے اس کمپنی کو لکھیں۔ آپ کی ساری فرمائشیں مختلف کمپنیوں سے فراہم کرکے عہ (ایک روپیہ چار آنہ) فی صدی کمیشن پر نہایت ارزاں بہت جلد روانہ کریگی خصوصاً پریس کے جملہ سامان۔ ہر قسم کی روشنائی، وارنش، پالش، پتھر، کاغذ وغیرہ کے بھیجنے اور بلاک مثلاً ہاف ٹون، لائن، الکٹرو کے بنوانیکا کافی انتظام ہے۔ ایک مرتبہ معمولی آرڈر دیکر آزمائیں

منیجر

صوبہ بہار کا علمی ادبی اخلاقی تاریخی تنقیدی ماہنامہ
رسالہ سہیل گیا
The SOHAI
مقام اشاعت:- دفتر رسالہ سہیل شمسی پریس گیا

پھولوں کی بارش

عطر صنوبر ہمارے یہاں کا خاص عطر ہے جس کی خوشبو نہایت دلفریب اور فرحت بخش ہوتی ہے ایک بار لگا کر آپ یہ محسوس کرینگے جیسے کہ پھولوں کی آپ پر بارش ہو رہی ہے نیز اسکی خوشبو کافی مدت تک قائم رہتی ہے اسکے علاوہ عطر ہار سنگار عطر روح افزا اور دیگر عطریات بہترین قسم کے ہمارے یہاں سے آپ کو دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان سب کی قیمتیں بالکل مناسب رکھی گئی ہیں۔ دیگر قسم کے خوشبودار تیل و عرقیات اعلےٰ قسم کے ہم سے خریدیں ہمارے یہاں کا خاص تیل روغن حیات دماغی کام کرنیوالوں کے لیے نایاب چیز ہے۔ فہرست مفت طلب کیجئے۔ آزمایش شرط ہے۔

حافظ محمد زکریا برادرس

۳۱/۱ ۳۳۶ سراج بلڈنگ۔ فوجداری بالاخانہ۔ کلکتہ

کیا آپ کو معلوم ہے؟

کہ کون سا زردہ اچھا ہے وہ جس کے کھانے سے دل و دماغ تازہ رہیں سر میں چکر نہ ہو۔ پان مزہ دار ہو منہ کی تمام خرابیوں کو دور کرے۔ اسلئے عطریات کے بادشاہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

نے

عطریات کے ساتھ ساتھ زردہ کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ پبلک کو آسانی ہو آزمایش شرط

ذیل کے پتہ سے طلب کریں

اکبر علی احمد علی اینڈ برادرس ۱۲۲ لور چیت پور روڈ کلکتہ ۱۱۶ گلی ۲۵ رنگون

تمام زردوں کا بادشاہ ؛ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؛ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفرانی
تمام زردہ قواموں کا امام ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام

تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؛ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دل و جاں ؛ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الائچی دانوں کا تاج شاہانہ ؛ نکٹائی مارکہ خوشبودار الائچی دانہ

اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی وہاں بھی ہے * برما بھی مدح خواں ہو ہندوستاں بھی ہے

(مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو)

محمد مصطفےٰ حسین کا شہرہ آفاق کارخانہ

نکٹائی مارکہ کی بہترین و عمدہ ترین ملذذ ترین چیزیں مغرب و مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں بلکہ خوبصورتی خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور خوش تر سے خوش تر نفیس پیکٹوں اور خوش وضع شیشیوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ضرور آزمائش کیجیے

شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں

ہیڈ آفس :- نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ - ہوڑہ

برانچیں :-
کلکتہ — ۵/۱ کیننگ اسٹریٹ
بمبئی — ۶۱ ارسکین روڈ بمبئی
رنگون — ۱۱۸ سورتی بڑا بازار

محمد مصطفےٰ حسین کا شہرۂ آفاق نکٹائی مارکہ زردہ کا کارخانہ

نکٹائی مارکہ کی خالص چیزیں

زردہ طلائی

یہ ہندوستان کے تمام زردوں کا بادشاہ ہے
نہایت قیمتی نفیس مقوی اور معطر اجزا سے مرکب
زردہ طلائی مشکی دانہ اکسٹرا کوالٹی فی تولہ ۲ روپیہ
" " " ۱ کوالٹی ۱۲

زردہ نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
سادہ دانہ خشکی چہارم قیمت فی سیر ۸ "
" " پنجم " " " ۴ "
" " ششم " " " ۲ "
" " ہفتم " " " ۱ "

پیلی پتی نقرئی و زعفرانی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
" چہارم " " " ۴ "
(سادہ) " پنجم " " " ۲ "

زردہ موسمی نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
دوم " " ۱۶ "
" سوم " " ۸ "

زردہ نقرئی سرخ زعفرانی پتی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
(سادہ) قسم ششم " " " ۱ "

زردہ براؤن زعفرانی پتی

۲ سادہ قسم اول قیمت فی سیر ۳ روپیہ
قسم چہارم قیمت فی سیر ۱ "

قوام تمباکو مشکی خوشبودار نقرئی

قسم اول قیمت فی تولہ ۳ روپیہ
(بلا ورق) قسم اول " " " "
" " چہارم " " ۴ "

پیکڈ زردہ

بکسوں میں جو زردہ بند کیا جاتا ہے وہ
بہترین قسم کا زردہ ہے۔ ذیل میں آدھ سیر کے
بکسوں کی قیمت دی گئی ہے

پیکڈ زردہ خوشبودار

سیاہ پتی سرخ بکس پیکارا قیمت ۱ ر
" سبز بکس " " ۱۲ ر
براؤن پتی سیاہ لیبل " " ۱ ر
" " سبز لیبل " "
" " سرخ لیبل " " ۱۰ ر
براؤن زعفرانی پتی سبز لیبل ایک پاؤ کا بکس
قیمت ۹ ر
" سرخ لیبل " ۶ ر

ہوائی جہاز مارکہ زردہ بکس آدھ سیر کے بکس
قیمت
ہوائی جہاز مارکہ گلابی بکس آدھ سیر ۱۲ ر
سانپ مارکہ زردہ بکس " ۸ ر

پان کے مسالے (نکٹائی مارکہ)

مکھ بلاس گلاب پھول مارکہ فی ڈبہ ۴ ر
" " " " فی گروس ۳۶ روپیہ
پان بلاس نقرئی گولیاں فی شیشی ۶ ر
" " " " فی گروس ۵۴ روپیہ
دل بہار یعنی اسپیشل مالا پان فی شیشی ۴ ر
تمبل بہار نکٹائی مارکہ قسم اول فی درجن
" " " " فی گروس ۱۲
نقرئی شیشی سلور زردہ فی شیشی ۴ ر
بنٹیل پیپ بڑی ڈبیہ قیمت ۶ ر
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم اول
فی سیر ۴۰ روپیہ
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ
قسم دوم فی سیر ۲۰ روپیہ
" " " " سوم " ۱۰ "
سیاہ چمکیلا سادہ خوشبودار دانہ قسم اول
فی سیر ۴ روپیہ
" " " قسم دوم " ۲ "

بیوٹی کریم بنگزہ مالتی (نکٹائی مارکہ)

اسکے استعمال سے چہرے کے داغ دھبے
چھائیاں اور مہاسے بالکل دور ہو جاتے ہیں جلد
صاف ستھری نکل آتی ہے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے
مردوں کے علاوہ عورتوں کیلئے نہایت مفید ہے
قیمت فی درجن ۸ روپے فی گروس

جہاز مارکہ خضاب (نکٹائی مارکہ)

سولجر جہاز مارکہ خضاب صرف دو منٹ میں
سفید بالوں کو سیاہ چمکیلا اور نرم کر دیتا ہے
بالکل بے ضرر اور بہت سستا ہے۔
قیمت فی شیشی ۸ روپے فی درجن

نکٹائی مارکہ

روغن پیپرمنٹ
روغن دارچینی
روغن الائچی
روغن کافور
روغن لونگ
روغن لیمو
روغن صندل
روغن نور جہاں، روغن تل رنگین اور دیگر
تیل، ایسنس سینٹ اور عطر بھی بازار میں
اپنا جواب نہیں رکھتے۔

محمد مصطفےٰ حسین کا نام اور نکٹائی مارکہ کا لیبل

مال کی عمدگی پاکیزگی اور ارزانی کا سرٹیفکیٹ ہے

خاص نمبر

رسالہ سہیل گیا (بہار) کا جلیل القدر خاص نمبر اپریل میں شائع ہوگیا جو ۲۷۰ صفحات پر محیط ہے اور جس کا دامن آرٹ کی ۶ رنگین تصویروں۔ مشاہیر اہل قلم کے دس فوٹو بلاکس سولہ[۱۶] معلومات افزا بیش قیمت مقالوں۔ ۱۳ دلگداز رومان آفریں افسانوں اور ڈراموں۔ ۱۷ دلکش و لاجواب نظموں۔ ۲۸ بلند پایہ وجد آفریں غزلوں سے مالامال ہے۔

خاص نمبر کے چند درخشندہ ستارے

ادیب جلیل جناب سید شوق احمد مالگرامی۔ ادیب شہیر حضرت ایم اسلم لاہوری۔ ادیب جمیل حضرت شعلہ وارثی لکھنوی۔ رئیس الادبا حضرت ہدف اجتہادی لکھنوی۔ مولانا عبدالرزاق ومن ہاشمی ندوی۔ پروفیسر سید محمد طاہر رضوی ام اے۔ پروفیسر شیخ عبداللطیف تپش ام۔ اے ملتان حضرت عطاء اللہ پالوی۔ جناب سید رضا قاسم مختار حضرت حمید عظیم آبادی۔ پروفیسر اختر اورینوی ام اے مفتی گوہر شادانی مشہور مزاح نگار حضرت ماہپوری حضرت سہیل عظیم آبادی۔ جناب حسن مظفرپوری۔ مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی۔ خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی علامہ شفق رضوی عمادپوری۔ حضرت احسن مارہروی۔ علامہ آرزو لکھنوی ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی۔ علامہ جمیل مظہری۔ حضرت بہزاد لکھنوی۔ جناب پیارے لال شاکر میرٹھی حضرت ادیب مالیگانوی۔ پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری۔ بلبل بہار حضرت سریر کابری۔

خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے اگر آپ اسے مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مبلغ تین روپیہ سالانہ چندہ ارسال فرما کر مستقل خریدار بن جائیں۔

المشتہر

منیجر رسالہ سہیل شمسی پریس گھسیاٹولہ گیا

منظور شدہ محکمہ تعلیم صوبہ بہار

ادارہ
عارف سنسہاوی
قیصر عثمانی

سُہیل گیا
رسالہ ماہانہ

پروپرائیٹر
محمد زین العابدین صدیقی
شنسہاوی

جلد ۳ | مئی سنہ ۱۹۴۰ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۵

تصویر سوز و ساز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص نمبر

خدا کا شکر ہے کہ خاص نمبر ہماری توقعات سے زیادہ کامیاب ہوکر ملک کے ادب نواز طبقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے ان خطوط ایسے موصول ہوئے ہیں جن میں خاص نمبر کی معنوی و ظاہری شان کامیابی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو خط خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو ملک کے دو نامور ادیب کے خیالات کے ترجمان ہیں ملک کے کہنہ سال و کہنہ مشق ادیب جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی تحریر فرماتے ہیں

خاص نمبر سنہ ۸۴ء موصول ہوا۔ شکریہ! ماشاءاللہ نہایت دیدہ زیب اور نظر فریب ہے۔ صوری خوبیاں نمبر کو زینت کے چار چاند لگا رہی ہیں۔ ان کے علاوہ معنوی محاسن کا جہاں تک تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنہ ۸۴ء کا یہ بہترین و بیش قیمت نمبر ہے تحقیقی، تاریخی اور ادبی مضامین بہت خوب ہیں۔ مطالعہ بتاتا ہے کہ کافی محنت اور عرق ریزی سے لکھے گئے اور یقیناً سنہ ۸۴ء کے سالناموں میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔

اسی طرح آل انڈیا ریڈیو کے مشہور ڈرامہ نویس جناب مفتی گوہر شادانی ارقام فرماتے ہیں۔

سہیل کا خاص نمبر "لمعات" میں آپ فرماتے ہیں کہ بعض سخن گستر احباب انگشت بدنداں ہیں کہ سہیل اتنی قلیل عمر میں کس طرح اتنا مقبول اور ہر دلعزیز بن گیا۔ اور باوجود باد مخالف کے تند و تیز جھونکوں کے پروان چڑھتا نظر آرہا ہے۔ میرے خیال میں یہ ان کا قصور نہیں۔ کیونکہ میں بھی حیران ہوں کہ آخر گیا میں بیٹھے ہوئے کم از کم آپنے اس خاص نمبر کے لئے ایسے جاذب توجہ مضامین کس طرح فراہم کر لئے .... بہرحال میں آپ کو اس قدر کامیاب نمبر نکالنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔

اسی سلسلہ میں عظیم آباد کے مشہور شاعر و ادیب حضرت حمید عظیم آبادی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار نظم کی صورت میں کیا ہے جو اسی نمبر کے کسی صفحہ پر شائع کی جارہی ہے۔

خاص نمبر کی اس حوصلہ افزا کامیابی نے ہماری ہمتیں بہت کچھ بلند کردی ہیں اور ہم سہیل کی ہر ممکن ترقی کیلئے تیار ہوگئے ہیں لیکن اس سلسلہ میں قارئین کرام سے

ایک ضروری گذارش

یہ ہے کہ یورپ کی جنگ بھیانک صورت اختیار کر چکی ہے۔ ہندوستان بھی آہستہ آہستہ اس کی لپیٹ میں آرہا ہے گرانی اپنا قدم جما رہی ہے سامان طباعت اور کاغذوں پر دوگنا دام چڑھ چکا ہے۔ کوئی ٹھیک نہیں کہ اس میں اور کیا اضافہ ہوجائے

ایسی صورت اس کی جڑ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو چندہ میں اضافہ کیا جائے یا ضخامت میں کمی کی جائے لیکن اس قسم کی تبدیلیوں سے ہم قارئین سہیل کو مایوس خاطر کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہماری تو یہ کوشش ہو رہی ہے کہ جہانتک جلد ہو صفحات کے ساتھ ساتھ اسکی ظاہری و معنوی خوبیوں میں اضافہ کیا جائے اور یہ صورت اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جب قارئین کرام ہمارا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار ہو جائیں ورنہ زیادہ نہیں تو کم از کم دو دو خریدار بھی بہم پہنچا کر انکا نئی آرڈر دو ماہوں تک دفتر میں بھجوا دیں اس صورت میں دستہ کو کم از کم مالی حیثیت سے تو کچھ اطمینان ہو جائے گا گذشتہ مئی کے پرچہ میں بھی ہم نے قارئین کرام سے اس کی درخواست کی تھی لیکن بہت کم لوگوں نے اسکی طرف توجہ کی حالانکہ ہندوستان کی موجودہ حالت اور اردو رسالوں کی کس مپرسی ان پر روز روشن کی طرح واضح ہے ایسی صورت میں اگر اردو رسالوں کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو ممکن ہے کہ جنگ کے تند و تیز جھکڑ انکے شیرازہ کو بکھیر دیں۔ کیا یہ یقین کر لیا جائے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی

معذرت

زیر نظر شمارہ میں وہی مضامین شائع کیے جارہے ہیں جو خاص نمبر کے لئے موصول ہوئے تھے جنکی کتابت ہو چکی تھی۔ چونکہ ابھی بہت سے مضامین ایسے ہیں جو خاص نمبر کے لئے بھیجے گئے تھے نہیں ممکن تھا کہ غیر کتابت شدہ مضامین کو جگہ دینے سے کتابت شدہ مضامین کی کاپیاں خراب ہو جاتیں اسلئے ہم اپنے ان اہل قلم حضرات سے معذرت خواہ ہیں جنکے مضامین مندرجہ بالا مجبوری کی وجہ سے اس نمبر میں شائع نہ ہو سکے انشاء اللہ آئندہ ان کا سلسلہ جاری رہے گا

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہدایت نامہ

انجمن ترقی اردو کے مقاصد کے حصول کیلئے جہاں ہم بڑے کام کر رہے ہیں وہاں مندرجہ ذیل معمولی باتوں پر بھی اگر خیال رکھیں تو اردو کی وسیع پیمانہ میں معتد بہ ترقی ہو سکتی ہے (۱) خطوط پر پتے اردو میں لکھے جائیں (۲) محکمہ ڈاک کو برابر خط لکھے جائیں کہ اردو کا پروگرام زیادہ سے زیادہ ہو (۳) منی آرڈر اور رجسٹری کے اردو فارم طلب کئے جائیں۔ اور اردو ہی میں ان پر پتے لکھے جائیں اور اگر کوئی ڈاکخانہ لینے سے انکار کرے تو ڈاکخانہ کے افسر اعلیٰ کو لکھ کر بھیجا جائے (۴) سنیما وغیرہ کے اشتہارات اور پروگرام میں مرہٹی، گجراتی اور کنڑی کے ساتھ ساتھ اردو کی سنیما سینما کا بھی مطالبہ کیا جائے (۵) سائن بورڈ میں تجارتی خطوط کے کاغذات اور لفافوں پر دوسری زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی پتے چھاپے جائیں (۶) اپنے شہروں کی سڑکوں کے ناموں کی تختیوں پر اردو کو بھی جگہ دلائی جائے (۷) اپنے ریلوے اسٹیشن کے نام کے تختے پر بھی اردو میں نام لکھوایا جائے اور اپنے علاقے کے ریلوے حکام سے مطالبہ کیا جائے کہ ٹائم ٹیبل اور دوسرے اعلانات اردو میں بھی ہوں نیز ٹکٹوں پر بھی اسٹیشنوں کے نام اردو میں چھاپے جائیں۔

ہر شاخ کو چاہیئے کہ جلد ایک جلسہ کر کے ریلوے سے متعلق ایسی تجاویز منظور کرے اور ان کی ایک نقل ایجنٹ ریلوے اور دوسری انجمن کے دفتر کو بھیجدے۔

آئندہ مردم شماری کے موقع پر کوشش یہ کی جائے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان اردو لکھائے اور اس چیز کا بھی بندوبست کیا جائے کہ لکھنے والا اس خانہ میں اردو ہی لکھتا ہے۔

اپنے علاقے میں جن مقامات پر اردو کے مدارس نہیں ہیں وہاں ان کی تحریک کی جائے۔

تصحیح:۔ خاص نمبر میں کتابت کی چند غلطیاں رہ گئی ہیں قارئین سہیل تصحیح فرمالیں ۱۔ صفحہ ۲۴ پر حضرت احسن مارہروی کے مطلع اول کا دوسرا مصرعہ یوں ہونا چاہیئے ۵ آج بسم اللہ الفت ہو گئی ۲۔ صفحہ ۱۷ پر جناب ادیب مانیکپوری کے مطلع کا پہلا مصرعہ یوں پڑھنا چاہیئے ۵ بیکسی میں یوں تڑپنے کا مزا لیتا ہوں میں ۳۔ صفحہ ۲۱۶ پر مسٹر نور اللہ شاہ مرحوم گیاوی کے قطعہ کی سرخی رباعی لکھی گئی ہے اس کو قطعہ ہونا چاہیئے۔

میر کے رنگ میں دو ترانے

(از فصیح الفصحا علامہ شفقؔ بینائی عماد پوری)

(۱)

دل نام تھا جسکا سینے میں اک گھر وہ لوٹا پھوٹا تھا
یا آرزوؤں کی بستی تھی حسرت نے جسکو لوٹا تھا

جو کہہ گئے کر کے دکھا نہ سکے آنیکو تھے وقت پہ آ نہ سکے
تم قول کے سچے کیا کہنا! وعدہ تو تمہارا جھوٹا تھا

نازک تھا شیشۂ دل ایسا، آواز بھی ٹوٹ کے دے نہ سکا
توڑا تھا کس نے خدا جانے معلوم نہیں کب ٹوٹا تھا

گلشن جو خزاں میں تھا پژمردہ، گلچیں کا بھی دل ہوا افسردہ
شاداب نہ کوئی غنچہ تھا تازہ نہ کوئی گل بوٹا تھا

تقویٰ نہ رہا توبہ ٹوٹی، زاہد کی بھی کیا قسمت پھوٹی
شیشہ جو ملا وہ ٹوٹا تھا، ساغر جو ملا وہ پھوٹا تھا

سویا ہوا قبر میں برسوں کا، جاگا تو ہوا اک حشر بپا
منزل پہ مسافر ہستی کو اس طرح اجل نے لوٹا تھا

پھر دل میں شفقؔ اک درد اٹھا پھر اشکوں نے بدلا رنگ نیا
کیا زخم جگر کا کوئی ٹانکا پھر کھل گیا پہلے جو ٹوٹا تھا

(۲)

پڑ رہنے کو خاک کی بستر تھا یا تنگ لحد کا کونا تھا
پھیلائے ہوئے پاؤں کو مگر سو ہی رہا جسکو سونا تھا

تدبیر مریض غم کی کوئی، کیا چارہ گروں نے اٹھا رکھی
تقدیر سے لیکن بس نہ چلا وہ ہو کے رہا جو ہونا تھا

روداد پہ رونے والوں کی، ہنستا رہا جسکی ہنسی نہ رکی
احوال پہ ہنسنے والوں کے روتا رہا جس کو رونا تھا

منزل کا خطر نہ خیال سفر کس خواب میں تھا ہنگام سحر
سب قافلے والے جاگ اٹھے تقدیر میں تیری سونا تھا

پھولوں کو تو لوٹ کے چمن کی ہوا ہنسنے کا بھی صبح کو وقت ملا
شبنم کے نصیب میں چار پہر اک حال میں رونا دھونا تھا

اے ڈھونڈھنے والے ہوش میں آ اتنا وہ تجھے جو پا نہ سکا
گم ہو کے پہنچا منزل تک اپنے کو پہلے کھونا تھا

سنسان اندھیری رات شفقؔ الٹا ہوا تھا دنیا کا ورق
سب سونے والے سو ہی رہے روتا رہا جس کو رونا تھا

مسلمان ماں سے خطاب

از جناب مولانا یحییٰ صاحب ندوی ابکلوی

یہ بچہ جس نے خاکدانِ ہستی میں قدم رکھا ہے اور جس کا نام زندہ انسانوں کی فہرست میں شامل ہوا ہے جس نے اپنی ماں کی آغوش کو زینت بخشی ہے اور جو زندگی کی سانسیں لینے لگا ہے ایک بڑی شان کا مالک ہے۔ اس کی ننھی سی ذات کے اندر ان گنت کمالات کے بڑے بڑے جوہر پوشیدہ ہیں ضرورت ہے کہ اسے عصر حاضر کے تصرفات، زمانہ کی تاثیرات اور دہری منفرات کا شکار ہونے کیلئے نہ چھوڑا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ اسے کسی ایسی شئے سے محروم بھی نہ رکھا جائے جو اس کے لئے مفید اور منفعت بخش ہو ــــ کہ پھر کف افسوس نہ ملنا پڑے۔

یہ ننھی سی جان، یہ چھوٹا سا بچہ، ایک بڑی امانت الٰہی ہے جو ماں کو سپرد کی گئی ہے، ایک قیمتی تحفہ ہے جو ماں کو تفویض کیا گیا ہے، ایک بیش بہا موتی ہے جو ماں کو عنایت فرمایا گیا ہے، اگر ماں نے اس سے لاپرواہی برتی تو بلاشبہ اس کی قیمت گھٹ جائے گی لیکن اگر اسے سنوارا، چمکایا اور جلا دیا گیا تو اس کی قیمت میں گرانقدر اضافہ ہو جائے گا۔

یہ بچہ نہیں جانتا، کہ پردۂ تقدیر میں اس کے متعلق کیسے رازہائے سربستہ پوشیدہ ہیں، اسے نہیں معلوم کہ مشیت ایزدی نے اسے کس کام کے لئے تاکا ہے۔ وہ تو اپنے حال اور مستقبل اور مآل سے ناواقف محض ہے، وہ انسانی جماعت کا ایک فرد ضرور ہے۔ وہ موتیوں کی مالا میں کا ایک موتی یقیناً ہے، اس کے لئے لازمی ہے کہ اپنے اصلی مرتبہ اور صحیح منصب کو حاصل کر سکے عنقریب انسانی سوسائٹی میں داخل ہو کر میدان ترقی میں گامزن ہونے والا ہے۔ مگر وہ تو ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا ناپیدا کنار سمندر کا تنہا در یتیم ہونے والا ہے۔

قبل اس کے کہ حوادث زمانہ کے سمندر میں موتی کی سیپ کی خاطر موجوں کے تھپیڑے کھانے کیلئے کود پڑے۔ ضروری ہے کہ اس کی نشو و نما ایک باہمت جوان کی، اس زندگی نفع رسانِ انسان کی، اس کی حیات ایک مضبوط ارادہ، قوی بازو، اور بلند عزیمت رکھنے والے نوجوان کی سی ہو۔

بلاشبہ یہ خوبیاں اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتیں جب تک ماں اپنے بچے کی قیمت کا پورا پورا اندازہ نہ کر لے، جب تک وہ بچے کی منزلت بلند اور اس کے منصب عالی سے واقف نہ ہو جائے۔ جب تک کہ وہ اس کے آغاز عمر سے اس کی عظیم شخصیت کی داغ بیل نہ ڈال دے اور جب تک کہ اپنی آغوش تربیت کے ابتدائی مدرسہ ہی سے اُسے مردِ کامل بنانے کی سعی پیہم نہ جاری رکھے۔

اس کی تندرستی اور آرام کی فکر کے ساتھ ساتھ اس کے دامن شباب کو بے داغ رکھنے، سنوارنے اور اس کی پیری کو مامون بنانے کا اسباب فراہم نہ کرے۔ بھلائیوں کے لئے مستعد اور برائیوں سے متنفر نہ بنائے۔

اس کیلئے نعمت اور سعادت کے سامان فراہم نہ کرے صحت کامل، اور عافیت دائم کی نعمت! علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کی سعادت!

ہمت وانسانیت اور مروت کے جوہر بچے میں بھر دے ذات وشجاعت اور دانائی وحکمت سے اسے مالامال کر دے اور اسے پیش قدمی کرنے اور گوئے سبقت لے جانے پر ابھارتی رہے۔ اس کے اندر حسن تدبیر، اصابت رائے کا ملکہ پیدا کر دے اور ذوق سلیم اور سلامت روی اور شیریں زبانی کے اوصاف بھر دے۔ اور اس کو حسن ادب، حسن معاشرت اور حسن خلق کی غذاؤں سے پروان چڑھائے۔

یہ ننھا بچہ جس نے عالم انسانیت میں قدم رکھا ہے، اگر ماں باپ کی جانب سے غفلت برتی گئی اور اسے زمانہ کے برے برے اثرات کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ تو وہ انسانیت کا دشمن ہو جائے گا۔ اس کی ذات نیکی اور خیر کی بجائے۔ شر اور فساد کی حامل ہوگی۔ وہ ایسے قوموں کی بنیادوں کو ہلا ڈالے گا وہ جسم انسانیت کے لئے حلق کا کانٹا ہوگا۔ لوگ اس سے پناہ مانگیں گے۔ وہ لوگوں کی ذلت ونکبت کا موجب، اور ان کے استحصال اور استحقار کا باعث ہوگا۔ اس کی مثال شیشہ کے اس ٹکڑے کی ہوگی جو لوگوں کی نظروں کو اپنی ظاہری چمک دمک سے دھوکا دیتا ہے۔ اور اپنی تیز دھار سے انہیں زخمی کر دیتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ جماعت میں پھوٹ ڈالنا۔ برائیوں کا رواج دینا۔ بے حیائی کو پھیلانا۔ اور باہمی منافرت اور بغض وعناد کے بیج بونا۔ اس کا دلچسپ مشغلہ ہو جاتا ہے ساتھ ہی وہ خود بھی حوادث روزگار کا شکار رہتا۔ مصائب کا نشانہ بنتا اور پختگی عمر کو پہنچنے سے قبل اس کے اندر گھن لگ جاتا ہے۔ اس کے ایام شباب ہی میں زندگی کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اور بالآخر وہ اپنے ہم جنسوں میں ذلیل وخوار اور رسوا ہو کر ذلت کی موت مر جاتا ہے۔

لیکن ہاں اگر اس کی طرف پوری توجہ کی گئی۔ اس کی تربیت معقول طور پر ہوئی۔ تو وہ پھر دنیا میں اپنے والدین کی ان مساعی اور کوششوں کے طفیل ایک کامیاب انسان ہوگا اس کی پرورش وپرداخت پوری طرح کی گئی۔ اس کی تعلیم تمام وکمال تک پہنچی اور وہ جوان ہو کر صاحب علم وفضل ہوا اور اس کی طبیعت میں بہترین تربیت کی بدولت، برائیوں سے دور رہنے کی سرشت راسخ ہو گئی۔ تو وہ انسانی سوسائٹی اور معاشرت میں ایک ایسا بیش قیمت ہیرا بن کر داخل ہوگا۔ عقلا جسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ قلوب جس کی جانب کھنچنے لگیں گے۔ نگاہیں جس کی جانب اٹھنے لگیں گی۔ لوگ زینت اور زیبائش کا کام لیں گے۔ اور آرائش وزیبائش کے لئے گلے میں حمائل کریں گے — لوگ اس کی دوستی اور مصاحبت وقربت کی تمنا کریں گے، اس کی خوبیوں اور محاسن کے ہمہ تن گوش رہیں گے اور جب اس کا ذکر ہوگا تو محبت وعقیدت کے ساتھ ہوگا۔ جس جوانمردی کی شان امتیازی یہ ہو وہ دنیا کے لئے راحت رساں اور نفع بخش بن کر آتا ہے وہ جو کام کرتا ہے۔ بھلائی کا کرتا ہے برائیوں کو روکنا اور شر کو مٹانا۔ خوبیوں کو پھیلانا۔ اور نیکیوں کی عملی تبلیغ اس کا فرض منصبی ہوتا ہے۔ غرض وہ دنیا کے لئے بہترین اسوہ اور قابل تقلید نمونہ ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ خوبی نظیر اور مثال کے طور پر زبان زد خاص وعام ہوتی ہے۔

اے ماں! یہ اولاد کی نعمت جو تجھے ملی ہے۔ اللہ کی امانت ہے۔ یہ وہ دولت جو تجھے بخشی گئی ہے۔ اللہ کی ایک امانت ہے۔ دیکھ! اس امانت کو نہ کھونا۔ اور اس دولت کو ضائع نہ کرنا۔ اخلاق کے رہزنوں سے اس کی حفاظت کرتی رہنا۔ اور اس بات سے ڈرتی رہنا۔ کہ مبادا اخلاق وشرافت کے دشمن دامن شرافت وحرمت کو داغدار کر دینے والے بازاری اوباش اپنے ہاتھ اس

اس امانت تک سہو ہرگز نہ بڑھنے پائیں، ہاں اس امانت کی حفاظت
اپنی جان سے بڑھ کر کرنا۔ اور یہ سمجھتی رہنا کہ اس کی طرف سے
بے پروائی اپنی زندگی سے بے پروائی ہے۔ اگر تو نے اسے
کھو یا تو یہ ایک نعش ہوگی۔ بے حس و حرکت اور بیجان۔

اے ماں! اپنے بچے کی خدمت تربیت اور [illegible]
کے کاموں میں کبھی دوسروں پر بھروسہ نہ کرنا۔ کبھی غیر [illegible]
نہ چھوڑ دینا۔ اس کی تربیت کے متعلق کسی کام [illegible]
سپرد نہ کرنا۔ بلکہ اپنا سارا وقت اپنے بچے کی حاجت اور پرورش
و پرداخت میں صرف کرنا اور اس کی بیماری میں [illegible]
شب بیداری کرنا۔ بلکہ اس کی خاطر اپنے [illegible]
خوگر بنانا۔ [illegible] کی بیداری [illegible]
اور نشو و نما پائے۔ اور پھر کبھی اسے جسمانی اور [illegible] کا
کا سامنا نہ دیکھنا پڑے۔

اے ماں! تیرا بچہ ایک ناشگفتہ غنچہ ہے۔ ایک کچی کلی [illegible]
ایک ہری شاخ ہے۔ اے ماہر فن مالن! اگر تو نے اس ہری
شاخ کی طرف سے ذرا بھی بے پروائی برتی۔ تو ڈر ہے کہ کجروی
اختیار نہ کرلے۔ لیکن اگر تو نے پوری توجہ سے کام لیا تو اس کی نشو و نما
ٹھیک طور پر ہوگی اور درستی و سلامت روی کے ساتھ اپنی جوانی کی
منزلیں طے کرے گا۔ ہاں تو اس کچی لکڑی کو سخت ہونے سے پہلے
سیدھا کرلے۔ ورنہ اس میں سختی آگئی تو پھر اس کا سیدھا کرنا تو
بہت مشکل ہو جائے گا۔ ہاں توڑنا آسان ہوگا۔

اے ماں! اپنے بچے کی سب سے پہلی تعلیم گاہ تیری گود ہی
ہے۔ اور اصلی درس و تعلیم اور صحیح تربیت و تہذیب کی بنیاد اسی
ابتدائی مدرسہ میں رکھی جا سکتی ہے۔ ورنہ

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

جو کچھ تیرا بچہ تجھ سے بچپن میں سیکھتا ہے۔ اور جو تعلیم تربیت تو
دیتی ہے۔ وہی اس کے ساتھ عمر کی ساری منزلوں میں حتی کہ قبر
کی منزل تک رفیق عمر کا کام دیتی ہے۔ اے ماں! اس کا ذہن
دانا بھی باتوں میں مشغول رکھنا۔ اور ان پر بیجا سختی بھی نہ کرنا۔
اور [illegible] کی لغزشوں کو درگزر کرنا [illegible] اپنی خواہشات کی
تشریح کی پوری [illegible]
[illegible]

اے ماں! اسلام کی تعلیمات نے جنت تیرے قدموں کے
نیچے قرار دی ہے۔ اور اس نے تیرے بچے پر تیرا سب سے
زیادہ حق مقرر کیا ہے۔ اور تیری محبت اور تیری تعظیم و احترام
اور تیری خدمت اس پر فرض عین کر دیا ہے۔ پس تو بھی اپنی
محبت کا نقش اس کے لوح دل پر بہترین تعلیم و تربیت کے
ذریعہ ثبت کردے۔ اور اس کی نگرانی اور پرورش و پرداخت
میں پورا اہتمام اور کامل توجہ ملحوظ رکھنا۔ اور اس کے بچپن اور
بڑھاپے کی مختلف منزلوں اور سن و سال کے مختلف دوروں
کے پیش نظر اس کے لئے شاہراہ عمل متعین کرتی رہنا۔
تحمل و بردباری اور شفقت کے ساتھ اس کے متعلق اپنے
کاموں کی نگرانی رکھنا۔ اور اس کے اچھے کاموں پر اپنی خوشنودی
کا اظہار کرنا۔ اور وہ تمام باتیں اس کے لئے عمل میں لانا جو اسے
تیری محبت اور مامتا کا احساس یقین پیدا کرائے۔ اور وہ تیری رضا
و خوشنودی کا خوگر ہو کر جوانی کے حدود میں قدم رکھے اور تیری
خوبیوں کی پیروی کرے۔ تو اپنے اپنے غصہ اور خفگی کے وقت
اپنے پر قابو رکھ۔ اور اس کو ایسا بنا دے کہ وہ صرف
تیری خوبیوں اور اچھائیوں ہی پر اپنی نظر رکھے۔
اس کی آنکھیں صداقت و راستی کی روشنی کیلئے کھول دے

اور اسی کا اسے خوگر بنا۔ تو اس کو دروغ گوئی اور جھوٹ
کی تاریکیوں سے دور رکھ۔ اور اسے اس طرح بنادے۔ کہ وہ جب
جوان ہو تو اسکی صداقت وراستی بھی اپنے شباب پر ہو۔
اس کے اذکار پختہ ہوں۔ اس کے اعمال پسندیدہ ہوں۔ تو اس کو
نصیحت کر تو نہایت سکون کے ساتھ اور ملایم طریقہ پر۔ تو اسے نہ۔ تو
جھڑک اور نہ زدوکوب کر۔ اور نہ سخت سزا دے۔ اگرچہ اسکی کی
غلطیاں مکرر سہ کرر سرزد ہو جائیں۔ کیونکہ سخت سزا سے لڑکا بے حیا
اور بے پروا ہو جاتا ہے۔ اور پھر بات نہیں مانتا۔ سختی اسے بار بار
برائی کرنے کا عادی بنا دیتی ہے۔ تو اس کی نگہداشت اسوقت بھی
کر۔ جب کہ وہ بالکل بچہ ہے۔ اور اس وقت بھی جبکہ ابتدائے شباب
کی منزل میں قدم رکھ رہا ہے۔ اور اس وقت بھی جبکہ بھرپور جوانی کو
پہنچ گیا ہے۔ لیکن ہاں اس سے اس امر کی متوقع نہ ہو۔ جو اس کے
سن و سال کے لحاظ سے مشکل ہو۔ اور نہ اس بات کا
مطالبہ کر۔ جو اس کے بس میں نہ ہو۔ تو یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ پیدا ہی
کامل اور اکمل ہوا ہے۔ تو یہ نہ یقین کر لینا کہ وہ ہر اس بات کو
جو تو خواہش کرے۔ بغیر تدریجی کوشش و سعی کے پورا کر سکتا ہے
کیونکہ وہ موم کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کی تشکل و صورت ممکن اسی
وقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ تو اس سعی و کوشش کو عمل میں لائیگی۔
اگر تو اس کی اصلاح و درستگی کرے گی۔ تو وہ درست اور بہترین بن جائے
لیکن اگر تو اسے غفلت برتے گی۔ تو پھر اسے اپنے ہاتھوں سے
کھو دے گی۔

ہاں تو اس بات سے خوف کرتی رہ کہ مبادا تیرے ہاتھ کے
علاوہ غیروں کا ہاتھ اس کی طرف دراز ہو۔ تو اس کی تربیت کے
بارے میں غیر پر بھروسہ ہرگز نہ کر۔ اور تیری خدمت بجا لانے کے جو
فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں۔ اسے اس طرح ضائع نہ کر۔

اور تو اپنے سارے اوقات عزیز اپنی اولاد کی تربیت کے لئے وقف
کردے۔ کیونکہ تو صرف اسی کی خاطر عالم وجود میں بھیجی گئی ہے۔ اور
اللہ نے تجھے اولاد بخشی بھی۔ اسی لئے ہے۔ پس تو اپنے جواہرات کا
غیروں کو امانتدار نہ بنا۔ اور تو اس امانت سے غفلت اور بے پروائی
نہ کر جس کا امانتدار اللہ نے تجھے مقرر کیا ہے۔ ہاں تو اس امر کی احتیاط
بھی ملحوظ رکھ کہ تیرے بچے غیروں کے ساتھ میل جول اور اختلاط پیدا نہ
کریں۔ اگرچہ وہ قرابت مند ہی کیوں نہ ہوں۔ تو ملازموں اور نوکروں
پر بھی بھروسہ نہ کر۔ اور نہ اہمال و بے پروائی سے کام لے۔ کیونکہ
اس قسم کی کوتاہیوں کا نتیجہ بجز افسوس و ندامت۔ اور کچھ نہیں۔

بچہ ایک پھول ہے اگر یہ انہیں پھولوں کے خیابان میں رکھا گیا۔
جو خود بھی خوشبودار ہیں۔ تو اس کی تروتازگی اور خوشبو میں اضافہ ہوگا
لیکن اگر اسے خاردار کانٹوں میں ڈال دیا گیا۔ تو پھر اس کی ساری خوشبو
اور تروتازگی چوس لی جائے گی۔ اس کی خوشبو ضائع ہو جائے گی۔ اور پھر
جو کچھ کھویا جا چکا۔ اسے واپس لانا ناممکن ہوا۔ اور ان پھولوں کی ساری
لطافت و نفاست ختم ہو جائے گی۔ صرف ان کے کانٹے باقی رہ جائیں گے
اب بجائے ان کی خوشبو سے مشام جاں کو معطر کرنے کے انسان اسکی
بدبو سے نفرت کریں گے۔ اور اس کے کانٹے بڑھ کر انسانوں کے
ہاتھوں کو لہولہان پاؤں کو زخمی کریں گے۔

جب تو نے یہ باتیں جان لیں تو اے مادر مشفقہ! اپنے لڑکے
کی بابت اللہ سے ڈرتی رہ! اور اس کے دل میں اپنی محبت اپنی
زندگی میں بھی اور اپنے بعد کے لئے بھی جاں گزیں کر دے۔ اور
ہاں اے ماں تو اپنا نمونہ عمل اپنی حیات کے ہر شعبہ اور ہر دور سے
متعلق بہترین مفید اور قابل تقلید بچہ کے سامنے پیش کرتی رہ!
اے شفیق ماں! تیری مامتا اور شفقت اپنے بچے پر ہر اچھے یا برے
کام میں نہ ہونی چاہیے۔ تیری شفقت و مادرانہ محبت کی ضرورت

تو اس کی تربیت و تعلیم اور اس کے اخلاق کے سنوارنے میں ہے اور اس کی اصلاح و درستگی اور اس کی سیرت و کردار کی تعمیر میں بے پناہ محنت کی حاجت ہے۔

تو اپنی اندھی محبت اور نا عاقبت اندیش مامتا کو کام میں نہ لا بلکہ تو سراپا چشم بیدار اور مجسم حرکت و عمل ہو جا۔ اور اپنی ساری زندگی اور ہر لمحہ کو اپنے بچے کے لئے وقف کر دے۔

اے ماں! تو اپنے بچے کے اندر غیرت و خودداری کا بیج بو۔ استغنا کا سبق اس کے دل و دماغ میں راسخ کر دے۔ اور یہ ذہن نشین کر دے۔ کہ اپنی محنت سے حاصل کی ہوئی خشک روٹی کا ایک ٹکڑا اس خوان نعمت سے زیادہ بہتر ہے۔ جو دوسروں کی کوشش سے حاصل کیا ہوا ہو۔ تو اپنے بچے کو جہد و عمل اور سعی پیہم کا سبق سکھا اور اس کو جہاد مقدس کی تعلیم و تلقین کرتی رہ۔ علم کی راہ میں جہاد وہ علم جو علم کے لئے ہو۔ اور عمل کے لئے۔ اور اس کو یہ بتا کہ علم بنیاد ہے حقوق و فرائض کے پہچاننے کی۔ اور سب سے بڑا فریضہ توحید اور خدا پر ایمان و یقین ہے۔ اور اس کے احکام کی دل سے اطاعت۔ اور اس کے مناہی سے دور رہنا اور کتاب الٰہی کا احترام ہے اور پھر انبیاء کرام رسل وعلیہ السلام پر ایمان لانا ہے۔ اور یہ ذہن نشین کرا کہ علم کو محض روزی اور معاش کے لئے حاصل کرنا حاصل ہے اگر اس سے معاش حاصل نہ ہو بلکہ تحصیل علم تو انسانیت کی تعمیر کی خاطر ہونی چاہیئے۔ ہاں علم بلاشبہ تحصیل معاش میں رکاوٹ کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ معاون اور مددگار ہوتا ہے۔ واللہ الیٰ الغیث احرالعالمین۔

اے ماں تو اپنے لڑکے کو اس امر کا خوگر بنا کہ وہ دوسروں کی مدد کرے۔ لیکن خود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے۔ خود صدقہ و خیرات کرے۔ لیکن خیرات لینے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ سوال کی ذلت بہت بری بیماری ہے۔ ایسی سخت بیماری کہ جسکی دوا ہے اور نہ شفا ہے۔ وہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے وہ تمام ناکامیوں اور نامرادیوں کا سرچشمہ ہے۔

تو اپنے نونہال کے دل میں اخلاص کا بیج بو۔ اور اپنی عزت اور خودی کی حفاظت اسے سکھا وہ کاہلی و سستی اور بزدلی کا دشمن ہو اور شجاعت و جرأت اور ہمت و جواں مردی کا خوگر اور دوست!

اے ماں تو اپنے چہیتے بچے کو اس بات کی تعلیم دے کہ وہ منکسر المزاج فیاض اور اپنی خواہشات میں قناعت سے کام لینے والا۔ نیکی اور بھلائی میں سب سے سبقت لے جانے والا ہو۔ اس کے دوست زیادہ ہوں۔ دشمن کم ہوں۔ اس کے دل میں حسد و بغض کی نفرت بٹھا دے۔ اس کی روح میں سرگرم عمل ہونے کی تڑپ پیدا کر دے۔ لوگوں کی بھلائی چاہنا اسکی طبیعت ثانیہ بن جائے اور وہ دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے۔

اے ماں! تو اس کے سامنے ایک نیک مقصد ایک بلند نصب العین مقرر کر دے اور تو اس نیک مقصد کی روشنی سے اسکی آنکھوں کو روشن رکھ۔ اس نیک مقصد کی خوشبو سے اس کا مشام جاں معطر کر دے۔ اور تو اس کی زندگی کو مقصد کے حصول کے لئے وقف کر دے۔ کہ وہ تا زندگی اپنے نصب العین کا پرچم بلند کرنے کے لئے کوشاں رہے۔

تو اپنے بچے کے سامنے خدا کی کتاب اور حکمت و دانائی کے اس بیش بہا صحیفہ کو قرآن حکیم کو عملی زندگی کا محور قرار دے۔ اس کتاب کے متعلق زندگی کے ہر گوشہ و حیات انسانی کے ہر شعبہ میں صحیح رہنما ہونے کا کامل یقین دلا دے۔ اس کو تمام دینی علوم کا اصلی سرچشمہ بتا اور ہر درد اور دکھ کا مداوا اسی میں تلاش کرنے کی تعلیم و تلقین کر ساتھ ہی قرآن حکیم کی کی تشریح۔ یعنی

سیرت رسول امین و نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک زندگی اس کے قابل تقلید اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ ہونے کی تعلیم دے کیونکہ یہی ہمارے لیے صراط مستقیم کی طرف رہبری کرنے والا ہے۔ پس رسول مختار صلی اللہ علیہ کی سوانح حیات سے۔ اور آپ کی سیرت طیبہ سے اسے واقف کرا۔ اور آپ کو اسلام کی دعوت و تبلیغ میں جو مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچیں اور مشرکین اور اعداء دین نے جو جو مظالم ڈھائے اور آپ نے ان کو [illegible] نہایت [illegible] صبر و ثبات کو برداشت کیا۔ اور ان کے ساتھ کس خلق عظیم کا برتاؤ کیا۔ وہ بھی اپنے بچہ کو بتا۔

اے ماں! تو اپنے بچے کے سامنے ان [illegible] اعظم کے حالات بلیغ بیانی کا اور تفصیل سے بتا کہ دشمنوں کے حملے کے وقت [illegible] سے مقابلے کے وقت آپ [illegible] اپنے ہاتھ [illegible] آخر فتح و نصرت آپ کے قدم چوما کرتی۔

اے ماں! اس مصلح اعظم کے کارنامے اپنے بچے کو سنا [illegible] جس سے دنیا میں [illegible] عظیم پیدا کر دیا جس نے [illegible] زندگی [illegible] قانون [illegible] [illegible] سعادت کی [illegible] دنیا [illegible] کا [illegible] اور دلوں کو ایمان باللہ کی روشنی سے منور کر دیا جس نے [illegible] کے [illegible] دلوں کی [illegible] دور نہیں [illegible] اپنے ساتھ وہ نور ہدایت لے کر آیا جس کے سامنے باطل کی تاریکی نہ ٹھہر سکی۔ یعنی کتاب اللہ العزیز الحکیم اس کتاب نے لوگوں کے لیے زندگی کی راہیں کھول دیں۔ انسانی سوسائٹی کو امن و امانت کا نسخہ عطا کیا۔ اور روئے زمین کو تمام برائیوں بدکاریوں ظلم [illegible] اور فسق و فجور اور ہر قسم کی گندگیوں سے پاک کر دیا۔ اور پاکیزہ عادات اور شریفانہ معاملات کی تعلیم دے کر حیات جدید اور نئی زندگی سب کو بخشی۔ اور ایک بدترین قوم کو۔ جو ناکارہ محض تھی۔ دنیا کی سب سے زیادہ باکار اور برگزیدہ قوم بنا دیا ان میں روح جہاد پھونک دی۔ اور ان کو دنیا کی سب سے زیادہ بلند ہمت اور صاحب عزم و الایمان بنا دیا۔ ہمیشہ سب پر بازی لے گئے اور دینی دنیاوی ترقیوں کے معراج کمال پر پہنچ گئے۔

اے ماں! بہترین نصیحتیں رشد و ہدایت کی نصیحتیں ہیں۔ اور رسول نبی اللہ علیہ سے بڑا ہادی کون ہو سکتا ہے اور آپ کے اعمال سے بڑھ کر پاکیزہ اعمال اور آپ کی سیرت اور حیات طیبہ سے بڑھ کر پاک سیرت اور کس کی ہو سکتی ہے! اور حضور سے زیادہ بلند قدر اور منزلت میں۔ اور علم و فضل میں کون ہو سکتا ہے؟ تو اپنے بچے کو آپ کی زندگی پاک اور اعمال و اخلاق حسنہ سے روشناس کر اور وہ تمام باتیں بتا جو حضور صلے اللہ علیہ اور آپ کی سیرت طاہرہ سے متعلق ہیں۔ کیونکہ آپ کی پاک زندگی کا ایک ایک لمحہ وہ ہے۔ جس کی پیروی سے دنیا کی عظیم ترین شخصیتیں بنتی رہیں۔ اور جس کی تقلید کی تمنا بڑے بڑے سلاطین اسلام اور خلفائے راشدین کو رہی ہے۔ یہ وہ دستور اعظم اور قانون محکم ہے۔ جو تو تمام اور انسانی [illegible] کے لیے بہترین شاہراہ ترقی ہے۔ وہ بہترین نظام ہے۔ جو امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ اور دنیا و دین کی بھلائی بہتری و سعادت اور امن و راحت صرف اس قانون ربانی کی [illegible] سے وابستہ ہیں۔ اور یہی ایک راہ سیدھی اور راست اور سلامت روی کی راہ ہے۔

اے ماں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی طرف رجوع کر۔ تو اس کی جانب دل کی توجہ مبذول کر کہ آپ کی ہر ادائے حکیمانہ، آپ کی ہر تدبیر متین و محکم تھی۔ آپ اپنے احکام و اوامر میں نہایت نرمی سے کام لیتے۔ آپ مسلمانوں سے

سے باہمی مشورہ بھی فرماتے تھے۔ آپ محتاجوں کے داتا تھے۔ مریضوں کی تسلی دینے والے تھے۔ مصیبت زدوں کے کام آنے والے تھے۔ غریبوں کی مرادیں بر لانے والے تھے۔ اپنے پرائے کے غم کھانے والے تھے۔ چھوٹوں پر شفقت کرنے والے تھے۔ یتیموں کے درد دکھ میں تسلی دینے اور سرپرستی کرنے والے تھے۔ ہاں تو اپنے بچے کو ان واقعات اور حالات سے بھی مطلع کر۔ اور وہ باتیں بھی بتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور میدان جہاد میں ظہور پذیر ہوئیں۔ یعنی آپ کی باطل و کفر سے معرکہ آرائیاں۔ باوجودیکہ ان کی تعداد کثیر تھی اور آپ کی جماعت بہت قلیل تھی۔ دشمنوں کے پاس مادی سامان حرب بہت زیادہ تھے۔ لیکن آپ کی اور آپ کی جماعت کی ساری قوت صرف اللہ پر کامل ایمان و یقین اور اللہ کی مدد و نصرت پر پورا بھروسہ آپ کے اصلی سامان حرب تھے۔ اور یہ وہ قوتیں تھیں جنہوں نے دشمنوں کو بری طرح شکست فاش دی۔ اور فتح و نصرت نے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے قدم چومے۔

اے ماں! تو اپنے فرزند کو اس بات کی تعلیم دے کہ حیات اور زندگی صرف جہاد اور حق کے لئے سعی پیہم میں پوشیدہ ہے۔ یہ دنیا تو گذرگاہ ہے۔ ابدی اور دائمی گھر تو آخرت ہے پس ضروری ہے کہ منزل اصلی تک پہنچنے کے لئے سامان سفر جمع کر لیا جائے۔ اور اپنے اعمال صالحہ کا توشہ سفر آخرت کیلئے محفوظ رکھا جائے پس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنائے آپ کے طریق زندگی کو اپنے لئے شمع ہدایت قرار دے۔ آپکے نقش قدم پہ چلے۔ اور آپ کے احکام کی پیروی کرے۔ اور جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ان سے پرہیز کرے۔

اے ماں! تو اپنے بچے کو اس امر کی تعلیم دے کہ وہ صحابہ کرام اور انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم کا اتباع اور اقتدا کریں۔ اور تو ان کی پاک زندگی کے حالات اور سیرتیں ان کو سنا اور پڑھا۔ خلفاء راشدین کی سیرت و تاریخ کا جاننا رسول امین کی سیرت طیبہ کے بعد ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔ پھر اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالات و واقعات سے بھی باخبر کر۔ اور تو تاریخ اسلامی کو تمام اور قصہ کہانیوں پر مقدم سمجھ کہ اس کی بدولت اس کے قلب کی تعمیر ہوگی۔ اس کا دل حب و شجاعت کی آگ سے روشن ہو جائے گا۔ وا سلامی روح پیدا ہوگی۔ ہاں تو اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت پاک سے آگاہ کر۔ آپ کی سخاوت۔ آپ کا کرم وجود، آپ کی رسول اللہ کے ساتھ فدائیت و محبت اور آپ کی شجاعت اور اصابت رائے اور ایثار و قربانی کے واقعات اس کو بتا۔

اے ماں! تو اپنے لاڈلے فرزند کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت کی تعلیم سے بہرہ ور کر جن کے ذریعہ سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کی فوجوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور مشرکوں کو شکست فاش دی۔ بتا کہ آپ اپنی قوم میں "اسلام کی شمشیر براں" کے نام سے مشہور ہوئے۔

اے ماں تو اپنے دلبند کے سامنے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پاک زندگی کو بیان کر۔ اور آپ کے اسلامی خدمات جلیلہ سے آگاہ کر۔ آپ کا قرآن کو جمع کرنا اس کی محافظت فرمانا۔ اور آپکے ایثار اور آپ کی قربانی سے اسے باخبر کر۔

اے ماں! تو اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے لال کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حیات طیبہ سے باخبر کر جو علی جد رسول اللہ کے بھائی اور آپ کی لاڈلی بیٹی حضرت خاتون جنت بی بی فاطمہ

رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے ۔ وہ علی جو مدینہ علم کے دروازہ تھے
وہ علی جو تلوار اور قلم کے بادشاہ تھے !

اور ہاں تو حضرت امام حسین شہید کربلا کے واقعات سنا اور بتا کہ حق کے لئے اپنی گردن کٹا دینا ۔ اور باطل کے سامنے نہ جھکنا ۔ اور اسوۂ حسنہ کی تقلید کرنا ۔ ہر مسلمان نوجوان کا شیوہ ہونا چاہیئے۔

تو اپنے بچے کو بتا کہ کس طرح مسلمان عرب سے اٹھ کر چاردانگ عالم میں چھا گئے ۔ تو واقعہ تبوک سے اور حضرت خالد بن ولید کے فتوحات اور دوسرے مسلمان مجاہدین کے حالات ۔ ... کے فتوحات ... سے اپنے بچے کو آگاہ کر جن کے جہاد کی بدولت اسلام کا پرچم مصر و شام ، روم ، عراق ، ایران میں بلند ہوا ہاں پھر سندھ و ہندوستان کی سرزمین کی طرف بھی ایک نظر ڈال اور دیکھ محمد بن قاسم ایک سترہ سالہ نوجوان جس کی ابھی مسیں بھینگ رہی ہیں ۔ سمندر پار کرکے کفرزار ہند میں پہونچ کر اسلام کا علم بلند کرتا ہے اور فتح و نصرت اس کے قدم چومتی ہے ۔

اے ماں ! تو اپنے لاڈلے بچے کو بتا کہ دین اور وطن کے لئے قربانی اس کے حقوق کا پورا پورا احترام تجھ پر واجب ہے ۔ اس کا بجا لانا تجھ پر فرض عین ہے ۔ اور ان دونوں حقوق کے مجموعہ کے اندر تمام اچھی باتیں پوشیدہ ہیں ۔ اسی پر تہذیب و تمدن اور عمرانیات کا دار و مدار ہے ۔ اسی پر ہماری جیت موقوف ہے ۔ اسی میں ہماری کامیابی اور خوشحالی پوشیدہ ہے ۔ دشمنوں پر فتح پانے کی یہی ایک صورت ہے ۔ اسی سے باہمی اتحاد و اتفاق کی رسی مضبوط ہو سکتی ہے ۔ وحدت خیال کے اسی ایک ڈوری میں سب بندھ سکتے ہیں ۔ حق کی مدد ۔ کمزور کی امداد ۔ ظالم کے ظلم کا استیصال اور ان کے حرص و آز کے پنجہ سے نجات اسی پر موقوف ہے ۔ اور ہم اپنی مراد اور مقصد کو اسی کے ذریعہ پہنچ سکتے ہیں ۔

یہ وہ جوہر ہے ۔ جو قوموں اور افراد کے تاج میں بیش بہا ہیرے کی طرح چمکتا ہے ۔ جو بہادروں کے لئے سب سے بڑے اعزاز شرف کا موجب ہے ۔ پس اے ماں تو اپنے لال کو بھی اس عزت کے لال سے مالا مال کر دے ۔ اور تو ہمیشہ اس سعادت کے حصول پر اسے ابھارتی رہ ۔

اب تیرے فرزند کے لئے اس کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں ۔ جب تک وہ جوانی کی منزل میں قدم رکھنے کے وقت ایک خود دار صاحب حوصلہ ، بلند خیال پاکباز ، شیریں زبان پاکباطن خوش خلق ، منکسر مزاج ، امین و مخلص ، اور بلند ہمت نہ ہو ۔

اے ماں ! اپنے بچے کے متعلق ساری ذمہ داریاں تنہا تیری ذات پر ہیں ۔ جیسا کہ ایک مصری شاعر کہتا ہے :-

الام مدرسۃ اذا اعددتہا
اعددت شعبا طاہر الاعراق

اور شاعر مشرق اقبال فرماتا ہے ۔

حافظ رمز اخوت مادراں ! قوت قرآں و ملت مادراں

تو اپنے بچے کو شجاعت و مردانگی کا خوگر بنا ۔ اور وہ نہ تو خود کسی پر ظلم کرے ۔ اور نہ تو خود مظلوم بنے ۔ نہ تو زیادتی کرے اور نہ اپنے اوپر ظلم و زیادتی کو قبول کرے ۔ تو اس کو تمام حقوق و فرائض سے باخبر کر کہ وہ اس میں کوتاہی نہ کرے نہ تو خود بیجا عفو و درگذر سے کام لے ۔ اور نہ دوسروں کے حقوق تلفی کو پسند کرے ۔ باطل کا استیصال حق کی تلوار سے کرتا رہے ۔ صداقت کیلئے مرنے کی تڑپ دل میں رکھے ۔ بڑی سے بڑی طاقتوں اور شخصیتوں کے سامنے بھی اظہار حق سے خوف نہ کرے لومۃ لائم کی اسے ذرا بھی پرواہ نہ ہو جابر حاکم اور

ظالم و فرماں رواکی ہیبت سے اس کا دل نڈر ہو۔
وہ بڑوں کا احترام کرے۔ لیکن اپنی کسی کمزوری اور ضعف کی وجہ سے نہیں۔ وہ چھوٹوں کی عزت و توقیر کرے۔ لیکن کسی غرض و غایت کے پیش نظر نہیں۔ وہ صرف اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ اور کسی سے نہیں۔ اور اس کے صالح اور نیک بندوں میں ہو جائے۔

اے ماں! تاریخ عبرت اور سبق کے لئے بڑی اہم چیز ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کہا دنیا میں سب سے بڑی تاریخ جسے ہم آئیڈیل کے طور اپنے سامنے رکھیں۔ وہ ہمارے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ہے پس تجھ پر فرض ہے کہ تو اپنے بیٹے کو آپ کی سیرت پاک سے اور آپ کی قابل تقلید و لائق پیروی۔ زندگی کے ہر شعبے سے آگاہ اور باخبر کر دے۔ اور یہ اس کیلئے دنیا میں تمام نعمتوں سے بہتر نعمت اور تمام دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ اور اس کی لذتیں اور اس کے مزے دنیا کے تمام سیر تماشوں سے زیادہ بڑھ کر ہیں۔ پر افسوس تو یہ ہے کہ لوگ اس کی بجائے اپنے بچوں کو مخرب اخلاق تماشوں سینما اور تھیٹروں۔ ناچ گھر اور دوسری ناپاک جگہوں میں بھیجتے ہیں۔

اے ماں! مجھ سے تیرے فرزند کی تربیت کے متعلق جو معاونت اور مساعدت ہو سکتی تھی۔ وہ میں نے کر دی۔ میں نے تمام نشیب و فراز اور اونچ نیچ سے تجھے باخبر کر دیا۔ اب سب سے پہلے تجھے اسکی جانب پورا دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب تو بھی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے سرگرم عمل ہو جا!

ہاں یہ تمام باتیں صرف اولاد ذکور اور لڑکوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ لڑکیاں اور بھی زیادہ لائق التفات اور ہماری توجہ کی مستحق ہیں۔ یہ زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ ہے۔ برائیاں اور خرابیاں پھیل رہی ہیں۔ اور اچھائیوں پر غالب آ رہی ہیں۔ مسلمان خاتون کو بے پردہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی قیمت گھٹائی جا رہی ہے۔ اس کی قدر و منزلت کو گرایا جا رہا ہے۔ پس اے ماں تجھ پر واجب ہے کہ اس نازک عہد میں تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی پاک زندگی کی طرف رجوع کر۔ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے اسوۂ زندگی کو اپنی بچیوں کیلئے نمونہ اور آئیڈیل قرار دے حضرت عائشہ کی فراست دینی، تفقہ اور علمی و عملی بزرگی سے انہیں آگاہ کر اور دوسری برگزیدہ خواتین اسلام کے حالات اور واقعات زندگی ان کی دینی اور اسلامی خدمات سے انہیں باخبر کر۔ کہ وہ علم و ادب وقار و ذہانت، خودداری و عصمت، بزرگی، دینداری اور حمیت و غیرت کے ساتھ ساتھ وسعت معاملات اور علم و عمل کے کس بلند مقام پر تھیں۔

تو بھی اپنی بچی کو عزت و شرف کی محافظت کا درس دے اور خودداری و غیرت کا سبق سکھا۔ تو بھی اسے یہ بتا کہ عفت و عصمت آبرو اور عزت ایک مسلمان خاتون کے سر کا تاج ہے۔ اگر اس نے اس گوہر کی حفاظت کی تو دنیا میں ہمیشہ اس کا سر اونچا رہے گا مبادا اس موتی میں ذرا بھی بال آیا۔ تو وہ ایسی ذلت و خواری کے گڑھے میں گرے گی۔ کہ اس کے بعد اٹھنا ممکن ہی نہیں۔ اور اس کا اثر اس کی اولاد اور آئندہ نسلوں تک منتج ہو گا۔ اور یہ داغ کبھی مٹ نہیں سکتا اگرچہ صدیوں اور سالہا سال اس پر گزر جائیں۔

اے ماں! تو اپنی لاڈلی بچی کو اس کے دینی فرائض کی تعلیم دے اور تو اسے اسکے والدین کا حق اسکے شوہر کے حقوق و فرائض اسکی اولاد کے حقوق اور تمام لوگوں کے حقوق سے باخبر کر کیونکہ لڑکی پر لڑکوں سے زیادہ ذمہ داریاں ہیں اے ماں! تو نے سمجھ لیا کہ یہ تیرا فرض منصبی ہے جو تیری گردن میں بطور امانت الٰہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تو اپنے فرض منصبی سے پوری طرح عہدہ برآ ہو گی اور اپنے واجبات اور فرض منصبی کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام تک پہنچائے گی۔ اللہ تیری مدد فرمائے خبردار! اپنی اولاد کو زمانہ حاضر کی زہر یلی سانپوں کا شکار نہ ہونے دینا!۔

خاص نمبر ۱۹۴۰ء

(از حضرت حمید عظیم آبادی)

خاص نمبر سہیل کا دیکھا — ہر ورق روشن و منور ہے
ہے طباعت بھی دیدہ زیب و نفیس — اور کتابت بھی جس کی بہتر ہے
لفظ جتنے ہیں وہ دُرِ خوش آب — جس کی ہر سطر سلکِ گوہر ہے
جتنے مرکز ہیں کہکشاں ہیں سب — نقطہ نقطہ جوابِ اختر ہے
ہیں مضامین نثر بھی اعلےٰ — ایک سے ایک نظم بہتر ہے
پڑھ کے جس کو سرور حاصل ہو — جس کا ہر شعر روح پرور ہے
ہے جو موزوں کلام کی ترتیب — طبعِ موزوں کا یہ بھی جوہر ہے
ہیں مدیر اس کے عارف و قیصر — پبلشر نکتہ سنج، اختر ہے
کاوشیں ان کی لائقِ تحسین — قابلِ داد خاص نمبر ہے
اور خلوصِ جناب بسمل میں — کامیابی کا راز مضمر ہے
آپ ہیں منبعِ کمال و خلوص — آپ کا خلق لطف پرور ہے
آپ کے سائے میں چڑھے پروان — یہ دعائے حمیدِ احقر ہے
آسمانِ ادب کی تابشِ نو — کہہ رہی ہے سہیل اختر ہے
آج اختر ہے کل بنے گا مہر — تذکرہ ہر طرف یہ گھر گھر ہے
اک برس میں عروج و اوج ایسا — یہ بھی فضلِ خدائے اکبر ہے
سالِ تاریخ کی ہوئی جو فکر — کہا ہاتف نے کیوں تو مضطر ہے
عیسوی سن میں لکھ دے یہ تاریخ — دُرجِ اختر ہے مہرِ انور ہے

۱۹۴۰ء

اس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا:۔

"کیا کام مل گیا؟"

ہاں کچھ نہ کچھ تو مل ہی گیا۔ تم جانتی ہو اس کا کیا نام ہے۔ ممتاز۔ وہ آجکل برن کمپنی میں پندرہ مزدوروں پر میٹھ ہے نا۔ اسی نے مجھے اپنے کارخانے میں چار روپے ہفتہ پر نوکر رکھوا دیا ہے۔ ترقی کی تھوڑی بہت امید ہے"

"خدا بھلا کرے ممتاز کا" رفیق نے دعا اور شکر کے مخلوط جذبہ سے متاثر ہو کر کہا۔

"یہ تو" شیرا نے ہنستے ہوئے رفیق کی ہتھیلی پر دو روپے رکھ دیے۔

"یہ کیا؟" رفیق کی آنکھوں میں تعجب ناچ رہا تھا۔

"بابو جی نے دو روپے پیشگی دیے ہیں۔ باقی دو روپے ہفتے کے ختم پر ملیں گے"

ہفتے میں چار روپے یعنی روزانہ آٹھ آنے۔ اس پر شیرا اور اس کے چھ بچے اور حاملہ رفیق۔ انسانوں کی اس کثیر تعداد کے لئے اتنی قلیل رقم کیا حیثیت رکھتی تھی۔ پھر بھی رفیق نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کے خاندان میں خوش حالی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

یہ دو روپے جو رفیق کو ابھی ابھی شیرا سے ملے تھے اس بھاری خاندان کے لئے بڑی قدر و قیمت رکھتے تھے۔ اس روز شیرا کو روٹی اور دال میں بڑا ہی مزا آ رہا تھا۔

(۲)

دو سال تک کام کرنے کے بعد شیرا کی تنخواہ چھ روپے ہفتہ ہو گئی۔ اس کے لئے یہ بڑی عظیم الشان ترقی تھی۔ لیکن دوسری طرف قدرت بھی مزید فیاضیوں پر تلی ہوئی تھی۔ تنخواہ میں اضافہ کے ساتھ ساتھ شیرا کے خاندان میں دو بچوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ یعنی اب پورے آٹھ ہو گئے۔ تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے۔ اس پوری آبادی کی قیام گاہ صرف ایک تاریک کوٹھری تھی۔ اور وہ بھی کرایہ کی۔ ہفتہ میں ایک روپیہ مالک مکان لے جاتا تھا۔ باقی پانچ روپے میں بڑی مشکل سے چلتے نفوس کی روٹی چل رہی تھی۔

رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ شیرا کی اولاد کی عمریں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس کی سب سے بڑی لڑکی چندا اب تیرہ سال کی ہو چکی تھی اور رفیق کو روٹی کے ساتھ چندا کی شادی کی بھی فکر لاحق ہو گئی۔ غریب مزدور کی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے کون تیار ہوتا ہے؟ بڑے بڑے گھرانوں میں تو لڑکیاں آجکل بڑی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں۔ لیکن شیرا کے احساسات میں اب تک پرانے زمانے کی خودداری بھی ملی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زمانہ خراب ہے۔ نہ جانے کب میری لڑکی کو بدنام کر دے۔ کوئی جھوٹ ہی کہہ دیگا تو میں اس کا کیا کروں گا۔ غریبوں کو بدنام ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اور امیروں کے ہزاروں عیب ان کی دولت کے زریں پردے میں چھپ جاتے ہیں۔ ان پر کوئی انگلی بھی نہیں اٹھاتا اور غریبوں کو یوں ہی لوگ ذلیل سمجھتے ہیں۔ غربت اور افلاس ہی اس دنیا میں سب سے بڑی رسوائی کا نام ہے۔

انہیں خیالات کی الجھنوں میں اور چندا کی شادی کی ادھیڑ بن میں شیرا کے دن گذرتے گئے۔ روزانہ رفیق ایک مرتبہ تقاضہ کر کے اپنا فرض ادا کر لیتی تھی۔ ایک دن گھبرا کر اس نے کہا:۔

"سنتے ہو جی! جوان لڑکی کو کب تک گھر میں بٹھا رکھو گے؟ کچھ نہ کچھ تو بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ اب کے محرم میں چودہ برس کی ہو جائیگی دن گذرتے دیر نہیں لگتی۔ میری شادی تو بارہ برس ہی کی عمر میں ہو گئی تھی۔ مزدور کی لڑکی آخر مزدور ہی سے بیاہی جائے گی۔ کوئی راجہ مہاراجہ تھوڑے ہی بیاہ لے جائے گا۔ ممتاز تم پر مہربان ہے۔ اس سے ذکر کیوں نہیں کرتے؟ اس کے ہاتھ میں بہت سے مزدور لڑکے ہیں۔ کوئی تو اس کی بات مان لے گا۔ تم سے نہ ہو تو ممتاز کو یہاں بلا لاؤ میں خود ہی بات چیت کر لونگی"

اس کے جواب میں شیرا اچھا کہکر چپ ہو گیا۔

(۳)

اسی طرح ایک سال اور گذر گیا۔ چندا اب پورے پندرہ سال کی ہو گئی

میں تمہیں رانی بنا کر رکھوں گا۔ رانی!

ممتا کی تجویز چندا کو پسند آگئی۔ یہ خیال کہ چندا رانی بنے گی۔ بھولی بھالی اور ناتجربہ کار چندا کے لئے ایک جام شراب بن گیا۔ وہ مستقبل کے خوش آئند خواب دیکھنے لگی۔ اور چند روز کے بعد ایک رات کو جب تمام گھر والے غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ چندا ممتا کے ساتھ فرار ہو گئی۔

(۴)

اس حادثے نے شیرا کو بے حد غمگین بنا دیا۔ رفیقن کبھی دکھ سے خاموش اور کبھی چڑچڑی رہنے لگی۔ وہ زندہ اب بھی تھے اور چلتے پھرتے تھے۔ لیکن دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ جوں جوں ان کے بچوں کی عمریں بڑھتی جاتی تھیں ان کی مفلسی اور تنگ دستی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ابھی شیرا اور رفیقن کا پہلا زخم ہرا ہی تھا کہ ان کا سب سے چھوٹا لڑکا ٹائیفائڈ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ غریبوں کے لئے کثرت اولاد اور افلاس لازم و ملزوم ہیں۔ علاج کہاں سے ہوتا؟ مریض بچہ جو ان کو بہت پیارا تھا چند روز میں چل بسا۔

کسی فلسفی نے سچ کہا ہے کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ بھاگنے والی چندا اور مرنے والے بچے کے غم نے ابھی شیرا اور رفیقن کی آنکھوں کا آنسو خشک نہیں ہونے دیا تھا کہ گاؤں سے شیرا کی بہن کے بیوہ ہونے کی خبر آئی۔ اور چند روز کے بعد ہی اس کی بہن نوری اپنے پانچ فاقہ کش بچوں کے ساتھ اس کے گھر میں پناہ گزین ہو گئی۔ بھائی کی طرح بہن بھی کثرت اولاد اور افلاس کی مصیبتوں میں مبتلا تھی۔ دو کی اتفاقی کمی ہو جانے کے بعد بھی شیرا کے گھر میں ابھی آٹھ آدمی موجود تھے۔ اور اس پر نوری اور اس کے بچوں کو ملا کر چھ چھ کا اضافہ ہوا تو سب کے سب چودہ ہو گئے۔ ایک شیرا اور اتنا بڑا بار۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک کا منہ سونے سے بھر دیا جا سکتا ہے لیکن دس کا منہ خاک سے بھی بھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مکان کا کرایہ ادا کرنے کے بعد صرف پانچ روپیہ فی ہفتہ کی آمدنی اور اتنا بڑا خاندان! آخر یہ بار گراں شیرا سے برداشت نہ ہو سکا فکر سرا سیمگی، فاقہ کشی رنج و غم نے شیرا کی صحت خراب کر دی۔ اسے بخار رہنے لگا۔ چند ماہ تک تو وہ کسی طرح اپنے بیمار و ناتوان جسم کو کھینچ کر کام چلاتا رہا۔ بالآخر ایک دن بستر پر پڑ ہی گیا۔

رفیقن صحیح معنوں میں اسکی رفیقۂ حیات تھی۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ اور شوہر کی خدمت میں شب و روز مصروف رہنے لگی۔ اسی طرح کئی دن گذر گئے۔ شیرا اس کنبہ کا ان داتا تھا۔ اسکی صحت کے لئے رفیقن اور نوری نے بہت دعائیں مانگیں لیکن شیرا کا پیمانۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا۔ وہ دعاؤں سے بھی اس کی موت کے معین وقت کو نہ ٹال سکیں۔ ایک رات شیرا نے مرض الموت کی شدید تکلیف سے کراہتے ہوئے پکارا۔

سنتی ہو؟"

رفیقن قریب ہی بیٹھی ہوئی قسمت کو رو رہی تھی۔ جھک کر بولی۔

"کیا تکلیف زیادہ ہو رہی ہے؟"

نہیں! تکلیف...... اب تو تکلیف کے ختم ہونے کا وقت آگیا ہے۔ رفیقن! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں سکھ نہ پہنچا سکا۔ قدرت غریبوں کو کبھی سکھی ہونے نہیں دیتی۔ میرا خاندان بھی بڑا ہے اور اولاد بھی بہت ہے۔ میرے بعد اتنے آدمیوں کا کیا حال ہو گا؟ یہی خیال مجھے آسانی کے ساتھ مرنے نہیں دیتا۔ کاش میری اولاد اتنی تعداد میں نہ ہوتی

رفیقن نے بے تاب ہو کر کہا۔

ایسی باتیں نہ کرو۔ حکیم جی کہتے تھے کہ دو چار دن میں اچھے ہو جاؤ گے۔"

اتنا کہتے کہتے رفیقن کا دل بھر آیا۔ وہ انتہائی ضبط کے باوجود بھی رونے لگی شیرا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "رفیقن" اور جھکی ہوئی رفیقن کی پیٹھ پر اپنا برف زیادہ ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا۔ شیرا کی گردن ڈھلک گئی۔ دم توڑ دیا۔ رفیقن بیہوش ہو گئی صبح کے وقت شیرا کا خاندان ہولناک تاریکی میں مبتلا ہو گیا۔ چند روز کے بعد رفیقن نوری اور دونوں کے چھوٹے چھوٹے فاقہ کش بچے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے نظر آئے شیرا کی دنیا ختم ہو گئی۔ اور کثرت اولاد نے عزت و خودداری کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اگر شاخ کو کثرت نے ثمر کی دنیا میں گراں باری اولاد غضب ہے

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح

فرماتے ہیں

تمہاری سیاسی برتری تمہاری تنظیم میں پوشیدہ ہے

ہم بھی یہی کہتے ہیں

تمہاری اقتصادی ابتری صرف تمہارے انتشار کے سبب سے ہے

دولت کی فراوانی

"اگر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے بیسوں کو منظم شکل میں کچھ کرنے دو"

شیر بنگال مسٹر اے کے فضل حق

لینگرین سیمنٹ فیکٹری کے ہیڈ آفس کے معائنہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"میں بلا تامل کہونگا کہ اس آفس کے تجارتی ماحول سے میں بیحد متاثر ہوا اس کے ارباب اقتدار کافی دور اندیشی سے کام لے رہے ہیں اور اعلیٰ تجارتی اصول پر عمل نظر آتے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ہو کر رہیں گے اور مجھے توقع ہے کہ مستقبل قریب میں یہ مارکٹ میں اپنا قدم جمالیں گے۔"

ہمارے شیر آرگنائزرس میسرس رحمن برادرس کا آفس پٹنہ میں سائنس کالج کے سامنے کن کن منسٹر ہیں ہیں کمپنی کے متعلق مفصل معلومات، پراسپکٹس و دیگر کاغذات آپ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے ساتھ اپنے بیسوں کی بھی تنظیم کیجئے حصے تیزی کے ساتھ بکتے چلے جارہے ہیں۔

جلد درخواست کیجئے

ملتا نہیں جس کی جستجو ہے

(پروفیسر عبداللطیف تپش ایم اے ملتان)

خونابہ فشاں رگِ گلو ہے — یہ رنگ شہید آرزو ہے
پھر دستِ جنوں ہی مشغلہ جو — پھر چاک کو حاجتِ رفو ہے
ایک ایک کی شکل دیکھتا ہوں — ملتا نہیں جس کی جستجو ہے
تصویر میں کیا دھرا ہے اس کی — جو کچھ بھی ہے اے خیال تو ہے
اظہارِ وفا نے شکل بدلی — پانی نہیں آنکھ میں لہو ہے
گل ریز ہیں نغمہ ہائے بلبل — کیا نشو و نمائے رنگ و بو ہے
منہ پھیر کے ہنس دیے تپش وہ — یہ دیدۂ ترکی آبرو ہے

جذبات اسلم

(حضرت ایم اسلم لاہور)

یہ جو سوز ہے یہ جو ساز ہے مری زندگی کا یہ راز ہے — یہ کلیسا ہے درِ عرش کی یہ ہی میرے دل کی نماز ہے
ترے عشق میں جو فنا ہوئے وہ حیاتِ سرمدی پا گئے — ہوئی موت ہی مجھے زندگی تو عجب کرشمہ نواز ہے
وہی زندگی مجھے موت ہے کہ جو موت سے نہ ہو آشنا — یہ جنونِ عشق کی ہے سزا شبِ غم جو میری دراز ہے
کبھی عیش دے کے ہنسا دیا کبھی درد دے کے رُلا دیا — کروں کس سے شکوہ میں ایخدا یہ فلک بھی شعبدہ باز ہے
میں گناہ سے جو نہ بچ سکا تو پھر اس میں میری ہے کیا خطا — مجھے بندگی پہ ہے ناز کچھ تیری شان بندہ نواز ہے
مجھے آبرو پہ تھا ناز کچھ وہی لے کے آیا ہوں نذر کو — نوا ہی کو آج قبول کر ترے نام کی یہ نیاز ہے

ترکوں کی علم نوازی

از جناب گلاب چاند بی۔ اے

ایلخانی دور کے مشاہیر علما و ادبا کا ذکر ناظرین سہیل کی خدمت میں پیش کرچکا ہوں تیموری عہد کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر ایلخانی دور اور حملۂ تیمور کے درمیانی پینتالیس سال کے وقفہ پر بھی ایک نظر ڈال دینا نامناسب نہیں معلوم ہوتا اس سے ایک تو تسلسل قائم رہے گا۔ دوسرے ان دنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ابوسعید کے مرنے کے بعد ایلخانی دربار میں دو اشخاص بہت ممتاز نظر آتے ہیں ایک حسن بزرگ اور دوسرا حسن کوچک حسن بزرگ تاتاریوں کے جلایر قبیلہ کا ایک فرد تھا اور نسبتاً ہلاکو خاں سے تعلق رکھتا تھا۔ ایلخانی حکومت محض برائے نام رہ گئی تھی اور صحیح معنوں میں اقتدار درباری امرا میں چلا گیا تھا۔ ابوسعید کے مرتے ہی امیرالامرا کے منصب کے لئے دونوں حسنوں میں معرکہ آرائیاں شروع ہوگئیں۔ اس جنگ و جدل میں حسن بزرگ کامیاب رہا۔ ابوسعید کے بعد تقریباً سب بادشاہ اسی کے ہاتھوں میں کٹھپتلی کی حیثیت رکھتے تھے سنہ ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء میں جب ایلخانی حکومت بالکل بے دم ہوگئی تو اس نے ایک خود مختار جلایر حکومت کی بنیاد رکھی۔ اور بغداد کو دارالخلافہ قرار دیا یوں تو یہ حکومت چھپن سال تک قائم رہی لیکن نام کے دو ہی حکمران کے قابل ذکر ہیں۔ پہلا تو یہی حسن بزرگ جس نے بیس سال خود مختارانہ فرمانروائی کی۔ اور دوسرا اس کا بیٹا سلطان اویس۔ اویس کے بعد ہی حکومت میں کمزوری آگئی اور سنہ ۸۰۴ھ مطابق سنہ ۱۴۱۱ء میں تیمور نے اس حکومت کا خاتمہ کردیا۔

سیاسیات میں جلایر خاندان چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن دنیائے ادب میں اس کا درجہ کافی بلند ہے۔ خصوصاً سلطان اویس کہ علم پروری کے علاوہ خود بھی علوم و فنون میں کمال رکھتا تھا۔ اسی دور کے مشہور شاعر سلمان ساوجی اسی دربار کے خوان کرم کے پروردہ ہیں۔ یہ وہی سلمان ہیں جن کی شان میں خواجہ حافظ فرماتے ہیں:۔

سرآمد فضلائے زمانہ دانی کیست　　　　زراہ صدق و یقین نہ زراہ کذب و گماں

شہنشہ فضلا پادشاہ ملک سخن　　　　جمال ملت و دیں خواجۂ جہاں سلماں

جمال الدین محمد سلمان بن علاءالدین محمد اگرچہ غزل۔ قطعہ۔ رباعی۔ مثنوی۔ غرض کہ تمام اصناف سخن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لیکن درحقیقت یہ قصیدہ نگاری کے مرد میدان تھے۔ اور اگر یہ قصیدہ گویان ایران کی صف اولین میں جگہ پانے کے مستحق۔ اس دربار کے شعرا میں دوسرا ممتاز نام کمال خجندی کا ہے۔ لیکن شاعری سے زیادہ یہ ایک صوفی کی حیثیت سے مشہور ہیں سلطان اویس کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کا پورا نام کمال الدین مسعود خجندی ہے۔ خواجہ حافظ اور مولانا جامی دونوں نے ان کی تعریف کی ہے۔

خواجہ حافظ شیرازی کا تعلق بھی اسی دور سے ہے۔ انہیں مبارزالدین محمد مظفر کے دربار سے تعلق تھا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ جب محمد مظفر نے شیراز فتح کیا تو انہیں بھی اس کے دربار سے متعلق ہوجانا پڑا۔ خواجہ صاحب کے متعلق کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔

لیکن بالکل نظر انداز بھی کیسے کیا جائے؟ نام شمس الدین محمد حافظ مولد و مسکن شیراز ہے۔ دفن بھی اسی ارض پاک میں ہوئے۔ مصلیٰ میں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے جو حافظیہ کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان بابر کے وزیر محمد معمائی نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ حافظ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ زندگی ہی میں ان کی زمزمہ سنجی چہار دانگ عالم میں گونج گئی تھی۔ ہندوستان تک کے سلاطین نے ان کے پاس خطوط شوق بھیجے اور ملاقات کی آرزو ظاہر کی لیکن وطن عزیز کو چھوڑنا انہوں نے پسند نہ کیا۔ اور آب رکنآباد و خاک مصلیٰ کی جدائی گوارا نہ کی سلطان محمود بہمنی کی طلبی کا جواب اس غزل سے دیا۔

دمے با غم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد   بمے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است   کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد

سلطان غیاث الدین فرمانروائے بنگالہ نے بھی شوق ملاقات ظاہر کیا تھا اور ایک مصرعہ طرح بھی بھیجا تھا۔ خواجہ صاحب شیراز چھوڑنے کے لئے تو تیار نہ ہوئے لیکن غزل بھیج دی چند اشعار ملاحظہ ہوں

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود   ویں بحث با ثلاثۂ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند   زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
طی مکاں ببیں و زماں در سلوک شعر   کایں طفل یک شبہ رہ یک سالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں   خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

مشہور ہے کہ ابتدا میں خواجہ صاحب کی غزلیں بہت کمزور ہوتی تھیں اور سخن سنجان شیراز انہیں خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں کا طعن و تشنیع اتنا بڑھا کہ انہیں بھی ضد ہو گئی اور بعض لوگوں کی آن پر شعر گوئی میں کامیابی کے لئے بابا کوہی کے مزار پر چلہ کشی شروع کر دی۔ آخر چالیس روز کے بعد فیض حاصل ہو گیا۔ صبح جو غزل کہی تو یہ انداز تھا ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند   واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

تیمور کے ساتھ بھی ان کا ایک لطیفہ بہت مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور نے جب شیراز فتح کیا تو انہیں بھی طلب کیا اور پوچھا کہ خواجہ صاحب! یہ کیا ظلم ہے، ہم تو سمرقند و بخارا کو سنوارنے کیلئے دنیا کو ویران کر رہے ہیں اور آپ محض ایک "خال" پر اسے قربان کئے دیتے ہیں؟ خواجہ صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اسی سخاوت نے تو مجھے آج یہ دن دکھائے ہیں۔ حاشیہ آرائی اس شعر پر کی گئی ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را   بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یہ لکھنا فضول ہے کہ تاریخی حیثیت سے دونوں لطیفے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

عموماً خیال کیا جاتا ہے۔ کہ یورپ نے مشرقی شعرا میں صرف خیام کی قدر کی ہے اور دوسروں کو قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے دوسروں کے متعلق ممکن ہے یہ قول سچ ہو۔ لیکن جہانتک حافظ کا تعلق ہے میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ہی یورپ کی کوئی ایسی زبان ہو جس میں کلام حافظ کا ترجمہ موجود نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ یورپ میں خیام زبان زد خاص و عام ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ خیام پرستی نہیں بلکہ FITSGERALD کی جادو بیانی ہے۔ افسوس کہ یورپ حافظ کے لئے کوئی (GERALD) پیدا نہ کر سکا

ورنہ ناممکن تھا۔ کہ حافظ کی "راہ" کے سامنے خیام کی "آہ" فروغ پاتی۔ مس گرٹروڈ لوتھین بیل (MISS GERTRUDE LOWTHIAN BELL)
ہرمن بکنیل (HERMAN BICKNELL) اور والٹر لیف (WALTER LEAF) کے منظوم تراجم تو ہیں نہیں ان سے جو [illegible]
(GERALD) کی بات پیدا نہ ہوسکی۔ MENISKI (LATIN 1680) WILLIAM JONES (FRENCH 1792) WILLIAM JONES
(FRENCH 1722), REVISKI (LATIN 1717) THOMAS HYDE (LATIN 1767) BODENSTEDT (GERMAN 1877) WAHL (GERMAN 1791) کے تراجم کو
دیکھتے ہوئے کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ یورپ والوں نے حافظ کی قدر نہ کی؟

گو شتہ ذکر بھی حافظ کا بیان کچھ طولانی ہوگیا۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حافظ کا تعلق شاہانِ مظفریہ دربار سے تھا۔ بانی خاندان کا نام شرف الدین مظفر ہے۔ لیکن حکومت کی بنیاد مبارز الدین محمد نے رکھی تھی۔ [illegible] یزد کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب طائف الملوکی کا دار دورہ ہوا تو ۷۳۴ھ میں یہ بھی خود مختار ہوگیا اور [illegible] صوبے بھی فوج کشی کرکے اپنی سلطنت میں ملا لئے تھے۔ [illegible] اس کے لڑکے شاہ شجاع نے بغاوت کرکے اسے گرفتار کرلیا اور دونوں آنکھیں نکال دیں۔ یہ وہی شاہ شجاع ہے جس کی مدحت میں حافظ شیراز [illegible] شاہ شجاع سے [illegible] تک حکومت کی حالت سنبھلی رہی۔ لیکن اس کے بعد ہی خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور حکومت کے شیرازے بکھرنے لگے۔ ۷۹۵ھ میں اس حکومت کو تیمور کے ہاتھوں جانکنی سے نجات ملی۔

مولانا معین الدین یزدی کا تعلق بھی اسی دربار سے تھا ان کی تاریخ مواہب الٰہی خاندانِ مظفر کے حالات کے لئے مستند سمجھی جاتی ہے لیکن چونکہ صاحبِ تاریخ کی وفات ۷۸۹ھ میں ہوگئی اس لئے حکومت کی یہ مکمل تاریخ نہیں ہے۔

اس دور کی تیسری قابلِ ذکر حکومت فرت نہ یہ اں کی ہے۔ بانی خاندان کا نام تاج الدین تھا لیکن حکومت اس کے لڑکے شمس الدین سے شروع ہوئی۔ منگوں خاں ایلخانی نے شمس الدین کو ہرات۔ جام۔ مرو۔ سیستان اور کابل کی نظامت عطا کی تھی لیکن کسی وجہ سے اباقاآن خان اس سے ناراض ہوگیا اور زہر دلوا کر اسے مروا ڈالا۔ لیکن حکومت بدستور اس کے لڑکے رکن الدین کے ہاتھ میں رہنے دی۔ مغلوں کی حکومت جب کمزور ہوگئی تو اوروں کی طرح فرت بھی خود مختار ہوگئے۔ اس خاندان کے ساتویں فرمانروا ملک معز الدین نے سربہ داروں کی حکومت پر حملہ کرکے اسے بھی اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ فرت حکومت کا خاتمہ بھی تیمور ہی نے کیا۔

سربہ داروں کی ایک چھوٹی سی حکومت سبزوار میں قائم تھی۔ لیکن اس کی حالت ایسی تھی کہ مورخین اسے حکومت ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں مشہور شاعر ابن یمین انہیں سربہ داروں کے درباری شاعر تھے۔ لیکن آخر میں فقر و قناعت کی طرف ہوگئے اور شاہی تعلقات سے کنارہ کرلیا۔ یہ شاعری میں اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اس میں قناعت اور خودداری ان کا مخصوص انداز ہے۔ اور چونکہ قال حال کا آئینہ دار ہے۔ اثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

اس طرح تقریباً پینتالیس سال تک ایران میں طائف الملوکی کا دار دورہ رہا۔ مندرجہ بالا سطور میں اس زمانہ کی متعدد حکومتوں میں چار کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حکومتیں تقریباً برابر ہی ایک دوسرے سے لڑتی جھگڑتی رہیں۔ ان کی اندرونی حالت کا بھی یہی نقشہ تھا۔ یہاں بھی تخت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے خانہ جنگیوں کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ اس طوفان بے تمیزی

ایران کو پھر اُس وقت نجات ملی جب تیمور نے پورے ملک پر قبضہ حاصل کرکے ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھ دی تیمور کا حملہ ۱۳۶۹ء سے شروع ہوا اور ۱۳۹۲ء تک قائم رہا۔

سیاسی نقطہ نظر سے تو یقیناً ایران کے لئے یہ پستی کا دور تھا۔ لیکن جہاں تک علم و ادب کا تعلق ہے خلاف توقع اس کا اثر بہت اچھا پڑا۔ اور بجائے بدحالی کے ان میں کافی نشو و نما ہوئی۔ اور یہ صرف اسی دور کے لئے درست نہیں ہے بلکہ جب جب ملک میں طائف الملوکی کی وبا عام ہوئی۔ ادب و انشا اس سے مستفید ہوئے بغیر نہ رہی۔ آزادی۔ خود اعتمادی۔ خودداری بلند نظری اور علو حوصلگی تو تمام و کمال انہیں منموج ادوار کی رہین منت معلوم ہوتی ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ادبا اور شعرا جو دربار شاہی سے متعلق ہوتے ہیں عموماً اپنا زور قلم سلاطین وقت اور امرا عصر کی مدح سرائی اور خوشامد میں صرف کر دیتے ہیں آزادی بے باکی اور حق گوئی جو زندہ ادب کی روح ہے۔ ان کے یہاں خال خال نظر آتی ہے۔ اور آمد سے زیادہ آورد کا اثر ان کے تخیلات و افکار پر کار فرما رہتا ہے۔ اس کے برخلاف مضبوط مرکزی حکومت کی عدم موجودگی میں۔ چونکہ ایسا کوئی دباؤ نہیں رہتا۔ ادیب یا تو دربار شاہی سے بالکل بے نیاز ہو کر فطری جوش اور محض ندرت ادب کے ارفع و عالی ذوق کے سبب خامہ فرسائی کرتا ہے۔ یا اگر کسی دربار سے متعلق بھی رہا تو چونکہ ملک میں ویسی متعدد حکومتیں موجود رہتی ہیں۔ اور اسے اطمینان رہتا ہے کہ اگر یہاں قدر نہ ہوئی تو دوسرے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کا قلم حقیقت نگار پابندیوں سے کافی حد تک آزاد رہتا ہے۔ اور قدم قدم پر مآل اندیشی اس کی دامنگیر نہیں ہوتی رہتی۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ اس گیرودار کے زمانہ میں بھی ایران کے علمی و ادبی ذوق کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اور ہم جدھر نظر اٹھاتے ہیں علوم و فنون کا دریا موجیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس دور کے اکثر علما کسی خاص دربار سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ جہاں قدر ہوتی چلے جاتے۔ اور جو قدرداں بھی ہوتا اس سے اپنی تصانیف معنون کر دیتے۔ بعض ایسے بھی تھے جو درباری تعلقات سے کلیتاً آزاد تھے —— دور گذشتہ کی طرح یہ عہد دیسے مورخین تو پیدا نہ کر سکا لیکن اس بنا پر کہ اس دور کی تصانیف مختلف علوم و فنون پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کا پلہ ہلکا نہیں ہونے پاتا۔ تاریخی فلسفیانہ۔ مذہبی۔ اخلاقی اور ادبی۔ غرض کہ ہر قسم کی کتابیں عربی و فارسی دونوں زبانوں میں بکثرت تصنیف ہوئیں۔

(۱) اس دور کے مصنفین میں پہلا نام جو آتا ہے وہ شمس الدین محمد فخر اصفہانی کا ہے۔ یہ شمس فخری کے نام سے مشہور ہیں زباندانی پر ان کی تصنیف معیار جمالی بہت مشہور ہے۔ اس کے مقابلہ میں انکی دوسری تصانیف کی شہرت نہیں ہو سکی۔

(۲) شیخ فخر الدین ابوالعباس احمد شیرازی کی شہرت کا باعث ان کی کتاب شیراز نامہ ہے جو ۱۳۴۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

(۳) سعد الدین مسعود ابن عمر التفتازانی کا شمار بھی اپنے دور کے اکابر وقت میں تھا ان کی تصنیف متداول و المختصر کافی مشہور ہے۔ آپ نے عربی میں سعدی کی بوستاں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان کی تصانیف تقریباً سب کی سب عربی میں ہیں Brockelmann نے ان کی سولہ کتابوں کے نام دئے ہیں —— اخیر میں یہ تیمور کے ساتھ سمرقند چلے گئے تھے۔ ان کی وفات ۱۳۸۹ء میں سمرقند ہی میں ہوئی۔

(۴) ابوالطاہر محمد ابن یعقوب الشیرازی الفیروزآبادی کی پیدائش ۱۳۲۶ء میں ہوئی ان کی شہرت کا باعث اُن کی

لاثانی تصنیف قاموس ہے۔ ایک سیاح ہونے کی حیثیت سے بھی بہت مشہور ہیں۔ ان کا انتقال ۱۴۱۳ء میں ہوا

(۵) علی بن محمد السید الشریف الجرجانی کی پیدائش ۱۳۳۹ء میں ہوئی اور انتقال ۱۴۱۳ء میں کیا۔ آپ کا وطن بھی شیراز ہی تھا۔ تیمور جب شیراز فتح کرکے واپس جانے لگا تو انہیں بھی اپنے ساتھ سمرقند لیتا گیا۔ لیکن تیمور کے مرنے کے بعد پھر شیراز واپس آئے فارسی کے علاوہ عربی میں بھی ان کی متعدد کتابیں ہیں Brochelman نے ان کی اکتیس تصانیف کا شمار دیا ہے۔ ان کی تصانیف میں تعریفات کو بہت شہرت ہے۔

(۶) ابن عرب شاہ کی شہرت اس کی کتاب عجائب المقدور فی نوائب التیمور سے ہے۔ یہ تیمور کی سوانح حیات ہے جس میں تیمور کی اتنی سخت نکتہ چینیاں کی گئی ہیں کہ شاید ہی کسی مورخ نے تیمور کی ایسی کریہہ منظر مرقع نگاری کی ہو۔ ابن عرب شاہ کی پیدائش دمشق میں ہوئی تھی۔ تیمور صغر سنی ہی میں سے اس کو ان کے ساتھ سمرقند لے گیا تھا۔ اس نے ۱۴۵۰ء میں انتقال کیا۔ اس کی دوسری قابل ذکر تصنیف فضیحت الخلفا ہے۔

(۷) شرف الدین یزدی متخلص بہ شرف نظم و نثر دونوں میں یکتائے روزگار سمجھا جاتا تھا۔ اس کی مشہور تصنیف ظفر نامہ کا ترجمہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں ہو چکا ہے۔ تیمور کے عہد کی یہ ایک مستند تاریخ ہے اس کی تکمیل ۱۴۲۴ء میں ہوئی

اس دور کے شعرا میں بعض کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے۔ مندرجہ ذیل کے نام بھی بھلائے جانے کے قابل نہیں ہیں۔

(۸) کمال الدین ابو العطا محمد مشہور بہ خواجہ کرمانی۔ ان کی کلیات میں نظامی گنجوی کے اتباع میں ایک خمسہ بھی ہے اس میں مندرجہ ذیل مثنویاں ہیں۔ نور وز و گل۔ ہمان و ہمایون۔ کمال نامہ۔ روضۃ الانوار اور ایک متصوفانہ مثنوی۔

(۹) نظام الدین عبید اللہ معروف بہ عبید زاکانی۔ شاعری کے علاوہ بہت اچھے نثر نگار بھی تھے۔ کلام میں مزاح کا عنصر غالب ہے اگرچہ سنجیدہ گوئی پر بھی اچھی طرح قادر تھے ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کافی مشہور ہیں۔ اخلاق اشراف۔ ریش نامہ۔ رسالہ صد پند۔ تعریفات۔ رسالہ دلگشا۔ فالنامہ۔ عشاق نامہ۔ موش و گربہ وغیرہ۔

(۱۰) عماد الدین فقیہ کرمانی نے بھی ایک خمسہ تصنیف کیا ہے۔ ان کا شمار اپنے عہد کے بڑے صوفیوں میں تھا۔ وفات ۱۳۷۱ء میں ہوئی

اس مضمون میں میں نے تیمور کے عہد تک کے مشاہیر ادبا و شعرا کا مختصر ذکر کیا ہے۔ تیمور کے جانشینوں کے عہد کی علمی ادبی خدمات کا بیان ایک مستقل مضمون کا مستحق ہے۔ کیونکہ ایرانی ادب میں یہ دور جیسے باکمال پیدا کرگیا۔ اس کی نظیر کسی دوسرے عہد میں نہیں ملتی اور صحیح معنوں میں ایرانی ادب کے بہار کا زمانہ جانشینان تیموری کا دور کہا جاسکتا ہے۔

(باقی دارد)

عکس پیہم

جناب احسن شرف الدین صاحب احسن

آب رواں کے اندر میں چاند دیکھتا ہوں
اور پھر ذرا ٹھہر کر اک بار سوچتا ہوں
کیا ہے نظام عالم؟

خود چاند آئینہ ہے سورج کی روشنی کا
اک عکس بن گیا ہے خورشید بھی کسی کا
عالم ہے عکس پیہم!

سوز و ساز

(از بلبلِ بہار حضرت سریر کابری گیاوی)

اک حسینہ حسن کی آرائشوں سے بے نیاز
تا کمر شانوں پہ بکھرائے ہوئے زلفِ دراز

چھیڑتی ہے ساز کو سوزِ دلِ بیتاب سے
دردِ دل کہنے کو بیٹھی ہے لبِ مضراب سے

ہر ترنم ساز کا اک ترجمانِ راز ہے
اور فضا کا ذرّہ ذرّہ گوش بر آواز ہے

ہے لبِ خاموش مجبورِ بیانِ دردِ دل
ناخنِ مضراب ہے گویا زبانِ دردِ دل

بیخودِ نغمہ شرابِ حسن سے مدہوش ہے
اک سکوتِ کیفِ غم مہرِ لبِ خاموش ہے

کاروانِ درد کی منزل ہے کتنی مختصر
دل سے نکلا اور جا پہنچا زبانِ ساز پر

حسن آرائشِ خموشی کی ادا پر لوٹ پوٹ
ساز کا ہر تار نغموں کی صدا پر لوٹ پوٹ

تیر چپکے سے لگا دیتا ہے حسنِ دلنواز
دل کے زخموں پہ چھڑکتا ہے نمک رہ رہ کے ساز

کچھ تو نغموں کی کشش کچھ حسن کا برقی اثر
ہیں طیور اڑتے ہوئے بدمست کھولے بال و پر

حسن کی رنگینیوں میں ہر ادا ڈوبی ہوئی
نغمۂ دلکش کی مستی میں فضا ڈوبی ہوئی

اللہ اللہ یہ ترنم یہ جوانی یہ شباب
کس طرح آئے نہ دنیائے سکوں میں انقلاب

نیرنگ شباب

(ادیب جمیل حضرت شعلہ وارثی لکھنوی)

کاؤس ایک خوبصورت نوجوان تھا اُس کے گداز جسم میں نہایت نزاکت کے ساتھ تھوڑی سی نسائیت بھی موجود تھی اور اُس کے خوبصورت اعضا حُسن کے سانچے میں ڈھالے ہوئے تھے، اُس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے تھے لیکن نہایت خوبصورت اور مضبوط۔ آنکھیں سیاہ بڑی بڑی اور پلکیں دراز تھیں اور اُن میں اتنی مقناطیسیت مستور تھی کہ ناممکن تھا کوئی انسان اُس سے نظر ملاکر اُس کی طرف کھنچ نہ جائے۔ مروارید سے دانت بہت خوبصورت معلوم ہوتے تھے اور منہ کسی پری جبیں کے دہن کی طرح تنگ تھا لب یاقوت احمر کی طرح سُرخ، گلا کسی نازنین کی صراحی دار گردن کی طرح نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ مونچھوں کا ابھی نام و نشان بھی نہ تھا اور ڈاڑھی پر خیر سے ابھی تک اصلاح کی ضرورت نہ پڑی تھی۔ اس کے مژگاں اور ابرو جادو کی طرح کام کرتے تھے اور ایک عالم اسکے خنجر ابرو کا گھائل اور بسمل تھا۔ وہ نہایت ذہین تھا اور فن مجلس سے اچھی طرح واقف درست گو تھا اور جھوٹی باتوں سے قطعی نفرت کرتا تھا لیکن فطرت کی طرف سے حد درجہ چلبلی اور بے چین طبیعت لیکر آیا تھا لہذا لطف و نشاط کے سوا اُسے کوئی دوسرا شغل پسند نہ تھا۔

کاؤس گو عیاش تھا مگر بات بات میں جھوٹی قسم کھانا معیوب سمجھتا تھا اور شراب سے بھی سخت متنفر تھا حالانکہ شراب عیاشی کا خاص جزو ہے۔ وہ ہمیشہ خوبرویوں اور حسینوں کے جھرمٹ میں رہا کرتا تھا۔ اور جب کوئی دوشیزہ اُس کی نگاہوں کے سامنے آجاتی تو وہ بے چین ہوجاتا تھا اور اپنی تمام ذہانت کو اسکے حاصل کرنے میں صرف کردیتا تھا تاکہ اپنے مقاصد میں ناکام اور اپنی معمولی خواہش کو بھی مضمحل نہ دیکھ سکے۔ غرضکہ جوانی کی ترنگ اور شباب کی امنگ انگڑائیاں لے لے کر اپنی بدمستیاں دکھلا رہی تھیں۔ اور اسکی زندگی آوارگی اور بدعملی میں بسر ہو رہی تھی وہ اپنی آرائش اور زیبائش کا بھی بہت خیال کرتا تھا اور شوقینی میں ایک وقت سیکڑوں روپے خرچ کرڈالتا تھا۔ اس سخاوت کے ساتھ مفلوک الحال غریبوں اور بیواؤں کی امداد سے بھی کبھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

جب وہ عالم طفلی میں تھا اُس کے والدین انتقال کرچکے تھے اور اب اُس کے بڑے بھائی کی بھی شمع حیات گل ہوچکی تھی جس نے اس کی پرورش کی تھی اور اس کو تعلیم دلائی تھی۔ آج اسلئے وہ بہت اداس تھا کیا وہ اپنے بڑے بھائی کے غم میں مبتلا ہے نہیں بلکہ کسی بے انتہا مسرت نے اسی انبساطی حرکت سے گدگدا کر خون میں ایسی حرکت پیدا کردی تھی جو تمناؤں کی طرح خوشی سے رگ رگ میں سرائت کرتی جاتی تھی۔ اُس نے اپنی شادی بھی ابھی نہیں کی تھی اور نہ اُسے ابھی شادی کرنا ہی منظور تھا محض اس خیال سے کہ ایک عورت سے تعلق کر لینا اُس کا مطیع ہوجانا اور ہمیشہ کے لئے اپنے گلے پابند کرلینا گویا اپنی تمام عمر کو خراب اور آزادی کو مفقود کرنا ہے چنانچہ بھائی کے مرنے کے بعد اب وہ بالکل آزاد تھا اور تنہا کثیر دولت کا مالک تھا۔

ایک دن کاؤس کچھ پریشان اور مغموم اپنی موٹر میں بیٹھکر اُس جلوہ گاہ حسن و جمال پر پہنچا جو ساحل آپولو کے نام سے مشہور ہے جس وقت وہ ساحل پر پہنچا تو شام ہوچکی تھی اور بجلی کی روشنی جو صرف شب کو جگمگانے کے لئے وضع کی گئی تھی سمندر پر پڑی تھرتھرا رہی تھی چند کشتیاں جن پر آدمی سوار تھے سمندر کا کلیجہ چیرتی اور سطح آب پر اپنی رفتار کے نشان چھوڑتی ہوئی کچھ جا رہی تھیں اور کچھ واپس آرہی تھیں مختلف شکل و وضع کے لوگوں کا مجمع تھا۔ کوئی ٹہل رہا تھا اور کوئی بیٹھا ہوا کسی خیال میں غرق تھا۔ کاؤس موٹر سے اُترا اور ٹہلتا ہوا ساحل کے قریب ایک تنہا

مقام پر پہنچکر کھڑا ہوگیا۔ سمندر کا پانی جس میں کاؤس کا عکس ایک منور اور طویل ستون کی طرح پڑ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی لہروں کی وجہ سے جال کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے عکس کو سطح آب پر دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ اس کو کسی کا اپنے پاس آکر کھڑا ہو جانا بھی محسوس نہ ہوا۔

کاؤس نے مڑ کر اپنے مخاطب کرنے والے بڈھے پارسی کو تعجب نظروں سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے برابر ہی دو فاصلہ پر ایک حسین لڑکی ساکت و صامت کھڑی ہوئی دکھائی دی جسے وہ بارہا مختلف مقامات پر دیکھ چکا تھا اور اسی طرح سینہ میں اس نیم شگفتہ کلی کی نازک پنکھڑیاں تیر دلنشیں بکر پیوست ہو چکی تھیں۔ کاؤس نے اسکی معصومانہ رعنائی پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں اس وقت تک ناکام ہی رہا تھا اس لئے کہ اسکو کبھی کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے تاثرات اور جذبات سے اس لڑکی کو متأثر کر کے اپنا تختۂ مشق بناتا۔ کاؤس کے مغموم رہنے کا خاص سبب یہی تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت اداسی چھائی رہتی تھی۔ وہ ایک سکتہ کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔ اور تجربہ کار بہرام نے کاؤس کو بغور دیکھکر اپنے دل میں اس کی طرف سے رائے قائم کرلی کہ یہ نوجوان یقیناً عاشق مزاج ہے اور اس کی روح آتش عشق سے جل رہی ہے بہرام جی کو ایک ایسے ہی نوجوان کی تلاش تھی۔ لہذا اس نے کاؤس سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد اپنی فلم کمپنی کے چند ڈراموں میں کام لینے کیلئے اپنا خیال ظاہر کیا۔ کاؤس بہرام جی سے واقف ضرور تھا لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ حسین نوشابہ ایک فلم ڈائرکٹر اور پروپرائٹر فلم کمپنی مسٹر بہرام جی ہی کی پھلواری کی ایک ایسی نیم شگفتہ کلی ہے جس پر کسی گلچیں کا دست تصرف آج تک نہیں پہنچا چنانچہ اس نے فوراً انکی خدمات کو نہایت خوشی اور مسرت سے قبول کر لیا۔ اور دوسرے ہی دن سے عکاس خانہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

پہلی ہی ملاقات میں نوشابہ کی عنان اختیار ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ اور تیر مژگاں نے کلیجہ کو زخمی کر دیا تھا اور اسکے دل ناصبور پر "سحاب محبت" برس پڑا تھا اور وہ اپنے والد کی نگاہوں سے بچتی ہوئی کئی بار کاؤس پر ایک غلط انداز نظر ڈال چکی تھی لیکن دوران گفتگو میں آخر کار نگاہیں چار ہو گئیں اور نوشابہ کے جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس کا خوبصورت چہرہ مارے شرم کے ارغوانی ہو گیا اس نے ایک خاص ادا کے ساتھ اپنے پریشان گیسوؤں کو نیم عریاں سینے سے ہٹا کر پشت پر ڈال لیا اور نسوانی شرم و حیا سے اسکی آنکھیں زمین کی طرف جھک گئیں۔ اس نے اپنے والد کے پاس سے ہٹنا چاہا لیکن اس کے پیروں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

خوبصورت نوشابہ اپنی عمر کی سولہ منزلیں طے کر چکی تھی مگر ابتک اس کو دنیا کی رسم و راہ سے واقفیت نہ تھی۔ وہ دن رات کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتی تھی۔ تاہم دنیا کے مکر و فریب سے ناواقف رہ کر بھی اس نے مصلحت وقت کے خیال سے اس حد تک معلومات حاصل کر لی تھیں کہ ضرورت پر اپنی حفاظت کر سکے نوشابہ نہایت خوبصورت عورت تھی اور اس میں وہ تمام خصوصیات جمال پائی جاتی تھیں جن سے ایک زمانہ اس کے حسن عالمگیر کا معترف تھا۔ اسکی بڑی بڑی سیاہ اور نشیلی آنکھیں تھیں جن میں سرخ سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اس کے رخسار گلابی تھے اور لانبے لانبے سیاہ گھونگر والے بال جب اس کے نیم عریاں سینے پر کھیلا کرتے تھے تو اس کا سرخ و سپید چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ ابر میں چاند۔ غرضکہ حسن صورت میں وہ کون سی ایسی خوبی تھی جو قدرت نے اپنے فیاض ہاتھوں سے اس دوشیزہ پیکر کو نہ دی ہو۔ علاوہ اس کے خدا نے اس کو حسن سیرت بھی عطا کیا تھا چنانچہ وہ نہایت ذہین۔ نیک مزاج۔ حلیم الطبع اور پارسا واقع ہوئی تھی۔

یوں تو نوشابہ اپنے ضعیف والد کے ساتھ کبھی کبھی عکاس خانہ جایا کرتی تھی لیکن کاؤس نے جب سے "اسٹوڈیو" میں قدم رکھا تھا وہ خلاف معمول ہفتہ میں دو چار مرتبہ ضرور جاتی اور تمام دن عکاسخانے کی دلچسپیوں ہی میں ختم کر دیا کرتی تھی اسکو اداکاری کا بھی

انتہائی شوق تھا وہ مسٹر بہرام کی اُن ہدایات کو نہایت غور سے سنا کرتی جو تمثیل نگاروں کو دی جاتیں اور مکان پر پہنچ کر اپنے کمرہ میں اُن کی ہدایات پر عمل کرتی۔ گھنٹوں آئینہ کے سامنے بیٹھ کر اپنے چہرے سے مختلف جذبات کا اظہار کیا کرتی اور اس میں اس حد تک کامیاب ہو جاتی کہ ایک بہترین ہیروئن کچھ عرصہ تک تجربہ کرلے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد کامیاب ہو سکتی ہے۔ مسٹر بہرام نے اکثر اپنی چہیتی بیٹی کے کمرے میں داخل ہو کر اُس کو تعدد ایماءات کے ساتھ ایکٹنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن نوشابہ کو اُنکی موجودگی کا احساس بھی نہ ہوا اور نہ بہرام جی ہی نے اپنی موجودگی ظاہر کرنے کی کبھی کوشش کی بلکہ وہ نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑا دیکھا کرتا تھا اور پھر آہستگی سے کمرے سے باہر نکل جاتا تھا

بہرام جی اپنی لڑکی نوشابہ کے ارادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھے اور بارہا یہ بھی خیال کر چکے تھے کہ اگر نوشابہ فلم میں کام کرے تو اس کی کمپنی بہت جلد ترقی کر سکتی ہے اور نوشابہ ملک میں بہترین ممثلہ تسلیم کی جا سکتی ہے۔ جب انہوں نے اپنی بیوی سے یہ خیال ظاہر کیا تو اس کی والدہ نے سخت مخالفت کی کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ نوشابہ پردۂ فلم پر رقص اور اظہار عشق کرے اور بوس و کنار کی مرتکب ہو کر لوگوں کے لئے عشوہ و ناز کا جال پھیلائے

ابھی کاؤس کو دو ہی ماہ کمپنی میں کام کرتے گزرے تھے کہ اس نے اس عرصہ میں خود کو اپنی ذہانت اور بے انتہا کوشش سے ایک بہترین اداکار ثابت کر دیا۔ بہرام جی اس کی ذہانت، قابلیت لگاتار محنت اور فن تمثیل کی غیر معمولی مناسبت سے متاثر ہو کر اسکو محبت اور وقعت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور دفتر کے بھی کچھ ایسے کام اس کے سپرد کر دیئے جنہیں وہ خود انجام دیا کرتے تھے کاؤس بارہا اُن کے مکان پر بھی گیا لیکن بدقسمتی یا اتفاق سے کبھی اسکو ایسا موقع نہ ملا کہ وہ نوشابہ کو اپنے درد دل سے مطلع کرتا اور عشق کی وہ آگ جو آتش کدۂ فارس کی طرح نار جہنم بنکر اس کے تمام اعضاء کو جلائے دیتی تھی اُس کے بجھانے میں کامیاب ہو جاتا۔ حالانکہ اُس نے نوشابہ کے جذبات کا بھی پتہ لگا لیا تھا کہ نوشابہ بھی اُس سے محبت کرتی ہے اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا اُس وقت جبکہ وہ بیدار محبت کے ساتھ اپنی آنکھوں کی پتلیاں اٹھا کر کاؤس کو محبت بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھی لیکن جیالا کاؤس فوراً ایک غلط انداز نظر ڈال کر اپنی نگاہوں کو کچھ اس طرح دوسری طرف پھیر لیتا تھا کہ غریب نوشابہ کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا کہ اس کی وہ محبت بیتابی اس کے دلی رازوں کی ترجمانی کر رہی تھی اُس سے کسی دوسرے نے بھی فائدہ اُٹھایا۔ غرضکہ صبر و شکیب کا اس کاؤس کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور اب کتنی ہی راتیں گریہ و زاری میں بسر ہونے لگی تھیں۔ اُسے جب نوشابہ کا خیال آجاتا تو وہ کلیجہ تھام کر رہ جاتا۔ اس کے جسم اور روح کو جلا کر خاک کر دینے والی آگ نے اُس کے خوبصورت چہرے کو بھی اس ارغوانی رنگ کے پھول کے مانند بنا دیا تھا۔ جسے شاخ سے ٹوٹے ہوئے عرصہ ہو چکا ہو۔

کاؤس نے آج تمام رات نہایت بےچینی اور اضطراب کے ساتھ بسر کی اور جب صبح کو وہ کمرہ میں آکر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گیا تو نوشابہ کا خیالی مجسمہ اسکی نظروں کے سامنے تھا اور وہ نہایت غور و خوض کے ساتھ اس کے مطالعہ میں مصروف تھا اُسکا چہرہ بار بار متغیر ہو جاتا تھا اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو کچھ اس طرح دباتا تھا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دماغ سے کوئی چیز نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چند منٹ تک وہ نہایت خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ دفعتاً اُس کے پژمردہ چہرے پر ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ اٹھا اور فوراً تیار ہو کر نگار خانے کو پہنچا۔ مسٹر بہرام چند دن کے لئے کسی ضرورت سے کراچی چلے گئے تھے۔ اور دفتر کے کل کام کاؤس کے سپرد کر گئے تھے لہذا اب اُسنے دفتر میں بیٹھ کر

اُس دن کے ضروری کاموں کو انجام دینا شروع کیا اور تین بجے تک فارغ ہوکر بازار سے چند ضروری چیزیں لیکر مکان واپس آیا اور نہایت بے چینی سے شام کا انتظار کرنے لگا۔

(۲)

نوشابہ اپنے کمرے میں سادہ لباس پہنے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھی۔ اس کی سیاہ اور مخمور آنکھیں کتاب پر جمی ہوئی تھیں اور کنول کی پنکھڑیوں کی طرح اس کے نازک اور باریک ہونٹ آہستہ آہستہ جنبش کرتے جاتے تھے خوبصورت دانت دُرج دہن میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے سیاہ بال دونوں شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور بجلی کی روشنی میں اس کا صاف شفاف چہرہ بالکل چاند کی طرح چمک رہا تھا غرضکہ نوشابہ کو اس وقت اگر کوئی مصور یا شاعر بھی دیکھ لیتا تو وہ ضرور قدرت کی نقاشی کا ایک بہترین نمونہ سمجھ کر اس کی پرستش کرنے لگتا

نوشابہ کتاب دیکھنے میں مشغول تھی کہ دفعتاً دروازہ کھلا اور اس کی خوبصورت سہیلی سودابہ کمرے میں داخل ہوئی نوشابہ نے اس کو دیکھکر کتاب بند کرکے میز پر رکھدی اور اخلاقاً کرسی سے اٹھکر سودابہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا سودابہ نوشابہ سے بہت بے تکلف تھی اور اُس سے محبت کرتی تھی۔ اُس نے نوشابہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیکر ایک ایسا پُرذوق اور پُرانہماک بوسہ دیا کہ نوشابہ مضطرب اور بے چین ہوگئی سودابہ نوشابہ کے قریب ہی ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور ایک سرد آہ کھینچکر نوشابہ کو محبت کی نظروں سے دیکھنے لگی نوشابہ نے سودابہ کے خوبصورت لیکن پژمردہ چہرے اور جھکتی ہوئی پیشانی کی طرف دیکھا اور تعجب سے کہنے لگی۔

"خیریت تو ہے سودابہ، تم اسوقت بہت مغموم اور پریشان معلوم ہوتی ہو۔ ہائیں تمہاری تو پتلیوں میں نمی بھی دکھائی دیتی ہے اور تمہاری پلکیں اس وقت اس طرح تھرتھرا رہی ہیں جیسے ایک ریشمی جھالر کو ہوا چھو کر گزر جائے"

سودابہ خاموش بیٹھی رہی اور اُس نے کوئی جواب نہیں دیا اس کی بیمار اور خوبصورت آنکھیں زمین کی طرف جھک گئیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کی بیش قیمت اور خوشنما ساڑی پر ٹپکنے لگے۔ نوشابہ یہ دیکھکر گھبرا گئی اور نہایت محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی"

"بولو سودابہ، خدا کے لیے کچھ تو بتاؤ آج تم کو کیا ہوگیا ہے اور تم کیوں اسقدر پریشان ہو۔ آخر اس گریہ و زاری کا سبب" ؟

دفعتاً نوشابہ کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور اُس کے جسم میں ایک خاص قسم کی سنسنی دوڑ گئی۔ وہ کچھ خوف زدہ ہوگئی اور جسم میں ایک تبدیلی محسوس کرنے لگی اُس نے غور سے سودابہ کے چہرے کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ کچھ سمجھی اور اُس کے چہرے پر ناراضگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس نے فوراً کرسی سے اٹھکر کمرے کا دروازہ بند کیا اور سودابہ سے ذرا کرخت آواز میں تیوری چڑھا کر کہنے لگی۔

"سچ بتاؤ کاؤس! تم خلاف معمول اور وہ بھی سودابہ کے روپ میں یہاں کس ارادے سے آئے" ؟

"نیک ارادے سے"

"نیک ارادے سے، یا جوانی کی نذر ہونیوالی خواہشات سے مغلوب ہوکر، کیا شریفوں کا یہی شیوہ ہے کہ تم ایک عورت کا بھیس بدل کر مجھے فریب دینے کی کوشش کرو۔ اور اُس پر کہو کہ نیک ارادے سے آئے ہیں شرم کرو کاؤس شرم"

کاؤس نے اپنی غمناک آنکھیں اوپر اُٹھائیں اور نوشابہ کے چہرے پر نظریں جما کر کہنے لگا

"نوشابہ، تم میرے بیجا آنے سے ناراض نہ ہو میں جانتا ہوں کہ بغیر طلب کسی شخص کا آجانا وہ بھی اس وضع و قطع میں جس کی مثال میں میں خود موجود ہوں شریف اور باوضع اشخاص کی صحبت کے بالکل

خلاف ہے لیکن کیا کروں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوں میں اپنے بغیر طلب آنے کی معافی چاہتا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہاری عزت و حرمت پر حملہ کرنے نہیں آیا ہوں"

نوشابہ نے کاؤس کو عجیب انداز سے دیکھا اور تیور اس چڑھا کر کہنے لگی:

"خوب! لیکن میں تم کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ تم جس مقصد سے یہاں آئے ہو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہذا تم نہایت خاموشی سے اسی طرح اب نکل جاؤ جس طرح یہاں آئے ہو ورنہ نتیجہ سوا ذلت اور رسوائی کے اور کچھ ہاتھ نہیں لگے گا"

کاؤس گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس لئے کہ اُسے نوشابہ سے یہ امید قطعاً نہ تھی کہ وہ اس قدر بے اعتنائی سے پیش آئے گی اس نے روتی آواز سے کہنا شروع کیا

"نوشابہ! خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میری راتیں نہ معلوم کتنی تڑپ تڑپ کر گزری ہیں۔ تم میری آرزوؤں کا مرکز ہو۔ اگر تمہاری بے اعتنائیوں سے پریشان ہو کر میں سودائی ہو گیا تو سمجھ لو کہ کاؤس اسی در پر تڑپ تڑپ کر اپنی جان دیدیگا آہ! میری طبیعت گری پڑتی ہے اور دل بیٹھا جاتا ہے۔ نوشابہ للہ میرے دل کی ...."

یہ کہتے ہوئے کاؤس کو چکر آ گیا وہ تھرتھرا کر گرنے والا ہی تھا کہ جلدی سے نوشابہ نے اسکو پکڑ لیا اور ایک کرسی پر بٹھا کر خود بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور کاؤس کی حالت کا اندازہ کرنے لگی نوشابہ خود تیر اُلفت کھا چکی تھی اور اُس سے محبت کرتی تھی لیکن اپنی عزت و حرمت کا خیال کرتے ہوئے اُس نے کاؤس کو کوئی موقع ایسا نہیں دیا کہ وہ اظہار محبت کر سکے۔ وہ بیٹھی ہوئی اپنی سہیلی متوالہ کے روپ میں کاؤس کے عضو عضو کا مطالعہ کر رہی تھی۔ اور اپنے دل میں محبت رکھتے ہوئے بھی میری رسوائی اور بدنامی کا خیال نہ کیا۔ اگر تمہاری یہ چالاکی کسی پر ظاہر ہو جائے تو بتاؤ اس میں بدنامی کس کی ہوئی لہذا تمہارا چلا جانا ہی بہتر ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری اس حرکت کو کبھی ظاہر نہ ہونے دوں گی"

"یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن نوشابہ اس بدنامی کے سوا اس کو [illegible] قانون ہے [illegible] عدالت نے، تم میری محبت کو نہ ٹھکراؤ اور ..."

کاؤس کی آواز گلوگیر ہو گئی اور اُس نے خاموشی اختیار کر لی لیکن اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا ایک سلسلہ جاری ہو گیا۔ جب نوشابہ کا صبر [illegible] ختم ہو گیا اور [illegible] سے نوشابہ [illegible] اور وہ اس کی حالت سے کافی متاثر ہو چکی تھی اس نے [illegible] ایک نہایت مضحکہ خیز قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

"کاؤس، کیا یہ ایکٹ بھی تم کو کسی فلم میں کرنا ہے جسکی ریہرسل تم بہت میرے سامنے کر رہے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارا یہ پارٹ بھی نہایت عمدہ ہے۔ اگر تمہاری کوشش اسی طرح کچھ دن تک جاری رہی تو تم یقین کر لو کہ ہندوستان کے بہترین فلمی ستاروں میں گنے جاؤ گے۔ مگر تمہارا ہی ہو گا اور تمہاری اس کامیابی پر سب سے پہلے مبارکباد دینے والی نوشابہ ہو گی۔ اچھا اب جاؤ اور پہلے اس گناہ کے کفارہ کا بندوبست کر لو"

کاؤس نوشابہ کے اس مضحکہ خیز جملہ سے بےچین و بیقرار ہو گیا اُسکی آتش غم اور تیز ہو گئی اور گرم و سرد آہیں آپس میں ملی ہوئی نکلنے لگیں۔

اب نوشابہ سے ضبط نہ ہو سکا اُس نے جلدی سے کاؤس کو اٹھا کے کرسی پر بٹھا دیا اور کچھ اس طرح بےچین ہو کر رونے لگی کہ سسکیاں اور ہچکیاں اگر اگر جاتی نہ ہوتیں تو ایسا خیال ہوتا تھا کہ یہ رونے کا [illegible] والا سلسلہ ختم نہ ہو گا۔ کاؤس نوشابہ کے اس یکبارگی جوش گریہ سے گھبرا گیا اور دفعتاً اسکی حالت بدل جانے سے بیقرار ہو کر کہنے لگا۔

نوشابہ! میرا دل اس معاملہ میں تم سے زیادہ نازک ہے اور بہت صدمے اٹھائے ہوئے ہے۔ وہ خود مدتوں سے رونے کا عادی

لیکن وہ تمہارا رونا نہیں دیکھ سکتا۔ خدا کے لیے تم نہ رو۔ اور مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری آنکھوں سے آنسو پاک کردوں۔"

"تمہارا ان آنسوؤں کو کوئی نہیں پونچھ سکتا اور اگر۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"اونھ ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں۔ خدا کے لئے نہ رو تمہاری یہ آنکھیں دوسروں کو رُلانے کے لئے ہیں نہ کہ خود رونے کے لئے۔ خیر یہ تو بتاؤ۔ اگر میں اس وقت چلا جاتا تو تم کو کچھ صدمہ ہوتا یا نہیں۔"

"ہم نہیں جانتے۔"

"خوب تم نہیں جانتیں تو کیا میں جانتا ہوں"؟

"ہوگا۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"تمہیں قسم ہے بتاؤ۔"

"کیوں ستاتے ہو ایک مرتبہ تو کہدیا میں نہیں جانتی پھر بھی پوچھے جاتے ہو۔ اب تم جاؤ کھانے کا وقت ہوچکا ہے ایسا نہ ہو کہ خادمہ آجائے۔"

"آجانے دو، کہہ دوں گا کہ میں سوداپہ نہیں ہوں۔ کاؤس بولا ورنہ اقرار محبت کرو۔"

"اونھ، کہاں کا جھگڑا نکالا ہے اور کیسی نئی بات پوچھی ہے۔ خیر میں اس کا جواب اس شرط سے دینے کے لئے تیار ہوں کہ تم ہمیشہ کے لئے اپنی آوارگی اور بدچلنی سے توبہ کرلو۔"

کاؤس آبدیدہ ہوگیا اور نوشابہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر کہنے لگا۔

"نوشابہ جس دن سے میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوا ہوں میں نے سب کچھ ترک کردیا ہے انتہا یہ ہے کہ میرے تفریحی مشاغل بھی چھوٹ چکے ہیں۔ تاہم میں تمہارے اطمینان کے لئے خدا سے اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور آئندہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام برائیوں سے بچاکر نیک کاموں کی توفیق عطا کرے تاکہ میں اپنے گذشتہ گناہوں کی کچھ تلافی کرسکوں۔"

نوشابہ نے مسکراکر کاؤس کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ بتا دیا کہ:-

"کاؤس۔ میرا کلیجہ چیر کر دیکھ لو تمہاری تصویر میرے دل پر منقوش نکلے گی۔"

کاؤس نے نوشابہ کے مرمریں ہاتھ پر ایک طویل بوسہ دیا جس سے نوشابہ بیقابو ہوگئی اور بیخود ہوکر اُس نے اپنا سر کاؤس کے شانہ پر رکھدیا۔

دفعتًا دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ نوشابہ سنبھلی اور کاؤس کا ہاتھ دباکر کہنے لگی۔

"خادمہ کھانے کی اطلاع کرنے آئی ہے لہذا اب تھوڑی دیر کے لئے تم پھر سوداپہ بن جاؤ لیکن خاموش منہ سے آواز نہ نکلے بلکہ چلو۔ میں تم کو تمہارے موٹر تک پہنچا بھی دوں۔"

یہ کہکر نوشابہ سوداپہ کو لیکر کمرے سے باہر نکلی اور خادمہ کو جواب دیکر سوداپہ کو موٹر تک پہنچایا۔ اور خود فورًا واپس چلی آئی۔

(۳)

کاؤس نے نوشابہ سے ملنے کے بعد اپنی آوارگی اور بدچلنی کے تمام اشغال سے یک لخت کنارہ کشی اختیار کرلی اور حتی الامکان اپنے عہد پر قائم رہنے کی کوشش کی جب کبھی اُس کو نوشابہ کا یہ کہنا کہ "کاؤس کیا یہ ایکٹ بھی تم کو کسی فلم میں کرنا ہے" یاد آجاتا تو اس کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوجاتی۔ وہ اپنی شکست کا اعتراف کرلیتا اور خیال کرتا کہ نوشابہ پر کسی چالاکی سے فتح پانا مشکل نہیں بلکہ محال بھی ہے۔ اس کی سمجھ میں آگیا تھا کہ نوشابہ کو اگر کسی صورت سے مفتوح کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف نیک چلنی ہے چنانچہ یہی خیال کرکے اُس نے رادھا سے بھی کشیدگی اختیار کرلی لیکن نہایت خوبصورتی سے تاکہ رادھا کو اس کا علم بھی نہ ہو کہ وہ نوشابہ کو اپنا شریک زندگی بنانا چاہتی ہے یا اب اس کی تمام حسرتیں کسی دوسری رادھا سے وابستہ ہیں۔ رادھا نے کئی مرتبہ اس کشیدگی کا سبب بھی دریافت کیا لیکن اُس نے ہمیشہ اپنی مصروفیت کا

سامنہ کرکے ٹال دیا۔ ورنہ اس کو کچھ زیادہ گفتگو کرنے کا موقع ہی
نہ ملا تاہم وہ رادھا سے عکاسخانہ میں مل لیا کرتا تھا تاکہ وہ رنجیدہ
اور مغموم نہ ہو اور اُسے کسی قسم کی شکایت کا موقع بھی نہ ملے کاوس
رادھا سے محبت نہ کرتا تھا۔ تاہم اُس نے رادھا کی التجاؤں کو
کبھی ٹھکرایا بھی نہ تھا اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ رادھا کو کچھ اُس سے
لگاؤ ہے اور وہ اکثر اس کے لئے بے چین و مضطرب رہا کرتی ہے اور یہی
باعث بھی تھا کہ کاوس نے اس وقت تک اس سلسلہ کو منقطع نہ کیا
تھا ورنہ یہ اس کی فطرت کے بالکل خلاف تھا۔

رادھا کمپنی کی ایک مقبول ترین ایکٹرس تھی اور حسین تھی
ایسی حسین جس کے حسن میں وہ تمام رعنائیاں بدرجہ اتم موجود تھیں جو
فطرت کسی کو عطا کر سکتی ہے۔ اور اس کو نہ صرف بمبئی بلکہ ملک کا ہر رنگین
مزاج نوجوان اچھی طرح جانتا تھا۔ رادھا کو بھی یہ علم تھا کہ عالم کا عالم
اس کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دنیا اس کے لئے
تڑپ رہی ہے۔ اُسے یقین تھا کہ خدا کی مخلوق اس کی نگاہوں کی زخم خوردہ
ہے لیکن اُسے اس کی مطلق پرواہ نہ تھی وہ لوگوں کو سرد آہیں بھرتے دیکھتی
تھی اور مسرور ہوتی تھی۔ اور نہ معلوم کتنے نوجوانوں کو تباہ و برباد کر چکی تھی۔
علاوہ حسن ظاہری کے وہ حسن معنوی بھی بدرجہ کمال رکھتی تھی اور تمام
علوم و فنون مروجہ کی ماہر اور ملک کی مختلف زبانوں سے اچھی طرح
واقف تھی۔ وہ سوسائٹی کی زیب و زینت تھی۔ علم مجلس اور معاشرت کی
تمام خوبیاں اُس میں موجود تھیں۔ آداب محفل۔ طریقہ نشست و برخاست
حاضر جوابی۔ اور بذلہ سنجی کی مالک تھی۔ وہ حسن لباس اور وضعداری میں
بھی مہارت رکھتی تھی اور رقص و موسیقی کا کمال تو اس میں بدرجہ اتم موجود
تھا۔ وہ اگر کبھی ستار لیکر بیٹھ جاتی اور اپنی لانبی اور پتلی انگلیوں سے
اُس کے تاروں کو جنبش میں لاتی تو سننے والوں پر ایک سکر کی کیفیت
طاری ہوجاتی اور اگر کبھی وہ ساز کے ساتھ گانے لگتی تو لوگ ایسا محسوس
کرنے لگتے کہ وہ اپنی درد بھری راگنیوں سے ایک دنیا کو مرجھائے ہوئے
پھولوں کی طرح تباہ اور برباد کر دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ غرضکہ اسکی
نازنین جگر دوز۔ ادائیں ہوشربا۔ اسکی فیشن نوازی عجیب اور اس کی
بذلہ سنجی غیر معمولی تھی [illegible] تمام سیاہ کاریوں کا مجموعہ تھا
[illegible] اور [illegible] کا مرکب تھی ورنہ وہ
[illegible] ہونے کے قبل ایک عصمت فروش طوائف ہی تھی جو بعض
[illegible] جوانوں کو اپنے دام تزویر میں [illegible] کرتی تھی [illegible]
[illegible] ناپاک وجود سے [illegible] زمانہ میں طوائفوں کا
منتہائے شوق یہ ہوتا تھا کہ وہ [illegible] موسیقی میں کامل ہوتی تھیں اور
انسان کے جذبات [illegible] اور حسیات لطیفہ کو [illegible] انداز سے ظاہر کرتی
تھیں چنانچہ [illegible] عصمت کو
چند نقرئی سکوں کے عوض فروخت ہی کرتی تھیں۔ الغرض [illegible] ان
دونوں اوصاف سے [illegible] حسن فروش طوائفوں میں [illegible]
[illegible] جاتے ہیں متصف یا اُن معائب سے بری تھی [illegible] کاوس سے انتہا
محبت کرتی تھی۔ وہ چند ماہ سے کاوس کو اپنی دلچسپی کا کھلونا بنائے ہوئے
تھی [illegible] جسمانی خواہشات کا آلہ کار [illegible] وہ اس وقت سخت حالت
تاثر میں خاموش مسہری پر بیٹھی ہوئی کاوس کی اس سنجیدگی کا راز معلوم کرنے
میں مصروف تھی اور اس خیال سے کانپ بھی رہی تھی کہ کہیں اس کی
خواہشیں [illegible] پامال نہ کر دی جائیں۔

رادھا [illegible] نے [illegible] ایک [illegible] سمجھ رکھا تھا کہ وہ عورتوں
کے لئے بیقرار ہوں اور فنا ہو جائیں۔ وہ رادھا جو مردوں کے جذبات
صرف [illegible] کافی سے زیادہ سمجھتی تھی۔ وہ رادھا جو مردوں کے
جذبات کو اپنی نخوت و خودداری کے سامنے پامال ہوتے دیکھکر مسرور
ہونے کی بہت شائق و عادی تھی۔ وہی رادھا اس وقت بیقرار
و مضطرب بھی تھی وہ اسی فکر و استغراق کی حالت میں تھی کہ اس کی خادمہ
آئی اور رادھا کو خلاف معمول افسردہ و مضمحل دیکھکر بہت متعجب ہوئی
کیونکہ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے رادھا کو جس کی
زندگی یکسر عیش و مسرت تھی۔ ملول دیکھا ہو اُس نے تھوڑی دیر انتظار
کیا کہ شاید رادھا کچھ کہے لیکن جب اُس نے کوئی گفتگو نہ کی تو خود

اُس نے سوال کیا اور رادھا نے قصداً کوشش سے اپنے چہرے کو متبسّم بنا کر کہا۔

"آج کاوس نو بجے تک آئیں گے۔ ایک خاص مشورہ کرنا ہے اگر میں دوسرے کمرے میں ہوں تو تم اُن کو اسی کمرے میں پہنچا دینا۔"

خادمہ نے اپنا سر خم کر دیا اور کمرے کے باہر چلی گئی۔

شام کو رادھا کا مکان شہر کے اُمرا اور رؤسا سے بھر جایا کرتا تھا۔ اور وہ اپنے گناہوں کے افسوں اور باتوں کے جادو سے سب کو مسحور کیا کرتی تھی۔ چنانچہ زائرین رادھا اب جمع ہو چکے تھے لہذا وہ اُٹھی اور دوسرے کمرے میں پہنچکر اُن لوگوں کے سامنے بُت کی طرح خاموش اور ساکت بیٹھ گئی۔ آج کچھ افسردہ تھی اور اس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ متین نظر آتا تھا۔ سب نے اسکو محسوس کیا اور آہستہ آہستہ خود ہی کچھ سمجھ کر رخصت ہو گئے۔ رادھا اپنے تنہا رہ جانے سے بہت خوش ہوئی کیونکہ اب اس کا خیال صرف نوجوان کاوس کے ساتھ پھر رہا تھا۔ اور اس کا دل کسی بات کو نہیں چاہتا تھا۔ کاوس کی صورت اس کے خوبصورت خد و خال۔ اُس کا مردانہ حسن، اور پھر سب سے بڑھکر اس کی نوخیز جوانی یہ تھیں وہ سب باتیں جو رادھا کے دل پر قبضہ کئے ہوئے تھیں چنانچہ اس کے لئے کسی چیز میں لذّت نہ تھی۔ مگر کاوس اور کاوس کے ذکر میں۔

وہ کبھی اپنے اوپر ملامت کرتی تھی کہ میں جو دُنیا کی بڑی بڑی قوت کو گناہوں کی ایک جنبش سے اپنا مطیع و فرمانبردار بنا سکتی ہوں، کیوں کاوس ایسے آوارہ اور تلوّن مزاج نوجوان کے لئے پریشان و بیقرار ہوں لیکن اسکا ہیجان اُس کو سمجھا دیتا تھا کہ نہیں وہ کچھ بھی ہو مگر جب ایک تاریک اور سنسان رات میں بھی مکلّف بستر پر کاوس ہی کی ذات سے وہ تمام لذّتیں حاصل ہو سکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ کسی دوسرے نوجوان سے اپنی آرزوں کو وابستہ کیا جائے۔ مگر جب کبھی وہ یہ خیال کرتی کہ شاید کاوس نے کسی دوسرے کی محبت میں اپنے اوپر تمام لذّتیں حرام کر لی ہیں اور اپنی تمام عمر اسکی خدمت کیلئے وقف کر دی ہے اور یہی سبب اسکی کشیدگی کا بھی ہے تو اس کے مُنھ سے ایک سرد آہ نکل جاتی لیکن یہاں بھی رادھا کا وہ جوش جو ناقابلِ ضبط تھا اور اسکو دیوانہ اور مبہوت بنائے ہوئے تھا یہ سمجھا دیتا اور رادھا خوش ہو جاتی کہ اگر اُس نے شادی بھی کر لی تو جوانی کی ایک بھڑکتی ہوئی آگ کو کبھی کبھی لوگوں کی نگاہوں سے بچا کر یوں ہی بجھا لینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ لیکن اگر اُس نے ایک خاتون کی محبت میں اپنے اوپر تمام لذّتوں کو حرام تصور کر لیا ہے تو وہ شاید اسپر راضی نہ ہو مگر وہ اس خیال کے آتے ہی کنکھیوں سے آئینہ کو دیکھتی اور فرطِ غرور سے تن جاتی وہ خیال کرتی کہ میں کسی کو مفتوح کرنیکا قصد کروں اور ناکام رہوں محال ہے اور یہ ناممکن ہے کہ میں خلوت میں کسی کو محبت آمیز نگاہ سے دیکھکر اپنی آغوش اسکی پذیرائی کے لئے پھیلا دوں اور وہ مجبور ہو کر اپنا سر نہ جھکا دے چنانچہ اس نوع کے متضاد خیالات اُس کے لطیف آرزو کو خراب کرنا چاہتے تھے مگر اُسے اپنے جسم کے ایک ایک عضو پر پورا اعتماد تھا اور اسے اپنی ناکامی کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔

وہ مسہری کے نرم و گداز تکیوں پر سر رکھے ہوئے لیٹی تھی اور ان ہی خیالات میں غرق تھی کہ کاوس نے کمرے میں داخل ہو کر اپنی ٹوپی اُتار کر ایک کرسی پر رکھدی اور خود مسہری کے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی اور دونوں نے ایک دوسرے کے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ آخرکار کاوس نے تھوڑی دیر بعد سگریٹ پیش کرتے ہوئے رادھا سے کہا۔

"کیا کچھ طبیعت ناساز ہے؟"

"ہاں۔ صبح کو جب اُٹھی تو کچھ سر میں درد تھا لیکن اب اچھی ہوں آپ کو بڑی تکلیف ہوئی معاف فرمائیں۔

"اکثر بغیر طلب بھی تو آیا ہوں اس میں تکلیف کی کونسی بات ہے اور معافی کی کیا ضرورت ہے؟"

"واہ تکلیف کی بات کیوں نہیں۔ جب کہ آپ کی مصروفیتیں بہت

جت زیادہ ہیں اور آپ کو یہاں تک آنے سے روکتی ہیں علاوہ اس کے اگر فرصت بھی ملے تو اب آپ بغیر طلب آنے ہی کیوں لگے "؟

"یہ کیوں"؟

"اس لئے کہ نوشابہ یا کسی اور کی محبت آپ کو یہاں تک آنے کی اجازت ہی کیوں دینے لگی"؟

کاؤس بہ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ یا تو اگر غلط جواب دیا جائے تو یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔ علاوہ اسکے ممکن ہے کہ یہی سوال پھر کسی دن پیش ہو اس لئے بہتر ہے کہ آج ہی اپنے خیالات کیوں نہ ظاہر کر دئے جائیں لہذا اُس نے کہنا شروع کیا۔

"بالکل ٹھیک ہے اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ آج سے چند روز قبل میں عیاشی اور بدچلنی کی شراب میں ہر وقت سرشار رہتا تھا لیکن اب کسی قدر سنبھل گیا ہوں۔ اور اپنی بدچلنیوں اور آوارگیوں کی کچھ تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اب میں دُنیا کی کسی حسین ترین عورت کو بھی نفسانی خواہشات کا شکار نہیں بنانا چاہتا ہوں اور نہ خود کسی دوسرے کی محبت کے جال میں پھنسنا چاہتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم میری ان باتوں سے آزردہ نہ ہوگی کیونکہ میں تمہیں کسی حالت میں بھی مغموم اور رنجیدہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں نے اسوقت تک اپنی فطرت کے خلاف تمہاری محبت کا احترام کیا ہے لیکن آئندہ تمہارے جذبات کی قدر کرنے کے لئے بھی تیار نہیں میں تم کو اپنے خیالات سے بھی مطلع نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میری عدیم الفرصتی یا تم سے کشیدہ رہنے یا تمہارے پاس نہ آنیکا خاص سبب کیا ہے۔؟ بہرحال آج مجبوراً ظاہر کر رہا ہوں اور معافی کا بھی خواستگار ہوں"۔

رآدھا کاؤس کی اس صاف گوئی سے متحیر ہو گئی اور اس کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ لیکن اُس نے فوراً اپنی حالت کو درست کر کے ایک قہقہہ لگایا اور طنزیہ انداز سے کہنے لگی۔

"تو یہ کہئے کہ اب آپ منہ میں سونا ڈالے پھرتے ہیں اور پورے زاہد بن گئے ہیں۔ خیر، دیکھنا ہے کہ کب تک پرہیزگار بنے رہیے گا"

"میں دعویٰ تو کر نہیں سکتا لیکن حتی الامکان آئندہ اپنے دامن کو معصیت کی آلودگی سے بچانے کی کوشش کروں گا"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جیسا نوجوان دنیاوی لذات کو ترک کر کے اپنی زندگی کو صرف ایک ہی عورت کے لئے کیسے وقف کر سکتا ہے اور اپنے نفس پر کیسے قائم رہ سکتا ہے"؟

"سچ کہتی ہو دنیا میں ایسے آدمی بہت کم ملیں گے جو اپنے نفس پر قادر رہیں خصوصاً مجھ جیسا شخص جس نے بچپن سے اسوقت تک اپنی زندگی کو بتوں کی پرستش میں صرف کیا ہو اور سوا اسکے کوئی دوسرا شغل ہی نہ ہو۔ تاہم میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں حتی الامکان آئندہ جادہ ضلالت میں گرنے سے اجتناب کروں گا۔ لیکن رادھا تم کیوں پریشان ہوتی ہو جبکہ دنیا مردوں سے خالی نہیں ہے۔ مجھ سے بدرجہا بہتر آدمی تم کو دلنوازی کے لئے مل سکتے ہیں اور تمہارے معمولی اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں پھر کیوں اپنے لمحاتِ عیش کو تلخ بناتی ہو۔ اور کیوں نہیں ایسے شخص کا انتخاب کر لیتی ہو جو تمہارے جذبات کا احترام کرے"۔

"بالکل ٹھیک ہے، لیکن کاؤس میں نے محبت کی شمع اس لئے نہیں روشن کی تھی کہ وہ بجھا دی جائے"۔

"خوب محبت کی شمع، لیکن میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم ایک وقتی کھیل کھیل رہی ہو اور میں تو اب بھی یہی سمجھتا ہوں اور آئندہ بھی یہی سمجھوں گا اس لئے کہ ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھوں ہی سے نہ ٹپکے تو پھر لہو کیا ہے
(غالب)

"ہاں۔ تم کو یہی سمجھنا چاہیئے لیکن کاؤس اگر میں وقتی کھیل کھیل رہی ہوں تو تم بھی اِسے کھیل ہی سمجھ کر کھیلو۔ میں تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کرنا چاہتی ہوں اور نہ اس کے متعلق سوا اسکے اور کچھ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ کھیل صرف تمہارے ختم کرنے سے ختم

ہیں ہو سکتا اُس وقت تک کہ میں خود نہ ختم کروں "

کاوس یہ سُنکر مضحکہ خیز ہنسی کیساتھ کہنے لگا۔

" رآدھا، تم نے میری فطرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ مجھے نسوس ہے کہ باوجود ایک عرصہ گزر جانے کے بعد تم نے آج تک مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ بہرحال میں تمہیں فریب میں نہیں ۔۔لا کرنا چاہتا اور صاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ م آئندہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتیں "

رآدھا کو کاوس کی باتیں کچھ خوشگوار نہیں معلوم ہوئیں ۔ُس نے منھ پھُلا کر جواب دیا۔

" ٹھیک ہے میں ہوتی ہی کون ہوں جو آپ میرا کہنا ناتے ہونگے۔ اب تو نوشابہ ہیں اور تم ہو۔ وہ جو کچھ کہے گی اُس پر ۔ل کیا جائے گا "

کاوس نے رآدھا کا جواب سُنکر جب اس کی طرف دیکھا وہ پژمردہ ہو گئی تھی اور مضمحل۔ اُس نے سمجھ لیا کہ رآدھا بری باتوں سے برہم ہو گئی ہے اُس نے کوئی خیال نہ کیا ۔ور کہنے لگا۔

" رآدھا ناراض نہ ہو۔ میں تم سے ہمیشہ خلوص سے ملتا ہوں ۔ر بسو ۔۔ل کے ماتحت میں اسوقت بغیر تکلف تمہاری شبستان ۔ میں چلا آیا ہوں ورنہ کبھی تمہارے پاس آنے کا روادار بھی ہوتا تمہاری طبیعت اس وقت ناساز ہے لیکن چہرے کی جاذبیت ۔است اور کشش بدستور قائم ہے۔ تم درحقیقت گلستان حُسن کی ۔یک ایسی بہار ہو جس سے لطف اندوز ہونے کے لئے مجھ ایسے سینکڑوں پروانہ وار تم پر نثار ہو سکتے ہیں اور آنکھوں کو ۔رش راہ ....

رآدھا نے قطع کلام کر کے مُسکراتے ہوئے کہا "

خوب! اب تو آپ عابد و متقی ہو کر بھی میری تعریف کرنے لگے مجھے نہایت مسرت ہوئی لیکن میں آپ سے آئندہ اس قسم کے الفاظ سُننا پسند نہیں کرتی "

" شاید توہین سمجھو۔ لیکن رآدھا، یہ مجھ سے قطعاً نہیں ہو سکتا کہ میں کسی حسین صورت کو دیکھوں اور تعریف نہ کروں اسلئے کہ میرے شباب کا اولین دور تو حُسن پرستی ہی میں گزرا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ نہ کسی کے دامِ اُلفت میں گرفتار ہوں اور نہ کسی کی عفت و عصمت پر ہاتھ صاف کروں "

رآدھا یہ سُنکر ایک تلخ انداز سے مسکرائی اور اُس نے اپنے پہلے حربے کی تیاری شروع کر دی۔ اُس نے اپنے خمدار گیسو سینکڑوں حلقوں کی صورت میں شانہ و دوش پر بکھیر دیئے اور نہایت چالاکی سے اس طرح اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر سر کے پیچھے رکھ لئے کہ اُس کے گورے گورے ہاتھ اور گول گول بازو جو جلا کئے ہوئے بلور کے معلوم ہوتے تھے بجلی کی روشنی میں نہایت خوبصورت اور صاف دکھائی دینے لگے۔ اُس نے اپنی خوبصورت اور مخمور آنکھیں کاوس کے چہرہ پر جما دیں اور اپنے نیم عریاں سینے کو بھی نہایت خوبصورتی کے ساتھ کچھ اس طرح اُبھار دیا کہ ایک نفس کش انسان بھی ایسے منظر کو دیکھنے کے بعد اپنے جذبات پر مشکل سے قابو رکھ سکتا ہے۔ نہ کہ کاوس ایسا نوجوان۔ چنانچہ اس کی نظریں اس منظر کو دیکھنے کے بعد بے قابو ہو گئیں سینے میں جذبات کا ایک سمندر لہریں مارنے لگا۔ اور اس کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہو گئی اب رادھا کا نیم عریاں سینہ سانس کی آمد و شد سے ہانپ رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا قیامت خیز شباب کاوس کو چھوکر پھٹ جانا چاہتا ہے۔ غریب کاوس ایک لمحہ کے لئے رآدھا کی اس حرکت سے بدحواس ہو گیا اور بے چین۔ لیکن وہ سنبھلا اور اُس نے اس وقت اپنے قدم کو لغزش کھاتے ہوئے دیکھکر انتہائی ضبط سے کام لیا۔ اور اپنے منتشر حواس کو یکجا کر کے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

(باقی آئندہ)

صحت

(از جناب جنرل منیجر صاحب "صحت گھر" بانکی پور پٹنہ)

ہمارا کام

(۱) پبلک کو صحت قائم رکھنے کے لئے حسب ضرورت مفید ہدایات دینا۔

(۲) بیماروں کو صحیح طبی مشورہ اور علاج بتانا۔

(۳) غیر مقامی مریضوں کے حالات پر غور و فکر کرنے کے بعد صحیح مشورہ دینا۔

(۴) اصلی اور صحیح اجزا کے ساتھ دوائیں مہیا کرنا۔

(۵) مناسب جگہوں میں حسب ضرورت و استطاعت طبی امداد پہنچانا۔

(۶) تجربہ شدہ اور کامیاب دواؤں سے پبلک کو آگاہ کرنا۔

ہمارے یہاں طبیہ کالج مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلی کے مستند قابل تجربہ کار اور ماہر طبیب مقامی مریضوں کی دیکھ بھال اور غیر حاضر مریضوں کے حالات پر غور کرتے اور مشورہ دیتے ہیں۔

خاص امراض کے متعلق خط و کتابت بالکل پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔

امراض کے متعلق مشورہ مفت حاصل کیجئے جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

آپ کا خادم

"منیجر"

جس نے آنکھیں کھوئیں اُس نے سب کچھ کھویا

کحل بصر جواہر والا

بینائی کی حفاظت کرنا، آنکھوں کو صاف رکھنا، پانی روکنا اور سرخی کو زائل کرنا اس کا خاص عمل ہے۔ بچے بوڑھے سب کے لئے مفید ہے۔ بطور سرمہ دو دو سلائی سوتے وقت دونوں آنکھوں میں لگائیے جواہرات ڈالے گئے ہیں۔ قیمت فی شیشی جو مہینوں کیلئے کافی ہے ۱۲؍

کحل زرد جواہر والا

نظر کی کمزوری، دور یا نزدیک کی چیزوں کا صاف نہ دکھائی دینا، دھند لا پن، پانی گرنا اس کے استعمال سے جاتا رہتا ہے۔ عینک اتر جاتی ہے، عینک والے حضرات اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لطف یہ ہے کہ اس سرمہ کا رنگ سیاہ نہیں ہے اس لئے لگانے کے بعد سرمہ دوسروں کو نظر نہیں آتا، جواہرات سے تیار کیا گیا ہے۔ قیمت فی شیشی عہ؍

کحل پیران

آنکھوں کی روشنی بڑھاتا ہے، دھند کو صاف کرتا ہے، پانی کو بند کرتا ہے خاص طور پر بوڑھوں کے لئے تیار کیا ہے اسکے استعمال سے موتیا بند نہیں ہوتا بڑھاپے میں آنکھوں کی مجبوری سے بچاتا ہے عجیب و غریب چیز ہے سوتے وقت اور صبح دو سلائی آنکھوں میں لگائیں قیمت میں خاص رعایت فی شیشی ۸؍

کحل جالا

ہسپتال کی تکلیف اٹھائیے آپریشن کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ سرمہ جالا، پھولا، ناخونہ، ماڑہ کو چند دن میں کاٹتا ہے، بہت سے لوگ بینا ہو چکے قیمت فی شیشی عہ؍

نوٹ

کوئی تین شیشی سرمہ اکٹھا منگانے پر محصول ڈاک "صحت گھر" ادا کرے گا۔

خط و کتابت کا پتہ۔ جنرل منیجر "صحت گھر" بانکی پور پٹنہ

فریبِ تخیل

(از حضرت اختر ارینوی)

آج میں کمرے میں ریحانہ کے اے ہمدم گیا
یادِ ماضی سے دلِ غمگیں میں محشر تھا بپا

پیار کی باتیں وہاں ہوتی تھیں سرگوشی کے ساتھ
کتنی زرّیں ساعتیں گذری ہیں مدہوشی کے ساتھ

اُس کا پیمانِ وفا، اس کی محبّت کی نظر
التفاتِ حُسن پر نازاں دعائے با اثر

کیف افزا روح میں رنگینیٔ عیش و نشاط
رقص فرما دل میں نورِ جلوہ ہائے انبساط

وائے محرومی کہ اب خاموش تھا عشرت کا ساز!
ایک افسانہ تھا اِس کا ارتباطِ دلنواز!

حجلۂ رنگیں تھا لیکن روح کا شانہ نہ تھی
سب تھے آرائش کے ساماں میری ریحانہ نہ تھی

گوشے گوشے سے تھا وابستہ مگر اس کا خیال
جیسے مسجد میں ہو چھایا سرمدیّت کا جمال

مُنتشر سی تھی فضا میں اس کے گیسو کی شمیم
تھا گماں اس کے تنفس کا جو چلتی تھی نسیم

تھرتھری میں پردۂ در کی تھا اس کا انتظار
آئینے میں مُنعکس سی اس کے جلووں کی بہار

دل نشیں تصویرِ جاناں حُسن و رعنائی لئے
عشوۂ ارماں طلب شانِ زلیخائی لئے

تھا رکھا پہلو میں الماری کے شیشے کا گلاس
یاسمینی انگلیوں کی لوچ کا جوہر شناس

لکس صابن اس کے جسمِ مرمریں کا راز داں
سینٹ کی شیشی جواں راتوں کی تھی افسانہ خواں

اُس کے بستر سے تھی لپٹی جسمِ نازک کی لچک
نرم تکیے سے تھی ہم آغوش پھولوں کی مہک

نغمہ زن کمرے میں تھی اِک آشنا آواز سی
میری نظروں میں کھلی اس کے تبسّم کی کلی

میرے ہاتھوں نے کیا ریحانہ کے شانوں کو مس
مچلا میرے لب پہ اسکے شہد آگیں لب کا رس

آہ لیکن تلخ کتنی تھی حقیقت اے ندیم!
ہوش میں آیا تو گم تھی میری جنّت اے ندیم!

تھی بسی دل میں مگر وہ آنکھ سے پنہاں رہی
جُستجو میری شہیدِ حسرت و ارماں رہی

سگ باش برادر خرد مباش

از جناب سید رضا مظہری الکاظمی

خدا کروٹ کروٹ جنت دے اس دل جلے چھوٹے بھائی کو جس نے پہلے پہل جھلا کر یہ فقرہ کہا تھا۔ اس مختصر سے فقرے کی تلخی کا اندازہ اور احساس پوری طرح وہی انسان کر سکتا ہے جسکو چھوٹا بھائی ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ بڑے بھائی اور بے بھائی قسم کے انسانوں کو اس درد کی ٹیس کا مزہ کیا معلوم۔۔ نہ جانے اس غریب چھوٹے بھائی پر کون ایسا جوگ پڑا تھا کہ وہ کتوں کی زندگی کو اپنی زندگی سے بہتر سمجھنے پر مجبور ہوا بلکہ اپنے تمام برادری کو یہ وصیت کر گیا کہ "سگ باش برادر خرد مباش"۔ اور ظاہر ہے کہ اب سے پہلے کتوں کی زندگی اور موت دونوں اپنی زبوں حالی میں ضرب المثل تھیں۔ ملی الخصوص ایشیا میں اس لئے کہنے والے کو مثال کے لئے کتے کی زندگی سے ابتر کوئی زندگی نظر نہ آئی۔ لیکن یہ بیچارے اگر اس بیسویں صدی میں موجود ہوتے تو میم صاحب کے کتے کی صاحبانہ زندگی دیکھکر انہیں اپنی رائے یقینی تبدیل کرنی ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے بڑے بھائی کو بھی شائد یہ مشورہ دیتے کہ "سگ میم صاحب باش ۔۔۔۔"

خیر یہ تو رہا جملۂ معترضہ اب آیئے اصل موضوع کی طرف۔ بھائی بھائی کی رقابت کی تاریخ کا سراغ تو ہمیں ہابیل اور قابیل کے واقعہ سے ملتا ہے۔ لیکن بڑے بھائی کی حکومت چھوٹے بھائی پر کب سے رائج ہے۔ اس کا پتہ نہیں ملتا۔ کبتک رہیگی اس کا تخمینہ بھی ممکن نہیں۔ شائد ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ تمدن نے ہزاروں کروٹیں لیں۔ معاشرت انسانی نے کتنے چولے بدلے شہنشاہیت پر زوال آیا۔ جمہوریت راندۂ درگاہ ہوئی۔ مگر بڑے بھائی کی ملوکیت لازوال ہے۔ حالانکہ بڑے بھائی کی حکومت کی بنیاد صرف قدرت کی اس ستم ظریفی پر ہے کہ بڑے بھائی صاحب چھوٹے بھائی سے چند مہینہ یا چند سال پہلے اس عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ چھوٹے بھائی کا یہ جرم قطعئ ناقابل عفو ہے کہ اس نے آنے میں کچھ دیر کی۔ اس جرم کی پاداش میں وہ ہمیشہ کے لیے بڑے بھائی کا بندۂ بے دام اور تابع فرمان غلام قرار دیا جاتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں چھوٹا بھائی مغلوب اور بڑا بھائی غالب نظر آتا ہے۔ اگر ماں نے حلوہ کی ایک تشتری مشترک طور پر دیدی تو بڑے بھائی صاحب اپنی بڑائی کی وجہ سے اس لقمۂ تر میں شریک غالب۔ چھوٹا تو چھوٹا ہے اس کا پیٹ بھی چھوٹا ہونا چاہئے۔ اگر چھوٹے نے احتجاج کرنا چاہا تو بڑے بھائی کی ایک گھڑکی اور ایک دھمکی اسے خاموش کرنے کے لئے کافی ہے۔ دسترخوان پر کھانے بیٹھے تو اچھی اچھی بوٹیاں چن کر بڑے بھائی صاحب اڑائیں گے۔ چھچھڑے اور ہڈیاں چھوٹے بھائی کو بخشی جائینگی۔ کپڑے بننے لگیں گے تو بڑے بھائی صاحب پہننے لئے سلک اور الپاکا پسند فرمائیں گے۔ سفید نئنلاٹ کے پاجامے بنوائیں گے۔ چھوٹے کو ابھی سے فیشن کا دلدادہ ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے رنگین ململ کی اچکن اور بوٹ کا پاجامہ بہت مناسب ہے۔ بڑے بھائی صاحب کو ماسٹروں کے یہاں پڑھنے جانا ہے انہیں بائیسکل کی شدید ضرورت ہے۔ چھوٹا تو کہیں جانا نہیں وہ لیکر کیا کرے گا۔ غرض اسی قسم کا منطقی انصاف کم و بیش ہر گھر میں چھوٹے بھائی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ گھر والوں کا بھی قصور نہیں۔ انگریزی کی وہ مثل First come First served. کے بمصداق ساری محبت تو بڑے بھائی صاحب پر صرف ہو گئی چھوٹے کو تو تہ دیگی پر قناعت کرنی ہی چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ مذہب

سے بھی تو اولادِ اکبر کا درجہ بڑا ہے ۔ وہی باپ کا جانشین باپ کی سواری انگوٹھی اور دیگر سامان زینت کا وہ حقدار ہے ۔ باپ کا کریا کرم بھی تو اسی کے ذمہ ہے ۔ پھر والد صاحب قبلہ انکی خاطر کیوں نہ کریں ۔

ہاں تو اگر آپ اپنی بدنصیبی اور اپنے بڑے بھائی کی خوش نصیبی سے چھوٹے بھائی ہیں تو اس حیثیت سے آپ کے فرائض حسب ذیل ہیں ۔ بڑے بھائی صاحب کے جوتوں پر پالش کرنا ۔ ان کے لئے بازار سے بعجلت راز سگریٹ پان وغیرہ خرید کر لانا ۔ بڑے بھائی صاحب کے دوستوں کے مکان تک چلتی گھڑی دوپہر کو پیام پہونچانا ۔ ان دوستوں کی تعظیم صرف اس بنا پر کرنا کہ وہ بڑے بھائی کے دوست ہیں ۔ چہ جائیکہ ان میں سے اکثر آپ سے کم علم کم عقل اور اکثر کم سن بھی ہوں ۔ بھائی صاحب کی کوئی چیز کھو گئی ہو یا ٹوٹ پھوٹ گئی ہو تو اس کی خبر رکھنا کہ وہ کیوں کھو گئی ۔ کیوں ٹوٹی ۔ اب کہاں ہے ۔ کیوں نہیں ملتی ۔ بھائی صاحب کو اگر کنکیا کا شوق ہے تو دوڑ دوڑ کر ان کی کنکیا چھڑانا اور مانجھے کے لئے شیشہ کوٹنا ۔ اگر بھائی صاحب عمر میں کچھ زیادہ بڑے ہیں تو پھر ان کے آرام کے وقت پاؤں دبانا ۔ ہمیں سلسلۂ غرض صبح سے شام تک آپکو بڑے بھائی صاحب کی خدمت کو اپنا مقصد آفرینش سمجھنا چاہئے ۔

لیکن سراسر حق پوشی ہوگی اگر اس کا اعتراف نہ کیا جائے کہ ان تمام خدمات جلیل کا اجر جمیل بھی آپکو آپکی سعادتمندی کے توازن سے بھائی صاحب کی پرانی اچکن چھوٹے یا دل سے اترے ہوئے جوتے کبھی کبھی دو چار پیسے اور کبھی بھولے بھٹکے اظہار خوشنودی کے لئے ایک آدھ ہلکی سی چپت یا گوشمالی جو قصداً لی چپت اور گوشمالی سے نیتاً تو مختلف مگر اثرات کے لحاظ سے مساوی کی صورتوں میں ملتی ہیگی لیکن اگر آپ نے علم بغاوت بلند کیا تو ان نعمتوں ہی سے صرف محروم نہ رہینگے ۔ بلکہ آپ کو بھائی صاحب کی سیاسی چالوں کا بھی ہدف بننا پڑیگا ۔ دوسرے ہی دن سے آپ کے سر الزام ہوگا کہ پڑھتا نہیں دن بھر کھیلتا رہتا ہے ۔ بیہودہ ہو گیا ہے ۔ سزا دینے کے قانونی جواز کے لئے فوراً آپ سے سبق پوچھا جائیگا ۔ اور قصداً وہ الفاظ پوچھے جائینگے جو مشکل ہوں اور شائد بھائی صاحب کو خود بھی معلوم نہوں ۔ آپ ابھی بتانے کا ارادہ کرینگے اور ادھر سے "کچھ یاد نہیں مردود" کو کیساتھ ساتھ دھماکوں کی بوچھار ۔ اس پر بھی اگر آپ نے ہار نہ مانی تو تیسرے دن آپ کو آوارگی کا مجرم قرار دیکر آپ کے بال استرے سے مونڈ دئے جائینگے ۔ آپ کی کنکیا ضبط ہوگی لٹو پھینکے جائینگے ۔ کیونکہ یہ جملہ سامان معین آوارگی ہیں ۔

درآنحالیکہ بھائی صاحب قبلہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں خود شائد ایک گھنٹہ بھی درسی کتابیں پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے ۔ والد صاحب کے دکھلانے کیلئے ناول نیچے اور درسی کتابیں اوپر رکھکر مطالعہ کرتے ہیں ۔ مشکل حساب سیکھنے کے حیلہ شرعی سے دوستوں کے یہاں گھنٹوں تاش اور شطرنج سے ذہن کو جودت سکھلاتے ہیں ۔ کنگھی چوٹی کے تمام لوازمات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کم از کم دن اور رات میں دو تین گھنٹہ صرف کرتے ہیں ۔ لیکن ان کے لئے یہ سب افعال حسنہ جائز ہی نہیں مستحب ہیں ۔ کیونکہ وہ بڑے ہیں ۔ اور آپ چھوٹے ہیں ۔

بھائی صاحب کی حکومت کی کوئی میعاد مقرر نہیں ۔ بچپن جوانی بڑھاپے آپکی زندگی کے تینوں دور میں انکی حکومت آپ پر قائم رہیگی ۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ آپ کو نظام آئینی یا درجہ نوآبادیات بہ غایت کرم عنایت کیا جائے ۔ لیکن آپ کو کانگریس کی طرح "آزادی کامل" کا خواب خوش دیکھنے کا اختیار قطعاً حاصل نہیں ۔ ان مراعات کے حصول کے لئے کوئی معین وقت نہیں وہ آپکی ذاتی صلاحیت پر منحصر ہے ۔ اگر آپ کی سعادت مندی بڑے بھائی صاحب کی نگاہوں میں مستند ہے ۔ تو پھر حکومت خود اختیاری کی منزلیں جلد جلد طے ہونگی ۔ لیکن اس سلسلہ میں بھائی صاحب کی نیت پر شک کرنا ایک صریحی غلطی ہوگی ۔ کیونکہ ان کا دلی مقصد

یہ ہے کہ وہ آپ کو خود اختیار دیکھیں۔ مگر ان کی محبت انہیں یہ یقین نہیں کرنے دیتی کہ آپ کے اندر باوجود سن وسال کے سوچنے اور سمجھنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ وہ آپ کو طالب علمی کے زمانہ کی طرح اب بھی ناسمجھ اور عقل سے کورا سمجھتے ہیں۔ اور آپ کی رہبری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ حالانکہ آپ نے بھی ان کی طرح تعلیم کی تمام منزلیں طے کی ہیں اور وہی کتابیں پڑھی ہیں جو انہوں نے پڑھی تھیں۔ لیکن چونکہ وہ بڑے بھائی ہیں ان کی عقل کا آپ کی عقل سے بڑا ہونا مسلم ہے۔ چھوٹے بھائی والے دماغ میں بڑی باتیں سمجھنے کی صلاحیت کہاں سے آسکتی ہے؟

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ دنیا والے بھی بھائی صاحب قبلہ کے ان خیالات سے موید نظر آتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں بھی فضیلت اور دانائی کے اہل صرف بڑے بھائی صاحب ہیں اور آپ کی حیثیت صرف اضافی ہے۔ آپ کی قابلیت آپ کی ادبیت آپ کی شاعری سب کچھ آپ کے بڑے بھائی کی فضیلت میں گم ہو کر رہ جائیگی۔ اگر آپ کے بڑے بھائی ادیب ہیں اور آپ بھی مضامین لکھتے ہیں تو آپ کے مضامین آپ کے نہیں بلکہ بڑے بھائی صاحب کے خرمن دماغ کے خوشے ہیں۔ آپ شاعر ہیں اور آپ کے بڑے بھائی بڑے شاعر ہیں تو آپ کا ہر شعر انتخاب کی وقتی کیفیت ماننے کا سمجھا جائے گا۔ اگر آپ کے بڑے بھائی سوسائٹی کی آنکھوں میں بڑے ہیں تو پھر آپ باوجود اپنی تمام ذاتی صلاحیتوں کے صرف "فلاں صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں"۔

درحقیقت اس میں آپ کے برادر بزرگ کا کوئی قصور نہیں۔ دنیا خود اس قدر بزرگ پرست واقع ہوئی ہے کہ اگر وہ آپ سے سنہ رعایت کرکے آپ کو اپنی غلامی سے آزاد کرنا چاہیں تو لوگ انہیں آزاد نہ کرنے دیں۔ وہ لاکھ آپ کو برابری کا درجہ دیں مگر دنیا کی نگاہ میں آپ چھوٹے ہیں اور چھوٹے رہیں گے۔ لطف یہ ہے کہ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ چھوٹا بھائی ہونا بڑی نعمت ہے۔ بڑے بھائی سے پیسہ اور چیزیں آپ اینٹھ سکتے ہیں۔ آپ اینٹھیں گے۔ چھوٹوں سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ خدا مغفرت کرے استاد ذوق بھی فرما گئے ہیں کہ "دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا"۔ اب اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے کہ "بار الٰہا! تمام حضرات کو دوسرے جنم میں چھوٹا بھائی بنا کر اس دنیا میں بھیج دینا"۔ آمین۔ ثم آمین

مضمون طویل ہو گیا اس لئے فی الحال والسلام

راقم
ایک چھوٹا بھائی

نوٹ:۔ راقم الحروف اگرچہ چھوٹا بھائی ہے مگر اپنی خوش قسمتی سے ایک واقعی محبت کرنے والے بڑے بھائی کا چھوٹا بھائی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسے یہ مضمون لکھنے کی جرات نہ ہوتی۔ "لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے"۔

جذبات قائم

از جناب محمد قائم [illegible]

ترچھی چتون کا کام ہوتا ہے — موت کا مفت نام ہوتا ہے
لطف وہ لطف ہی نہیں ساقی — جو سر بزم عام ہوتا ہے
جو تصور میں بھی نہ آئے تھے — پہروں اُن سے کلام ہوتا ہے
مے گلرنگ میں نے کس دن پی — جھوٹ کیوں اتہام ہوتا ہے
دونوں عالم ہیں اسکے قبضے میں — ہاتھ میں جس کے جام ہوتا ہے
آنکھوں آنکھوں میں کہہ دیا سب کچھ — ہر اشارہ پیام ہوتا ہے
دل وہیں لیچلا مجھے قائم — جس جگہ قتل عام ہوتا ہے

ڈھوڑھا مکسچر

جاڑا بخار اور ملیریائی بخار یا ہر قسم کے بخار طحال ورم جگر وغیرہ سے بچنے کے لئے ڈھوڑھا مکسچر پیجئے

ڈھوڑھا مکسچر ان تمام بیماریوں کی اکسیر دوا ہے جو چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں اثر کرتی ہے اور ان تمام بیماریوں کو جڑ سے کھو دیتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ/)

ملنے کا پتہ :- ہر ایک دوکاندار یا ڈاکٹر ضمیر احسن

گیا سنٹرل میڈیکل ہال گیا

پیمانِ رنگیں

از محترمہ انسہ نسیم سوزِ اردول

بھول جانیکا گلہ ہے نہ شکایت مجھکو

قلبِ مغموم کی باقی ہے تمنا اب بھی!
اب بھی آباد ہے اُمید کی دُنیا اب بھی!
گرچہ ہر راہ طلب میں غمِ محرومی ہے!
شوقِ وارفتہ ہے ہمدوشِ ثریا اب بھی
بھول جانے کا گلہ ہے نہ شکایت مجھکو

دیدۂ تر کی قسم اشکِ فراواں کی قسم
سوزِ پیہم کی قسم حالِ پریشاں کی قسم
دل کا ہر ذرہ ہے جس تیرے لئے خوں فشاں
اے جفا کیش ترے عہد کی پیماں کی قسم
بھول جانے کا گلہ ہے نہ شکایت مجھکو

ترے اندازِ تغافل سے ہے راحت مجھکو
ترے اس جورِ ستم سے ہے مسرت مجھکو
بھولنے والے تری یاد ہے اب بھی باقی!
تجھ سے بے درد سے اب بھی ہے محبت مجھکو
بھول جانے کا گلہ ہے نہ شکایت مجھکو

ریاضِ بے ثمر

از جناب سید حمیدالدین رضوی سبزی
مخدوم آبادی

بدتر از رہزن ہوا جب راہبر میرے لئے
منزلِ الفت نہ ہو کیوں پُر خطر میرے لئے

کھو کے ہوش و عقل ہر میں لے لیا سودائے عشق
نفع کہتے ہیں جسے وہ ہے ضرر میرے لئے

میں وہ قیدی ہوں اگر چھوٹوں تو ہو جاؤں اُداس
قید خانے کے ہر اک دیوار و در میرے لئے

ہو گئی نذرِ خزاں شاخِ تمنا کی کلی
بے ثمر تھا باغِ الفت کا شجر میرے لئے

واعظو مجرم ہوں لیکن ہاتھ اٹھانا شرط ہے
خود بخود کھل جائیگا بابِ اثر میرے لئے

آج تم مجھکو ملاتے ہو ملا لو خاک میں
پھر بہت روؤ گے لیکن عمر بھر میرے لئے

رازِ دل کا کیوں کھلے کیوں خط کسی کے ہاتھ جائے
ہے مرا ایک تصوّر نامہ بر میرے لئے

مفت میں روشن میں اپنا وقت کیوں ضائع کروں
شاعری ہے اک ریاضِ بے ثمر میرے لئے

انقلاب

(از محترمہ راحت آرا بیگم)

نوجوان مصور اپنے مکان کی سب سے اونچی منزل کے کمرے میں ایک رومانی دنیا کے دریچے کے سامنے بڑی سی میز کے پاس بیٹھا تھا۔ نقاشی کے کل سامان اس کے سامنے بکھرے پڑے تھے۔ وہ ایک گہری سوچ میں دکھائی دے رہا تھا۔

اسوقت اسے دو چیزوں کے بنانے کا بیحد شوق تھا۔ ایک تو قدرت کا دلکش منظر اور دوسری اپنی محبوبہ کی تصویر۔ کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ قدرت کے کسی حسین منظر کا نقشہ پہلے کھینچے۔ جس نے اس کے دل میں محبت کے دبے ہوئے جذبات کو ابھار دیا تھا۔ جس نے اس کی سوئی ہوئی خواہشات کو بیدار کر دیا تھا۔ اور جس کی وجہ سے وہ برابر اپنے دل و دماغ میں ایک پرکیف مسرت محسوس کیا کرتا تھا۔

اس کے بعد ——— ہاں اس کے بعد اس دل افروز منظر کے درمیان وہ اس حسین دوشیزہ کی تصویر بنائے گا۔ جو اس وقت اس کے دل کی ملکہ تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انقلاب کی شورش نے ملک میں ایک ہلچل سی مچا رکھی تھی۔ اور ملک کا ہر فرد اس جنون میں مگن دکھائی دے رہا تھا۔ اخبار کے کالم ان ہی خبروں سے بھرے پڑے ہوتے تھے۔

ہر طرف یہی چرچا تھا کہ اس انقلاب کو کس طریقے سے عمل میں لایا جائے۔ باغیوں کو کیسی سزائیں دی جائیں۔ اور کیونکر ساری قوم کے دلوں میں یہ بٹھا دیا جائے کہ ملک کو اس وقت آزادی کی ضرورت ہے۔ کس طرح ظالم حکمران کا تخت الٹ دیا جائے۔

وہ جب راستوں سے گذرتا تو ان باتوں کو نفرت سے سنتا تھا۔ جس کی وجہ سے ملک کے ہر حصے میں بے امنی پھیلی ہوئی تھی۔ جب چاروں طرف کی یہ بے سرو پا باتیں اسے بے چین کر دیتیں تو وہ راستے سے ہٹ کر کسی خوبصورت باغ میں داخل ہو جاتا۔ اور خاموشی سے کنارے کے ایک بینچ پر بیٹھکر انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کی کوشش کرتا۔

وہ سوچتا "انسانی فطرت اس قدر حریص کیوں واقع ہوئی ہے۔ قناعت کے اصلی معنی لوگوں کے دل و دماغ سے کیوں مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اس کی جگہ حرص کے شعلے کیوں بھڑک اٹھے ہیں۔

آہ!

محبت آج ایک مضحکہ خیز شے بن کر رہ گئی۔ محبت جو زندگی کی روح ہے اسے ترک کرکے دنیا والوں نے کیوں اپنے ہی ہاتھوں سے بے اطمینانی اور بدامنی کا پہاڑ سر پر لاد ڈالا ہے۔ لوگ آج محبت کے نام پر ہنستے کیوں ہیں۔ کیا اس کی پاک محبت بھی اس انقلاب کے بھینٹ چڑھا دی جائیگی؟ کیا وہ بھی ان مضحکہ اڑانے والوں کی صفوں کی طرف جبراً دھکیل دیا جائے گا۔؟

افسوس!

کیا اس کی دلی آرزوئیں اس کی زندگی کے ساتھ ہی خاک میں ملا دی جائینگی۔؟ کیا خبر! ہو سکتا ہے اسے بھی اپنی زندگی ملک کی

قربان گاہ پر نذر دینی پڑے۔ لیکن ایک حسرت بہت دنوں سے اس کے دل میں تھی۔ وہ یہ کہ اپنی زندگی ختم ہونے سے پہلے اپنی مصوری کا آخری اور نادر نمونہ دنیا میں چھوڑ جائے۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ شورش ایک دن اس کی جان بھی لے کر رہیگی۔ اطراف کے حالات بھی اس بات کی شہادت دے رہے تھے۔ کہ اسے ایک نہ ایک دن ضرور قربان ہونا پڑے گا۔

تو پھر کیوں نہ آج ہی سے وہ اپنے مدت کے ارادے کو عمل میں لانا شروع کردے۔ ہاں۔ آج ہی وہ اپنی نقاشی کے سامان لے بیٹھے گا۔ اور اپنی محبوبہ کی تصویر بنانے میں غرق ہو جائے گا۔ یہی اس وقت اس کے لئے دنیا میں سب سے مرغوب مشغلہ تھا۔

(۲)

ایک عالیشان محل کے اندر ہال میں ایک صوفے پر حسین فوزیہ نیم دراز تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ سرخ و سفید رنگ۔ بھرا ہوا بدن۔ اس کی بلوریں کلائیوں میں ہیرے اور یاقوت کے زیور جگمگا رہے تھے۔ گلے میں زمرد کا ہار پڑا تھا۔ جس نے اس کے سینے کو حسین ترین بنا دیا تھا۔ کانوں میں آویزے بھی زمرد کے تھے۔ جو روشنی میں یوں چمک رہے تھے جیسے صاف و شفاف آسمان پر ستارے۔ اس کی سیاہ چوٹی پیٹھ پر کالے ناگ کی طرح لہرا رہی تھی۔ اور جسم پر گہرے رنگ کا ریشمی لباس تھا۔ وہ رحمان بے نامی ایک ایسے شخص کی لڑکی تھی جو حکومت میں کسی اعلیٰ عہدہ پر ممتاز تھے۔ اور شہر کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

رات کا وقت تھا۔ ابھی ابھی گھڑیال نے نو بجے کی اطلاع دی تھی۔ وہ گھنٹے کی آواز سے اس طرح چونک پڑی جیسے گہری نیند سے یکایک جگا دی گئی ہو۔ اور وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر عجلت کے ساتھ اٹھی اور دریچے کے باہر مضطربانہ نظر ڈالنے لگی۔

دفعتاً دروازہ کے ریشمی پردے کو جنبش ہوئی۔ اور رحمان بے کمرے میں داخل ہوئے۔ آہٹ پر فوزیہ نے پلٹ کر دیکھا۔ اور اپنے بزرگ باپ پر نگاہ پڑتے ہی سنبھل گئی۔ سر پر آنچل ڈال لیا۔ اور آہستہ آہستہ صوفے کی طرف سرک آئی۔ ادب سے سلام کیا اور صوفے کے ایک کنارے بیٹھ گئی۔

رحمان بے خود بھی بیٹی کے قریب آ بیٹھے۔

"بیٹی فوزیہ" انہوں نے بیٹی پر گہری نظر ڈالتے ہوئے کہا "کئی روز سے سن رہا ہوں کہ تمہاری طبیعت ناساز ہے۔ حکیم کو بلوانے کا بھی میں نے حکم دیا تھا۔ لیکن سنا کہ تم نے کسی قسم کے علاج و معالجے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے اس وقت اپنے بہت سے ضروری کاموں کو برطرف کرکے تمہاری مزاج پرسی کو آیا ہوں۔ تمہارا بیٹی: تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟"

فوزیہ کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ لیکن انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ابا جان۔ ملک کی بدامنی نے میرے دل و دماغ کو پریشان کر ڈالا ہے۔ قتل و غارت کی خبریں سننے کی اب مجھ میں تاب نہیں۔ میری سہیلیاں بھی ان بربادیوں سے پریشان ہو کر اپنے اپنے سرپرستوں کے ساتھ گاؤں کی طرف چلی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تنہائی میں دل افسردہ ہو جاتا ہے۔ ورنہ ایسی کوئی خاص بات نہیں کہ علاج کی ضرورت ہو۔"

"اچھا؟"

یہ کہکر رحمان بے متعجب نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھنے لگے۔ آج سے پہلے تک وہ اپنی بچی کو بے پرواہ اور معصوم سمجھ رہے تھے۔ بیٹی کے سامنے اگر انقلاب کا ذکر آتا تو وہ گفتگو کا رخ پلٹ دیا کرتے تھے۔ اپنی اکلوتی اور بن ماں کی بچی کو ——— اپنی نازک [illegible] کو جسے انہوں نے بڑی آرزوؤں اور ارمانوں سے پالا تھا ایسی خبروں سے وہ ہمیشہ بچاتے رہتے تھے۔ انہیں یقین

تھا کہ کسی قسم کا فکر اس کی کمزور صحت پر برا اثر ڈالیگا۔ لیکن آج اسکی باتوں نے ان کے خیالات بدل ڈالے۔ وہ صوفے پر اور بھی اطمینان سے نیم دراز ہو گئے۔ پھر کہنے لگے

"اوہ۔ کیا واقعی یہی بات ہے فوزیہ؟ غالباً یہ میری نادانی تھی یا تمہاری محبت۔ کہ میں تمہارے نازک دل کو ان باتوں سے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن آج تمہاری باتوں نے میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل مچادی ہے۔ اور آج میرے آنے کی یہ غرض بھی تھی کہ میں تمہیں خود باہر کے حالات سے خبردار کرنا چاہتا ہوں

فوزیہ خاموشی سے باپ کی باتیں سنتی رہی۔ پھر سنجیدہ آواز میں بولی

اپنی نا چیز بچی کو اسقدر اعلیٰ تعلیم دینے کے بعد آپ نے یہ بات کیونکر گوارہ کی ابا جان۔ حالانکہ انقلاب کی تحریکیں جب پہلے پہل ہوئی تھیں تو آپ گھنٹوں مجھ سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے۔ لیکن نہ معلوم کیوں ادھر چند روز سے آپ متفکر نظر آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی۔

رحمان بے محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھ کر بولے

نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ دراصل ہفتہ بھر سے جو غیر معمولی اور ہولناک واردات پیش آرہے ہیں۔ ان سے میں قصداً تمہیں بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ یہ بات ناممکن ہے۔ کہ تم جیسی ذہین بچی اپنے ملک کے بلکہ آس پاس کے حالات سے بے خبر رہے۔ مجھے خود اس موضوع کو چھیڑتے ہوئے رکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ میں مرد ہوں۔ پھر بھی مجھ میں اب برداشت کی طاقت نہیں۔ دل چاہتا ہے کہیں بھاگ جاؤں۔ چھپ جاؤں۔ لیکن یہ بات مردانگی کے خلاف ہے۔ آج تک جس طرح حکومت کی نمک خواری کرتا آیا ہوں آج بھی اس پر قائم رہونگا۔ اور اپنی جان کو ان مخالفوں کے مقابلے میں قربان کردونگا۔ یہی میری خواہش ہے مگر بیٹی فوزیہ، صرف تمہارا خیال کبھی کبھی میرے ارادے کو متزلزل کر دیتا ہے۔"

فوزیہ بغور باپ کی باتوں کو سن رہی تھی۔ اور اس کی نظریں دیوار پر ٹنگی ہوئی ایک تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ رحمان بے کے خاموش ہوتے ہی اس نے اپنی نگاہیں ہٹالیں۔ پھر نرم آواز میں کہنے لگی۔

محبت کے بارے میں نقطۂ نظر سے آپ کا خیال بجا ہے۔ لیکن ان شورش والوں کے ہاتھوں ہی مرنا ہے تو پھر کیوں نہ ایک بہادر سپاہی کی طرح موت کے میدان میں کود پڑے۔ صرف میرے لئے اپنی قیمتی زندگی کی توہین کرنا بڑی نادانی ہے۔ میں خود اپنی جان وطن کے لئے قربان کرنے کو آمادہ ہوں۔

رحمان بے کے دل میں اس شبہ گھڑی کی دل خوشکن یاد تازہ ہوگئی۔ جب خدا نے انہیں فوزیہ جیسی اولاد عطا فرمائی تھی۔ آخر کار انہوں نے بیٹی کی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

بیٹی میں تمہارے بہادرانہ جذبات سے خوب واقف ہوں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس قادر مطلق نے تم جیسی لڑکی عطا فرمائی۔ میں آج اپنی قسمت پر فخر کرتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ ایسے شش و پنج کی حالت میں عین شباب کے وقت تمہیں اگر اس دنیا میں تنہا چھوڑ جاؤں تو میری روح قبر میں بھی مجھے چین نہیں لینے دیگی۔ اس وقت تم نے زندگی کی اس منزل میں قدم رکھا ہے جسکی بہاریں دیکھنے کا میں تا زندگی آرزومند تھا۔ تمہارے لائق ایک ایسے بر کی تلاش میں ہوں۔ جسے تم خود بھی پسند کرسکو۔ تمہاری شادی اگر اپنے ہاتھوں انجام کر جاتا تو مجھے ہر حالت میں چین اور سکون کی موت نصیب ہوتی۔ لیکن تمہیں تنہا دنیا میں چھوڑ کر اگر میں دنیا سے گذر بھی جاؤں تو بھی میری روح بے چین رہیگی

میں تم سے آج ہی اس امر پر گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ میں تم جیسی نور نظر کو زندگی کا رفیق پسند کرنے کا تمہیں اختیار دیتا ہوں۔ بتاؤ بیٹی۔ کہ تم نے کسے اپنا شریک زندگی بنانے کا فیصلہ کیا ہے؟

فوزیہ خلاف امید گفتگو کا رخ بدل جانے پر متحیر سی ہو گئی۔ اسے اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ اسقدر جلد ــــ اسی وقت اسے اپنے پدر بزرگوار پر اپنا منشا ظاہر کرنا ہی پڑیگا۔

وہ اپنے شفیق باپ سے ڈرتی نہیں تھی۔ پھر بھی باپ کا رعب اور دبدبہ ہر وقت اس کے دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔

دفعتہً وہ کسی نا معلوم خیال کے آنے پر خوفزدہ سی ہو گئی۔ نظریں نیچی کر لیں۔ اور اپنی انگلیوں سے شغل کرنے لگی۔

رحمان بے نے بیٹی کی اس تبدیلی کو بھانپ لیا۔ وہ اور بھی اس کے قریب کھسک آئے اور انتہائی ہمدردی سے گویا ہوئے

"فوزیہ تمہیں اپنے باپ سے شرمانے کی کوئی وجہ نہیں۔ علاوہ اس کے میں خود ہی تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ تم اپنی مرضی مجھ پر ظاہر کرنے میں پس و پیش نہ کرو۔ میں حتی المقدور تمہاری مرضی کا خیال رکھوں گا۔ بتاؤ۔ بیٹی تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔؟"

فوزیہ نے بہت کوشش کے بعد آخرکار دھیمی آواز میں کہا۔

"میرے شفیق ابا جان۔ ممکن ہے کہ میرا انتخاب آپکو ناگوار خاطر ہو"

رحمان بے سننا چاہتے تھے کہ ان کی عزیز لخت جگر نے کسے اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ اور یہ ارادہ بھی مضبوطی کے ساتھ ان کا تھا کہ وہ ضرور اسی شخص کے ساتھ بیٹی کو بیاہ دینگے جسے وہ خود پسند کرے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی بیوقوف یا جاہل نہیں ہے۔

آخر انہوں نے کہا

میری ناگوار خاطر یا خیال کرنے کی تمہیں مطلق ضرورت نہیں۔ تمہاری زندگی کے بارے میں اپنی مرضی پر تمہاری خواہش کو مقدم سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد وہ مجسمۂ سوال بنکر بیٹی کی طرف دیکھنے لگے۔

وہ سوچ رہے تھے کہ اس وقت کسی پست شخص کا نام بھی اگر فوزیہ بتائے جو کہ انہیں پسند نہ ہو۔ تو بھی وہ رضامندی کا اظہار کرینگے۔ ممکن ہے جس شخص کو وہ حقارت یا نفرت سے دیکھتے ہوں اس کی ہستی فوزیہ کے لئے سب سے زیادہ دل عزیز ہو۔

بیٹی کو خاموش دیکھکر وہ فکرمند سے ہو گئے۔ پھر کہا۔

"جواب دو بیٹی۔ میں اس بارے میں ہرگز کوئی کام تمہارے خلاف مرضی نہ کرونگا۔ اس کا یقین رکھو۔ کہو"

فوزیہ نے اپنی سیاہ پلکیں آہستگی سے اوپر کی طرف اٹھائیں اس کی نگاہیں ایک تصویر پر جم کر رہ گئیں۔ جو ہال میں ایک طرف ٹنگی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی باپ کی ہمدردی پر یقین کرتے ہوئے اس نے اسطرف اپنی نازک انگلیوں سے اشارہ کیا۔

خلاف امید بیٹی کے اس لاجواب انتخاب پر ان کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔ وہ حیرت و استعجاب سے کبھی اس نوجوان مصور کی تصویر کی طرف دیکھتے اور کبھی اپنی حسین دختر نیک اختر کی طرف۔

چند منٹ خاموش رہنے کے بعد انہوں نے یوں سلسلہ کلام شروع کیا۔

اوہ فوزیہ۔ آج میں تمہاری اس ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ اور اس بے مثال انتخاب پر تمہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس نوجوان نے اسی کمسنی میں جس اعلیٰ مصوری کا نمونہ ملک کے سامنے پیش کیا ہے وہ غیر معمولی ہے۔ اسی سے ملک بھر میں آج اس کی شہرت ہے۔ اور آج وہ ایک بلند پایہ مصور خیال کیا جاتا ہے۔ رسالوں اور اخباروں میں اس کی مصوری کے نمونے دیکھ کر لوگ رشک کرتے ہیں۔ اسی کمسنی میں کبھی کسی نے اس قدر شہرت حاصل نہیں کی ہے۔ جس قدر شمشاد نے۔

اس کی اگرچہ میرے ساتھ براہ راست ملاقات نہیں۔ پھر بھی میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کے اطوار و خصائل بے عیب ہیں۔ اپنی زندگی میں اس نے کبھی کوئی حرکت ایسی نہیں کی جس سے اس کی عزت پر کسی قسم کا دھبہ لگایا جا سکے۔ میں جانتا ہوں وہ تنہا ہے اور خود مختار۔ میں بہت جلد اس کا ذکر کروں گا اور اس ہنگامے کے رفع ہوتے ہی اس بات کا انتظام کروں گا کہ تمہاری آرزوئیں بر آئیں۔ شاباش میری پیاری فوزیہ شاباش۔ آج تم میری زندگی میں ایک نئی مسرت لے آئیں۔ پہلے مجھے خوف تھا کہ تم کہیں ایسا شریک حیات نہ چن بیٹھو جو مجھے پسند نہ ہو۔ یا عزت و حرمت میں میرے برابر نہ ہو۔ لیکن آج اس بات کے انکشاف پر میرا دل مسرت سے لبریز ہے۔ کہ تم نے انتخاب میں غلطی نہیں کی ہے۔

فوزیہ ساکت و صامت بیٹھی باپ کی باتوں کو سن رہی تھی۔ وفور مسرت سے اس کی سیاہ پلکوں پر دو آنسو تھرتھرا رہے تھے۔

(۳)

مصور شمشاد اپنی پوری محبت و خواہش کے ساتھ فوزیہ کے حسن لاجواب کا نقشہ اتارنے میں مصروف تھا۔ اس کی حسین جمیل صورت بنانے کے بعد اس کے بلوریں ازواد ابھرے ہوئے سینے کی تصویر کھینچی تھی۔ مصوری کے سامان بدستور اس کے سامنے بکھرے پڑے تھے۔ دریچہ کھلا ہوا تھا۔

آسمان پر آفتاب عالمتاب اپنی پوری آب و تاب سے تمام دن چمکنے کے بعد زوال کی طرف جا رہا تھا۔ اور اب اس کی چمک مدھم ہونے لگی تھی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے نوجوان شمشاد کے گھونگھریالے بالوں سے کھیل رہے تھے۔

وہ نہایت جانفشانی سے اپنے مشغلے میں غرق تھا۔

دنیا کے ہنگاموں سے بے خبر ۔۔۔ حسرت و ارمان اپنے کشادہ سینے میں لئے ہوئے ۔۔۔ حسین نوجوان مصور ۔۔۔ اپنی معشوقہ کی تصویر پر جھکا ہوا تھا۔ اس کے کان قوت سامعہ کھو چکے تھے۔ جسم پتھر کی طرح ساکت تھا۔ صرف اس کے والہانہ جذبات عشق اس کی پتلی پتلی انگلیوں [illegible] تھے۔ جن سے وہ اپنی مصوری کا زندہ جاوید نمونہ پیش کرنے والا تھا۔

تصویر اب قریب الختم تھی۔

ایک خوشنما باغ جس میں ہر طرف خوبصورت و خوش رنگ پھول اور پودے لہلہا رہے تھے۔ اس کے درمیان ایک بنچ پر ایک حسین دوشیزہ ہلکے ریشمی لباس میں ملبوس ایک عجیب نزاکت کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس کی چمکیلی آنکھیں اس بات کا اظہار کر رہی تھیں کہ وہ حیرت زدہ نگاہوں سے اپنے بنانے والے کو تک رہی ہیں۔ ہونٹ سرخ اور نیم وا تھے۔ جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ ایک ہاتھ بنچ پر دھرا تھا۔ دوسرے سے وہ ایک کھلے ہوئے گلاب کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

اس کے قدموں کے پاس ہی ایک تالاب تھا۔ جس پر ڈوبتا ہوا آفتاب اپنی سنہری کرنیں ڈال رہا تھا۔ حسینہ کا پورا عکس تالاب کی سنہری سطح پر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد چاروں طرف کے منظر کو دلکش ترین بنانے میں اس نے اپنی تمام محنت صرف کر دی۔

ہاں۔ اب تصویر مکمل تھی۔

اف۔ فوزیہ کس محبت کی نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔ اسے کیا معلوم کہ بجنسہ انہی نگاہوں سے کوئی اس کے گلاب جیسے شگفتہ چہرے کو تکا کرتا ہے۔؟ اب اس نے تمام متعلقہ سامان کو ایک طرف سمیٹ لیا۔ اور خود بغور اس تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ یکایک کسی آہٹ پر چونک پڑا۔ دروازہ پر باہر سے مسلسل آواز نے اس کے خواب و خیال کی سنہری زنجیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے۔

اس نے تصویر ہاتھ سے رکھدی اور دروازے کی طرف جھپٹا۔

دروازہ کھلتے ہی گولی چلنے کی تیز آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ ساتھ ہی مصور کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی۔

وہ فرش پر بے جان پڑا تھا۔ کیونکہ گولی اس کے سینے کو چھید کر چکی تھی۔

ایک خوفناک قہقہہ کے ساتھ باہر سے یہ آواز آئی۔

"ملعون" مخالفوں کی یہی سزا ہے کہ انہیں ہمیشہ کے لئے گہری نیند میں سلا دیا جائے۔"

ـــــــ (۴) ـــــــ

تقریباً پانچ سال بعد ـــــــ!

ایک نوجوان ـــــ نحیف و ناتواں عورت بازار میں گھوم رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی مشکل سے سنائی پڑتا تھا۔

اس کا داہنا ہاتھ بڑھا ہوا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک جملہ بار بار دہرا رہی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی ــــــ

للہ یہی مہربانی کا صدقہ ــــــ۔ کمیا کو کچھ دیدو۔ راہگیر حقارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گذر جاتے۔ کسی کے دل میں رحم آتا تو چند معمولی سکے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

اس کا خشک چہرہ آج بھی اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ ایک روز حسن کی ملکہ تھی۔ اس کی حسین مگر بے بس نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ کسی اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی طرح ہاتھ پھیلائے بازار میں چلتے چلتے ایک دوکان کے سامنے آکر وہ رک گئی۔

وہاں تصویریں لگی طرف دیکھنے لگی۔ جو دوکان کے سامنے بغرض فروخت ٹنگی ہوئی تھیں۔

اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا اس کے دل و دماغ پر کسی نے بجلی گرا دی۔ آہ! اس نے پہچان لیا۔

ان میں سے ایک تصویر اس نوجوان کی تھی جس کی دنیا محبت کی آگ میں برسوں سے وہ جل رہی تھی۔ اور دوسری تصویر ــــــ ایک دلکش باغ میں ایک تالاب کے کنارے پنج پر نیم عریاں بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت گلاب کی طرف نرم و نازک انگلیوں سے اشارہ کرتی ہوئی خود اسی کی تصویر تھی۔

افسوس ــــــ زمانے کی نیرنگیاں ــــــ!

وہ اس دوکان کے عین مقابل آہستگی سے بیٹھ گئی طرح طرح کے خیالات اس کے دماغ میں رقص کر رہے تھے۔

آہ! تو کیا وہ بھی اس سے محبت کرتا۔ اس پر جان فدا کرتا تھا۔ جس کی محبت کی وہ خود مدتوں سے اپنے دل میں پرورش کر رہی تھی؟ لیکن ــــــ لیکن اس نے کبھی اس

سے ملاقات نہیں کی۔ کبھی زندگی میں ایسا موقع نہ ملا کہ وہ اپنے عاشق صادق سے دو باتیں ہی کرے۔ دیکھ کیسی کیسی آرزوئیں آج اس انقلاب کے ساتھ برباد ہو کر رہ گئیں۔ انھوں نے ان کو ذبح کر ڈالا۔ آہ! ان کی حسرتیں مدت کے ساتھ ہی ختم ہو گئیں

اے نوجوان مصور! اے حسن کے قدردان۔ تم بہت بڑے تھے کہ حسین کی تصویر نقش کرتے تھے تم نے انتہائی حسن کو ختم کر ڈالا۔ وہ خود بھی تمہاری تصویر سے کس قدر محبت کیا کرتی تھی تمہارے نام کی وہ اس وقت سے پرستش کرتی تھی جب تمہاری تصویر اور مصوری کے نمونے اس نے دیکھے تھے۔ جبکہ اخبارات کے کالم تمہاری تعریف میں پر ہوا کرتے تھے۔ اور تمہاری اعلیٰ مصوری کے نمونے لوگ انتہائی اشتیاق سے حاصل کرنے کے خواہاں رہا کرتے تھے۔

اس کے والد بزرگوار نے جب اس سے شادی کا تذکرہ کیا تھا۔ تو اس نے اسی تصویر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو کہ اس کی تصویر کے بغل میں تھی۔

آہ! معبود!

آج سب کچھ مٹ چکا۔ بربادی کے بادل چھا گئے۔ سارے ملک کی کایا پلٹ ہو گئی۔ لیکن یہ دو عاشق و معشوق (تصویریں) کیونکر علاحدہ ہو سکتی ہیں۔

اور بھی ——— اور بھی بہت سی باتیں اسے یاد آ گئیں۔

وہ کس لی لڑکی تھی۔ کیسے ناز و نعم سے پرورش پائی ہوئی۔ پھولوں کے نرم گدیلے پر بھی تکلیف محسوس کرتی تھی۔ باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کے سبب اپنے پدر بزرگوار کی کیسی محبت و کشش اس نے پائی تھی۔ جو اپنی آنکھوں سے اسے کبھی اوجھل نہ کیا کرتے تھے۔ دولت اس کے قدموں کو چوما کرتی تھی۔

اس کے بعد وہ دن اسے یاد آ گیا جب کہ انقلاب کے حامیوں نے ایک ہی وار میں اس کی نظروں کے سامنے اس کے والد کو ابدی نیند سلا دیا تھا۔ ان ہی اشخاص میں سے ایک نے اس سے شادی کی درخواست کی تھی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس کے اس طرح انکار کرنے پر اسے زبردستی دھکیل کر محل سے نکال دیا گیا۔ اور آج ——— آہ! آج وہ راستے کی بھکاری ہے۔ وہ چاہتی تو کسی سے شادی کر کے اپنی زندگی سدھار سکتی تھی۔ لیکن نہیں! جس دل میں اس نے صرف ایک کو جگہ دی تھی وہاں اور کسی کی جگہ کیونکر ہو سکتی تھی؟

ایک عورت کے دل میں تو صرف ایک ہی مرد کی جگہ ہے ایک عورت کے دل کی سنگھاسن پر تو صرف ایک ہی مرد بادشاہت کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ شخص یہی مصور تھا جسے وہ اپنے دل کی دنیا میں بسا چکی تھی۔

آہ! حسرتوں کا خون!

کبھی وہ اپنے عاشق صادق سے یہ کہہ نہ سکی کہ اے مصور! وہ بھی تجھی کو چاہتی ہے جس کا تو پروانہ ہے۔ وہ شمع بھی تیرے ہی عشق کی آگ میں جل جل کر فنا ہو رہی ہے جس پر تو نثار ہے

خیالات کا سلسلہ اب ختم ہونے لگا۔ دماغ سن ہو گیا۔ آنکھیں کھولنے کی طاقت بھی نہیں تھی آنکھوں کی چمک غائب ہونے لگی۔ پھر بھی اس کے منہ سے یہ آواز نکلتی سنائی دی۔ اے میرے نامعلوم چاہنے والے! میں بھی جلد ہی تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ بہت جلد ———!

سلسلۂ تعلق دفعتاً ٹوٹ گیا۔ یکایک اس کی حسین نظریں بے نور ہو گئیں بیہوشی کی کیفیت طاری ہونے ہی وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہی۔

راہگیر اور آس پاس کے لوگ عجلت کے ساتھ اس کی طرف دوڑے مگر آہ! ناشاد و نامراد فوضیہ کی روح اس کے جسم کو چھوڑ کر اس کے عاشق صادق مصور کے پاس پہنچ چکی تھی۔

نقد و تبصرہ

اُردو مثنوی کا ارتقاء

مصنفہ جناب عبدالقادر سروری ایم۔ اے استاد ادب اُردو۔ جامعہ عثمانیہ۔ کتاب غیر مجلد حجم ۲۴۲ صفحے۔ کاغذ عمدہ چکنا۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ ملنے کا پتہ سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد قیمت ۱۲/ عہ

مثنوی ہماری شاعری کی ایک اہم صنف ہے جس میں اُردو کے اکثر و بیشتر شعراء طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں جناب عبدالقادر سروری ایم اے نے اُردو مثنوی کے ارتقائی مدارج کو وضاحت کے ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ جا بجا اُنہوں نے چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ قدیم مثنوی کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں جن کے مطالعہ سے اُردو زبان کی عہد بہ عہد تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا جاتا ہے۔

پوری کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے قدیم دور کی مثنوی نگاری پر مختلف عنوانات کے تحت سیر حاصل بحث کرنے کے بعد آخری باب میں مثنوی کے ظاہری تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ اسکی معنویت کے ترقی پذیر رجحانات پر مختصر مگر جامع تنقید کی گئی ہے۔

اس ضمن میں آزاد کی "موسم زمستان" "شب قدر" "ابر کرم" حالی کی "برکھا رت" "شکوہ ہند" "حب کی داد" محمد اسمٰعیل میرٹھی کی "خدا کی تعریف" "تلوک بالی" شوق قدوائی کی مثنوی "حسن" "ترانہ شوق" اور "عالم خیال" سرکشن پرشاد کی "جلوہ کرشن" حضرت بے نظیر شاہ کی "الکلام" حفیظ کی مثنوی شاہنامہ اسلام اور اقبال و جوش کی مثنوی کے طرز میں لکھی ہوئی نظموں پر تنقیدی روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب کی ذریعہ ایک خاص طرح پر اضافہ کیا ہے "ادارہ ادبیات اُردو" نے اس کتاب کو شائع کرکے اُردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے۔

اُمید ہے صاحب ذوق حضرات اس کتاب سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

ہندوستان کے آثار قدیمہ پر ایک اجمالی نظر

ضخامت ۵۰ صفحات کاغذ کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت درج نہیں۔ ناشر:۔ مکتبہ جامعہ اسلامیہ دہلی

یہ پوری کتاب اس گرانقدر مقالہ سے محیط ہے جسے مولانا غلام یزدانی صاحب ڈائریکٹر محکمہ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن نے اُردو اکاڈمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے جلسہ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۷ء میں پڑھا تھا۔ موصوف نے اس سلسلہ میں اپنی گرانقدر تحقیقات کے ذریعہ مختلف زمانوں میں ہندوستان کی تہذیب و تمدن سے پبلک کو روشناس کرایا ہے۔

پوری کتاب ہندوستان کے زمانہ حال تک کے آثار قدیمہ کی تحقیق کا نچوڑ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دوران تحریر میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آثار قدیمہ کے بیان کے ساتھ ساتھ اس زمانہ کی صحیح طرز معاشرت کا نقشہ بھی نظروں کے سامنے رہے۔

کتاب بیحد دلچسپ ہے۔ معلومات میں اضافہ اور مطالعہ کو وسیع کرنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ ع۔ س

کایا پلٹ

صفحات ۱۶۔ کتابت و طباعت کاغذ عمدہ۔ ٹائٹل مصور قیمت ۲/ مصنفہ محمد عبدالغفار صاحب مدھولی مدرس مدرسہ ابتدائی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی۔ یہ کتاب بچوں کے فائدہ کیلئے ڈرامائی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اسکول کا ماحول ہے ایک طالب علم کی کاہلی اور سستی اسکول کے نظام میں رخنہ انداز ہوتی ہے لیکن استاد چند ہی دنوں میں اپنی دانائی اور حکمت عملی سے اس لڑکے کی کاہلی اور سستی کو دور کر دیتا ہے۔ کتاب بچوں کیلئے بہت مفید ہے۔ زبان بالکل سہل اور عام فہم ضرور ہے کہ اس قسم کی کتابیں بچوں کو پڑھائی جائیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ب۔ا۔ س

مقرحات

سہیل کا خاص نمبر دیکھکر

از چوکس گیاوی

حُسنِ خیال، فکرِ علو، درجِ ذیل ہے
ہے صوبۂ بہار جو اب مطلعِ سہیل

کیوں ہو نہ سرزمیں گیا غیرتِ فلک
نکلا ہے سالنامۂ اوّل زہے نصیب

یہ ہے قسم خدا کی زرِ کامل عیار
محروم اسکی ضو سے جو رہ جائے بے بصر

علم و ادب کے آئیں یہ چشمے ابل پڑے
کہدوں جو اہلِ فن نہ کہیں برسرِ غلط

پیمانۂ سخن اسے کہیے نہیں نہیں

کیا کیجئے یہ ذوقِ طبیعت کا میل ہے
رشکِ نہارِ ہند میں ہر ایک بیل ہے

اندازِ نو سے آج طلوعِ سہیل ہے
قدر اسکی کیا کرے گا جو کولھو کا بیل ہے

کیا کہیئے، حاسدوں کی نظر میں جو میل ہے
اسکے سیاہ بخت پر افسوس دو بیل ہے

امڈا ہوا کہ بحرِ معانی میں سیل ہے
لاریب کل جریدوں کا یہ میرِ خیل ہے

تُلتی ہے جس میں جنسِ ادب یہ وہ کیل ہے

چوکس مری سنو تو کہوں مختصر سی بات
یہ منزلِ ادب کارہ نوزو نیل ہے

ایک نظر ادھر بھی

فصل خزاں ہو یا کہ فصل بہار ہو — سنسان دشت یا چمن لالہ زار ہو
تمباکو کے دھوئیں کی کرامت تو دیکھئے — پہنچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

کیا آپ تمباکو کا شوق رکھتے ہیں تو کیا کے ہر کارخانے کا تمباکو پیجئے جو پینے میں اعلیٰ خوشبو میں نرالا پیتے ہی طبیعت کو مست بنا دیو الا جگر کو تازگی دلکو تراوٹ پہنچانیوالا نہایت پائدار خوشبو رکھنے والا جسکی نہایت میٹھی خوشبو کے سامنے گیا کے کل تمباکو پھیکے پڑ گئے ہیں جس خمیرے کی پیاری خوشبو سے آپ خود اور آپکے دوست حیرت میں ہو جائینگے جس کو نہایت صفائی کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ خوبی تو یہ ہے کہ بہت دیر تک تمباکو جلتے ہوئے بھی گھٹنے کا نام نہیں۔ اسی لئے تو ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے۔ صرف ایک بار آزمائش کریں۔ فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے۔

ہیڈ آفس:۔ پرانی گدام گیا } تمباکو منگانے کا پتہ یہ ہے۔ کرامت میاں تمباکو کارخانہ گیا { برانچ آفس: کچہری روڈ گیا

تنہائی سے پریشان کیوں ہوتے ہیں

آپ کے انیس تنہائی رسالہ مست قلندر لاہور میں دلچسپ و انتخابی معمے شائع ہو رہے ہیں۔ یہ بہترین دماغی تفریح ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی رقومات کے انعامات حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہیں سیکڑوں روپیہ کے انعامات اب تک دئے جا چکے ہیں تفصیلات و مفت نمونہ کیلئے آج ہی ایک خط لکھئے۔

"منیجر مست قلندر لاہور"

جریدہ عالم

قارئین کرام ایک وقت

اور اور اور اور

مدیر سید شہاب الدین احمد

اقبال بلڈنگ

ضروری نہیں کہ آپ ہر دوکاندار۔ کارخانہ اور کمپنی کا نام یاد رکھیں

(صرف)

آل انڈیا جنرل آرڈر سپلائی کمپنی کلکتہ

۴۵ مکلوڈ اسٹریٹ کلکتہ ڈاکخانہ پارک اسٹریٹ

کا پتہ نوٹ کرلیں اور ضرورت کے وقت ہر خدمت کیلئے یاد فرمائیں

آپ کو کلکتہ جیسے بڑے شہر سے اپنی تجارت اور ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں تو شوق سے کمپنی کو لکھیں۔ آپکی ساری فرمائشیں مختلف کمپنیوں سے فراہم کرکے عہ (ایک روپیہ چار آنہ) فی صدی کمیشن پر نہایت ارزاں بہت جلد روانہ کریگی خصوصاً پریس کے جملہ سامان ہر قسم کی روشنائی۔ وارنش۔ پالش پتھر کاغذ وغیرہ کے بھیجنے اور بلاک مثلاً ہاف ٹون، لائن، الکٹرو کے بنوانیکا کافی انتظام ہے ایک مرتبہ آرڈر دیکر آزمائیں۔

"منیجر"

حل سوالات مڈل

مڈل اسکولوں اور ہائی اسکولوں کے ساتویں درجہ کے امتحانات کے کل پرچوں کے سوالات سنہ ۱۹۳۱ء سے سنہ ۱۹۳۹ء تک نہایت خوبی سے حل کئے گئے ہیں۔ ہر سبجکٹ کی الگ الگ کتاب کو رٹنے کے بدلے صرف دو بار دیکھ جائیے امتحان میں بس نہ ہوں تو ہمارا ذمہ قیمت سنہ ۱۹۳۱ء۔ سنہ ۱۹۳۶ء عہ سنہ ۳۷ء سے سنہ ۳۹ء ۱۲ ار سنہ ۱۹۳۱ء تا سنہ ۱۹۳۹ء پورا سٹ عگار

ملنے کا پتہ:— راج راجیشوری بکڈپو کچہری روڈ گیا

شربت حیات (رجسٹرڈ)

جسمانی کمزوریوں کیلئے بیحد مفید ہے مقوی دماغ و مقوی باہ خون صالح پیدا کرکے جسم کو فربہ کرتا ہے
ضعیف بچہ پیر و جوان ہر فصل میں استعمال کیا جاسکتا ہے قیمت فی بوتل عہ

مقوی اعظم (رجسٹرڈ) سیلان الرحم و جریان و ضعف باہ وغیرہ کی شکایت دور کرکے قوت کو بڑھاتا ہے

سیلان الرحم وغیرہ کیلئے بیحد مفید ہے قیمت ۱۲ گولی

اکسیر بخار (رجسٹرڈ) عرق جاڑا بخار وغیرہ کے لئے تریاق ہے
اور ہر قسم کی بخار کیلئے بیحد مفید ہے

قیمت فی بوتل ۱۲ ترکیب استعمال ہمراہ دوا

سرمہ حسن نظر (رجسٹرڈ) آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے مثلاً جالا پھولا ناخونہ

دھندلا پن آنکھوں سے پانی گرنا وغیرہ کیلئے اکسیر ہے۔ قیمت ۸

لیکوریا۔ سیلان الرحم اور ماہواری کی تمام شکایتوں کے لئے اکسیر ہے۔

اسکے علاوہ ہمارے یہاں ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں کافی مقدار میں موجود رہتا ہے۔

نیشنل دواخانہ ۱۰۹ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ

تمام قسم کے بندوق رائفل اور کارتوس وغیرہ کے لئے

ان سی داو

کی دکان میں ایک مرتبہ تشریف لاکر آزمائش کیجئے۔
ہیڈ آفس۔ ان سی داوا اینڈ کو ۹ ڈلہوزی اسکوائر
پورب جانب کلکتہ
برانچ:۔ رانی گنج۔ ای۔ آئی۔ آر۔ رانچی۔ بہار

بنگال اسٹیشنرس سنڈیکیٹ

۱۰ مشن رو کلکتہ

مینو فیکچرس۔ امپورٹرس۔ ریپررس
ہمارے یہاں خوردہ اور بیوپاری
اسٹیشنری کا سامان فروخت ہوتا ہے
اور چھپائی کا کام بھی نہایت ہی اچھا
کیا جاتا ہے اس کے علاوہ انجینیرنگ
اور میتھامیٹیکل انسٹرومنٹ اور
ڈرائنگ و پینٹنگ کے سب سامان
بکفایت ملتے ہیں۔

سرونہ برینڈ زردہ فیکٹری

شمیمی زردہ۔ دلاری قوام۔ کیسر ملائی استعمال کیجئے

شمیمی زردہ ان تمام خصوصیات کا حامل ہو چکا ہے جو عام بازاری زردوں سے
ممتاز کرتی ہیں اسکے اجزاء ترکیبی میں کوئی جزو مضر صحت نہیں ہے اسکی تیاری
میں صفائی و ستھرائی کو خاص طور پر ملحوظ رکھتا ہے دلاری قوام خوشبو اور لذت کے
اعتبار سے آپ اپنی نظیر ہے۔ شائقین حضرات استعمال کرکے ہمارے دعوے کی تصدیق
کریں کیسر ملائی پان کی جان ہے خوشبودار خوشرنگ اور خوش ذائقہ ہے
اس کے استعمال سے دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے ان اصحاب کے کام
اور ذائقہ کی چیز ہے جو زردہ یا قوام استعمال نہیں کرتے۔
اس کے علاوہ ہر قسم کے عطریات اور عرقیات کیسے بھی یہ کارخانہ
بین الاقوامی شہرت حاصل کرچکا ہے آزمائش شرط ہے۔

ایم ایس ورکس نمبر ۲۲ ترہٹی بازار اسٹریٹ کلکتہ

اسٹار

دنیائے طب میں زبردست انقلاب

اسٹار۔ ان مریضوں کے لئے جو جریان میں مبتلا ہیں اور مایوس العلاج ہو چکے ہیں بہت مفید ہے۔ ہزاروں صحتیاب ہو چکے ہیں۔ آزمائش شرط ہے۔

ملنے کا پتہ

سرس فارمیسی ڈاکخانہ سرس ضلع گیا

روغن عثمانی

یہ روغن ہر قسم کے درد اور ورم کے لئے بہترین چیز ہے۔ زخموں کو مندمل کرتا ہے پھوڑا پھنسی تر و خشک خارش کے لئے اکسیر ہے۔ درد گوش اور کان بہنے کو بے حد مفید ہے۔

ملنے کا پتہ

عبدالغفور محمد ابراہیم دارالشفاء رفیع گنج ضلع گیا

سرمہ سوزاک

خدا کی قدرت اور فقیروں کی تلاش سے انسان کو کیسی کیسی چیزیں ملجاتی ہیں کہ عقل حیران رہتی ہے۔ دیکھئے یہ سرمہ ہے لیکن قدرت نے وہ اثر دیا ہے کہ اسے آنکھوں میں لگاتے ہی سے مردانا نہ زنانہ سوزاک یا خون اور پیپ آتا ہو چند ہی روز میں ایکدم نجات ہوجاتی ہے احتلام جریان اور عورتوں کے سیلان الرحم سفید دھاد میں یہ بالکل اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کیونکہ ان مرضوں کا اثر آنکھ کی روشنی پر بھی ضرور ہوتا ہے آنکھ سے معلوم ہونے لگتا ہے۔ قیمت کچھ نہیں لی جاتی ہے صرف دوا اور اشتہار کا خرچ بذریعہ منی آرڈر دو روپیہ سوا پانچ آنہ (۲/۵) وی پی میں پانچ آنہ اور زیادہ۔ اگر غلط ہو تو ایمان دھرم سے لکھیں رقم ادا شدہ واپس کر دیجائیگی غلط لکھنے سے اثر جاتا رہے گا۔

ملنے کا پتہ

غریب خانہ (۱۰۸) مجھولی ڈاکخانہ سرتاپ تھانہ مظفر پور

صوبہ بہار کا علمی ادبی اخلاقی تاریخی تمدنی ماہنامہ
رسالہ سہیل گیا
The SOHAIL
مقام اشاعت - دفتر رسالہ سہیل سہیل پریس گیا

پھولوں کی بارش

عطر صنوبر ہمارے یہاں کا خاص عطر ہے جس کی خوشبو نہایت دلفریب اور فرحت بخش ہوتی ہے ایک بار لگانے سے آپ یہ محسوس کرینگے جیسے کہ پھولوں کی آپ پر بارش ہو رہی ہے۔ نیز اسکی خوشبو کافی مدت تک قائم رہتی ہے اسکے علاوہ عطر بہار، سنگار، عطر روح افزا اور دیگر عطریات بہترین قسم کی ہمارے یہاں سے آپ کو دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان سب کی قیمتیں بالکل مناسب رکھی گئی ہیں۔ دیگر قسم کے خوشبودار تیل وعرقیات اعلےٰ قسم کے ہم سے خریدیں ہمارے یہاں کا خاص تیل روغنِ حیات دماغی کام کرنیوالوں کے لئے نایاب چیز ہے۔ فہرست مفت طلب کیجئے۔ آزمایش شرط ہے۔

حافظ محمد زکریا برادرس

۳۱/۳۶ سراج بلڈنگ۔ فوجداری بالاخانہ۔ کلکتہ

کیا آپ کو معلوم ہے؟

کہ کون سا زردہ اچھا ہے وہ جس کے کھانے سے دل و دماغ تازہ رہیں۔ سر میں چکر نہو۔ پان مزہ دار ہو منہ کی تمام خرابیوں کو دور کرے۔ اسلئے عطریات کے بادشاہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

نے

عطریات کے ساتھ ساتھ زردہ کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ پبلک کو آسانی ہو۔ آزمایش شرط ہے

ذیل کے پتہ سے طلب کریں

اکبر علی احمد علی اینڈ برادرس ۱۲۲ لور چیت پور روڈ کلکتہ ۱۱۶ گلی ۲۵ رنگون

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

مبصرین کی نظر میں

صوبہ کے ممتاز اہل قلم جناب سید احمد صاحب اعجاز گرامی نامہ کے ذریعہ تحریر فرماتے ہیں

سہیل کا خاص نمبر صوری اور معنوی ہر دو لحاظ سے اتنا حوصلہ افزا ہے کہ آپ کو جتنی بھی مبارک باد دی جائے کم ہے۔ تعجب ہے اتنی ذرا سی مدت میں باوجود نامساعد حالات کے آپ اتنا دلکش مرقع کیوں کر پیش کر سکے۔

ادبی مضامین اور علمی مقالے نہایت پُر مغز اور معنی خیز ہیں۔ اور اُن کا افادی پہلو از حد تسکین بخش ہے۔ افسانوں اور تمثیلوں میں نہایت چابکدستی سے فطرت انسانی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور ان میں ایسی خصوصیات اور ایسے نو بہ نو عناصر شامل ہیں جن کے پیش نظر اردو ادبیات کے متعلق روشن اور زریں امید رکھنا محض شوخیِ تخیل نہیں بلکہ ایک محسوس حقیقت ثابت ہوگا۔

بعض افسانوں میں تو نفسیاتی تغیرات کو کچھ ایسے دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ شبنم کے شفاف اور بلوریں قطرہ پر شعاع مہر سے ہر لحظہ بدلنے والے بیشمار رنگوں کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے اور تخیل اس نظارے کی شہابی رنگینی میں کھو کر اپنے آپ کو ایک سبک روح کی مانند ایک نورانی کہرے میں اڑتا ہوا پاتا ہے۔ اور منظومات کی مہار تر کیفیت صرف دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میں اتنا کہونگا کہ وہ شئے لطیف جسکا عرفان روح کو صرف مراقبے کی گھڑیوں ہی میں ہوتا ہے۔ شاعری ہو محاکات کی مدد سے محسوسات کی دنیا میں لے آتی ہے۔ زیر نظر خاص نمبر کی بہت سی نظمیں ہی خصوصیات کی حامل ہیں۔ تصویریں بہت زیادہ خوش نما نہیں ہیں اور طباعت بہ پایہ فردوس نگاہ بھی لیکن اگر ان کا معیار ذرا اور بلند ہوتا اور علم رسائل سے خود ممتاز ہوتا تو کیا خوب تھا۔

معاصرین کی نظر میں

"البیان" امرت سر بابت ماہ جولائی ۱۹۴۰ء

بہار میں اردو زبان کی حالت کو ابھی بالکل ابتدائی حالت سمجھنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ جس طرح پنجاب اور دہلی سے اچھے اچھے پرچے نکلتے ہیں وہاں سے نہیں نکلتے۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ سہیل کے خاص نمبر نے بہار کے اردو رسالوں میں اچھا امتیاز قائم کر دیا ہے اس پرچے میں ۱۶ علمی ادبی اور سیاسی مقالے ہیں۔ ۱۳ افسانے اور ڈرامے ہیں۔ ۱۷ نظمیں اور ۲۸ غزلیں ہیں۔ لکھنے والوں میں نواب تفہم حسین خیال، سید محی احمد بلگرامی عطاء اللہ پالوی۔ ایم اسلم۔ عبداللطیف تپش وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ شاعروں میں شفق رضوی۔ نبی احمد بریلوی، فدا علی خنجر۔ عبدالرؤف عشرت۔ نوح ناروی بہزاد لکھنوی پیارے لال شاکر میرٹھی اور فراق گورکھپوری جیسے کہنہ مشق استادوں کا کلام شامل ہے۔

رسالہ "جامعہ" دہلی۔ بابت ماہ جولائی ۱۹۴۰ء

سہیل (گیا) خاص نمبر۔ بڑے اہتمام اور آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ اچھے اچھے مضامین، افسانے نظمیں اور غزلیں جمع کی ہیں۔ جس میں خاص کر طلسم ہوشربا فردوسی و اسدی، مسلمانوں کے زمانہ میں ہندوستان کا نظام تعلیم اچھے مقالے ہیں۔ ایک خاص نقص اشتہارات کا ہے اور یہ صرف سہیل ہی میں نہیں بلکہ اردو کے اکثر بلند پایہ رسالوں اور اخباروں میں پایا جاتا ہے۔ وہ فحش اشتہارات ہیں نہیں معلوم اردو صحافت اس مرکب سے پاک ہوگی۔

ٝ نقاد کا یہ نظریہ بہار اور بہاری رسالوں کے متعلق صحیح نہیں۔ "سہیل"

منظور شدہ محکمہ تعلیم صوبہ بہار

مطابق میمو نمبر E.B. 394 مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۹ء

رسالہ ماہانہ سہیل گیا

ادارہ
عارف سنسہاروی
قیصر عثمانی

پروپرائٹر
محمد زین العابدین صدیقی
سنسہاروی

جلد ۴ | ماہ جولائی ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہیل اور بہار

زیر نظر شمارہ سے سہیل کی چوتھی جلد شروع ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں بہار کی زمین سہیل کیلئے کافی ہموار ہو چکی ہے۔ عوام کا یہ نظریہ کہ بہار کی سرزمین اردو صحافت کے حق میں شور ہے۔ صرف غلط کی طرح مٹتا جا رہا ہے۔ اور وہ لوگ جو اسکی زندگی کو "دو دن کی ہے بہار" سمجھتے ہوئے اسکی توسیع اشاعت اور قلمی معاونت سے جھجک رہے تھے۔ اب بہت سرگرمی سے اسکی طرف رجوع ہو چکے ہیں۔ اور غالباً یہ کہنا کہ اردو رسالوں میں اس نے مناسب جگہ حاصل کرلی ہے' بیجا نہ ہوگا۔ مقالوں کا معیار کافی بلند ہو چکا ہے۔ افسانوں اور ڈراموں میں تنوع کی اچھی خاصی کوشش کیجاتی ہے۔ منظومات ملک کے بلند پایہ شعراء کے قلم کے رہین منت ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ کاغذ کتابت وطباعت میں بھی کافی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اگر ہمارے قلمی معاونین اور ادب نواز حضرات کی معاونت اسی طرح جاری رہی تو وہ دن دور نہیں جب سہیل ہر پڑھے لکھے کے میز پر برقی بیمپ کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آئیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کچھ مضامین کے متعلق

گذشتہ اشاعت میں مضامین کی طوالت کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے۔ موجودہ اشاعت میں بھی ہم اسکے متعلق کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مضامین جتنے مختصر ہونگے اتنے ہی زیادہ سہیل میں انکی کھپت ہو سکے گی۔ پھر آپ ایسی کوشش کیوں نہ کریں کہ آپکے مضامین کے ساتھ ساتھ اوروں کے مضامین کی بھی گنجائش ہو سکے ورنہ اس دکیا فائدہ کہ آپکے طویل مضامین کی وجہ سے اوروں کی حق تلفی ہو۔ انہیں انتظار کی زحمت گوارہ کرنی پڑے اور ادارہ خواہ مخواہ شدید تقاضوں سے پریشان ہو۔ امید ہے کہ اہل قلم حضرات اپنی پہلی فرصت میں اس پر غور کرینگے اور جہاں تک ممکن ہو سکے مختصر سے مختصر نتیجہ خیز اور اصلاحی مضامین ارسال فرمانے کی کوشش کرینگے۔

اس سلسلہ میں ہمیں اپنے متغزلین سے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سہیل میں غزلیں چھپتی ہیں لیکن اس حد تک نہیں کہ غزلوں کا گلدستہ معلوم ہو۔ پھر بھی اسکا کیا علاج کہ اکثر متغزلین نے اسے غزلوں کا گلدستہ ہی سمجھ لیا ہے اور ہر مہینہ جو کچھ بھی کہتے ہیں انہیں اشاعت کیلئے دفتر میں بھیج دیتے ہیں۔ اس وقت فائل میں تقریباً سو سے زیادہ غزلیں موجود ہیں۔ ہر مہینہ دس پانچ کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور وہ بھی شدید تقاضہ کیساتھ کہ زیر ترتیب اشاعت میں شائع کیجائے۔ ایسی صورت میں ادارہ کیلئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ پڑھنے کے بعد ردی کے فائل میں ڈالدے۔ غزلوں کی اشاعت میں اساتذہ کو سب سے پہلے جگہ دیجاتی ہے۔ نومشقوں کا بھی نمبر آتا ہی لیکن وقت کا تعین نہیں ہوتا جلد یا بدیر شائع ضرور کیجاتی ہیں۔ اسلئے نومشق حضرات سے گذارش ہے کہ وہ غزلیں بہت کم ارسال کیا کریں اور جو بھی بھیجیں اصلاح کے بعد۔

افسانہ نمبر

خاص نمبر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس قلیل مدت میں بہت تھوڑی سی کاپیاں دفتر میں رہ گئی ہیں اور وہ کیا گئیں ہیں نئے خریداروں کیلئے محفوظ کرلی گئی ہیں اور انکی تعداد بھی اب بہت قلیل ہے۔ قرینہ غالب ہے کہ اس ماہ کے اواخر تک یہ بھی نکل جائیں گی۔ اس لئے اطلاعاً عرض ہے کہ جو صاحب لے سے بمعت

چاہئیں۔ وہ اپنا سالانہ چندہ جلد از جلد دفتر میں بھجوادیں۔ ورنہ پھر شاید کفِ افسوس ملنا پڑے۔

خاص نمبر کی اس عظیم مقبولیت نے ہماری ہمتیں بہت کچھ بلند کر دی ہیں۔ اور اب ہم یہ ظاہر کرنے میں نہایت فخر محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارا ارادہ عنقریب ہی ایک شاندار "افسانہ نمبر" شائع کرنے کا ہے۔ انشاء اللہ یہ افسانہ نمبر فنِ افسانہ نویسی میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیگا۔ تفصیلی اعلان کیلئے آئندہ اشاعت کا انتظار ضروری ہے۔

گذارشِ واقعی

گذشتہ اشاعت میں جنگ کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت اور اشیائے طباعت و کاغذ کی گرانی کو بیان کرتے ہوئے قارئین سہیل سے اپیل کیا گیا تھا کہ وہ ملک ایک خریدار بہم پہنچا کر سہیل کی بنیاد کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش فرمائیں۔ الحمد للہ کہ بہت سے حضرات نے اپیل پر لبیک کہا جنکے اسمائے گرامی انشاء اللہ آئندہ کسی قریبی اشاعت میں پیش کئے جائینگے۔ بقیہ حضرات سے بھی درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اسکی طرف متوجہ ہوں اور اپنا ادبی فرض پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ سہیل استقامت کیساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکے۔ اور اس گرانی کے زمانہ میں "افسانہ نمبر" بھی زیادہ سے زیادہ کامیاب اور بلند صورت میں پیش کر سکے۔

انتباہ

اکثر حضرات جب مضمون نگاری کے میدان میں پہلے پہل قدم رکھتے ہیں اور ہفتوں کی کد و کاوش کے بعد کوئی مضمون نظم و نثر لکھتے ہیں تو انکا عام قاعدہ ہے کہ بغرض حصول شہرت اس مضمون کو بیک وقت چند رسالوں میں اشاعت کیلئے بھیجدیا کرتے ہیں۔ اب رسالہ کا اڈیٹر غیب داں تو ہوتا نہیں جو خبر رکھے کہ کون مضمون کس رسالہ میں چھپ چکا ہے یا چھپ رہا ہے۔ اتفاقیہ کسی رسالہ پر نظر پڑگئی یا کسی نے توجہ دلائی تو بیچارہ اڈیٹر خفیف ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسلئے ایسے مضمون نگار حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ اگر آئندہ انہوں نے مطبوعہ مضامین کے بھیجنے کی کوشش کی تو ظاہر ہو جانے پر انکے اسمائے گرامی "خوبصورت نوٹ" کیساتھ شائع کردئے جائیں گے ہاں! کوئی ایسا مضمون جو ملک و قوم کیلئے مفید ہو تو اسکے لئے چنداں مضائقہ نہیں۔ پھر بھی ادارہ کو مطلع کر دینا چاہئے۔

حضرت **خواجہ عشرت** لکھنوی مرحوم کے انتقال کی خبر مع ایک مختصر قطعہ تاریخ کے ماہ جون کے سہیل میں دی جاچکی ہے۔ اشاعت ہٰذا میں بھی دو تعزیتی نظمیں دیجارہی ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں تفصیلی حالات زندگی مع فوٹو کے شائع کئے جائینگے۔ مرحوم کے احباب، اعزہ، اور شاگردان میں سے جو صاحب سوانح زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے مضامین نثر و نظم یا قطعات تاریخ وفات ارسال فرمائینگے وہ شکریہ کیساتھ درج کئے جائینگے۔

ضروری تصحیح جون کے سہیل صفحہ ۲ پر علامہ شفق رضوی کی ایک غزل بعنوان "چراغ زندگی" شائع ہوئی تھی اسکے تیسرے شعر کے دوسرے مصرع کا قافیہ بجائے "ایاغ" کے "چراغ" لکھا گیا ہے۔ صحیح مصرع یوں ہے " اور ادھر لبریز تھا میرا ایاغ زندگی"۔

"ادارہ"

نوٹ: قواعد و ضوابط رسالہ سہیل صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ فرمائیں
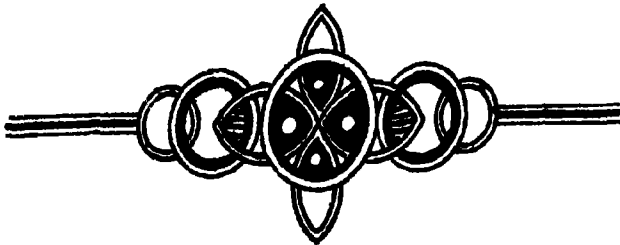
تعزیتِ عشرت

ہوگیا پامال اُردو کا چمن واحسرتا!
کیسے کیسے اُٹھ گئے اہلِ سخن واحسرتا!

لُٹتی جاتی ہے متاعِ علم و فن واحسرتا!
ہوتی ہی جاتی ہے ویراں انجمن واحسرتا!

لیجئے رخصت پھر اک اُردو کا والی ہوگیا
لکھنؤ اگلے زباں دانوں سے خالی ہوگیا

خواجہ عبدالرؤف اب ہوگئے جنّت مقام
تھا تخلص اُنکا عشرت لکھنؤ جائے قیام

سکۂ رائج تھا ملکِ ہند میں اُنکا کلام
قدرداں تھے اُنکی ٹکسالی زباں کے خاص و عام

نثر میں اُنکے مضامیں شبنم شاداب تھے
نظم میں اشعار اُن کے گوہرِ نایاب تھے

ملک میں فضلِ خدا سے ہیں بہت اہلِ قلم
مستند ہوں جنکی تحریریں نظر آتے ہیں کم

کیوں نہ ہو اہلِ سخن کو ماہرِ فن کا غم
آہ! دورِ حاضرہ میں تھا غنیمت اُنکا دم

نقدِ نظم و نثر کا پلّہ جو بھاری ہوگیا
ضعفِ پیری مانعِ مضموں نگاری ہوگیا

نیک سیرت، پاک باطن، زندہ دل، روشن خیال
نظم میں بھی فردِ کامل، نثر میں بھی باکمال

ہیں قلم برداشتہ یہ قال ہیں کچھ اُن کا حال
ورنہ میں بیمار، اُس پر اُنکے اُٹھنے کا ملال

رات دن ہی درد کا آزار اُٹھتے بیٹھتے
لکھ دئے جو ہو سکے اشعار اُٹھتے بیٹھتے

حافظِ بسمل گیا سے ہیں اک اُنکی یادگار
یہ رسالہ جسکا ہے مشہور ہر شہر و دیار

خط سے اُن کے پاکے رحلت کی خبر ہوں بیقرار
اُس پہ میری نظم کا ہوگا وہاں اک انتظار

وقت کم اتنا یہاں مرنے کی بھی فرصت نہیں
پھر بھی مجھکو عذرِ بیجا کی شفق عادت نہیں

شفق رضوی عمادپوری

مسلمان اور ہندوستان کا تمدنی ماحول

میرا مقصد کانگریس اور لیگ میں مناظرہ چھیڑنا نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ بالغ نظروں کو حقیقتیں پہچاننے کی دعوت دوں۔ سیاست میں ہزار اختلاف سہی، لیکن یہ شاید معقول بات نہ ہوگی کہ اختلافی مسئلوں نے علمی و فکری عنوانات بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں ایسا ہو بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

میں کوئی نئی بحث نہیں کروں گا، صرف بعض مسائل کی طرف اشارہ کرونگا، جن پر غور کرنا غالباً ہندوستان کی اس بدلتی ہوئی دنیا میں ناگزیر ہے۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ہندوستان میں ایک خاص اسلامی تمدن کے علمبردار ہیں جو اپنی مخصوص اسلامی روایات کے ساتھ ہندوستان کی صدیوں کی تاریخ میں برابر زندہ رہا، اور اسے اسی طرح ہمیشہ زندہ رہنا چاہیئے اس کی انفرادیت تخصیص اور امتیاز ہی اسلامی زندگی کی علامتیں ہیں۔

اس خیال کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے۔ یہ نہ صرف فن تاریخ بلکہ عمرانی تاریخ کا ایک دلچسپ مطالعہ ہے ذہنی رجحانات کے سمجھنے میں کبھی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ ٹیگور شاعر ہیں، انہوں نے عہد ویدانت کا خواب دیکھا، تجدید (   ) کے منصوبے باندھے، اور بنگال کو صوفیت اور انسانیت کا درس دیا تجدیدیت میں ہمیشہ ایسا ہوا کیا ہے۔ کہ قوم ایک اشتعال انگیز جذباتی دور سے گزرتی ہے، آسٹریا میں ۱۸۳۰ء میں عیسائیت کی تجدید کا دور شروع ہوا تو خفیہ انجمنیں بننے لگیں اور قتل و غارتگری کے واقعات شروع ہو گئے۔ بنگال میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ گاندھی جی بھی مہاتما ہوئے اور انہوں نے بھی قدیم مذہبیت کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ یہ اور بات ہے کہ اس پر انہوں نے اسلامی رنگ چڑھا دیا ہو۔ یہی حال اقبال کا ہوا۔ اقبال نے دیکھا کہ سرسید کی تعلیمات نے مسلمانوں میں ایک اونچا گروہ، کلرکوں کا ایک نکما متوسط طبقہ پیدا کر دیا ہے۔ اور ان پر جاگیرداری اور منصب داری کا مان ہے اقبال نے پس ماضی سے اتنا ہی فائدہ اٹھایا، اور پنجاب کو جارحانہ مزاج، اور پین اسلامزم کی اس روح سے بھی کچھ متاثر ہوئے جسکے متعلق اواخر عمر میں ان کا خیال تھا کہ یہ فرانسیسی مفکروں کی ایک گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ (یہاں پین اسلامزم سے مراد حضرت علامہ جمال الدین افغانی اور دوسرے مقتدر اسلامی رہنماؤں کی پین اسلامزم نہیں بلکہ وہ پین اسلامزم ہے۔ جس کی بنیاد ابتدائی دور میں فرانس میں پڑی تھی۔) نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال نے دنیا کے سامنے اسلام کی ایسی آمرانہ یا قیصرانہ شکل پیش کی جو قرن وسطیٰ کے منتشر سماجی نظام کے لئے مفید ہو تو ہو آج وہ ایک غیر سائنٹفک چیز سمجھی جائیگی اقبال نے ہندوستان میں مسلمانوں کی انفرادی ہستی کے تصور میں غلو پیدا کر دیا، انہوں نے سوچا کہ — کہ بہترین حکومت اسلامی معاشرے کے وہ بہترین اشخاص ہی چلا سکتے ہیں۔ جو ملت والے ہوں، برگزیدہ ہوں، اور صحیح بصیرت رکھتے ہوں، اقبال کے تصورات کا بوجھ، ایک بیمار قوم کے لئے بہت صحت بخش ہوا کرتے تھے، ملت کے افراد اور خصوصاً جوان افراد کی زندگیوں

کو نئے سانچے میں ڈھالنے میں بڑا حصہ لیا۔ اقبال دنیا کا ایک بڑا انسان تھا۔ خصوصاً اس کے فلسفہ کی یہ خوبی کہ وہ نوفلاطونیوں سے دشمنی رکھتا ہے، ان لوگوں کے لیئے ایک زبردست محرک تھی جن کا اعتقاد حرکت و عمل پر ہمیشہ رہا ہے۔ خان کریہہ کے اس عقیدہ سے اقبال کو اتفاق تھا کہ ایرانی صوفی، ویدانت اور زرتشتی فلسفہ سے متاثر ہوکر نوفلاطونیوں کے رنگ میں ڈوب گئے انہیں شکوہ تھا کہ نوفلاطونی تخیل کے آسمان میں اڑنا جانتے ہیں لیکن سمندر کی طوفان خیز موجوں پر سوار ہونا نہیں جانتے۔

یہاں ہمارا مقصد اقبال پر تنقید کرنا نہیں۔ بلکہ اصل مقدمہ کی تائید میں وہ نظریں پیش کر دینا ہیں۔ جو اوھورے خاکے مکمل باتیں ہیں۔ دنیا میں کچھ اور لوگوں نے بھی اپنے اپنے دور میں اقبال کی طرح سوچنے کی کوشش کی یورپ اور امریکہ میں وٹیوپین (Utopians) کا ایک گروہ اسی قسم کی باتیں کر چکا ہے وہ ایسے سماج کا تصور کرتا تھا۔ جن میں کچھ اچھے، خدا رسیدہ بھلے مانس عالم و فاضل لوگ حکومت کریں اور جاہلوں، کمزوروں، غریبوں، چوروں لٹیروں اور بدمعاشوں سے بنی ہوئی دنیا ان کی حکمرانی بے چون و چرا تسلیم کرے۔ فلسفے کی خود پسندی" اور انانیت نے منطقی جان ڈال کر کارلائل کے اس نظریہ کو شکل دی جسے "انسان اعظم" کا نظریہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں سوشلزم (اشتراکیت) کی چاشنی ملگئی تو ناکوزم، فیبیزم (Fabianism) اور ٹراٹسکزم پیدا ہو گئی۔ کانٹ کی شئے اصلی (Thing-in-itself) کی برہی روئے اس میں شوپنہار اور سٹرنرائیٹ (Stirnerite) کی انارکزم (مزاج) کے لیے راہیں نکالیں۔ نو ڈارونزم کی آمیزش نے نٹشے کو جنم دیا۔ اور بھوفسانیت زندہ باد، کے بھی نعرے لگائے گئے کبھی نیوربانخ اور کومتے نے انسانیت عظمیٰ کے خاکہ میں رنگ و روغن بھرا، اور برنارڈشا کبھی کبھی "موت و حیات کے دلکش جلوے" دیکھتا رہا۔

تمدن کی علمی تعریف بیان کر دینا کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں اس لیئے ہمیں یہ جاننا چاہیئے کہ سوسائٹی (سماج) کیا ہے، اور تمدن اور سماج کے تاریخی رشتے اصولاً کیا رہے ہیں۔ اور کیسا ہو سکتے ہیں۔ سوسائٹی کا معاشی نظام برابر بدل رہا ہے۔ سرمایہ دلانہ نظام اپنے داخلی عدم توازن کی بنا پر ہیجان و التہاب کو ناگزیر بنا رہا ہے۔ محنت۔ قدر اصلی قرار پا رہی ہے۔ سنہری سنہری تھیلیاں محنت کو خرید کر اس کی قیمت گھٹا دینا چاہتی ہیں۔ تمدنی و روحانی محرکات یقیناً کام کرتے ہیں۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ کاروباری زندگی بھی معمولات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دنیا کی عام عادت یا یوں کہیئے کہ طبیعت کاروباری ہوتی جاتی ہے۔ سماجی زندگی آخر کیا ہے؟ سماجی زندگی نام ہے ایک مقصود خارجی عمل، تجربہ کا۔ جسے ہم روز دیکھتے ہیں۔ سمجھتے ہیں، اور پڑھتے ہیں۔ سماج محض منفرد اشخاص کے مجموعہ کا نام نہیں۔ سماج اسے کہتے ہیں کہ انسان اپنے آپس کے براہ راست داخلی، عملی اور باہمی تعلقات کو سمجھے، فطرت سے داخلی باہمی ارتباط پیدا کرے۔ کچھ ماحول کی خارجی چیزوں سے لے کچھ دے۔ فطرت جس عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے اسے سمجھے عمل اور رد عمل سے انسانی زندگی میں جو کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ اس میں مفاہمت پیدا کرے اور آگے بڑھتا جائے۔ سماج میں انسانوں کے مجموعہ پر زیادہ حاوی ان معین مقصود اور داخلی ارتباط ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اور اس کا ماحول نو بنو تغیرات توبرتو تبدیلیوں سے دوچار ہوتا ہے۔ اور چونکہ افراد نہ صرف فطری ماحول بلکہ سماجی ماحول میں بھی پیدا ہوتے ہیں اور اس ماحول میں وہ تصورات بھی شامل ہیں، جو واقعی عملی زندگی میں باہمی تعلقات قانون حکومت اور دوسرے منظم اداروں سے متعلق ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ انسان سماج میں پیدا ہوا ہے۔ جو ایک ترقی پذیر چیز ہے۔ آج سوسائٹی کا اس

طرح تجزیہ بنا کہ کچھ افراد یا افراد کے ایک چھوٹے سے مجموعہ کا تجزیہ شروع کر دیا جائے۔ ایک غیر علمی اور بے نتیجہ بات ہے۔ سوسائٹی کوئی بحر اطلانٹک نہیں کہ اس سے ایک گھڑا پانی لے کر اس کے کیمیاوی اجزا کی تحلیل شروع کر دی جائے۔

دنیا کی قوت نامیہ کسی ایک عہد تک پہنچ کر رک نہیں گئی یہ سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے کہ کنفوشیش کے عہد میں دنیا جس معاشی و پیدائشی نظام سے مربوط تھی، آج بھی اسی سے مربوط ہے۔ رجعت پسندوں نے اپنے زمانے کے لئے تمدن کی بنیاد 'Cave men' کو قرار دیا اور اس نقطہ سے ایک قدم بڑھ کر خاندان، ذاتی ملکیت اور مقتدرانہ ریاست، کو تسلیم کر لیا، خاندان کے تصور سے عیسائیوں کے آنسو پچھ گئے۔ اس لئے کہ تثلیث کی گنجائش باقی رہی، بورژوا اور سرمایہ دار طبقہ ذاتی ملکیت، کے تصور سے خوش ہوا، اور اس نے کہا کہ ذاتی ملکیت کی حفاظت ہی کے لئے سوسائٹی بنی، اور استبداد اور شاہنشاہیت کے حامیوں نے مقتدرانہ ریاست" کو تمدن کی بنیاد قرار دیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تمدن کیا ہے۔ بغداد کا تمدن وہ نہ تھا جو مدینہ کا تھا، مدینہ کا تمدن وہ نہ تھا جو کوفے کا تھا۔ کوفے کا تمدن وہ نہ تھا جو دمشق کا تھا۔ دمشق کا تمدن وہ نہ تھا جو ایران کا تھا ایران کا تمدن وہ نہ تھا جو ہندوستان کا تھا۔ تاریخی عہدوں کی تقسیم کیجئے تو امویوں، عباسیوں، عثمانیوں، پٹھانوں، مغلوں، ایرانیوں کے تمدن میں کافی فرق محسوس ہوگا۔ جوں جوں سوسائٹی بدلی، معاشرت و معاملات کے نظام بدلے، حکمرانی کے طور طریقے بدلے۔ مقامی حالات بدلے، تمدن بھی بدلتا گیا۔ اسلامی تمدن کا ہمہ گیر مفہوم اگر ان دوروں کا احاطہ نہیں کرتا تو پھر اسلام کی شاندار سیزدہ صد سالہ تمدنی تاریخ کے صفحات تو سادہ نظر آئیں گے۔ یورپ میں رجعت پسندوں کا ایک گروہ پیدا ہو چکا ہے، جو ایک طرف کیتھولک عیسائیوں کے توہمات کی لیپ پوت، دوسری طرف شاہنشاہیت کی چاک دامانی کی رفوگری کے لئے مصری تمدن کو "نقطۂ آغاز" مانتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تمدن کے چشمے اسی منبع سے پھوٹ کر نکلے جس سے دنیا کے تمدن کی سوکھی کھیتیاں لہلہا اٹھیں اس طبقہ (Diffusionist) (منفسین) کہتے ہیں۔ مسلمانوں کی اس بصیرت سے جو فعالیت ( ) مفاہمت اور ترقی پسندی کے لئے دنیا کی تاریخ سے خراج عقیدت وصول کر چکی ہے اس گروہ کی تقلید کی امید نہیں کی جا سکتی۔ تمدن کسی ایک دور تک آ کر محدود نہیں رہ جاتا۔ یہ سوسائٹی کے بندھنوں کے سلسلہ دراز بجیروں کا مربوط رشتہ ہوا کرتا ہے اس لئے یہ کہنا بڑی غلطی ہوگی کہ کسی خاص عہد کا تمدن اسلامی تمدن ہے اور باقی سب حشو و زوائد ہیں۔ سوسائٹی اور تمدن میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور سوسائٹی اس زمانہ میں بھی رہی ہے۔ جب تاریخی لحاظ سے خدا کا تصور بالکل نہ تھا۔ جیسے شمالی چین کے گروہا کے باشندے یا مصری بدایا، جو آج بھی نہیں جانتے کہ خدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ سوسائٹی معاشی، دلفرانی ربط کا ایک رشتہ ہے، انسان کیسے جیئے کیسے پیٹ پالے، کہاں رہے، اپنی حفاظت کیسے کرے۔ سوسائٹی نے جوں جوں چولا بدلا، اس نے نئے نئے مسائل پیدا کئے۔

مسلمانوں کی سوسائٹی سے جس تمدن کا گہرا لگاؤ سمجھا جا سکتا ہے اسمیں دو باتیں بلاشبہ نمایاں ملتی ہیں، خدا کا پاکیزہ تصور، اور رسالت کا مقدس احساس۔ مسلمانوں کی حالت تاریخ کے کسی دور میں بھی کتنی مسخ ہو گئی ہو، ان کی جماعتی زندگی سے ان دو تصورات نے اپنے ضروری تقاضے کم و بیش پورے کرائے یہ ایک مستقل علمی بحث ہے۔ کہ ان تصورات نے حکومت، علوم و فنون اور آرٹ، پر کیسا گہرا اثر ڈالا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہندوستان میں یہ دینی تصورات کا ایک مثبت نتیجہ تھا کہ قدیم ہندوستان نے قرون وسطیٰ کو جنم دیا۔ اور قرون وسطیٰ ( ) نے ہندوستان کو جدید ہندوستان ( ) کے لئے تیار کر دیا۔ قرن وسطیٰ کے ہندوستان کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جس پر مورخ ہزاروں جلدیں تصنیف کر سکتا

ہے۔ زبان ہی کے مسئلہ کو لے لیجئے۔ معاشرت، معشیت، نظام حکومت، ہندوستان کو ایک کل کی حیثیت سے جغرافیائی شکل دینا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ ایسی گتھیاں نہیں جنہیں قرن وسطیٰ کا ہندوستان نئے ہندوستان کے لئے کب کا سلجھا چکا ہے

اور اب میں سب سے زیادہ نازک مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ ملازمتوں وزارتوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، میونسپلٹیوں کے حقوق کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن سب سے بڑا حق جو ہندی مسلمانوں کو تاریخ کے قیمتی فیصلوں نے دیا ہے۔ یہ ہے کہ نئے ہندوستان کی تخلیق میں ان کے جذبات کا اعتراف کیا جائے۔ نئے ہندوستان کے تمدن میں مسلمانوں کی وہ جگہ اگر مقرر نہیں کی گئی تو جو وقت کے فیصلے مقرر کر چکے ہیں، تب ہندوستان ''بٹ جائیگا، برباد ہو جائیگا۔

کیا یہ کوئی اچھی آرزو نہیں کہ مسلمان اپنے تمدنی مسئلوں کو اس نقطۂ نظر سے دیکھیں !۔

عبدالباقی۔ بی اے جامعی

فوجی معلومات

آرمی کورپ

انگریزی میں فوج کے اس دستہ کو کہتے ہیں جو سواروں، پیادوں اور توپچیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جس میں عموماً ۳۵ ہزار سے ۵۰ ہزار تک سپاہی اور ۱۱۰ سے ۱۵۰ توپیں ہوا کرتی ہیں۔

ڈویژن

فوج کا ایک چھوٹا دستہ جس میں ۱۲ ہزار سے ۱۵ ہزار تک سپاہی ہوتے ہیں دستہ فوج صرف پیادوں اور توپچیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

بریگیڈ

ایک پیادہ دستہ فوج جس میں ۴ ہزار سپاہی ہوتے ہیں۔

بٹالین

ایک ہزار سپاہیوں کا ایک پیدل دستہ جو چار برابر کی ٹولیوں میں بٹا ہوتا ہے

ایئر اسکواڈرن

ہوا باز فوج میں ۱۸ ہوائی جہازوں کا ایک دستہ جو ۳ سے ۶ ہوائی جہازوں تک کے تین حلقہ پرواز پر مشتمل ہوتا ہے۔

ففتھ کالم

آجکل اخباروں میں ایک نئی اصطلاح ''ففتھ کالم'' بہت رائج ہو رہی ہے جسکے لفظی معنی ہیں ''پانچواں دستہ'' جب نازی کسی ملک پر حملہ کرتے ہیں تو اس حملہ میں سب سے پیچھے فوج ہوتی ہے جسکے آگے مسلح کاریں۔ انکے آگے ٹینک اور ان سے آگے آگے ہوائی جہاز تباہی پھیلاتے ہیں۔ لیکن ان ہوائی جہازوں سے آگے ایک پانچویں چیز ہوتی ہے یعنی اصلی حملہ سے بہت مدت پہلے ہزاروں نازی سپاہی معیت نوہ پناہ گزینوں کے بھیس میں تاجروں اور سیاحوں کی صورت میں اور دوسری شکلوں میں آہستہ آہستہ اس ملک میں داخل ہوتے ہیں جس پر حملہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس ملک کی بعض غیر مطمئن اور شورش پسند جماعتوں کیساتھ ملتے ہیں۔ جنگ اخبار نویسوں کو توڑتے ہیں اور جاسوسی تباہ کاری کا پروگرام بناتے ہیں جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں وقت نازی حملہ ہونیوالا ہے تو وہ تخریبی حرکات میں مصروف ہو جاتے ہیں کہیں بجلی فیل کر دی۔ کہیں واٹر ورکس میں گڑبڑی پھیلا دی کہیں پل اڑا دئے کہیں ریل کی پٹری اکھاڑ دی اور اسکے ساتھ ساتھ ملک کے اندرونی حالات کی اطلاع حملہ آوروں کو دیتے رہے (ماخوذ)

زمانہ نام ہے لیل و نہار دونوں کا

چمن ہے برگِ گل و نوکِ خار دونوں کا
کرو نظارہ خزان و بہار دونوں کا

اثر ہو میری فغاں میں اسی نظر جیسا
کہ دل ہو دونوں طرف بیقرار دونوں کا

ہے کچھ ضرور کہ دل بھی ہمارے ساتھ ہو دفن
یہ ایک کنج لحد ہو مزار دونوں کا

ہیں سب نمود سیاہ و سفید چشم وجود
زمانہ نام ہے لیل و نہار دونوں کا

علم ہی رہتی ہیں اُن ابروؤں کی تلواریں
وہ ایک بار چلاتے ہیں وار دونوں کا

پڑے ہیں دیدہ و دل دونوں راہ الفت میں
ہو خاتمہ نہ کہیں ایک بار دونوں کا

ہیں کامیاب محبت میں شمع و پروانہ
کہ سوز دونوں کو ہے سازوار دونوں کا

مرے حبیب و محب ہیں یہ صالح[1] و دلگیر[2]
ہے میرے دل میں تمنا وقار دونوں کا

تمنا عمادی مجیبی

---

[1] مولانا سید صالح حسین صاحب شوق رئیس چھپرہ [2] مولوی سید عنایت احمد صاحب بلگرامی ڈپٹی مجسٹریٹ

نیرنگ شباب

(۳)

بہرام جی کو کراچی سے آئے ہوئے تین ماہ سے زیادہ گزر چکے تھے اور ایک ماہ سے شب و روز "فلم عصمت کی دیوی" تیار کرنے میں مصروف تھے جس میں ہیروئن کا کام انجام دینے کے لئے انہوں نے اپنی چہیتی بیٹی نوشابہ کو انتخاب کیا تھا اور ہیرو کی خدمات کاؤس کے سپرد کی گئی تھیں۔ اس انتخاب کو مناسب سمجھکر نوشابہ کی والدہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی اور کچھ مخالفت نہ کی تھی۔ ورنہ وہ پردۂ فلم پر نوشابہ کو دیکھنا کبھی پسند نہیں کرتی تھی۔ کاؤس نے بہرام جی کی عدم موجودگی میں اُن تمام خدمات کو جو اُس کے سپرد کی گئی تھیں نہایت محنت اور قابلیت سے انجام دیا تھا جس کی بہرام جی کو بھی اُمید نہ تھی۔ چنانچہ وہ اور اُس کی بیوی دونوں اُس کی خدمات سے بہت خوش تھے اور کاؤس کو نہایت محبت اور وقعت کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ اب وہ اپنی فرصت کے اوقات زیادہ تر بہرام جی کے مکان ہی پر گزارتا تھا۔

عکاسخانہ میں آج زیادہ تر مہمان جمع تھے اور بہرام جی کے عزیز یا وہ لوگ جو بڈھے پارسی سے خاص مراسم رکھتے تھے کافی تعداد میں موجود تھے۔ "فلم عصمت کی دیوی" اختتام کے قریب پہنچ چکا تھا اور صرف آخر کا وہ دردناک منظر باقی رہ گیا تھا جس میں ہیرو اور ہیروئن کے معانقے کا خاتمہ دکھانا تھا چنانچہ فلم کا آخری منظر نہایت تیزی سے لیا جا رہا تھا اور اب عصمت کی دیوی کے ہیرو۔

"رشید نے پھانسی کے تختہ سے اُتر کر ثریا کو اپنی آغوش میں لے لیا اور اُس کے لبوں پر مہر محبت ثبت کر دی۔"

فلم اسی جگہ پر ختم ہو گیا اور اسی کے بعد ہی پارسیوں کے مذہبی پیشوا نے بہرام جی کے اشارے سے کاؤس کے ساتھ نوشابہ کی رسم عروسی کو ادا کیا بہرام جی کے عزیزوں اور کمپنی کے خاص کارکنوں نے اس ازدواجی انتخاب کو نہایت متعجبانہ نظروں سے دیکھا۔ اور دونوں کی کامیابی اور اس انتخاب پر اظہار مسرت بھی کیا۔ لیکن بعض اداکار کاؤس کی اس کامیابی پر برافروختہ ہو گئے اور اُن کے سینوں میں رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو گئی مگر چند روز بعد اُن کو خود ہی خاموشی بھی اختیار کرنا پڑی اس لئے کہ کاؤس اب کمپنی منیجر تھا اور تمام کارکنان کمپنی پر حکمراں ہو چکا تھا لیکن وہ رادھا جو آرزو کی شکست کی وجہ سے کاؤس سے اور زیادہ بدظن ہو گئی تھی اب اس کے سینے میں رشک و حسد اور بغض و عناد کی پوری قوت سے مشتعل ہو گئی۔ اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ کاؤس کو اپنی حیات میں چین سے زندگی نہ بسر کرنے دے گی اور اس کو دُنیا سے مٹانے کی کوئی کوشش نہ اٹھا رکھے گی۔ رادھا کی حالت نہایت سخت تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ حقیقی معنوں میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور وہ فرط محبت جو اب انتقام کی صورت میں بدل گیا تھا اُس نے رادھا کے تمام مشاغل لطف و تفریح کو رنج و غم میں تبدیل کر دیا۔

یہ امر مخصوص شاہدان بازار کی فطرت میں داخل ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرنے لگیں تو پھر وہ اس سے کبھی جیتے جی دست بردار نہیں ہوتیں اور جب انتقام کی صورت میں محبت تبدیل ہو جاتی ہے تو پھر وہ ہر ممکن اور غیر ممکن طریقے سے اُس کو صدمہ پہنچانے یا مٹا دینے کی کوشش کرتی ہیں وہ کبھی مفتوح یا مغلوب نہیں ہونا چاہتیں اسلئے کہ اُنکی فتوحات ہی اُن کا سرمایۂ نشاط ہیں۔ جن سے اُن کے دل کو راحت ملتی ہے اور اُن کی زندگی کا

اصل مقصد جنبہ بھی ہوتا ہے اور وہ دوسروں کی زندگیوں کو تباہ کریں
اور خود کسی کا شکار نہ ہوں۔ غرضکہ یہی حال رادھا کا تھا وہ کاؤس سے
بہت زیادہ برہم ہو گئی تھی اور اس کے شکستہ دل کی حالت بالکل ایسی تھی
جیسے جنگل میں کسی وقت غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

کاؤس کی شادی کو ایک ہفتہ سے زیادہ گزر چکا تھا۔ وہ برابر
ملاقاتیں کیا کرتا تھا اور اپنے کاموں کو نہایت محنت سے انجام دیتا تھا
رادھا کمپنی میں اب بھی ملازم تھی اور بظاہر کاؤس سے اسی طرح پیش
آتی تھی جیسا کہ پہلے۔ نہیں۔ لیکن کاؤس اتنا ناسمجھ نہ تھا کہ وہ رادھا کے
اس برتاؤ کو نہ سمجھتا۔ وہ رادھا کے برتاؤ میں ایک خاص قسم کی خشونت
محسوس کرتا تھا تاہم اس نے کبھی اسکا تذکرہ نہ کیا۔ اور نہ اس نے اسکی
بھی ضرورت ہی محسوس کی حالانکہ وہ رادھا کے اس برتاؤ سے اپنے
دل پر بھی ایک قسم کی تکلیف محسوس کرتا تھا پھر بھی اس نے رادھا سے
کبھی دریافت نہیں کیا اور اس کی خشونت برداشت کرتا رہا۔

چند روز کے بعد کاؤس یکایک بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار کہ اسکے
جسم کے تمام اعضاء کا شمار کر لینا بالکل آسان تھا آنکھوں میں حلقے
پڑ گئے تھے اور رخساروں پر شادابی نام کو بھی نہ تھی لب خشک۔ چہرہ
پژمردہ۔ گال بیٹھے ہوئے۔ تاہم اس کی مخمور آنکھوں میں اب بھی
وہی سحر باقی موجود تھی۔ کاؤس گو اس وقت مہلک مرض کے شکنجے میں
جکڑا ہوا تھا اور اس کے اعضا اس قدر کمزور ہو گئے تھے لیکن ماہ و سال
ضعیف کہنے میں زبان حجاب نہ کرتی تھی۔ حالانکہ بالوں کی سیاہی
دانتوں کی چمک بدستور تھی لیکن اس کا جسم روز بروز سوکھتا چلا جاتا تھا
اور چہرے پر خون کی ایک چھینٹ بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ایک ہفتہ سے
دوسرا ہفتہ اور تیسرا ہفتہ گزرا۔ بالآخر ایک مہینہ سے دوسرا مہینہ گزرا
لیکن کاؤس کا مرض اپنی جگہ پر قائم رہا۔ شہر کے مشہور ترین اطبا اور
ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ کوئی مرض ہی
تشخیص کر سکا۔ معصوم نوشابہ نے بھی اپنے شوہر کی تیمارداری میں
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ نہ دن کو دن سمجھا اور نہ رات کو رات چوبیس
گھنٹے کاؤس کی تیمارداری میں مصروف رہی۔ لیکن کاؤس کو کسی طرح
صحت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

کاؤس مسہری پر لیٹا ہوا اپنی زندگی کی آخری سانسوں کو پورا
کر رہا تھا اور علالت کے نہ منقطع ہونے والے سلسلے نے اسکو زندگی سے بالکل
مایوس کر دیا تھا۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ رادھا نے کسی شخص کو بہکا کر اس
کے ذریعہ سے اپنا مطلب نکال لیا ہے جس نے کھانے پینے میں کسی
نہ کسی طرح مجھے زہر دیا ہے۔ رادھا کی تکلیف دہ باتیں اس کے دل میں
تیر و نشتر کی طرح چبھ رہی تھیں اور آج اس کا دل و دماغ گذشتہ
واقعات کو یاد کر کے رنج و آلام کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس نے غور کرنا شروع
کیا کہ اگر درحقیقت ایسا ہی ہے تو وہ کون شخص ہے جس نے زہر میں
دوا ملا کر مجھے صاحب فراش کر دیا۔ کاؤس کا خیال اپنے معتمد ملازم
فرام کی طرف پہنچا اس لئے کہ وہی کاؤس کی تمام باتوں کا رازدار تھا
اور کھلانے پلانے نیز دیگر تمام خدمات سب اسی کے سپرد تھیں تاہم پھر
اس کا خیال قائم نہیں ہوتا تھا اسلئے کہ وہ کاؤس کا قدیم نوکر تھا اور
ایماندار سمجھا جاتا تھا۔ نیک مزاج۔ نیک طینت تھا اور کاؤس کا ایسا معتمد
مزاج داں ہو گیا تھا کہ اس سے اسکی مرضی کے خلاف کبھی کوئی کام ہی
نہ سرزد ہوتا تھا غرضکہ کاؤس کے خیالات چکر لگا لگا کر اپنے دشمن کی
تلاش کر رہے تھے کہ فرام کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی جوانی ختم ہو چکی تھی
چہرہ سرخ۔ مونچھوں اور سر کے بال کچھ سفید ہو چکے تھے۔ پیشانی چوڑی
اور چمکدار تھی اور اس سے شرافت ٹپک رہی تھی کاؤس کی عقل گوارا
نہ کرتی تھی کہ وہ فرام کو کور باطن اور نمک حرام خیال کرے۔ اور وہ
دولت کے لالچ میں پھنسکر اسے تکلیف پہنچانے پر آمادہ ہو جائے
تاہم کاؤس نے فرام کی حرکات و سکنات کا نہایت خاموشی سے
جائزہ لینا شروع کیا اور دل میں یہ خیال قائم کر لیا کہ فرام سے
کسی بات کا تذکرہ نہ کیا جائے اسوقت تک کہ وہ خود اسکی آزمائش کرلے

فرام نے مسہری کے قریب رکھی ہوئی ایک خوبصورت اور چھوٹی
میز پر سگار بکس۔ دیا سلائی۔ سگار ڈیش اور دو ایک کتابیں رکھدیں اور

میز کے قریب ہی ایک پانی کی صراحی اور شیشے کا گلاس رکھکر مسہری کے بچھونے درست کئے اور کمرے کے باہر چلا گیا۔ شب کو کاؤس کی تشنگی میں زیادتی ہوجایا کرتی تھی۔ یہانتک کہ اکثر صراحی خالی ہوجاتی تھی حالانکہ وہ شب کو پانی پینے کا عادی نہ تھا۔

سوتے وقت اس کا دستور تھا کہ وہ چراغ گل کر دیتا تھا اور جب علالت و تفکرات کی الجھن سے نیند نہ آتی تھی تو پھر لیمپ جلا کر کسی کتاب کے دیکھنے میں مصروف ہوجاتا تھا۔ کاؤس مسہری پر لیٹا ہوا غور کررہا تھا کہ اگر فرآم اس کام پر تعینات کیا گیا ہے تو یقیناً اُس پانی میں زہر ملا ہوگا۔ اور یہی پانی زہر کی طرح میرے قلب و جگر کو کاٹتا اور گوشت و پوست کو خشک کرتا ہوگا لیکن پانی میں اگر کوئی زہر ملا ہے تو اُس کے ذائقہ میں کوئی فرق اور رنگ میں کوئی تغیر کیوں نہیں ہے۔ گر زہر کا ذائقہ کچھ نہیں ہے اور رنگ بھی سفید ہے تو پانی میں مل سکنے کا امکان ہے۔ سلئے کہ اکثر بدمعاش اس قسم کے زہر تیار کرلیا کرتے ہیں جن کے پینے سے رفتہ رفتہ ایک تندرست آدمی صاحب فراش ہوجاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ زہر بھی اسی طرح بنایا گیا ہو۔

غرضکہ انہیں خیالات میں بہت دیر تک مبتلا رہنے کے بعد کاؤس کو نیند آگئی اور جب وہ علی الصباح بیدار ہوا تو اسکی طبیعت آج کسی قدر بشاش تھی۔ جسم میں قوت تھی حواس درست تھے اور دماغ بالکل صحیح تھا اُس نے مسہری سے اٹھکر ایک بوتل میں صراحی کا پانی بھر کر احتیاط سے الماری میں رکھدیا تاکہ فرآم کو یہ معلوم نہ ہو کہ شب کو پانی نہیں پیا۔ اُس نے دوبارہ مسہری پر دراز ہوکر گھنٹی بجادی جس کی آواز سنکر فرآم کمرے میں داخل ہوا کمرے میں قدم رکھتے ہی فرآم کی نظر سب سے پہلے صراحی پر پڑی جسے کاؤس نے دیکھا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کرلی اس لئے کہ فرآم کی خبث باطنی کے لئے یہ ثبوت کافی نہ تھا۔ اس نے فرآم کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھی لیکن برتاؤ وہی کیا جو روزانہ اسکے ساتھ کیا جاتا تھا تاکہ فرآم کاؤس سے مشکوک نہ ہو۔ اُس نے کئی دفعہ یہی حکمت کی اور شب کو باوجود سخت تشنگی کے بھی کاؤس نے اس صراحی سے پانی نہ پیا جسے فرآم اُس کی مسہری کے قریب رکھدیا کرتا تھا لیکن وہ صبح کو ہمیشہ صراحی سے ایک گلاس پانی نکالکر پھینک دیا کرتا تھا کہ فرآم یہ سمجھے کہ شب کو پانی پیا گیا تھا۔

ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد کاؤس نے اپنی حالت کا اندازہ کیا تو اُسے محسوس ہوا کہ مرض ایک ہی جگہ پر قائم ہے اور اس نے ترقی نہیں کی ہے۔ اس میں اتنی قوت بھی ہوگئی تھی کہ اب وہ بغیر کسی کی امداد کے چل پھر سکتا تھا اور اپنے کاموں کو خود انجام دے سکتا تھا چند روز گزرنے کے بعد ایک دن اُس نے صراحی کا پانی ایک بوتل میں محفوظ کیا۔ اور ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اپنی موٹر پر سوار ہوا اور بمبی کے اُس مشہور ڈاکٹر کے پاس پہنچا جو اُس کا معالج تھا اور کاؤس کے مہلک مرض کو تشخیص کرنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر خلاف معمول کاؤس کو اپنے مطب میں دیکھکر سخت متعجب ہوا اور پھر تنہائی میں مشورہ لینے پر اُسے اور بھی حیرت ہوئی وہ کاؤس کو لئے ہوئے دواخانہ کی پشت پر پرائیوٹ روم میں داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کرنے کے بعد کاؤس کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کاؤس نے اطمینان سے بیٹھکر اپنے خیالات اور واقعات کا اظہار کیا اور پانی کی بوتل پیش کرنے کے بعد کہنے لگا۔

"سب سے پہلے آپ اس بوتل کے پانی کا تجزیہ کرنے کے بعد مجھے یہ بتایئے کہ اس میں کسی قسم کی سمیت تو نہیں ہے"

ڈاکٹر نے بوتل کا پانی شیشے کے ایک گلاس میں بھرا اور جانچنا شروع کیا۔ نصف گھنٹے تک اُس نے مختلف طریقوں اور مختلف آلات سے پانی کو جانچا اور کافی عرصہ کے بعد اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر کاؤس! اس پانی میں زہریلے اجزا شامل ہیں جن میں سے چند کا پتہ لگ گیا ہے۔ یہ اجزا علٰحدہ علٰحدہ خواص رکھتے ہیں۔ اور

جب وہ مشترک ہو جاتے ہیں تو ایک نئی خاصیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان دواؤں کے خواص ہر ایک طبیب اور ڈاکٹر کو نہیں معلوم ہیں۔ مرکبات کا علم بھی خاص طور پر کسی کو نہیں ہوتا ہے اور کسی میں اتنی تمیز ہی ہے کہ ان دواؤں کا مکسچر تیار کر لے۔ میرا خیال ہے کہ یہ زہر کسی شیطنت نفس نے تیار کیا ہے اسلئے کہ اس قسم کے زہر اکثر بدمعاش تیار کیا کرتے ہیں۔ خدا کو ابھی آپ کو دنیا میں رکھنا منظور تھا بدیں وجہ اس نے خود ہی آپ کو اس زہریلے پانی سے اجتناب کرنے کا خیال پیدا کر دیا۔ ورنہ آپ کی زندگی مشکل تھی۔ حالانکہ آپ جو میرا نسخہ استعمال کر رہے ہیں۔ وہ بہ نظر احتیاط صرف اسی وجہ سے استعمال کرایا جا رہا تھا لیکن وہ آپ کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا اب یہی نسخہ آپکے لئے آب حیات ہو جائے گا اس وقت جبکہ چند دوائیاں اس میں اور شامل کر دی جائیں گی۔“

کاؤس یہ سنکر فور مسرت سے اچھل پڑا اور اس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلکنے لگے۔ اس کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح سرخ ہو گیا اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا اور ڈاکٹر سے کہنے لگا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کی عنایتوں کا شکریہ کس طرح ادا کر سکوں گا۔ میں اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا تھا لیکن آپ نے میرے علاج میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اب مجھے امید ہے کہ میں اس موذی مرض سے نجات پا جاؤنگا۔“

”نجات پانا کیا معنی؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ دو تین ہفتے میں بالکل تندرست ہو جائیں گے۔ اب آپ جائیے میں دوا تیار کر کے اپنے خاص ملازم کے ہاتھ آپ کے پاس بھیجدوں گا۔ اس لئے کہ آپ کا نسخہ تیار کرنے میں کم از کم دو گھنٹے صرف ہوں گے۔“

”نہیں، دوا آپ کسی کے ہاتھ نہ بھیجئے گا۔ میں خود سہ پہر کو حاضر ہوں گا۔ اسلئے کہ مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ اس دوا کا راز کسی دوسرے پر ظاہر ہو۔ جس طرح میرے دوست میرے عزیزوں کو یہ علم نہیں ہے کہ مجھے زہر دیا گیا ہے اس طرح اس دوا کا بھی حال پوشیدہ ہی رہنا چاہیئے۔ تاکہ اچھے ہونیکا سبب کسی پر نہ ظاہر ہو اور میں مجرموں کی تلاش میں زیادہ حیران و سرگرداں بھی نہ ہوں۔“

یہ کہکر کاؤس نے ڈاکٹر سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہو کر مکان چلا آیا۔ سہ پہر کو کاؤس نے جوہری کی دوکان سے ایک بیش قیمت مرصع طلائی طشت خرید کر ڈاکٹر کی خدمت میں پیش کیا اور دوا لیکر واپس چلا آیا۔

کاؤس کو تین ہفتہ اس دوا کو استعمال کرتے ہوئے گزر چکے تھے اس کے اعضا میں قوت آچکی تھی اور اب وہ اچھی طرح چل پھر سکتا تھا اس کے تندرست ہو جانے میں اب کوئی شک نہ تھا وہ خیال کرتا تھا کہ جب میں دو ہفتہ کے بعد بالکل تندرست ہو جاؤں گا تو اپنے دشمنوں کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا جن کی وجہ سے فرام ایسا خیر خواہ اور قابل اعتماد ملازم بھی میرے ساتھ دشمنی کے لئے آمادہ ہو گیا۔

شب کے بارہ بج چکے تھے اور کاؤس انہیں خیالات میں غرق تھا کہ یکایک اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور فرام نے نہایت خاموشی سے گردن نکال کر کاؤس کو دیکھا۔ کاؤس نے جنبش بھی نہیں کی اور مسہری پر خاموش لیٹا رہا۔ فرام نے دروازہ بند کر کے اپنا اطمینان کیا کہ کاؤس سو رہا ہے وہ مکان سے نکلکر سڑک پر پہنچا اور ایک طرف راہی ہو گیا۔ فوراً ہی کاؤس بھی مسہری سے اٹھا اور کمرے کے ایک دریچے سے سڑک پر فرام کو نہایت تیز قدمی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے فوراً ایک سیاہ لبادہ سے اپنا جسم چھپایا اور مکان سے لیکر فرام کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ جب فرام مختلف راستوں کو طے کرتا ہوا رآدھا کے مکان میں داخل ہوا تو کاؤس مکان کے قریب ہی ایک جگہ پوشیدہ ہو گیا لیکن چند منٹ کے بعد کچھ خیال کر کے وہ بھی بہت ہوشیاری سے رآدھا کے مکان میں داخل ہوا اور ملازموں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اور مختلف کمروں میں فرام اور رآدھا کو دیکھتا ہوا اس کے پرائیوٹ روم میں پہنچا جہاں فرام نایاب اور رآدھا باتیں کرنے میں

معروف تھے۔ وہ ایک زرنگار ریشمی پردے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا اور فرام کو کہتے ہوئے سُنا۔

"نہیں راآدھا۔ میں اپنے آقا کے ساتھ اب بُرائی کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ میں نے اپنے مالک پر بڑا ظلم کیا ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ مجھ سے مشکوک ہوگئے اور اُن کو میرے اس کمینے پن کا حال معلوم ہوگیا تو مجھے وہ یہ کہکر گولی ماردیں گے کہ "ایسے نمک حرام ملازم کو دنیا میں زندہ رہنے کی ضرورت نہیں" اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم لوگوں پر مقدمہ ضرور دائر کیا جائے گا۔ آہ! آپ خود بھی پھنسیں گی اور اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی جیل کی ہوا کھلائیں گی۔ میں آپ کا اب کوئی کام کرنے کیلئے تیار نہیں۔"

"اونہہ، فرام، تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں نے اس مرتبہ ایسی کارروائی کی ہے کہ کاؤس کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ اور ہم لوگوں پر بھی کسی قسم کی کوئی آفت نہیں آسکتی لو۔ یہ دو ہزار روپے کے نوٹ۔ انہیں اپنے مصرف میں لاؤ۔ کل شب کو ٹھیک بارہ بجے میں خود تمہارے پاس آؤں گی اور اس عرق کو بھی اپنے ساتھ لیتی آؤں گی جس کے تین قطرے بھی اگر سوتے ہوئے شخص کے منہ میں پہنچا دیئے جائیں تو پھر دُنیا کی کوئی قوت اُسے موت کے پنجہ سے نہیں بچا سکتی۔"

فرام یہ سُنکر کانپ گیا لیکن اُس نے اپنے خوف کو چھپایا اور مُسکراتے ہوئے نوٹ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لئے اور کھڑا ہوکر کہنے لگا۔

"آپ تو مجھے مجبور کرتی ہیں۔ خیر میں جاتا ہوں اور کل معینہ وقت پر آپ کا انتظار کروں گا۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ نہ آئیں اور انتظار ہی کرتے کرتے صبح ہوجائے۔"

"نہیں تم اطمینان رکھو۔ میں ٹھیک بارہ بجے تمہارے مکان پر پہنچ جاؤں گی۔"

فرام یہ سُنکر کمرے سے باہر آیا اور راآدھا کے مکان سے نکل کر جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہوا کاؤس کے مکان کی طرف راہی ہوگیا۔ کاؤس بھی فرام کے تعاقب میں راآدھا کے مکان سے نکلا لیکن تھوڑی دور ساتھ جانے کے بعد ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور فرام کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے کمرے میں داخل ہوکر نہایت اطمینان کا مسہری پر دراز ہوگیا۔

—— ﴿ ۲ ﴾ ——

صبح کو جب کاؤس بیدار ہوا اور تمام ضروریات سے فارغ ہوچکا تو فرام اُس کے سامنے آیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ فرام کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر قفل خاموشی لگا ہوا تھا۔ کاؤس نے اس کی حالت کا اندازہ کیا اور تجاہل برتتے ہوئے نہایت شفقت سے پوچھا۔

"کیوں فرام، خیریت تو ہے۔ تم روکیوں رہے ہو اور کیوں ہاتھ جوڑے کھڑے ہو؟"

"مجھے کچھ عرض کرنا ہے لیکن میں پہلے اپنی لغزشوں اور اپنی غلطیوں کی معافی چاہتا ہوں جو حقیقتاً معافی کے قابل نہیں ہیں۔"

"غلطیاں۔ لغزشیں۔ اور معافی۔ یہ کیا کہہ رہے ہو فرام۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بےخوف ہوکر کہو۔ آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"میرا مقصد صرف معافی۔"

یہ کہکر فرام نے اپنا سر کاؤس کے قدموں پر رکھ دیا اور رو رو کر کہنے لگا۔

"میں نے ایک بدترین گناہ کیا ہے۔ میں مجرم ہوں اور انتہائی درجہ کا کمینہ ہوں مجھے اپنی کمینگی اور نمک حرامی کا احساس ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں اپنے فعل سے سخت نادم ہوں اور اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ میں آپ کا مجرم ہوں۔ اگر آپ مجھے معاف نہ فرمائیں گے تو خدا بھی معاف نہیں کریگا۔ آہ! میں نے روپئے کے لالچ میں آکر آپ کی جان لینے کی کوشش کی لیکن شکر ہے خدا کا کہ آپ بچ گئے اور مجھے زیادہ روسیاہ نہیں ہونا پڑا۔"

کاؤس نے فرام کا سر اپنے قدموں پر سے ہٹا دیا اور کہنے لگا۔

"فرام مجھے واقعات کا علم کل شب کو ہوچکا ہے۔ میں تمہاری گفتگو راآدھا کے مکان پر خود سُن چکا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارا جرم اس لائق نہیں ہے کہ بخشا جائے لیکن مجھے تمہاری خدمات کا احساس ہے اور مجھ میں معاف کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم شائد آئندہ اس قسم کے مذموم افعال کے مرتکب نہ ہوگے لیکن نہیں میں تم کو ابھی معاف کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں جبتک تم آج اپنی خدمات کو

انجام نہ دے تو۔ جو رآدھا نے تمہارے سپرد کی ہے اور جس کے صلہ میں دو سو روپیے بھی تم وصول کر چکے ہو۔ جاؤ اور تمام دن اپنی خدمات انجام دیتے رہو۔ بعد شب کو جب رآدھا تمہارے پاس آئے تو حسب وعدہ میری خوابگاہ میں پہنچا دو۔ تم دار ہو اسے یہ علم نہونے پائے کہ مجھے تم لوگوں کی کارروائیوں کا حال معلوم ہو چکا ہے۔"

فرام یہ سنکر کانپ گیا اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے آدھا کے دئے ہوئے نوٹ جیب سے نکالے اور کاؤس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے پھر اس کے قدموں پر رکھ دیا اور رو رو کر کہنے لگا
"معاف کیجئے میرے مالک خدا کے لئے معاف کیجئے۔ ورنہ تمام عمر تو میں اپنے ضمیر کی لعنت و ملامت سے زندہ نہیں بچوں گا۔"

"نہیں تم کو زندہ رہنا چاہیئے۔ محض اس لئے کہ تم اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر سکو۔ وہ کفارہ یہی ہے کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔ اور وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار رہو جو رآدھا تم سے چاہتی ہے۔ تمہارا گناہ اُسی کے سامنے معاف کیا جائے گا بشرطیکہ یہ تمام باتیں رازی رہیں اور اس کو کسی بات کا علم نہ ہو۔ اور اگر تم نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو یاد رکھو کہ تم کو تمام زندگی جیل میں گزارنا پڑے گی اور کسی جگہ تم کو پناہ نہیں ملے گی۔ بس جاؤ۔ دور ہو جاؤ سامنے سے۔ میں رات کو ۱۲ بجے تم دونوں کا منتظر رہوں گا۔"

فرام نے بادل ناخواستہ کاؤس کے قدموں پر سے اپنا سر اٹھایا اور روتا ہوا واپس جانے لگا لیکن کاؤس نے اُسے روکا اور کہنے لگا۔
"یہ نوٹ لیتے جاؤ۔ جن کی تم کو بہت زیادہ ضرورت تھی اور جسکی وجہ سے تم اپنے مالک کا خون کرنے کے لئے تیار ہوئے تھے۔"

فرام پھر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا۔
"خدا کے لئے رحم کیجئے میرے آقا۔ میں اندھا ہو گیا تھا لیکن اب اندھا نہیں ہوں۔ مجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور نہ میں اب انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"
یہ کہکر اس نے اپنا سر اٹھایا اور میز پر سے دیاسلائی اٹھا کر فوراً نوٹوں میں آگ لگا دی اور گردن جھکا کر نہایت خاموشی سے کمرے کے باہر چلا گیا۔

فرام درحقیقت نہایت نیک طینت اور خیرخواہ ملازم تھا۔ وہ رآدھا کے فریب میں مبتلا ہو کر اپنے مالک کی جان لینے پر آمادہ ہوا اور دولت کی طمع میں پڑ کر اس کی نیت خراب ہو گئی۔ کاؤس کو اس کا احساس تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے فرام پر کسی قسم کی سختی نہیں کی۔ علاوہ اس کے فرام کی اس طرح کاؤس کو آزمائش بھی کرنا تھی لہذا اس نے فرار ہونیکا بھی موقع دیا تاکہ فرام بھاگ جائے لیکن فرام کے نہ تو خیالات خراب تھے اور نہ اپنی جان ہی اُسے عزیز تھی لہذا وہ بھاگا نہیں بلکہ تمام دن اپنی حرکتوں پر آنسو بہاتا رہا اور حسب معمول اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔

رات ہو چکی تھی کاؤس سہری پر لیٹا ہوا رادھا کا منتظر تھا اور اس کی سنگدلی اور بے رحمی پر افسوس کر رہا تھا کمرے کے باہر کچھ دور گ[illegible] فرام کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔

"تم پر کسی کی نظر تو نہیں پڑی"

"نہیں، مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ در و میں تم تو بید کی طرح کانپ رہے ہو۔ کیا ڈر گیا۔" "ہاں رآدھا۔ مجھے اس وقت اپنے والد کا ایک قول یاد آ رہا ہے اور میں اسی وجہ سے خوفزدہ ہو رہا ہوں۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ وہ اکثر عالم طفلی میں مجھ سے کہا کرتے تھے کہ خدا حاضر و ناظر ہے وہ اپنے بندوں کی تمام اچھائیاں اور برائیاں ہر وقت دیکھا کرتا ہے چنانچہ حقیقت میں مجھے اس وقت ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ خدا کی مجھ پہ نظر لگی ہوئی ہے اور وہ مجھے چشم نمائی کر رہا ہے اور تمہیں بھی دیکھ رہا ہے کہ تم محض اپنے نفس کیلئے ایک بیگناہ کا خون کرنے جا رہی ہو۔"

فرام کا یہ جملہ سُنکر رآدھا کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ ایک لمحہ کے لئے بالکل بے حس ہو گئی۔ لیکن فوراً ہی انتقامی آگ بھڑک اٹھی اور اس کے دل میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اس نے جلدی سے چند نوٹ فرام کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور کہنے لگی۔
"اگر آج تمہاری مدد سے ہمارا کام نکل گیا تو کل تم سے جس قدر

وعدہ ہوا ہے اُس سے دو چند زیادہ ملے گا۔"

فرام نے نوٹ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں لہٰذا آپ چلیے اور اپنا کام کیجئے۔ مجھے جو کچھ دینا ہے کام پورا ہونے کے بعد سپرد کیجئے گا۔ مجھے آپ کا اعتبار ہے۔"

وہ رادھا کو لیکر نہایت خاموشی سے کاوس کی خوابگاہ میں داخل ہوا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ کاوس آنکھیں بند کئے مسہری پر اس طرح دراز تھا گویا اُس پر غفلت کی نیند طاری ہے۔ پاس ہی مسہری پر نوشابہ محو خواب تھی جس کے خرّاٹے کبھی کبھی ایک سُریلی آواز بنکر کمرے کی خاموش فضا میں اضطراب پیدا کر دیتے تھے۔ کاوس کی مسہری کے دوسری میز پر ایک لیمپ روشن تھا اور ایک کتاب جو کھلی ہوئی مسہری پر اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کاوس پڑھتے پڑھتے ابھی سو گیا ہے۔

رادھا نے اپنا سیاہ لبادہ اُتار کر کھونٹی پر لٹکا دیا، اور [illegible] شیشی نکال کر کاوس کی مسہری کے قریب پہنچی۔ فرام کاوس کی خاموشی سے کانپنے لگا تھا اور خیال کر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کاوس سو رہا ہو اور رادھا اپنا کام اس کی غفلت میں پورا کر لے۔ اُس کا دل زور زور دھڑک رہا تھا اور بولنے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ کاوس کو بیدار کر دے لیکن خوف کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکلتی تھی۔ آخرکار وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور اُس نے رادھا کے ہاتھ سے شیشی چھین لینا چاہی لیکن کاوس خود ہوشیار تھا اور نیم وا آنکھوں سے ان دونوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا وہ دفعتاً اٹھ بیٹھا۔ اور ڈانٹ کر کہنے لگا۔

"خبردار اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تو پولیس کے حوالہ کر دیئے جاؤ گے۔"

فرام کے تو حواس منتشر ہو گئے اور وہ دوڑ کر کاوس کے قدموں سے لپٹ گیا۔ رادھا بت کی طرح کھڑی رہ گئی گویا زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے۔ وہ نہایت پریشان اور حیرت زدہ تھی اور اُس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت کاوس کا بیدار ہو جانا اور اپنے مقصد پر پانی پڑ جانا اُس کے لئے موت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ کاوس فرام کو غیظ آلود نگاہوں سے دیکھکر کہنے لگا۔

"اُٹھو او نمک حرام فرام اور میری باتیں غور سے سنو۔ اور رادھا تم بھی اپنے کئے پر پشیمان ہو اور میری باتیں ہوش سے سُنو۔"

فرام نے کاوس کے پاؤں چھوڑ دئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا مگر رادھا نے اپنی دلی گھبراہٹ اور چہرے کا انتشار مٹاتے ہوئے نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا۔

"میں نہیں ٹھہر سکتی۔"

"نہیں تم کو ٹھہرنا پڑے گا اور اگر تم نے جانے کی کوشش کی تو یاد رکھو رادھا پھر قسمت کا لکھا آگے آئے گا۔"

"بغرض محال اگر میں نے تمہارا کہنا بھی اس وقت مان لیا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کروگے۔"

"جس کی تم کو قطعاً اُمید نہیں ہے۔"

"یعنی"؟

"تمہارے ساتھ رحم کیا جائے گا اور تم معافی کی مستحق ہو جاؤ گی۔"

"خوب! لیکن میں آپ سے نہ تو رحم و کرم کی طالب ہو سکتی ہوں اور نہ معافی کی اُمیدوار۔ آپ ان دونوں چیزوں کو اپنے ہی پاس محفوظ رکھئے۔ مجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔"

"ضرورت نہ ہوتے ہوئے بھی تم کو بیٹھنا پڑے گا۔ اور میری تمام باتیں ٹھنڈے دل سے سُننا پڑیں گی۔ یہ میری التجا نہیں ہے بلکہ میرا حکم ہے۔"

رادھا با دلِ حزیں ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ کاوس کی آواز سے نوشابہ بیدار ہو گئی تھی اور رادھا کو کمرے میں خلاف اُمید دیکھکر سخت پریشان ہوئی اس نے جرات کی کہ وہ کاوس سے کچھ دریافت کرے لیکن کاوس نے اُسے پوچھنے کا کچھ موقع نہ دیا اور فرام سے کہنے لگا۔

"بدطینت ذام۔ تجھے تعجب ہوگا یہ سُنکر کہ میں نے تجھے اب تک نکال کیوں نہ دیا۔ یا تجھے پولیس کے حوالے کیوں نہ کر دیا جبکہ مجھے یہ علم ہو چکا تھا کہ تو روزانہ زہر ملا ہوا پانی میرے سرہانے رکھ دیتا ہے۔ اس واقعہ کو معلوم ہوئے مجھے تین ہفتے گذر گئے جبکہ مرض تشخیص ہوا اور خدا نے مجھے موت کے منہ سے بچا لیا لیکن تو اپنی بد ذاتی سے کل تک باز نہیں آیا ورزہر ملا ہوا پانی مجھے پینے کے لئے برابر دیتا رہا تیرے خیال میں میں صراحی کا پانی پیا کرتا تھا لیکن میں نے تین ہفتہ سے ایک قطرہ بھی زبان پر نہیں رکھا۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا تھا لیکن میں نے دیدہ و دانستہ خاموشی اختیار کر لی تھی۔ تم دونوں کو تعجب ہوگا کہ میں نے اس وقت تک تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کیوں نہ کر دیا اس کے دو وجوہ ہیں۔ اول تو مجھے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ باوجود روزانہ زہر دیے جانے کے بھی میری حالت روز بروز کیوں سنبھلتی جا رہی ہے۔ اور جسم میں قوت چہرے پر رونق کیوں آتی جاتی ہے اور زہر کیوں اثر نہیں کرتا۔ علاوہ اس کے تو دل میں پیچ و تاب کھاتا ہے اور تیری یہ حاصل ہونیکی وجہ سے رآدھا سے بھی ناامید ہو۔ نمکحرام فرام۔ مجھے دیکھنا تھا کہ تیرے سیاہ قلب پر ابھی کچھ اثر پڑتا ہے کہ نہیں۔ مجھے خیال تھا کہ ناکامی کے بعد تو شاید اپنی بداعمالی سے توبہ کر لے۔ اور اس مذموم فعل سے کشکش ہو کر اپنے آقا کا کام نیک نیتی سے بجا لائے۔ لیکن افسوس کہ تو کل شب کو بھی رادھا سے مکان پر جا کر ملا۔ بہرحال میں تمام باتوں کا علم ہونے کے باوجود بھی تجھے معاف کرتا ہوں محض اسلئے کہ تو نے آج خود اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا تھا۔ جا۔ دور ہو، سامنے سے۔ اب کبھی مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔"

فرام یہ سُنکر کاؤس کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر نہایت عاجزی کے ساتھ کہنے لگا۔

"قدر شناس مالک۔ خدا کے واسطے رحم کیجئے مجھ ناشدنی پر حضور جو چاہیں مجھ پر عذاب کریں۔ میں تمام سزائیں برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن خدا کے لئے مجھے اپنے قدموں سے علیحدہ نہ فرمائیں۔"

فرام کا دل اُلٹنے لگا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سوت جاری ہو گیا تھا۔ رآدھا بت کی طرح اپنی جگہ پر ساکت و دم بخود بیٹھی ہوئی تھی وہ پریشان تھی اور اس کے چہرہ پر اسوقت اضمحلال اور افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ اُس کے غرور حُسن کو جس نے اُس کے دماغ کو پراگندہ کر دیا تھا آج کافی صدمہ پہنچ چکا تھا اور وہ دل ہی دل میں اپنے اوپر ملامت کر رہی تھی اُس کا قلب غمگین اور رقیق جذبات سے معمور تھا اور اُس کے آنسو آہستہ آہستہ ساری کے دامن پر پھسلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ حد درجہ پریشان تھی لیکن اس خیال سے مطمئن بھی تھی کہ کاؤس میرے ساتھ کسی قسم کا کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا؟

نوشابہ کاؤس کی یہ تقریر سُنکر متحیر تھی، وہ واقعات پر غور کر رہی تھی کہ کاؤس نے باوجود اتنی بڑی تکلیف اور صدمہ برداشت کرنے کے بھی اپنے نوکر کی نہ بخشنے والی حرکتوں کو نظر انداز کر دیا اور اس کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ وہ اپنے دل میں کاؤس کے اس سلوک پر وجد کر رہی تھی کہ کاؤس نے پھر فرام سے کہا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تجھے پولیس کے حوالے نہ کروں گا۔ گو تیرے قصوروں کی تلافی نہیں ہو سکتی تاہم مجھ میں معاف کرنے کی طاقت ہے اور شاید تو اس طاقت سے فائدہ بھی اٹھا سکے تیری جو تقصیریں تھیں حرف بحرف سُنا دی گئیں لیکن دوسری وجہ رآدھا سے تعلق رکھتی ہے مگر جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے حال سے واقف ہو تو کہنے میں کوئی جرم نہیں۔

رآدھا۔ آج یہ کی خنجر زنی اور زہر کے بعد کیا اب کسی تیسرے طریقے سے بھی امتحان لینا ہے۔ میں اس کے لئے بھی آمادہ ہوں محض اس لئے کہ تمہاری دلنوازیوں اور نازبرداریوں کے نقوش ابھی تک میرے دل پر منقوش ہیں۔ اور میں انہیں بھولا نہیں ہوں۔ میرا دل اب بھی پاک و صاف ہے اس لئے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ جس دل میں محبت ہوتی ہے اس میں عداوت بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ میں باوجود ناقابل برداشت تکالیف کے اب بھی تمہیں اُسی نظر سے دیکھتا ہوں لیکن اب اس فضا میں میں دیکھنا چاہتا جس میں کہ دیکھ رہا ہوں۔ رآدھا تم اپنی زندگی کے آئندہ دور کو برباد نہ

گذشتہ باتوں کو نظر انداز کرو۔ تم شوہر پرستی کے پاک اصولوں کی خوگر ہو سکتی ہو۔ تم اپنے حسن کے ذریعہ سے بازارِ حسن کو رونق نہ دو۔ اور مجھ سے انتقام لینے کی بجائے اپنی تاریکیوں کو منور کر دو۔ اور اس حسن فروشی کی دوکان کو بڑھا کر حسن کی معصومیت کو مجروح ہونے سے بچالو۔ تم خوبصورت ہو۔ تمہارے اعضا میں تناسب ہے۔ جسم میں کشیدگی ہے۔ آنکھوں میں سحر ہے چتون میں افسوں ہے اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ ابھی جوان ہو۔ تمہاری یہ خصوصیات عالم کو تباہ کر سکتی ہیں اور اُن سے کسی کو پناہ نہیں مل سکتی رآدھا میں اب یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ تم ایک بازار کی جنس بنو۔ اور دوسروں کی آغوش کو زینت بخشو۔ اگر تمہارا ترکش تیروں سے خالی نہ ہوا ہو تو میری آغوش تمہارے لئے موجود ہے۔ اور اگر ابھی کچھ تیر چلانے کی گنجائش ہے تو میں اُس کے لئے بھی تیار ہوں اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات منظور نہ ہو تو پھر جاؤ۔ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچانے کے لئے کسی حالت میں بھی تیار نہیں۔ تم آزاد ہو۔ خود مختار ہو۔ اور وہ سب کچھ کر سکتی ہو جو تمہارے دل میں آئے۔"

یہ کہکر کاؤس کا دل بھر آیا وہ ایک سرد آہ بھر کر مسہری پر دراز ہو گیا۔ اور چپکے چپکے آنسو بہانے لگا۔ رآدھا اپنی جگہ پر مجسمہ کی طرح قائم تھی اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سینہ میں رنج و غم کا ایک طوفان برپا تھا وہ خیال کر چکی تھی کہ کاؤس کو اب مجھ سے انتہائی نفرت ہو چکی ہوگی اور خدا معلوم وہ کیسی کیسی سخت اور درشت باتیں کرے گا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہاں اس واقعہ سے محبت بجائے گھٹنے کے اور زیادہ ہو گئی جس کا سبب محبت کی بے اصول دنیا میں کوئی نہیں قائم کیا جا سکتا۔ رآدھا کے سینے میں اسوقت عجیب و غریب قسم کے جذبات کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا وہ کاؤس کی باتیں سُنکر بیقرار ہو گئی اور یکایک اُسکے چہرے پر معصومیت کی ایک لہر دوڑ گئی گویا فطرت نے اسکو از سرِ نو دوشیزہ بنا دیا ہے۔ رآدھا ہچکیاں لیتی ہوئی نوشابہ کی آغوش میں گر پڑی اور رو رو کر کہنے لگی

"نوشابہ یہ سب تمہاری تعلیم اور تمہاری ہی صحبت کا اثر ہے جس نے کاؤس ایسے متلون مزاج اور آوارہ گرد کو فرشتہ خصائل بنا دیا۔ آہ! میں نے کبھی اسپر غور نہیں کیا کہ کاؤس نے میرے ساتھ کتنے شریفانہ سلوک کئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اُس کے جذبات کو اپنی خودداری اور اپنی نفسانی خواہشات پر قربان کرنے کی کوشش کی۔ اور کبھی اس کی محبت کا احترام نہ کیا۔ نوشابہ میں تمہاری مجرم ہوں۔ ایک دن میں نے ہی تمہاری وجہ سے کاؤس کو دنیا سے مٹا دینے اور برباد کرنے کی کوشش کی تھی۔ آہ میری ہی تحریک سے آریہ کاؤس کے قتل پر آمادہ ہوا تھا۔ اور میں نے ہی فراہم سے کاؤس کو زہر بھی دلوایا تھا۔ لیکن آج میں تم سے اور صرف تم ہی سے یہ التجا بھی کرتی ہوں کہ تم مجھے اپنے قدموں پر زندگی بسر کرنے اور اپنی خدمت کرنے کا موقع دو تاکہ میں اپنی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کچھ تلافی کر سکوں اور اپنی زندگی کے آئندہ دور کو روشن بنا سکوں۔ اور میں ہمیشہ کے لئے افکار و آلام اور تمام رنج و غم سے فرصت پا سکتی ہوں۔"

یہ کہکر رآدھا ہچکیاں لیتی ہوئی اس کی آغوش سے علیحدہ ہو گئی اور مسہری پر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنی زرکار محرم میں ہاتھ ڈال کر عرق کی شیشی نکالی، اور آنسو بھری آنکھوں سے نوشابہ کو دیکھکر بھرّائی ہوئی غم آلود آواز میں کہنے لگی۔

"بولو، نوشابہ، کیا تمہیں یہ منظور نہیں ہے؟"

معصوم نوشابہ اس واقعہ سے بہت زیادہ متاثر ہو چکی تھی، وہ بے اختیار ہو کر رآدھا سے لپٹ گئی اور عرق کی شیشی چھین لینے کے بعد کہنے لگی۔

"رآدھا، تم کاؤس کے آغوش کی زینت بن سکتی ہو اور میں تم دونوں کی راحت کے لئے نہایت مسرت سے ہر ممکن خدمت بھی کر سکتی ہوں اگر حقیقتاً تم اپنے گذشتہ افعال سے ہمیشہ کیلئے تائب ہو جاؤ؟"

نوشابہ سے یہ خلاف قیاس جواب سنکر رآدھا اور زیادہ بیچین و بے قرار ہو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس پر ایک بیخودی کی حالت طاری ہو گئی وہ مسہری سے اُٹھکر کاؤس کے قدموں پر جھک گئی لیکن کاؤس نے فوراً اُسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا۔

"رآدھا، تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو خود تمہاری

پُرپیچ زلفوں میں [illegible] اور آج بھی ہوں لیکن میں اپنی روحانی محبت کو [illegible] نہیں جا [illegible] ہوں اور تم دونوں کے سر پر نقش قدم پر [illegible] کے لئے تیار رہوں۔ میں مسرور ہوں اور [illegible] میں استقامت بخشے"

[illegible] ہوگیا اس کے دبے ہوئے جذبات ابھرے [illegible] پانی کی صورت میں بہنے [illegible] بہلا رہے تھے اور مسرت کے آ[illegible] شعلے [illegible] جنون میں مدتوں سے بھڑک رہے تھے [illegible] رہے تھے تھوڑی دیر تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد نشابہ نے دونوں کو علیحدہ کر کے [illegible] سے [illegible] کیا۔

اب [illegible] ہماری ڈبل پارٹ بھی ختم کر دینا چاہئے اس لئے کہ وہ [illegible] جن کے لئے آپ مہینوں سے مسہری پر پڑے ایڑیاں رگڑتے تھے اور اس بیماری کا پارٹ کو ادا کر رہے تھے۔ میں بہت خوش ہوں اور آپ کو اس پارٹ کی کامیابی پر بھی دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں جسے آپ نے بہت محنت اور استقلال کیساتھ انجام دیا ہے۔"

کاؤس کے پاس اس کا جواب صرف اس مسکت جواب کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ نشابہ کو اپنی آغوش میں لیکر اس کے لبوں پر مہر محبت ثبت کردے اور اس طرح اس کا منہ بند کردے اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس سے کام نہ لیتا۔

دو ہفتہ کے بعد کاؤس کو بالکل صحت ہوگئی اور اس نے اس خوشی میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں دنیائے فلم کی حسین ترین ایکٹریس رادھا کے ساتھ اس کی رسم عروسی ادا کی گئی اور فرام کی بھی [illegible] کر دی گئی لیکن وہ [illegible] جس نے کاؤس پر خنجر سے حملہ کیا تھا ایک دوسری ایکٹریس کے جال میں پھنس کر اس مذموم فعل کا مرتکب ہوا اور گرفتار ہونے کے بعد جیل خانے بھیج دیا گیا جہاں آج تک وہ اپنی بد اعمالیوں کی سزا بھگت رہا ہے۔

شعلہ وارثی لکھنوی

تغزل

نہ نکلی میرے دل کی آرزوئے وصل یار اب تک ۔۔۔ فریب وعدہ فردا نے رکھا بیقرار اب تک
پیام وصل سمجھے تھے غلط رسم محبت کو ۔۔۔ تڑپتے ہی رہی نکلی نہ لیکن جان زار اب تک
دیا دل جان دی کھویا گیا سارے زمانہ میں ۔۔۔ مگر اُن کو محبت کا نہ آیا اعتبار اب تک
سر خاک لحد دامن بچا کر کوئی جاتا ہے؟ ۔۔۔ یہ مطلب ہے کہ باقی ہے مری دل میں غبار اب تک
لبوں پر نوحہ خوانی کے عوض ہے نغمہ رنگیں ۔۔۔ چمن والے خزاں کو بھی سمجھتے ہیں بہار اب تک
جنوں سمجھا خرد کو عقل کو دیوانگی سمجھا ۔۔۔ بڑے دھوکے میں تھا میرا دل ناکردہ کار اب تک

ترنّموں کا یہ کہنا میں کبھی جوہر نہ مانوں گا
زباں ہی نابلد ہیں نکتہ سنجان بہار اب تک

جوہر [illegible]

کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں

نہیں مجھ کو معلوم منزل کدھر ہے ——— کسی کی نہ مجھ کو نہ اپنی خبر ہے
نہ مونس ہے کوئی نہ غم خوار میرا ——— نہ راز محبت میں ہمراز میرا
نہ مجبور اسکا کہ کشتی کہاں ہے ——— نہیں دیکھتا یہ کہ دریا رواں ہے

کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں

شرابی کبابی ریاکار کہہ دو ——— مجھے دشمن دین و مکار کہہ دو
جنونی و بدمست دیوانہ کہہ دو ——— جو چاہو تو بیزار مستانہ کہہ دو
کسی نغمہ مست تو مست ہو کر ——— تصور سے اٹھتے ہی مست ہو کر

کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں

محبت کی آنکھوں میں گنگا ہی میں ہوں ——— تصور کی رنگین دنیا میں ہوں
کہ خود جل کے اب شعلہ طور ہوں میں ——— چراغ محبت سے معمور ہوں میں
جہاں ہر طرف چھائی مستی ہے دیکھو ——— محبت کی اک دور بستی ہے دیکھو
انہیں کیف و مستی کی دنیا میں گم صم ——— یہاں آ کے گاتے ہیں یہ ماہ و انجم

کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں

میں مست محبت جوانی کی رو میں ——— حسین اور حسین شادمانی کی رو میں
جہان محبت سے دل کو لگائے ——— چلا جا رہا ہوں نگاہیں جھکائے
لبوں سے کچھ آہستہ گاتا ہوا میں ——— محبت کا پرچم اڑاتا ہوا میں

کنارے کنارے چلا جا رہا ہوں

جوہر فریادی

نوحؔ اور پٹنہ

حضرت شاہ ارزاں صاحب بہار میں اپنے وقت کے ایک ولی کامل گذرے ہیں ان کا مزار مبارک پٹنہ اور بانکی پور کے درمیان میں ہے جس محلے میں یہ درگاہ ہے وہ درگاہ محلہ سے مشہور ہے۔ یہاں کتنی معافی ہے۔ اور کتنے گاؤں کس ضلع میں ہیں ان باتوں کا لکھنا وقت سے خالی نہیں۔ اگر زمانہ نے کبھی وقت دیا تو دیکھا جائیگا کیونکہ بہت دنوں سے میرا قصد ہے کہ میں کسی مناسب موقع پر تفصیلی واقعات لکھوں۔

موجودہ سجادہ نشین حضرت شاہ حامد حسین صاحب حامد سے شعر و سخن کے سلسلے میں بہت دنوں سے مجھ سے ملاقات ہے۔ سب سے پہلے میں ۱۰ اپریل ۱۹۴۲ء کے شاعرہ میں جو انہوں نے کیا تھا شریک ہوا۔ اور اُس وقت تک برابر آتا جاتا ہوں میری خاطر مدارات یہاں جس بے تکلفی سے کی جاتی ہے وہ ہر طرح قابل تعریف ہے چونکہ مجھے بھی اب کوئی تکلف نہیں اس لئے میں بھی اپنے گھر کی طرح رہتا ہوں

شاہ حامد حسین صاحب کا اصرار ایک مدت سے تھا کہ عرس وغیرہ تو آپ دیکھ چکے ہیں کبھی یہاں کا محرم دیکھئے۔ چنانچہ میں اپنے مکان سے روانہ ہو کر اس سال ۸ محرم کو علی الصباح وہاں پہنچا۔ اس درگاہ میں عزاداری کا اہتمام خاص طور سے ہوتا ہے۔ اور جو اہتمام میں نے عزاداری کا یہاں دیکھا وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ دن بھر میں روزانہ کئی مجلسیں ہوتی ہیں۔ بیش قیمت علم اُن کے پھریرے جلوس کی شان جو سجادہ نشین کی ذات خاص سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ تعریف سے باہر ہے مجلسوں کی آرائش ہانڈی گلاس برقی لیمپ جھاڑ فانوس وغیرہ کی روشنی سے جو منظر نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اُس کا جواب نہیں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہر دو جماعت شیعہ سُنّی کے جلوس اسی درگاہ میں آکر ختم ہوتے ہیں۔ تمام تعزیہ علم سپر کے سہرے اُسی کربلا میں دفن ہوتے ہیں جو اس خانقاہ کے حدود میں ہے یوں تو نویں تاریخ سے ہجوم شروع ہوتا ہے مگر دسویں کا تمام دن اور خصوصاً بعد مغرب سے تمام رات کا مجمع قابل دید ہوتا ہے۔ جلوس کے ساتھ اونٹ گھوڑے ہاتھیوں کی قطار بیچ بیچ میں تعزیہ سپر وغیرہ کی گردش جو یہاں میں نے دیکھی وہ اب تک کہیں نہیں دیکھی۔ تعزئے تو قابل تعریف نہیں بنتے مگر سپر کی آرائش میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ سجادہ نشین صاحب کی عالی شان کوٹھی کے بالائی حصہ میں بڑے بڑے حکام تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور ملاقاتیوں کی تعداد کی تو کوئی انتہا نہیں۔ مجھے بھی بالاخانہ پر جگہ دی گئی اور میں نے نہایت اطمینان سے تمام دن اور تمام رات جلوس دیکھا۔ اس سے پہلے انجمنوں اور کالجوں میں کئی بار شعر خوانی کی دعوتیں مجھے دی جا چکی ہیں۔ میں جب یہاں ہوتا ہوں تو اکثر موقع ایسے پیش آئے اور برابر پیش آتے رہتے ہیں۔ اس بار بھی جب میں یہاں آیا تو داناپور کے مشاعرہ سے مجھے شرکت کی دعوت دی گئی۔ میں نے عذر کیا کہ دوران عشرہ میں میں نہ غزل کہتا ہوں نہ پڑھتا ہوں۔ لہٰذا سوم کے بعد تاریخ رکھی جائے۔ یہ درخواست چونکہ مناسب تھی اس لئے مان لی گئی۔ اور طرح ذیل کا اعلان کیا گیا مصرع

کوئی نہیں کسی کا ایام بیکسی میں

نویں محرم کو مجھے معلوم ہوا کہ جناب مرزا طاہر صاحب حضرت دبیرؔ کے پوتے اور جناب فرید صاحب جن کا تعلق حضرت انیسؔ کے خاندان سے ہے مرثیہ پڑھنے کیلئے آئے ہیں۔ اس لئے سُننے کا شوق پیدا ہوا۔ اور میں اُن صاحب سے ملا جن کی مجلس میں مرزا طاہر صاحب اپنا مرثیہ پڑھنے والے تھے۔ افسوس ہے کہ مجھے اُن کا اسم گرامی یاد نہیں رہا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور بذات خود اپنے ساتھ لیکر مجھے طاہر صاحب کے پاس گئے اور اُن سے ملایا۔ طاہر صاحب نے فرمایا کہ بہت دنوں سے آپ کا نام سُنتے تھے مگر ملاقات نہ تھی۔ خوب ملے۔ رسمی باتوں کے بعد خاص طور سے مجھے اپنے ایک مرثیہ کے چند بند انہوں نے سُنائے۔ تھوڑی دیر میں مجلس شروع ہوئی۔ اور میں نے سوز کے بعد پورا اُن کا ایک مرثیہ سُنا جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نیا تو ضرور تھا مگر اُن کے خاندانی رنگ سے کوسوں دور تھا۔ صرف چند بند ایسے

تھے جن میں اُن کے خاندان کی جھلک تھی۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ ایسا کہنے سے مجبور ہیں۔ جیسا اِن کے بزرگ کہہ گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بات انہوں نے دکھائی ہو کہ سلاست کے لحاظ سے میں اس رنگ میں بھی کہنے پر قادر ہوں۔ جو خاندانِ انیس کے لئے باعث افتخار ہے۔ افسوس ہے کہ قلت وقت سے میں فرید صاحب کا مرثیہ نہ سُن سکا۔ جس کا افسوس مجھے اب تک ہے کیونکہ ایسے موقع روز نہیں ہاتھ آتے۔

اب سوم ہو گیا اور داناپور کے مشاعرہ کی تاریخ آگئی میں نے غزل لکھی اور بعد مغرب پٹنہ سے روانہ ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر رام کشن لال موج کے ہاں مشاعرہ تھا۔ عبدالحفیظ صاحب طیش اور انوار الحسن صاحب نور مہتمم تھے۔ رحمت صاحب نے بھی خاص طور سے مہمانوں کی آسائش کا خیال رکھا۔ میرے ساتھ اور بھی حضرات تھے۔ جن کے اسمائے گرامی آئندہ حسب موقع آئیں گے۔ سب مہمانوں کو کھانا موج صاحب نے اپنے دولت خانے پر نہایت تکلف سے کھلایا۔ اور جلوس کیساتھ مسلم لیگ کے رضاکار قواعد کرتے ہوئے اور بینڈ بجاتے ہوئے سب مہمانوں کو اپنے حلقہ میں کر کے سینما ہال لیگئے جہاں مشاعرہ ہونے والا تھا۔ تھوڑی دیر میں سامعین اور مقامی شعراء سے سارا ہال بھر گیا۔ جگہہ نہ ملنے پر بہت سے حضرات دروازوں پر کھڑے تھے۔ میرے خیال میں مجموعی تعداد ڈھائی تین ہزار سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی مشاعرہ شروع ہوا۔ مقامی شعراء میں اور حضرات کے نام تو مجھے یاد نہیں رہے موج صاحب۔ طیش صاحب۔ نور صاحب رحمت صاحب شاداں صاحب رحماں صاحب بدر صاحب قتیل صاحب معززین میں ڈاکٹر عبدالشکور صاحب مولوی عبدالرشید صاحب حکیم عبدالنعیم صاحب وغیرہ موجود تھے۔ اگر کسی صاحب کا نام رہ گیا ہو تو وہ مجھے معاف فرمائینگے۔

جناب قتیل صاحب جناب بدر آروی کے شاگرد اور جانشین ہیں۔ یہاں کے اکثر شعرا ان سے اصلاح لیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس رنگ کے پرکھنے والے ہیں اس میں انہیں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ کوئی زمین ہو یہ اپنے رنگ کے شعر نکال لیں گے۔ پڑھنے کی طرز خاص ہے۔ اکثر مشاعروں میں میرا ان کا ساتھ رہ چکا ہے۔ جناب بدر صاحب سے بھی مجھ سے ملاقات تھی۔ اس قرب و جوار میں اور بھی ان کے شاگرد ہیں مگر جو بات قتیل صاحب میں ہے وہ اور کسی میں نہیں نظر آئی۔ یہ میری آزاد رائے ہے کسی اثر سے میں نے یہ رائے نہیں قائم کی۔ کامل صاحب انجم صاحب حسرت صاحب شمس صاحب عظیم آبادی وفا صاحب جدت صاحب الہ آبادی، کشتہ صاحب گیاوی، جناب حمید صاحب بھی قابل ذکر ہیں

کامل صاحب جناب عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں جن کا سلسلہ کئی پشتوں کے بعد جناب میر تک پہنچتا ہے۔ خوب کہتے ہیں، اور ان کا معمول ہے قبل طرحی غزل کے بہت سی رباعیں جناب میر کے متعلق پڑھتے ہیں۔ ان کا بچہ بھی ان کیساتھ رہتا ہے۔ اس سے پڑھواتے ہیں۔ ماشاءاللہ وہ بہت اچھا پڑھتا ہے۔

جناب حمید صاحب کو عظیم آباد میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ جناب شاد مرحوم کے شاگرد رشید اور سچے جانشین ہیں علاوہ شعرگوئی کے فن عروض میں بھی خاص دستگاہ ہے۔ بیشتر حضرات جناب شاد کے بعد انہیں کو اپنا کلام دکھاتے ہیں استاد کے مرنے کے بعد اُن کے کلام کی تدوین انہیں نے کی جب تک استاد زندہ رہتا ہے سب شاگرد اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ مگر مرنے کے بعد کوئی فاتحہ تک نہیں دلواتا۔ یہ حمید صاحب ہی تھے جو اپنے اُستاد کے انتقال کے بعد انکے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کی آخری خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ میں نہایت احترام کی نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوں۔ ایسی ہستیاں روز نہیں پیدا ہوتیں۔

مشاعرہ میں اچھی اچھی غزلیں پڑھی گئیں۔ کسی کی کوئی غزل ایسی نہ تھی جس میں اچھے اچھے شعر نہ رہے ہوں۔ لیکن یہاں کے شعرا میں ایک بات ضرور قابل ترمیم ہے۔ کہ وہ اپنا پرانا کلام رباعیوں کی شکل میں قبل طرحی غزل کے سناتے ہیں۔ یہ وہ رباعیاں ہوتی ہیں جنہیں اکثر وہ پہلے پڑھ چکے ہیں اور جن سے سامعین بیشتر لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر نیا قطعہ یا رباعی حسب حال ہونی چاہیئے کہ سماعت پر گراں نہ گذرے اور جدید لطف سامعین اٹھائیں میں نے شروع میں دو قطعے پڑھے جو موقع اور محل کے لحاظ سے تھے۔ علاوہ طرحی غزل کے پانچ غزلیں غیر طرح پڑھیں جنہیں سن کر لوگ بے حد محظوظ ہوئے۔ اصرار اور بھی تھا لیکن اس اصرار کو تنگیٔ وقت کے لحاظ سے میں پورا نہ کر سکا۔ قتیل صاحب غیر طرحی غزل نہ لائے تھے اس لئے شوق باقی ہی رہ گیا۔ حمید صاحب نے

ایک غزل غیر طرحی سنائی۔ زمین سخت تھی لیکن خوب خوب شعر کہے تھے حاضرین نے بہت پسند کی۔ غرض یہ مشاعرہ صبح ہوتے ہوتے ختم ہوا۔ اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے ہم لوگ بھی روانہ ہوکر ۹ بجے دن کو درگاہ شاہ ارزاں صاحب پہنچے۔

یہ مشاعرہ ۲۱ر فروری ۱۹۴۰ء کو مارتل بازار دانا پور میں ہوا۔ ۲۲ر فروری کو پٹنہ [illegible] رہی۔ اگرچہ جائے قیام پر لوگ اپنی اپنی غزل سناتے رہے مگر باضابطہ مشاعرہ نہ تھا۔ ۲۴ر فروری کو بعد مغرب محلہ سبزی دالان میں قاضی احمد علی صاحب نے پرتکلف ٹی پارٹی دی۔ متعدد قسم کی مٹھائیاں طرح طرح کے بسکٹ نمکین چیزیں سب موجود تھیں۔ بعد پارٹی کے حضرت قمر عظیم آبادی وفا صاحب۔ جدت صاحب الہ آبادی نے دو دو غزلیں سنائیں۔ صبا صاحب خوب فرماتے ہیں۔ اُن کی غزلیں تمام و کمال اچھی تھیں۔ جناب بدر صاحب سے بھی اصرار کیا گیا۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ ابھی مشاعرہ میں شریک ہونا ہے۔ وقت کی نزاکت سے معذرت کی گئی۔ آخر میں نواب صاحب نے فرمایش کی چار غزلیں میں نے پڑھیں۔ نواب صاحب بہار کے ممتاز لوگوں میں ہیں۔ سخن فہمی تو ان پر ختم ہے۔ انہوں نے جن الفاظ سے مجھے داد دی وہ میرے لئے باعث فخر ہیں۔ اُن کی خاطر مدارات ہمیشہ مجھے یاد رہیگی میں انکی مسافر نوازی کا ممنون ہوں۔

اسی تاریخ کو جناب احسن المظفر صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ علاوہ ہمارے الطاف حسین صاحب کے قریب قریب یہی حضرات تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے الطاف حسین صاحب نہایت سنجیدہ اور ملنسار شخص ہیں اور ان کی شخصیت پٹنہ میں مسلم ہے۔ پہلے بھی کہتے تھے مگر اب نہیں کہتے ـ میرے خاص عنایت فرما ہیں۔ اور ان کی قرابت قریہ درگاہ شاہ ارزاں میں ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ انجمن ترقی اردو کی لائبریری ہال میں پہنچے۔ غیر طرحی مشاعرہ کا اعلان پہلے سے بذریعہ نوٹس مطبوعہ کے ہوچکا تھا اس لئے شعرا اور سامعین کی تعداد معقول تھی۔ جناب خان بہادر مظہر امام صاحب کی صدارت میں مشاعرہ شروع ہوا۔ چونکہ مجھے اس رات کو وطن واپس ہونا تھا اس لئے میں نے عرض کی کہ جو لوگ میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں اُن کا کلام سن لیا جائے۔ پہلے اظہار صاحب پھر اکمل صاحب خلف جناب کامل پھر طالب حمیدی صاحب پھر وفا صاحب پھر جدت صاحب الہ آبادی نے اپنے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا میں نے بھی تین غزلیں پڑھیں۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ اور پڑھوں مگر خیال ہوا کہ ریل نہ ملیگی۔ اس لئے میں اور کچھ نہ پڑھ سکا۔ میرے اٹھنے کیساتھ بہت سے لوگ اٹھ گئے اور مجھے معلوم نہیں کہ مشاعرہ کا کیا حشر ہوا

دوران قیام عظیم آباد میں دوبارہ جناب بھائی ڈاکٹر مبارک حسین صاحب مبارک یادگار استاذی حضرت داغ دہلوی مجھ سے ملنے کو تکلیف اٹھا کر آئے انکے دو شاگرد ایک تو سید صاحب دوسرے صاحب کا تخلص یاد نہیں ہمراہ تھے۔ یہ دونوں لڑکے بہت ہونہار ہیں۔ اپنے اپنے کلام سے مجھے خوش کرتے رہے۔ ڈاکٹر مبارک صاحب کا وجود عظیم آباد میں بہت غنیمت ہے۔ پرانے لوگوں میں یہی رہ گئے ہیں ان کے متعلق میرا اور کچھ لکھنا یہی سمجھا جائیگا کہ ایک بھائی نے ایک بھائی کو سراہا ہے۔ صوبہ بہار کی ادبی دنیا خود انکے کمالات سے واقف ہے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا ضرور کہونگا۔ کہ ایسے صاحب کمال دنیائے ادب میں بہت کم ہیں۔ کبھی نہ بھولنے والے مطلعے مجھے یاد دے گئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی غزلیں مجھے سنائیں اور مجھ سے بھی سنیں۔

گھٹا اٹھی تو کالی اور کالی ہوتی جاتی ہے — شراب جو بھری جاتی ہے خالی ہوتی جاتی ہے
خدا جانے کہاں سے کھینچ کے میخانے میں لاتی ہے — جوانی تو ہر شیشے و پیمانے میں آتی ہے

پھر میں حضرات درگاہ حضرت شاہ ارزاں صاحب سے رخصت ہوکر سب کی یاد اپنے دل میں لئے ہوئے دوسرے دن بہمراہی جدت صاحب الہ آبادی بخیریت تمام اپنے وطن پہنچا اس سفر میں جن صاحبوں نے مسافر نوازی فرمائی اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوا اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ جو طرحی غزل میں نے دانا پور میں پڑھی تھی اُسے آپ اس رسالہ کے کسی صفحہ پر ملاحظہ فرمائینگے۔

نوح ناروی

رسالہ سہیل میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیجئے

طوفان نوح

مشاعرہ داناپور کی غزل

ممنون منصفی کے ہوتے ہم اپنے جی میں
لاکھوں بنا و دیکھئے اک تیری سادگی میں
عمر دو روزہ غم گذری مری اسی میں
پایا نہ فرق کچھ بھی سوچا جو اپنے جی میں
داغ جگر کا شعلہ دل کو جلا رہا ہے
نیرنگی جہاں پر بنیاد تھی جہاں کی
عمر ابد کی خواہش لے خضر کیا کریں ہم
بے کاری شب غم دل سے یہ کہہ رہی ہے
اظہار آرزو پر تم کچھ نہ دھیان کرنا
فطرت کا ہر کرشمہ اپنی جگہ چمن سے
یوں اُن کے ساتھ ہم نے دن لطف کے گذارے
میں یاد کر کے جن کو آنسو بہا رہا ہوں
قہر کرم نما نے کھولا یہ راز مجھ پر
رخ سے نقاب الٹ کر بکھرا دو زلف اپنی
غنچہ تو گل بنے گا گل کچھ نہ بن سکے گا
اچھی کہی بھلا دو کیوں کر کوئی بھلا دے
سیرت تو کیا ملے گی صورت نہ مل سکے گی
وقت نشاط کم ہے لطف نشاط جب تھا
کیا روز حشر کا ڈر ہیں تو یہ جانتا ہوں
کیا واسطہ وفا سے خوبانِ بے وفا کو

تھوڑا سا غم جو ملتا تھوڑی سی زندگی میں
بڑھ کر بلائیں لے لوں یہ آ رہا ہے جی میں
ناکامیوں کا شکوہ ناکام زندگی میں
دانا کی دشمنی میں ناداں کی دوستی میں
یہ چاند ڈوبتا ہے سورج کی روشنی میں
آزار و لطف ملکر دونوں نے ساتھ میں
لاکھوں الم اٹھائے دو دن کی زندگی میں
داغوں کو لپٹنے کن سے تاروں کی روشنی میں
اک بات میں نے یوں ہی کہہ دی تھی بے خودی میں
رنگینیاں بھی دیکھیں پھولوں کی تازگی میں
کچھ کہہ دیا ہنسی میں کچھ سن لیا ہنسی میں
ایسی بھی چند گھڑیاں گذری ہیں زندگی میں
ہے دشمنی بھی داخل آداب دوستی میں
دل کس جگہ چھپا ہے ڈھونڈوں تو روشنی میں
وہ پھول میں کہاں ہے جو بات ہے کلی میں
سو دن کی دشمنی کو دو دن کی دوستی میں
ہے کس قدر تفاوت ایک ایک آدمی میں
دونوں جہان ملتے دو دن کی زندگی میں
تاریکی شب غم آئی ہے روشنی میں
امید تو نہیں ہے شاید ہو یہ کسی میں

شاید وہ پھر بگڑ کر طوفان نو اٹھا دے
تم نوح کو نہ چھیڑو بس خیر ہے اسی میں

نوح ناروی

بھوک

...." کچھ دے بابو"۔

.. ...."میرے پاس پیسے نہیں"

...."دو روز سے!"

..... "ہاں! کیا؟"

.. "بھوکی ہوں"

.. .... "یہ باتیں تو روز سننے میں آتی ہیں"

.. . "میں جھوٹ نہیں کہتی بابو!"

. . . ."میں دوں کیا؟"

. "ایک پیسہ بابو!"

. .. "کیا کروگی؟"

.. . . . "بہت بھوکی ہوں"

چار بجے کے قریب میں خاص انداز سے دو انگلیوں میں کاپی دبائے کالج سے واپس آ رہا تھا گھر سے روپیہ لئے تھے۔ دل ہی دل میں حساب لگاتا ہوا کہ ایک روپیہ دھوبی کو دینا ہے، دس روپیہ میس ([illegible]) کو دینے ہوں گے۔ آٹھ روپئے کالج کی فیس کے ہوئے باقی گیارہ رہے چلا جا رہا تھا کہ ایک دوشیزہ بھکارن کی "کچھ دے بابو" کی کانپتی ہوئی آواز نے چونکا دیا۔ سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے اس سے فضول جرح شروع کر دی۔

میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اور بھکاری بھکارن کی طرح بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھی مجھے اس سے سخت نفرت تھی اور اسی باعث میں اس کو سوالات کی مسلسل بوچھاروں سے پریشان کر رہا تھا۔

بھکارن بہت زیادہ حسین تو نہ تھی لیکن اُسکے گورے گورے رنگ پر گرد جمی ہوئی تھی۔ اُس کے میلے میلے گالوں میں ملاحت مسکرا رہی تھی۔ اُس کے سوکھے ہوئے دُبلے پتلے بدن حسن و شباب کا نوحہ کر رہے تھے اُس خزاں زدہ درخت کی مانند جو اپنے ابھار اور رعنائی سے قبل ہی سوکھ جاتا ہے۔ بدن پر ایک میلی پھٹی ساری اور گندی پرانی چولی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں حلقوں میں ڈوبی جا رہی تھیں جس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ بھوک اور فاقہ کے خوفناک طوفانی تھپیڑوں سے دوچار ہوتی رہی ہے۔ "بہت بھوکی ہوں" کی آخری بھرائی اور لرزتی ہوئی آواز نے میری رگوں میں لرزش اور سنسنی پیدا کر دی۔ میں نے جیب سے دو پیسے نکالے اور اُسے دیتے ہوئے اپنی راہ لی

بھکارن کے متعلق میرے دل میں طرح طرح کے خیالات موجزن تھے۔ وہ جوان ہے گوری ہے۔ صورت شکل بُری نہیں۔ پھر بھی اُسے کوئی بھیک تک نہیں دیتا۔ وہ کس طرح دو دو روز تک بھوکی رہتی ہے؟ کیا اس کے لئے موت نہیں؟ غریب کو جینے کا کوئی حق نہیں؟ کیا آلام و مصائب، درد، تکلیف اور تردد غربت کے عناصر خصوصی ہیں؟ اس کا مرجانا ہی بہتر ہے۔ وہ سماج کی نظروں میں، عوام کی آنکھوں میں ہدف لعنت بن کر جیتی ہے۔ کس لئے؟ بھکارن میرے دماغ پر چھا گئی تھی۔ "کچھ دے بابو! بہت بھوکی ہوں" اُس کے یہ دو جملے میرے کانوں میں ہمیشہ گونجتے رہتے

دوسرے دن سے بھکارن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شاید وہ اس شہر سے دور کہیں اور جا چکی تھی اپنے پیٹ پالنے کا ذریعہ ڈھونڈھنے۔

زمانہ نے کروٹ لی۔ دن کی رفتار کے ساتھ میں بھکارن کو

بھولتا گیا اور کچھ ماہ کے بعد آسے ایسا بھولا کہ بھیک منگوں کی آواز تک بھی مجھے اس کی یاد نہ دلاتی۔

* * *

"بھکارن" کی شہرت سے شہر گونج رہا تھا۔ دو ہفتے سے مسلسل تین شو کھیل ہو رہا تھا۔ تماشائیوں کے ریل پیل کے باعث میری ہمت نہ پڑتی تھی کہ میں کھیل دیکھنے جاؤں۔ تیسرے ہفتے میں باوجود بھیڑ کے کھیل دیکھنے گیا۔ میں ذرا دیر سے پہنچا۔ سوائے اول درجہ کے ٹکٹ کے اور درجوں کے ٹکٹ نہیں مل رہے تھے۔ ٹکٹ خرید اور سینما ہال میں داخل ہوا۔ کمرہ تاریک تھا۔ سینما کے منیجر نے مجھے ایک سیٹ پر بٹھا دیا۔ کھیل فوراً شروع ہوا تھا۔ اس کی شہرت نے مجھے خود میں جذب کر لیا۔ میں ہمہ تن گوش بنا کھیل دیکھ رہا تھا اور دیکھتے دیکھتے انٹرول ہو گیا۔ سینما کا کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ میں نے سگریٹ سلگایا اور نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔

میری بغل والی کرسی پر ایک صنف نازک جلوہ افگن تھی۔ وہ بار بار میری جانب دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

میں نے اُسے سرسری نظروں سے دیکھا۔

وہ بدرجہ اتم حسین معلوم ہو رہی تھی۔ چھریرا جسم، شگفتہ چہرہ، جھکی ہوئی بے باک چتون، ایک طلسم حسن و شباب تھی۔ گورے بھبھوکے رنگ پر پوڈر کا ہلکا ہلکا سا مس، ہونٹھ سرخ رنگے ہوئے، کالی ساری میں نور اکھڑا ایسا پیارا معلوم ہوتا تھا جیسے آدھی رات کو چودہویں کا چاند۔

دو آنکھوں کے تصادم نے اُسے بغل والے آدمی کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ جیسے ہی میری نظریں حسینہ سے بہک کر نوجوان پر گئی ہوں گی کہ میرے منھ سے بے ساختہ نکل گیا "سرین" اہو! ہیلو! شاہد" کہکر سرین نے ہاتھ ملایا۔ "بھئی تم تو آجکل دکھائی ہی نہیں دیتے" ابھی وہ آگے بولنے بھی نہ پایا تھا کہ "چائے چاہیے بابو چائے" آواز نے اُسے اپنی جانب مخاطب کر لیا۔ "تین پیالی چائے" کہکر وہ میری طرف مخاطب ہوا "تم گھبرا رہے ہوگے کہ یہ کون ہیں۔ ہے نا۔ کھیل ختم ہونے دو میں تعارف کرا دوں گا۔ پھر بکلی بتیاں گل ہو گئیں۔

* * *

موٹر تیزی سے ہوا میں فراٹے بھرتی چلا جا رہی تھی۔ سرین نے اس طرح تعارف شروع کیا۔ "آپ مسٹر شاہد۔ ایم اے سٹوڈنٹ پٹنہ کالج اور آپ مس راجکماری۔ لکھنؤ کی مشہور طوائف فی الحال کچھ کام سے پٹنہ آئی ہیں" "آپ اعلیٰ درجہ کی رقاصہ اور موسیقا دونوں ہیں" "مجھے آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی" راجکماری نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ میں نے بھی پھیکے طور سے اس کا جواب دیا۔

"مسٹر شاہد! میں آپ کو قبل سے جانتی ہوں" اُسنے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں؟ کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔ وہ کھوئی کھوئی سی اداس نظر آنے لگی۔ راجکماری کی آنکھیں سڑک پر عموماً جہاں شاہدان بازاری بستی ہوں "پینا کالر" درست کرتے رہتے ہیں یا آئینہ میں اپنی حسین صورتیں دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ یا ادھی، ململ، ڈھاکہ سلک کا کرتا خواہ کوئی بھی موسم ہو پہنے پان چبائے۔ آنکھیں سبز ہوتے "سرخ ہوتے" "لب بام" کی دوڑتی رہتی ہیں اور خود سڑک پر ہوتے ہیں۔

راجکماری نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا۔ آپ مجھ سے نفرت کرتے ہوں گے کیونکہ آپکے الفاظ روکھے سوکھے ہیں۔ ہاں بجا ہے۔ مسٹر شاہد صاحب! آپ مجھے چار سال کے اندر ہی بھول بیٹھے۔ لیکن میں بھولی نہیں اور پہلے ہی نظر میں پہچان گئی۔ کاش میں یہ پیشہ اختیار نہ کرتی۔ لیکن شاہد صاحب! اس میں میرا کونسا قصور تھا۔ میں کبتک بھوک برداشت کرتی رہتی۔ سماج کے دیوتاؤں کے دست ہوس کا شکار بنی رہتی۔ میں وہی بھکارن ہوں جسے دو روز بھوکے رہنے کے بعد آپ نے دو پیسے دئے تھے وہیں تک پہنچی تھی کہ موٹر کی اور وا سرین کے ساتھ گڈ بائی کہتی ہوئی اتر گئی۔ ڈرائیور نے موٹر واپس کی اور مجھ سے پوچھا "کہاں چلیئے بابو؟" "دحشت کدہ"۔

"بدر ہاشمی"

آنکھیں

[illegible] ہو گئے [illegible] کی طرح ایک ہی چکر میں زندگی کے [illegible] ہا ہوں [illegible] زمین پر بے شمار انقلابات برپا [illegible] ہوتی بارہا زلزلے ہو ذالے اور کشت و خون کے ہنگاموں سے [illegible] میرا زندگی کے دن گزار رہا ہوں [illegible] کو دیکھا نہیں۔

[illegible] ایک ہی راستہ ہے اور میرا بھی۔ اندھیرا یا اجالا۔ اجالا یا اندھیرا [illegible] جسے میں کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔ نہ روشنی ہی میری طبیعت [illegible] اور تاریکی سے یہ دونوں میرے لئے برابر ہیں۔ یکساں۔

میں وہ ہوں جو قدرت کے دلکش مناظر کے نظارہ سے بالکل بے بہرہ ہے [illegible] کی نہریں اور [illegible] کی تڑپتی ہوئی لہروں کا نظارہ میسر نہیں [illegible] بہار کی مسرتوں کو میں جانتا نہیں [illegible] رنگین منظر۔ درختوں کے [illegible] لہلہاتے ہوئے کھیت و انواع و اقسام کے پھول یا ناواقف برسات کی رم جھم مست [illegible] بادل [illegible] سکوت میں چودھویں رات کی چاندنی جسے دیکھ دیکھ کر انسان اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے۔ اور خود کو کھو کر دوسری دنیا میں جا بستا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نظر نہیں آتے۔ دارجلنگ اور کشمیر کی میں قدر نہیں کر سکتا۔ میں ان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ یہ میرے لئے بیکار ہیں بے سود میری نظروں میں کوئی قیمت نہیں۔ میرا دل جانا ہو یا ان کا [illegible] مجھے معلوم نہیں۔ نہ عکاس خانہ میں قدم رکھا اور نہ کبھی [illegible] پردہ [illegible] دیوانوں کی نگاہوں [illegible] زندہ ہوں [illegible] زندہ [illegible] زندگی کا نام بدنام کر رہا ہوں ۔

بہت مشتاق تھے [illegible] زندگی مجھ کو — نہ تو نظر آتی ہے ہر خوشی تجھ کو

کبھی خوشی کی تمنا کبھی الم کی تلاش — فریب ہی ہے یہ زندگی مجھ کو

میں اپنی اس زیست بے سود سے تنگ آگیا تھا۔ اس نہ بدلنے والی زندگی سے عاجز آگیا تھا۔ اس زندگی کو جس میں کوئی لطف نہیں خیرباد کہنے کی ٹھان لی تھی لیکن آخر کار میری یکساں اور خاموش زندگی کے حدود میں ایک اور صرف ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے مجھے اطمینان قلبی اور تسکین دائمی بخش دی

مجھ جیسوں کے کان بہت تیز ہوتے ہیں۔ اسی روز جب انہیں خیالوں میں شام ہو گئی تو میں تھوڑی دیر گھومنے کیلئے چہل قدمی کو نکلا۔ ٹہل رہا تھا کہ سنا "یار کرامت اب تو میں ڈوبنے چلا ہوں۔ کل ہی وہ اب کالج بھی نہیں آتی۔ باقی رہی سہی امید بھی جاتی رہی۔ گھر پر جا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مجھے اسکے والدین جانتے ہیں۔ اب اسکے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ آہ! پاپی۔ میں تجھ پر سو جانوں سے قربان۔ تو میرا جان لیکر رہیگی۔ یار کیا غضب کا حسن پایا ہے اس نے۔

بھائی امر۔ میری حالت تم سے بدتر ہے۔ تم تو میری مجبوری کو جانتے ہی ہو۔ اللہ میاں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنا کر گویا اپنی خدائی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ میرے سامنے کے مکان میں رہتی تھی۔ سوموار سے دوسرے محلے میں چلی گئی ہے۔ کیونکہ اسکا باپ جان گیا ہے۔ سنا ہے بہت جلد سسرال بھی بھیج دی جائیگی ....

میں ہنسا اور خوش ہوا۔ میرا دل پر نور تھا

آگے بڑھا۔ دو آدمی آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ آج رات [illegible] نہ ہوگی۔ وقت پر اگر سوجھ نہ سکا تو بڑی مشکل ہوگی۔ دوسرے نے کہا تمہیں نہیں کیا آج چودھویں تاریخ ہے۔ چاندنی ہوگی اور ہم اپنا کام بہت [illegible] سے کر سکیں گے۔ میں پیچھے ہو جا کر اسے پوری طرح جکڑ کر پکڑ لونگا اور [illegible]

سامنے سے آکر وار کر دیا بس قصہ ختم۔ پھر ہم ہیں اور تم ......اور.......

میں نے خدا کا ہزار ہزار شکریہ ادا کیا

واپسی میں عکاس خانے سے گذر ہوا تو میرے لبسیار شنندہ کانوں نے چند قسم کی مخلوط آوازیں سنیں۔ . . .... میں نے اپنی کتابیں بیچ دی ہیں میں نے اپنی انگوٹھی، میں نے شاہد سے قرض لیا ہے۔ نسیم کو کس طرح دیکھتا بھلا۔ اور وہ بھی بیکار میں۔ آج میں پانچویں بار دیکھوں گا۔ اور میں نے بس آج تک ایک دن بھی ناغہ نہیں کیا میں نے۔ یا نہیں استاد نسیم کو دیکھے ۔ ان کو گزارنا ہیں آدت ہو موتے ہی دکان بند کر دی۔ بیوی کو دینے کیلئے ایک پیسہ تک نہیں بچے گا۔ بال بچے سب بھوکے رہ جائینگے۔ آج کی رات، کیا کروں دل سے مجبور ہوں۔ . . . .

میں نے آسودگی کی ٹھنڈی اور لمبی سانس لی

میرا دماغ بھر گیا اس خیال سے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت سے محروم کر دیا گیا ہوں" اب میں شاکی نہیں۔

میں اندھا ہوں نابینا۔

تو کوئی ہرج نہیں۔ کوئی پرواہ نہیں۔ میں خوش ہوں بہت خوش میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جس طرح مچھلی پانی میں جا کر عیش و آرام محسوس کرتی ہے۔ پرندے دن بھر ہواہیں آوارہ و سرگرداں پھرنے کے بعد شام کو اپنے گھونسلے میں پہنچکر اطمینان کی سانس لیتے ہیں۔ مجھے بھی بے پایاں مسرت کا احساس ہوا۔ میری آنکھیں بے نور ہیں۔ اس پاک پروردگار نے میرا دل تو روشن کر دیا۔ اُس نے ثابت کر دیا کہ وہ جو کچھ کرتا ہے مناسب کرتا ہے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں زندہ رہوں گا۔ میں جیونگا آنکھ والوں سے سبق سیکھنے کیلئے اور اندھوں کو سبق دینے کیلئے۔ انہیں مطمئن کرنے کیلئے اور یہ بتانے کیلئے کہ وہ آنکھ والوں سے بہت اچھے ہیں۔ انہیں اسی طرح یقین کامل دلانے کیلئے کہ شراب سے کہیں بڑھکر آنکھیں ہی ہر قسم کے گناہوں اور پاپوں کی جڑ ہیں انہیں میں گناہوں کی پیدائش ہوتی ہے یہیں وہ پھولتے پھلتے اور بڑھتے ہیں اور بڑھ کر کچھ ایسے خوفناک اور خطرناک شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جنکے نتائج کچھ بھی قابل تعریف اور صد آفریں نہیں ہوتے دن انکا سب سے بڑا مددگار اور بجو تو وہ ہے یہ ان چنگاریوں کو شعلے بنا کے ہے اور یہی شعلے انسانیت اور معصومیت کو جلا کر خاکستر کرتے رہتے ہیں .... یہی شعلے ... یہی آنکھیں . .. انسانیت اور معصومیت کو ... !!!

آفتاب احمد خاں درّانی

تری مست آنکھوں نے کیسی پلا دی — مری بیخودی نے دعا پر دعا دی
دم صبح کس نے یہ چلمن اٹھا دی — مرے ہوش پر کس نے بجلی گرا دی
خدائے محبت ترے سنگ در کی — مرے چند سجدوں نے عظمت بڑھا دی
مری چشم پر نم نے آج انکو دل کی — بعنوان شستہ حکایت سنا دی
مری آرزوؤں کو ترتیب دے کر — خدا نے نئی ایک دنیا بنا دی
تری اک نظر کے سہارے ہی قائم — تصور کی دنیا تخیل کی وادی
بلا وجہ آج ایک چشم کرم نے — تمنا کی دنیا میں ہل چل مچا دی

منور تھی دنیائے دل جس سے افسر
وہ شمع فروزاں کسی نے بجھا دی

سیمابی سہسرامی

کیوں نہ ہوں سرگرم ماتم شاعرانِ لکھنؤ — خواجہ عشرت تھا میر کاروانِ لکھنؤ
ایک ہی ہیں ایک بڑھ کر نکتہ دانِ لکھنؤ — پر کہاں وہ شوکتِ حسنِ بیانِ لکھنؤ

اپنی تعنیفوں میں وہ کارِ نمایاں کر گیا
سخت مشکل تھا جو رستہ اُسکو آساں کر گیا

میر کلو عرش و شادِ لکھنوی کی یادگار — ہر سخن حسنِ زبانِ میر کا آئینہ دار
فخرِ اربابِ معانی و ادیبِ روزگار — نکتہ سنج ملک نقادِ زرِ کامل عیار

ملک بھر میں امتیازِ نیک و بد ہو کر رہا
حرف جو نکلا زباں سے مستند ہو کر رہا

ماتم شاہ اودھ میں نہیں وہ بزم آرائیاں — صفحہ صفحہ پر ہوا صبح بنارس کا گماں
آہ اب ایسے ادیب و ناظم و شاعر کہاں — بجھتی جاتی ہیں وہی شمعیں کہ جو تھیں ضوفشاں

انجمن کا گوشہ گوشہ نذرِ پامالی ہوا
شاعرانِ اہل فن سے لکھنؤ خالی ہوا

شاعرِ شیوہ بیاں اہل سخن تھا اُٹھ گیا — جسکی ہر جدت میں اک رنگ کہن تھا اُٹھ گیا
مصلح اردو زباں استاد فن تھا اُٹھ گیا — انجمن میں جو فروغِ انجمن تھا اُٹھ گیا

اب دکھائیگا شبیہ حسن عالمگیر کون
وہ مصور اُٹھ گیا کھینچے گا اب تصویر کون

ملک بھر میں آج ہے چاروں طرف قحط الرجال — زعمِ باطل سے ہی ہر ناقص کو دعوائے کمال
عہد ماضی سے ہوا ہے لاگ مستقبل کا حال — آگیا فن سخن پر مرگ عشرت سے زوال

نیّرِ برجِ شرف زیرِ سحاب آہی گیا
آج دنیائے ادب میں انقلاب آہی گیا

نیّر کابری

مغرور عورت

مریم حسین تھی، اور جوان۔ قدرت نے اسکی ساخت میں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ اُس کی زلفیں بڑی ملائم، اور سیاہ تھیں۔ آنکھیں نیلی، بھویں برچھی کی آنی کی طرح تنی ہوئی تھیں، پورے علاقہ میں ایسی نازک اندام اور حسین لڑکی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اُس کا باپ اپنی قوم کا سردار، گاؤں کا رئیس اور بڑا ہی ہر دل عزیز تھا ــــــــ قوم کے لوگ اس کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان اور مال ہر وقت نچھاور کر ڈالنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ عرصہ ہوا اُس کی بیوی مر چکی تھی، مریم کے سوا اس کی دوسری اولاد نہ تھی۔ وہ مریم کی دلجوئی میں ہمیشہ پیش پیش رہتا۔ اُس کی ذرا سی افسردگی پر بیقرار ہو اٹھتا۔ اُس کو چا ہ، بٹھا کر خوش کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا اُسے پیار کرتا۔ کلیجہ سے لگاتا۔ اور میٹھی میٹھی باتوں سے اُس کا دل خوش کیا کرتا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر ـــــــ مریم روٹھی تو گویا اس سے ساری دنیا روٹھ گئی۔

مریم اُس کی دنیا تھی، اُس کی دولت تھی۔ اُس کی روح تھی، اُس کی زندگی تھی۔ اُس کو اپنی بیٹی پر ناز تھا۔ اُس کو خوش دیکھ کر اُس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ روح میں ایک قسم کی تازگی، اور دماغ میں ایک طرح کی فرحت پاتا محض مریم کی خاطر اُس نے دوسری شادی نہ کی۔ مبادا اُسے رنج ہونے اور سوتیلی ماں کے ہاتھوں کسی قسم کی تکلیف پہونچے۔

مریم کو اپنے جان نثار باپ کی محبت کا اچھی طرح احساس تھا۔ رفتہ رفتہ اُسے یہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ اُس کی ہر استدعا پر اُس کا باپ اپنا دھن تو کیا جان تک کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتا۔ کبھی کبھی آزمائش کے طور پر یا مشق ستم کی خاطر باپ کو ایسے طرز عمل پر آمادہ کرتی، جس سے نہ صرف اُس کے وقار کو بلکہ قوم کی قوم کو نقصان عظیم پہونچتا۔ اُس کا باپ گو ساری قوم پر حکومت کرتا۔ لیکن اُس پر حکومت خود اُس کی بیٹی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قوم کے افراد اپنے سردار سے زیادہ اپنی "سردارزادی" کا خیال کرتے۔ وہ جانتے تھے کہ اُس کی برہم زلفیں اور اُس کی خشم آلود نگاہیں اُن کے سکون کی دنیا میں غضب کی ہلچل ڈال سکتی ہیں۔ اس کا ہر تیور ایک نیا فتنہ کھڑا کر سکتا ہے۔ اکثر لوگ اس مستقل خطرہ سے نجات پانے کے لئے اپنے سردار کو دوسری شادی کرنے پر آمادہ کرتے۔ لیکن وہ غور سے سنتا اور اُن کے جواب میں مسکرا دیتا۔

------(۱)------

"کوہ سینا" کے اُس پار کچھ فاصلہ پر ایک حسین اور نوجوان ماہی گیر رہا کرتا تھا۔ اُس کا نام میکائیل تھا۔ اُس کا روز کا دستور تھا کہ تالاب سے مچھلیاں پکڑ لاتا۔ اور بازار میں لاکر بیچتا۔ گو پیشہ کے اعتبار سے ماہی گیر تھا۔ لیکن بخدا شکل و صورت کسی اونچے خاندان کا معلوم ہوتا تھا۔

اکثر صبح سویرے مریم سیر و تفریح کی غرض سے بازار کی طرف آنکلتی۔ اگر کوئی چیز پسند آجاتی۔ تو خرید لیا کرتی

وہ اس ماہی گیر کو دور سے محبت بھری ہوئی نظروں سے دیکھا کرتی اور پاس سے ہو کر گذر جاتی رفتہ رفتہ اُس کے دل میں ماہی گیر کی طرف سے محبت کا جذبہ بیدار ہوا۔ وہ اُس سے محبت کرنے لگی۔ لیکن غریب ماہی گیر کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ وہ نہایت انہماک سے مچھلیوں کے پیچھے میں کام لیتا۔ اُسے کیا خبر کہ اُس کی محبت میں کون سرشار اور وارفتہ ہے؟ مریم بسا اوقات اپنے دل میں کہا کرتی: "یہ بھی طرح جانتی ہوں کہ میں سردار کی بیٹی ہوں۔ ہاں ——— میرا ایک بڑے باپ کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ کے حکم کے سامنے ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں۔ میرے طالب بڑے بڑے اور اونچے خاندان کے ہیں۔ لیکن مجھے اس سے کیا۔؟ ہوا کریں۔ میں جب تک کسی کو نہ چاہوں کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ ماہی گیر ہے۔ ہوا کرے۔ پیشہ ذلیل ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ تو ذلیل نہیں اور پھر اس سے کیا؟ انسان ہے تو یک ہی آدم کی اولاد ——— ! اُس میں کوئی عیب نہیں۔ حسین ہے۔ خوش رو ہے۔ اب رہا غربت کا سوال۔ تو میں اُس کی غربت کو دور کر سکتی ہوں۔ ممکن ہے، شروع شروع لوگ انگشت نمائی کریں، لیکن دن پر دن گذرتے جائینگے، یہ واقعہ گیا گذرا افسانہ ہو جائے گا۔ —— کچھ دنوں بعد اس افسانہ کو بھول جائینگے۔ اور فرض کر لیا کہ لوگ نہ بھی بھولے۔ تو پھر شادی ہو جانے، اُس کا اس ذلیل پیشہ سے کنارہ کش ہو جانے کے بعد، اور میرے باپ یعنی سردار کے داماد ہو جانے کے بعد کس کی جرأت ہو سکتی ہے۔ جو اس کے متعلق زبان بھی ہلائے"

حسب دستور مریم ایک روز بازار سے گذر رہی تھی۔ دور سے دیکھا "ماہی گیر" اپنی ٹوکری کے سامنے بیٹھا ہے۔ گاہکوں کی بھیڑ کم ہو چکی تھی۔ مریم ماہی گیر کے پاس رک گئی۔ مچھلی کی قیمت پوچھی۔ ماہی گیر نے قیمت بتلائی۔ حکم پاتے ہی اُس نے مچھلی تول کر مریم کے حوالہ کی۔ مچھلی لیکر مریم چند سکے چپکے سے ماہی گیر کے ہاتھ میں دیکر مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ماہی گیر مطلوبہ رقم سے زیادہ پاکر بہت زیادہ ششدر و حیران رہ گیا۔ دن پر دن گذرتے گئے۔ لیکن یہ سلسلہ بدستور جاری رہا۔ ماہی گیر زیادہ قیمت پاکر اب متعجب نہ ہوتا۔ وہ بڑا ہرائی اور مقررہ رقم سے زیادہ دیکر چلی جاتی۔ ماہی گیر اس "سلوک" کا عادی بنتا جا رہا تھا۔ خرید و فروخت کے بہانے اب اکثر ان دونوں کی روز ملاقات ہوا کرتی۔ ان پیہم ملاقاتوں سے مریم کو اس بات کا علم ہو گیا کہ میکائیل کا دنیا میں کوئی نہیں۔ ہوش سنبھالتے ہی اس کے والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ وہ دنیا میں تنہا تھا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں تنہا زندگی گذارتا تھا۔ دوران گفتگو میں اسے یہ بھی سمجھنے کا موقع ملا کہ وہ ایک اولوالعزم اور خوددار انسان تھا کسی کے سامنے گردن جھکانا اور کسی کے زیر حکم رہنا اُس کی خودداری کے خلاف تھا۔ اور محض اپنی کم علمی کی وجہ سے کوئی دوسرا پیشہ نہ کر سکتا تھا۔ محنت و مشقت سے مچھلیاں پکڑ کر اور انہیں بیچکر کسی طرح زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔

ایک روز مریم نے موقع پاکر اس سے کافی دیر تک محبت کی باتیں کیں۔ وہ چپکا سنتا رہا۔ اس کی زبان گنگ تھی وہ جوان تھا۔ لیکن جوانی کی سرمستیوں سے کوسوں دور ——— اُس کی باتیں اس کی سمجھ میں بالکل نہ آئیں۔ کچھ روپیے دئے اور چلتے وقت مریم نے کہا کہ "لو۔ ان روپیوں سے اپنے لئے ایک اچھی پوشاک بنوا لینا۔ اور فلاں روز اُسی پوشاک میں فلاں مقام پر مجھ سے ملنا۔ دیکھو۔ بھول نہ جانا۔ ضرور آنا۔" مریم کے "حکم" کے مطابق وہ مقررہ مقام پر اُس دن معینہ وقت پر نہایت ہی زرق برق پوشاک پہن کر گیا۔ مریم پہلے ہی سے اُس کی راہ دیکھ رہی تھی اُس کو دیکھ کر مریم کا دل بے قابو ہو گیا۔ اُس کے سینہ سے چمٹ گئی۔ اور باپ سے مشورہ کئے بغیر میکائیل سے کہا۔

میکائیل خدا کے لئے تم مجھ پر رحم کھاؤ۔ تم جانتے ہو، میں تمہاری محبت میں دیوانی ہو رہی ہوں۔ جب تک تمہیں نہ دیکھ لیتی ہوں۔ دل کو کسی طرح قرار نہیں آتا۔ میں تمہاری بیوی بننے کو تیار ہوں۔ کیا تم اس خاکسار لونڈی کو قبول کرو گے۔ میکائیل سنتا رہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی شرم سے گردن جھک گئی۔ وہ تنہا تھا۔ اور تنہا ہی زندگی گذارنا چاہتا تھا۔ وہ شادی کے خلاف تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اسے اس کا اختیار ہو تو ہو۔ لیکن کیا ضرور ہے کہ میں بھی اس سے محبت کروں۔ اس کا دل اگر یہ چاہتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرے تو کم از کم مجھے تو اپنے دل پر قابو ہے۔

اس نے گفتگو کے موضوع کو بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن مریم اس سے بار بار اصرار کرتی جاتی تھی کہ جواب دو۔ مجھ سے شادی کرو گے یا نہیں۔ مریم نے یہ بتلایا کہ مجھ سے شادی کرنے کے بعد تمہیں مچھلیاں بیچنے کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔ تم میرے شوہر اور گاؤں کے رئیس کہلاؤ گے۔ نہایت ہی عیش و مسرت کے ساتھ زندگی بسر ہو گی۔ پیہم اصرار پر میکائیل مسکرایا۔ نگاہ اٹھائی۔ اور شادی کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مریم خوشی سے اچھل پڑی۔

---(۲)---

شام کا وقت تھا، مریم باپ کے پاس بیٹھی تھی۔ خادم آیا۔ چائے رکھ گیا۔ مریم نے چائے بنائی۔ ایک پیالی باپ کی طرف بڑھادی۔ اور دوسری پیالی خود اپنے سامنے رکھ لی۔ دونوں چائے پینے لگے۔ اسی اثنا میں مریم نے باپ سے اپنی شادی کے متعلق تذکرہ چھیڑ دیا۔ اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔ اگر کوئی دوسرا باپ ہوتا تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا لیکن اس نے نہایت خندہ پیشانی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ بیٹی ——— اس میں شک نہیں کہ شادی تمہاری ہوگی۔ میری نہیں۔ تمہاری خواہش جس سے ہو کرو۔ تمہیں پورا پورا اختیار ہے۔ میں تمہاری خوشی کی راہ میں روڑا اٹکانا نہیں چاہتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہونگا کہ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ انگلیاں اٹھائیں۔ اور ہمارے خلاف طرح طرح کے آوازے بلند ہوں۔ انجام پر نگاہ رکھو۔ بیٹی کو تاب کہاں۔ فوراً بول اٹھی۔

——— ابا جان! میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں جانتی ہوں۔ نفع اور نقصان مجھے ہی بھگتنا پڑیگا۔ میں نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے۔ ہر پہلو پر روشنی ڈال چکی ہوں۔ میرا ہونے والا شوہر، اس میں شک نہیں غریب ہے۔ لیکن غربت تو ذلیل شئے نہیں۔ پھر آپ غور کریں۔ مجھ سے شادی ہو جانے کے بعد اس کی غربت کا سوال باقی نہیں رہتا۔ انسان ہونے کی حیثیت سے اس میں کوئی عیب نہیں۔ عادات و اطوار کے لحاظ سے آپ اپنی مثال ہے۔ رہا یہ کہ لوگ آوازے کسینگے۔ یہ میں تسلیم نہیں کر سکتی۔ کس کی مجال جو ایک لفظ بھی اس کے خلاف زبان سے نکال سکے۔ بیٹی کو اپنے ارادہ میں ثابت قدم دیکھ کر باپ کو اپنی فطرت کے مطابق مزید مخالفت کی جرأت نہ ہو سکی۔ نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کی اجازت دیدی۔ اب کیا تھا۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ گھر میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ مکان کی آرائش شروع ہو گئی۔ آن واحد میں یہ خبر پورے گاؤں میں مشتہر ہو گئی۔ رعایا متحیر ہو گئی۔ جو بھی سنتا مریم کو برا بھلا کہتا۔ لیکن کس کی مجال جو اس سے کہے۔ غرضکہ شادی کی تیاریاں بڑے زوروں پر شروع ہوئیں۔ مریم نے ایک خاص رقم اپنے ہونے والے شوہر کے پاس بھیجدی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ شادی کے موقع کے لئے کم از کم ایک جوڑا بہترین بنوا لے۔ ماہی گیر

نے اپنی زندگی میں اتنی رقم نہ دیکھی تھی۔ وہ روپیوں کو بار بار دیکھتا اور پھولا نہ سماتا۔

.....۔(۳)۔.....

شادی ہوگئی دونوں میاں بیوی خوش خوش زندگی گزارنے لگے۔ ماہی گیر نے اپنا پیشہ چھوڑ دیا۔ خسر کی جائداد کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ شادی سے پہلے جو لوگ اُس کے مخالف تھے۔ اس کے رویہ اور حسن سلوک کی وجہ سے اب مداح بنتے جا رہے تھے۔ اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں کے دلوں میں خاصی وقعت حاصل کرلی۔ اکثر مواقع پر ماہی گیر کو رعایا کی سخت باتیں بھی سننی پڑتیں۔ وہ برا نہ مانتا تھا۔ نہایت خندہ پیشانی سے ان باتوں کو ان سنی کر دیتا۔ اگر یہی جملے کسی طرح مریم کے کانوں تک پہونچ جاتے تو وہ طوفان برپا کر ڈالتی۔ اس کا شوہر اُسے سمجھاتا لیکن بھلا وہ کب ماننے والی تھی۔ مریم کے ہاتھوں رعایا کا نقصان ہوتے دیکھتا لیکن اس کے سامنے ماہی گیر کی ایک نہ چلتی۔

کون جانتا تھا کہ ایک دن وہ آئے گا جب مریم کا غرور خاک میں ملجائے گا۔ کسے خبر تھی کہ مریم کا عنقریب ہی اپنی بیجا ضد اور ہٹ کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا۔ لیکن خوردبین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اُس کی بربادی میں دیر نہیں۔ چند ہی مہینے خوشی کے گزرے ہونگے کہ ایک دن میاں بیوی میں جائداد کے انتظامی امور کی بابت پھر زور بحث ہوئی۔ غریب ماہی گیر کو کیا خبر تھی کہ یہ بحث رنگ لائے گی۔ بحث طویل ہوتی گئی۔ مریم اپنی پیش کردہ تجویز کی داد چاہتی تھی۔ اس لئے کہ بدقسمتی سے وہ اپنی ہر رائے کو نہایت ہی صائب رائے سمجھتی تھی۔ ماہی گیر اسکی تجویز پر عمل کرنا ملکی مفاد کے خلاف سمجھتا تھا۔ "داد دینا" تو رہا اُسکی بیحد مخالفت کر رہا تھا۔ مریم اس مخالفت کو کب برداشت کرسکتی تھی۔ وہ بجلی کی طرح چمکی۔ کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کمرہ سے باہر نکل گئی۔ اُس کا چہرہ غصہ سے آگ ہو رہا تھا۔ کمرہ سے جاتے وقت وہ کہہ گئی:

——— بڑے آئے نیک و بد کے سمجھنے والے۔ عقل تو خاک نہیں لیکن ہر معاملہ میں ٹانگ لڑانا ضرور ہے۔ جسکی زندگی ہمیشہ محکومیت میں بسر ہوئی وہ آج چلا ہے حکومت کرنے اور ملکی انتظامات پر رائے زنی کرنے۔ واہ ——— خوب ایک ماہی گیر کیا جانے ان سب باتوں کو۔

میکائیل مریم کی باتوں کا مطلق خیال نہ کرتا تھا۔ وہ اسکی صحبت سے واقف ہوچلا تھا۔ لیکن لفظ ——— "ماہی گیر" نے اُسکے جذبات کو بڑا دھکا لگا۔ وہ عالم تنہائی میں ان معاملات پر کافی دیر غور کرتا رہا۔ بیٹھا بیٹھا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرہ سے باہر نکل گیا۔ کدھر گیا۔ کہاں گیا۔ اس کا کسی کو بھی علم نہیں۔

مظہر رمضانپوری ایم۔ اے۔

قطعہ تاریخ ولادت سراپا مسرت المسمیٰ بہ اسم تاریخی محمد محفوظ الرب عرف محمد ہود

۱۳۵۹ھ

خلف چہارم بلبل بہار حضرت سریر کابری مینائی گیاوی

بخشا خدا نے تین فرزندوں کے بعد اک اور بھی ہے کس قدر مسرور طبع آرزومند سریر

سال ولادت ہو رقم کرکے سر اعدا قلم سید محمد ہود ہے چوتھا جگر بند سریر

۱۳ ہجری ۵۹

نوجوانوں کو پیغام

نوشتۂ قاضی نذرالاسلام (بنگالی)
مترجمہ۔ غلام مصطفیٰ صاحب حضرت القادری

نوجوانو ! ۔
تمہارا بچپن بھی ایسا ہی زرّین اور رنگین تھا ۔
جس طرح ـــــ ـــــ
صبح کا آفتاب سجیلا اور رنگین ہوتا ہے ۔
اب تم ! ـــــــ
پورے شباب پر ہو ،
چمکیلے سورج کی مانند ہو ،
تم اپنی ضیا پاشی سے
عالم کو جگمگا دو ،
تم !
جہاں جاؤ ـــــ جدہر جاؤ
جوانی کی محشر خیز لہریں ۔
تمہارے دامن سے پیدا ہوں ۔
اور تمہاری طاقت ـــــــ
برابر ترقی کرتی جائے ۔
تمہاری روشنی !
غافلوں کے لئے مشعلِ راہ ہو ۔
جگ کا دکھ درد ۔
دور کرنے کے لئے مستعد رہو ۔

دنیا کی تاریکی کو ،
انسان کے خوف وہراس کو ،
اپنی نور آفرینیوں سے ۔
اپنی طاقت وہمت سے ۔
دور کردو ـــــ دور کردو ۔
اے جانبازو ! ـــ یہ تمہارا ہی کام ہے
ملک وقوم کی لاج تمہارے ہاتھ ہے ،
ملک وقوم کی امید تمہارا منھ تکتی ہے ،
ملک وقوم کی حمیت تمہیں پکار رہی ہے ،
نوجوانو !!
قوم کی لاج رکھ لو !
اس کی شکایت کو دور کرو !
اس کے بدنما داغوں کو علم وفضل کی غازے
سے مٹا دو ،
اس کے بدنما دھبّوں کو ،
اپنے آتشیں شعلے سے جلا کر خاک کردو ۔
اور اس میں ـــــ
ایک نئی روح پھونک دو !
جانبازو ! بہادرو !

اپنی آواز میں
ایسا اثر پیدا کرو کہ ـــــ
تاریک غاروں میں رہنے والے ۔
جنہیں اپنے نفس پر اعتبار نہیں ۔
تمہاری آواز پر ـــــ
لبیک کہتے ہوئے دوڑ آئیں ۔
نوجوانو !
تم اپنی زندگی کے آخری حصہ کو بھی ـــــ
سورج کی مانند درخشاں وتاباں بناؤ !
کہ اس کی تابشیں ـــــ
عالم کو منور کردیں ۔
اور ساری دنیا ـــــ
تمہارا ترانہ گاتے ۔
نوجوانو !
تم بھی سورج ہو ۔
جسطرح سورج کے غروب ہوتے ہی ۔ دنیا تاریک ہو جاتی ہے
اسی طرح ـــ ٹھیک اسی طرح ۔
تمہارے روپوش ہوتے ہی ـــ دنیا تاریک ہو جائے ۔
اور سارے عالم میں سیاہ پوشی ہو جائے ۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی کا
لفٹنٹ } ایک بیحد دلچسپ مزاحیہ افسانہ قیمت ۶ ؍ {
ملنے کا پتہ
دفتر کتابت جودھپور

حق بحقدار

"نہیں نہیں! میں تم سے شادی کرکے اپنی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتی" یہ تھے وہ الفاظ جو روزا کے گلابی مگر مرتعش ہونٹوں سے بمشکل تمام ادا ہوئے اس نے اپنی سانس درست کرکے قدرے نرمی سے کہا "سنو مسٹر جوزف! تم متمول ہو تعلیم یافتہ ہو ایک کارخانے کے بلا شرکت غیرے مالک و مختار ہو تمہارے جیسی طبیعت کا ہونا نہیں ہے اپنے کارخانے میں کام کرنے والے مزدوروں کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان پر کوئی ناجائز دباؤ ڈالو اپنی مرضی کے خلاف کوئی اقدام عمل کرو" تاکہ وہ چند منٹ کے لئے خاموش ہوگئی اور پھر بولی .. "اگر تمہیں فی الواقع کسی شریک حیات کی جستجو ہے تو اطمینان اور یقین رکھو کہ خدا نے تمہیں کافی حد تک قبول صورت بنایا ہے اور دولت کے اعتبار سے بھی ممتاز کیا ہے کوئی بھی حسین مہذب اور تعلیم یافتہ دوشیزہ تمہیں اپنا دل دینے میں دریغ نہ کرے گی لیکن میں --- آہ! مجھے معذور سمجھو۔ میں کسی طرح تمہیں اپنا نہیں بنا سکتی خدا جانے کیا بات ہے؟ اور وہ کون سی وجہ ہے کہ میں تم سے شادی کرنا پسند نہیں کرتی۔ مجھے تم سے نفرت بھی نہیں ہے میں تم سے محبت کرتی ہوں --- بخدا تم سے محبت کرتی ہوں۔ مگر --- شادی! آہ اس معاملہ میں مجبور ہوں۔"

"جوزف۔ سنو۔ روزا! جب تم کو اعتراف ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو پھر وہ کون سی وجہ ہوسکتی ہے جو شادی میں مانع ہے؟ کیا سچ مچ میری نہیں ہوسکتیں!"

"ہاں ہاں! میں تم سے محبت کرتی ہوں بیحد محبت، خدا جانے کیوں میں خود کو تم سے محبت کرنے پر مجبور پاتی ہوں مگر شادی یہ نہیں ہوسکتا --- نہیں ہوسکتا" روزا نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے، تم عجیب لڑکی ہو۔ اقرار محبت کے بعد بھی شادی سے انکار" جوزف نے کہا! "کیسی حماقت ہے --- کیا واقعی تم نے مجھ سے شادی نہ کرنے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہے یا ابھی کچھ دنوں کی مہلت درکار ہے"؟

"ایک عرصہ کی مسلسل کشاکش اور پیہم غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہوں" روزا نے اپنی ہتھیلیوں کو ملتے ہوئے کہا "کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔ اس معاملے میں مجھے کسی مزید مہلت کی ضرورت نہیں سمجھ لو کہ ہوچکا جو کچھ ہونا تھا"

"بیوقوف لڑکی! تو ہمیشہ میری سادہ لوحی اور نیکی سے ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی ہے اور اب بھی اٹھانے کی کوشش کررہی ہے۔ میں سب کچھ سمجھتا ہوں سب کچھ۔ اب میں دھوکے میں نہیں رہ سکتا۔ میں جانتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ہملٹن کی دلدادہ ہے۔ لیکن یاد رکھ اب میں تیرے ساتھ یا ہملٹن کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی روا نہیں رکھ سکتا۔ اگر تونے اپنے فیصلے میں ترمیم کی گنجائش نہ نکالی تو ایک ہفتہ کے بعد ہملٹن کے لئے میرے کارخانے میں کوئی جگہ نہ ہوگی اور اسے لندن کی گلیوں میں دست سوال دراز کرنا پڑیگا بہت ممکن ہے کہ رقابت کا غم و غصہ اس سے زیادہ سخت کاروائی کے لئے مجبور کردے اور ہملٹن کو جیل کی چار دیواری میں یقیناً زندگی کے لئے

کوئی جگہ متعین کرنی پڑے۔ باقی رہ گئی تو اگر اس کے بعد بھی تیرا دماغ نیک و بد کی تمیز سے معرا نظر آئیگا اور میری درخواست بارگاہ حسن سے مسترد کر دی جائے گی تو ــــــ تو سمجھ سکتی ہے کہ لندن جیسی ناشناسا جگہ میں سر چھپانے کے لئے تجھے کیا ذریعہ اختیار کرنا پڑے گا قہقہہ لگا کر ــــــ عصمت باختہ زندگی کے لوٹنے پر ــــــ توبہ الغت ایسی زندگی پر یہ کہکر جوزف زور زور سے زمین پر پاؤں پٹکتا ہوا کمرہ سے باہر نکل گیا۔

روزا دیر تک حسرت و یاس کا مرقع بنی ہوئی بیٹھی رہی اسکے گل نیلوفر جیسے سرسبز و شاداب بیاض رخسار پر آسمان جیسی نیلگوں آنکھوں سے خون دل کے قطرے ابر نیساں کی طرح ڈھلک ڈھلک کر گر رہے تھے اس لئے اس کا روشن چہرہ کچھ کچھ بھرایا سا تھا۔ وہ کچھ سوچنا چاہتی تھی ــ ــ مگر دماغ عرصہ کارزار بنا ہوا تھا۔ یکسوئی کا کوئی وجود نہ تھا۔ مجبوراً گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بیتابانہ کمرہ سے باہر نکل گئی

ــــــ (۲) ــــــ

جوائی لندن کے ایک چھوٹے سے کمرے میں روزا ایک میز کے سہارے جھکی ہوئی اپنے مستقبل پر غور کر رہی تھی لیکن چند دن کد و کاوش کے بعد بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی پھر بھی دماغ مختلف قسم کے خیالات و سوالات کا جولانگاہ بنا رہا۔

جوزف کا پاکیزہ چہرہ متجیانہ انداز سے اپنے تمام تر جاہ و حشمت مال و منال اور زرق و برق ملبوسات کے ساتھ آستانہ حسن پر جھکا ہوا نظر آ رہا تھا خاموشی و سکوت کا ایک ناقابل شکست طلسم اپنی پوری رعنائیوں۔ رنگینیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آنکھوں کے راستے دل پر مسلط تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اطمینان و سکون کا مجسمہ نظر آ رہا تھا۔ اور تخیل کی بلند پروازیوں میں جو ادا روزا کے سیمیں و مرمریں ہاتھوں کو پکڑ کر خلائے آسمانی میں شہو گرم کر رہا تھا کہیں بہت دور "افق" میں اس کو مال و زر کی جھنکار شہنائی کی دلفریب اور میٹھی آوازے سنائی دے رہی تھی یکایک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ سا اٹھا ہوا نظر آیا۔ اور پھر ــــــ جوزف اپنے قابل رشک کارخانے کی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ نمودار ہوا وہ ہاتھ پھیلائے ہوئے اور آغوش وا کئے ہوئے روزا کو اپنی ہیجان انگیز اور شباب حشر جوانی میں جذب کر لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس کے دلفریب ہونٹوں پر تبسم رقص کرنے لگا اور اسکے جنبش ہوئی جوانی کے نفوس گرم و تیز اب متشکل ہو کر الفاظ بننے لگے تھے ــ

"روزا! مجھ پر رحم کرو۔ اپنی جوانی کی قدر کرو۔ تم سیم و زر میں کھیلنے کے لئے پیدا ہوئی ہو۔ فرش مخمل کو روندنے کے لئے بنائی گئی ہو تمہاری رعنائیاں اور جوانی کی کرشمہ سازیاں آنکھوں میں جگہ پانے اور دل میں اتر آنے کے لئے ہیں۔ چھوڑو غریب ہملٹن ورس کے خیالات کو ــ ــ ــ

ایک فرسودہ اور مفلوک انسان۔ مانا کہ جوان ہے۔ لیکن۔ انعام دنیا سے بے بہرہ۔ خانہ بدوش، نان رباطہ کا محتاج اور فاقہ کش۔۔ کیا تمہاری ناز برداری کر سکتا ہے؟ اور تمہیں مارکہ حیات کی کشمکش سے نجات دلا سکتا ہے! ہرگز نہیں! زندگی تلخ ہو جائے گی اور جوانی برباد ہو کر رہ جائے گی ــ ــ ــ میری ایک جنبش ابرو میں جیل کا دروازہ اس کے استقبال کے لئے کھلا ہوا نظر آئے گا اور مجھے مایوس کر دینے کے بعد تم ــ ہاں تم ــــــ افلاس و محبت کے منجدھار میں ــ

"اُف! کس قدر بھیانک منظر ہے!" روزا نے اپنی نرگسی آنکھیں بند کرتے ہوئے چلا کر کہا ــ

تصور نے کروٹ بدلا۔ اور تخیل نے ایک اور منظر پیش کیا۔

ہملٹن اپنے معصوم حسن اور طوفانی شباب کے ساتھ نمودار ہوا ــــــ فرشتہ شکل ــ بے ریا ــ سادہ لوح ــ پرستار محبت اور دلدادہ حسن! اس کی ہر حرکت دل میں کھب جانے والی ــ پاک ــ تمام لغزشوں سے پاک ــ

روزا کا دل گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا۔ ـــــ اور مشامِ جان معطر ہوگیا۔ جذبات خوابیدہ بیدار ہوگئے اور حسیات لطیف برانگیختہ۔ رگوں میں خون حرارت بن کر دوڑنے لگا۔ اور آنکھیں متوالے شرابی کی طرح کھلنے اور بند ہونے لگیں۔ فضا رنگین و شادماں ہوگئی اور روزا کی آغوش سیمیں خود بخود وا ہوگئی۔ ہلٹن غیر ارادی طور پر قریب ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ روزا کی ہستی میں جذب ہوکر رہ گیا ــ ــ روزا کھوگئی ــ ایک نامعلوم کیف میں کھوگئی ـــ ڈوب گئی ایک بے پایاں دریائے لطف و ذوق میں ڈوب گئی۔ اور پھر پاگئی اپنا گوہرِ مراد جس کی تلاش میں قدرت نے اس کو سطح آسمان سے عرصہ شہود پر نمودار کیا تھا ـــ کیا ـــــ ؟ معراج زندگی! منتہائے مقصود!! بس حوادث کا ایک تھپیڑا۔ صرف ایک تھپیڑا۔ جس نے غیر معمولی طور پر روزا کے تمام بدن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ گویا بیدار ہوگئی ـــ

"ایک لفظ انکار سے ہلٹن کی قطعی تباہی ـ !!
آہ ـــ ـــ ! میں قربانی دوں گی ـ ایثار کروں گی ـ ہلٹن کے روشن مستقبل کے لئے خود کو تباہ کردوں گی۔"

ـــ ـــ (۳) ـــ

"ہاں میری پیاری روزا!! اگر تمہاری خوشی اس میں ہے کہ میں ہلٹن کو زرومال سے مطمئن کردوں تو میں تیار ہوں۔ تمہاری خوشنودی کے لئے میں بڑی سے بڑی قربان کرسکتا ہوں ـــ ـــ لو! وہ آج سے میرے کارخانے کا منیجر قرار دیا گیا اور یہ ۲ ہزار پاؤنڈ اس کے لئے بطور انعام ــــ ــــ اب خوش ہوئی نا؟"

روزا نے تشکرانہ نگاہوں سے جوزف کو دیکھا اور بے ساختہ اس کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر بادل ناخواستہ سامان عروسی کی تیاری کی اجازت دیدی۔ لیکن کسی غیر مرئی کمانڈر اور نامعلوم طاقت نے اس کا کلیجہ مسوس کر رکھ دیا اور وہ اچھل پڑی ــــ

جنوری کے پہلے ہفتہ میں لندن کے سب سے بڑے گرجے کے اندر پادری نے جوزف کو روزا کے دامن میں اور روزا کو جوزف کے دامن میں باندھ دیا۔ جوزف مدہوش شرابی کی طرح خوشی اور مسرت میں سرشار گرجے سے باہر نکلا اور روزا غم و غصہ سے مضطرب حسرت و ارماں کی بگڑی ہوئی تصویر کی طرح نمودار ہوئی شاندار اور تیز رفتار موٹر نے انہیں ایک عالی شان کوٹھی کے دروازے پر پہنچا دیا۔

روزا رنج و غم سے دوہری ہوگئی تھی اور بمشکل سے قدم اٹھا رہی تھی۔ جوزف اُسے دوشیزگی کی حیاداری پر محمول کرکے بہلاتے ہوئے کمرے میں آیا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے تنہائی چاہتی ہوں! کیا آپ اتنی مہربانی کریں گے؟"

"جوزف" نے روزا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور پھر کچھ سوچ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

روزا نے خود بخود کہا ــ

"میری ماں کی آخری وصیت۔ ہاں وہ آخری وصیت جو میرے گلے میں پڑی ہوئی ہے۔ اس کے لئے ان کا حکم کہ بیٹی! اسے اپنی شادی کے دن کھولنا! قدرت نے وہ موقع عطا فرما دیا۔ آج میں اُسے دیکھ سکتی ہوں ـ بیشک دیکھ سکتی ہوں جس کی زیارت کے لئے خدا جانے زندگی کی کتنی راتیں میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں گزار دی ہیں۔ یہ کہکر روزا نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تعویذ کھولا دیر تک دیکھتی رہی۔ جوں جوں دیکھتی جاتی تھی اس کی آنکھوں سے رنج و غم کے شعلے نمودار ہوتے جاتے تھے۔ ہاتھ زور زور سے ہل رہا تھا۔ اور چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ اس میں ایک تصویر بھی تھی۔ روزا نے تحریر ختم کرکے تصویر اپنے ہاتھوں میں اٹھالی ـ میز پر رکھ کر دیکھا۔ اور آنکھوں کے قریب لاکر دیکھا یکایک وہ تصویر ہاتھوں سے چھوٹ کر میز پر گر پڑی اور روزا کی گردن ڈھلک کر کرسی کے دستے سے جا لگی ـــ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نامعلوم کیفیات میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی ـــ

جوزف کی آواز نے پھر اُسے ہنگامہ دنیا میں کھینچکر پہنچا دیا۔

"میرا آنا ناگوار تو نہیں؟ ــــ اجازت ہے؟"

جواب دینے کی بجائے روزا دیر تک جوزف کی صورت تکتی رہی اور پھر اُس نے گھبرا کر کہا۔

"تشریف رکھئے! اور اس خط کو ملاحظہ کیجئے"!

جوزف میز کی دوسری طرف بیٹھکر خط پڑھنے لگا۔

میری عزیز از جان روزا!

میری مختصر مگر گناہوں سے لبریز حسرت ناک کہانی تمہیں سُنائے جانے کے قابل تو نہ تھی لیکن بہت غور و خوض کے بعد مجھے اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا۔ کہ تمہیں اس لئے سُنا دی جائے کہ تم عبرت حاصل کرکے دنیا میں نیک نام زندگی گزارنے کی کوشش کرسکو!

میں ایک متمول اور غیور باپ کی تنہا ننگ خاندان اولاد تھی تنہا اولاد کو جیسا ضدی۔ بے باک۔ بدمزاج اور خودرائے ہونا چاہیئے ویسی ہی میں تھی۔ جب میں شباب کو پہنچی تو میری شادی میری مرضی کے خلاف ایک متمول شخص سے کردی گئی۔ حالانکہ میرے تعلقات ایک خوبصورت نوجوان سے بہت کچھ استوار ہوچکے تھے۔ میں ان دونوں میں سے کسی کا نام لیکر اپنے دکھے ہوئے دل پر نمک چھڑکنا نہیں چاہتی اس لئے تم کو بھی ان کا نام دریافت کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے دو سال تک میں اپنے شوہر کے گھر میں بادل ناخواستہ رہی۔ لیکن اس تھوڑی سی مدت میں میرے شوہر پر میری تمام بے اعتدالیاں آشکارا ہوگئیں۔ اور وہ میری جان کا دشمن ہوگیا میں نے جب اپنے لئے خطرہ دیکھا تو اپنے عاشق زار کے ساتھ ایک رات راہ فرار اختیار کی۔ اور اٹلی سے بہت دور پیرس جیسے غدار شہر میں سکونت اختیار کی۔ یہاں میرے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اب جو پانچ سال کی عمر کو پہنچا۔ اُس کے باپ نے اُسے لندن میں بغرض حصول تعلیم اپنے ایک دوست کے سپرد کردیا۔ جس کے نام سے میں ناواقف رکھی گئی۔ لیکن آہ! تمہارا باپ میری قائم کردہ رائے کے برعکس ایک بدچلن اور آوارہ مزاج انسان تھا۔ اور اس کی بے مروتی اس وقت ظاہر ہوئی جب باپ اور شوہر کے گھر سے لائی ہوئی دولت کثیر صرف ہوچکی تھی آہ! جس رات تم پیدا ہوئیں اُس روز تمہارا ظالم باپ صبح تک گھر نہیں آیا۔ انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئیں لیکن وہ نہ آیا اور نہ آیا۔ پورے دو سال تک میں نے فرانس میں اُسکا انتظار کیا۔ اور ہر اُس جگہ تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی امید تھی۔ لیکن وہ نہ آیا اور نہ ملا۔ میں گھبرا کر لندن آئی۔ مگر یہاں بھی کوئی اُس کے نام سے واقف نہ تھا۔ فاقہ کشی اور مفلسی نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کردیا تھا۔ میں لندن میں سلائی کرکے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ اور اپنے بچے اور اُس کے باپ کو تلاش کرتی رہی مگر افسوس مرتے دم تک نہ مجھے میرا بچہ ملا۔ اور نہ تمہارا سنگدل باپ۔ اب تم دس برس کی ہوچکی تھیں۔ لیکن میرے درد کی دوا میسر نہ آئی۔ شرم و غیرت نے مجھے اپنے باپ کے گھر نہ جانے دیا۔ آج میں مر رہی ہوں۔ اس لئے یہ چند الفاظ بطور وصیت لکھکر تمہارے گلے میں باندھ رہی ہوں اور تمہارے بھائی کی تصویر بھی منسلک کئے دیتی ہوں۔

میری بچی! اس کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ کر اور ایک ہمدرد خاتون کے حوالے کرکے جو میری ہی جیسی بدنصیب اور فلاکت زدہ ہے اور اپنی زندگی سلائی کرکے گزارتی ہے بارگاہ قدوس میں اپنا حساب پیش کرنے جا رہی ہوں۔ لیکن میری تمنّا ہے کہ خدا تمہیں خوش رکھے اور اس قابل بنائے کہ میرے گناہوں کی تلافی اپنی نیکی سے کرسکو۔ اور اگر خدا کبھی تمہیں خوشحال بنائے تو اپنے بھائی کی تلاش کرکے "میرا پیغام" اُسے سُنا کر دعائے مغفرت کی التجا کرو۔ اللہ تمہیں کامیاب کرے ــــ

یہ ہے تمہارے بھائی کی تصویر اور اُس کے باپ کا لکھا ہوا نام "جوزف" جو پیشانی پر مرقوم ہے۔

—

جوزف نے گھبرا کر تصویر اپنے ہاتھ میں اٹھالی۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے اُس نے تصویر اور خط میز پر رکھدیا اور گردن جھکائے ایک کمرے میں گھس گیا۔ جو چند گھنٹے قبل شبِ عروسی گزارنے کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔

زور سے کواڑ بند ہونے کی ایک سخت و کرخت آواز پر روزا بے تابانہ اٹھ کر دوڑی۔ ابھی وہ دروازے تک پہنچی بھی نہیں تھی۔ کہ پستول سے ایک فائر نے روزا کے دل پر درد و غم کی ایک سیاہ گھٹا ٹوپ گویا چھا دی۔ اور وہ چکرا کر دروازے سے ٹکرا گئی۔

خدام دوڑے اور کسی نہ کسی طرح دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے۔

جوزف خون میں لتھڑا ہوا فرش پہ پڑا تھا۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اور نبض ساکت ہو چکی تھی۔

روزا۔ مخمور روزا حسرت و غم کا اک پیکرِ اضطراب بنی ہوئی تلملاتی آئی اور لاش سے لپٹ گئی۔

ہملٹن نے ہمدردی میں آنسو بہاتے ہوئے روزا کو اٹھایا اور دوسرے کمرے میں پہنچا دیا۔

کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے ہملٹن اور روزا کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کارخانے کی نگرانی کرتے ہوئے پایا تو مسکرا کر کہا۔

"حق بحقدار رسید"

سید عبد الرشید اختر

کیا کروں

ہوگیا رازِ عشق فاش دیدۂ تر کو کیا کروں
سوزشِ دل کو کیا کروں سوزِ جگر کو کیا کروں

جس دل میں تو نہ ہو بسا جس میں نہ تیری یاد ہو
آگ لگا نہ دوں تو پھر ایسے میں گھر کو کیا کروں

شعلۂ غم سے جل گئی دنیائے حسرت و امید
کام نہ اپنے آسکا دیدۂ تر کو کیا کروں

محفلِ غیر میں بھلا جاتا ہے بے بلائے کون
لے گیا مجھکو کھینچ کر دردِ جگر کو کیا کروں

ملنے کی جب نہ ہو امید دید کا آسرا نہ ہو
کیا کروں ایسی شام کو ایسی سحر کو کیا کروں

آئے ہیں وہ ہزار بار دیکھا ہے اُن کو لاکھ بار
پھر بھی ہے دید کی ہوس ذوقِ نظر کو کیا کروں

اُٹھنا نگاہِ یار کا گویا پیامِ مرگ تھا
پار جگر کے ہوگیا تیرِ نظر کو کیا کروں

ضبطِ فغاں سے اور کچھ ہوگیا فاش رازِ غم
آنکھ سے خود ٹپک پڑا خونِ جگر کو کیا کروں

رکھ دیا بیخودی میں سر سنگِ حریمِ ناز پر
حسرتِ دل کو کیا کروں شورشِ سر کو کیا کروں

پھوڑ کے سر کو مر گیا کوچۂ یار میں وفا
کیا جانے جھوٹ ہے کہ سچ اڑتی خبر کو کیا کروں

وفا [illegible]

عہدِ ماضی کی دِل شکن یاد

شعلۂ الفت کو بھڑکائیں   قلب و جگر میں آگ لگائیں
سوگ کی دنیا دل میں بسائیں
غم کے بادل دل پر چھائیں   کشت وفا پر بجلی گرائیں
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجھ کو رلائیں

(۲)

یاد دلائیں بھولی کہانی   حسن کی دیوی روپ کی رانی
مدھ بھری انکھیاں مت بورانی
سر پہ دوپٹہ اوڑھے دھانی   اس پہ قیامت مست جوانی
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجھ کو رلائیں

(۳)

کیوں نہ بنائیں مجکو پاگل   بکھرے وہ گیسو نینا چنچل
مانگ میں افشاں آنکھ میں کاجل
ہاتھ میں مہندی پاؤں میں چھاگل   خاک نہ سنبھلے سر پہ آنچل
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجھ کو رلائیں

(۴)

کیسے بھولیں ہم وہ ادائیں   نیچی نگاہیں تنگ قبائیں
لاکھ سنواریں لاکھ بنائیں
تند ہوائیں جب جب آئیں   آنچل اُنکے اُڑ اُڑ جائیں
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجکو رلائیں

(۵)

باغ میں انکا روز ٹہلنا   صحن چمن میں نازسے چلنا
ہم کو دکھا کے پھول مسلنا
ہائے وہ گلشن دل کا مچلنا   کچھ نہ بنے تو ہاتھ ہی ملنا
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجھ کو رلائیں

(۶)

موسم گل جب جوش پہ آئے   بادِ صبا جب پھول کھلائے
گلشن پہ جب مستی چھائے
بھر بھر کر وہ جام پلائے   نغمہ سنائے مست بنائے
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجھ کو رلائیں

(۷)

یاد ہیں مجکو دن وہ نرالے   گردن میں جب بانہیں ڈالے
بادۂ رنگیں جام میں ڈھالے
کہنا اسکا او متوالے   پی لے پیر روٹھنے والے
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجکو رلائیں

(۸)

یاد ہے مجکو وہ بھی زمانا   روٹھنا انکا میرا منانا
میرا رونا اُنکا ہنسانا
میرا یہ کہنا "بھول نہ جانا"   عہد یہ اُنکا قسمیں کھانا
بھولی باتیں یاد جو آئیں ـــــــــــ خون کے آنسو مجکو رلائیں

(۹)

حالِ دِلِ ناکام نہ پوچھو   کیا ہوئے وہ ایام نہ پوچھو
کس نے دیا تھا جام نہ پوچھو
کون تھا وہ گلفام نہ پوچھو   بدرؔ سے اس کا نام نہ پوچھو

بدر حمیدی عظیم آبادی

صاحب — مزاحیہ

اس انقلابی دور میں آگے کیا کیا ہونے کو ہے اس کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن اب تک وضع قطع، لباس پوشاک، رفتار گفتار، کردار اطوار میں جو جو تبدیلیاں ہو چکی ہیں یا ہو رہی ہیں، ان کو دیکھ کر ہیں تو ع

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

انقلاب کی ہمہ گیری کی حد ہو گئی کہ لغات تک اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ الفاظ کے معنی و مفہوم میں فرق آنے لگا۔ یہ پیش بینی ہے اور اگر یہی رفتار رہی تو وہ دن بھی دور نہیں جب آنے والی نسلوں کے سامنے کوئی نیا لغات ہوگا اور موجودہ لغت ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔

پہلے جب کوئی نام بہت ہی احترام کے ساتھ لیا مقصود ہوتا تھا تو اس کے لئے ہر زبان میں کچھ ایسے الفاظ مقرر کر دیے گئے تھے جو اسی غرض سے نام کے کچھ آگے اور کچھ پیچھے استعمال کئے جاتے تھے۔ مثلاً ہندی میں شریمان، مہاتما، مہاشے، سری، بابو اور جی۔ اردو فارسی میں جناب، مولوی، شریف اور صاحب۔ انگریزی میں مسٹر اور اسکوائر وغیرہ۔ ان میں سے بعض الفاظ تو ایسے ہیں جو اب تک کسی طرح انقلابی اثر سے محفوظ ہیں لیکن بعضوں کی تو ایسی مٹی پلید ہو چلی ہے کہ توبہ ہی بھلی، اور بعض ایسے بھی ہیں جو ماشاءاللہ ترقی بھی کر رہے ہیں۔ اب اس کو کیا کہا جائے۔ زمانہ کی ہوا جس کے مخالف ہو اور جس کو راس آجائے یہ اپنی اپنی قسمت ہے۔ چند مثالیں درج ذیل کیجاتی ہیں۔ آئیے! ذرا ہم دیکھیں کہ کن کن الفاظ کا ستارہ اس وقت گردش میں ہے۔ تو پھر دوسری طرف بھی دیکھا جائے گا۔

ایک زمانہ تھا جب انتہائے شرافت کے اظہار کی خدمت لفظ "شریف" کے سپرد تھی، مثلاً بہار شریف۔ قرآن شریف، اسم شریف اور مزاج شریف وغیرہ۔ لیکن اب دیکھئے کہ اس میں کس بری طرح گھن لگنا شروع ہو گیا ہے۔ زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں، بس اس سے اس کا اندازہ لگا لیجئے کہ اگر آپکو کوئی شخص کہہ دے "آپ جیسے ذات شریف ہیں، میں خوب جانتا ہوں"، تو اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ آپ پر اس کا اثر کیا ہوگا اور اب بتائیے کہ [illegible] لیا ہوگے۔

دوسری شامت لفظ "جی" پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پنڈت جی، گیانی جی اور بابو جی وغیرہ سے اب بھی وہی عزت ظاہر ہوتی ہے جو پہلے ہوتی تھی، لیکن اب بہت بڑے بیوقوف کی قائم مقامی کے لئے بھی یہی لفظ مقرر کر دیا گیا ہے مثلاً میاں جی اور باباجی۔ اس کے علاوہ استاد جی کہنے سے عزت میں کس قدر چار چاند لگ جاتا ہے، اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اب آیئے ذرا ان الفاظ کو دیکھا جائے جن کا ستارہ اوج پر ہے۔

پہلے صرف ایک لفظ صاحب ہی کو لیجئے۔ یہ لفظ ہے تو بہت چھوٹا سا۔ لیکن جہاں تک عزت و احترام کا تعلق ہے بہت عظیم شخصیت نظر آتا ہے۔ صورۃً یہ لفظ عربی النسل معلوم ہوتا ہے۔ اپنے وطن میں اس کا حال جو بھی رہا ہو، لیکن ہمارے ہندوستان میں تو آکر اس کو خوب ہی پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔ بالتفصیل حالات پر غور کرنے سے اس کے کئی دور نظر آتے ہیں۔ پہلا دور تو وہ تھا جب صاحب کے ساتھ اور کوئی دوسرا لفظ بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ تب کہیں پوری احترامی شان پیدا ہوتی تھی۔ مثلاً جناب ممتاز علی خاں صاحب، مولوی ظہیر الدین صاحب وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے دور میں صاحب کو کچھ اور پروموشن ملا اور یہ اپنے پرانے رفقا سے بالکل بے نیاز

ہوگیا۔ سبھوں کو اپنی مصاحبت سے خارج کرکے خود اپنا ایک اسٹینڈرڈ قایم کرلیا اور اب خود ایک لفظ صاحب ہی سے اتنا احترام ٹپکنے لگا۔ جتنا پہلے جناب اور مولوی کی معیت میں بھی نصیب نہیں تھا۔ مثلاً احسن صاحب، وکیل صاحب منصف صاحب۔ انسپکٹر صاحب وغیرہ، حتیٰ کہ خود مولوی اور مولانا بھی اپنی عزت کے لئے صاحب ہی کے محتاج ہوگئے۔ اسلئے ان کو بھی مولوی اور مولانا کی بجائے مولوی صاحب اور مولانا صاحب بننا پڑا۔

اس کے بعد اس کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں تو صاحب نے وہ وہ ترقیاں کیں کہ مسٹر اور اسکوائر کی عزت آبرو میں فرق آنے لگا۔ اب تک یہ سکنڈ کلاس ڈفیرو لیا پیشہ ور حضرات کے پیچھے لگا ہوا تھا لیکن اب اس کی طرح اور تیز ہوئی۔ عالیشان بنگلوں میں رہنے والے حکام پر بھی اس نے چھاپا مارنا شروع کیا اور اب اتنی شان پیدا کرلی کہ کسی عہدہ کسی پوسٹ یا کسی منصب کا نام لینے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف صاحب کہہ دینے سے یہ بات ظاہر ہونے لگی کہ جس کو صاحب کہا جارہا ہے وہ بہت ہی بڑی عزت والا کوئی افیسر ہے۔ کہنا اور سمجھنا تو ایک طرف، اس سے تو صرف زبانی جمع خرچ ہی تصور کیا جائے گا۔ عملی طور پر بھی آپ کا جہاں جی چاہے کوئی سیاسی۔ ادبی یا اسی قسم کی اور میٹنگ ہو یا دعوتی تقریب ہو عدالت کا کمرہ ہو یا سینما کا ہال۔ مسجد کا صحن ہو یا کلب کا ہوٹل کسی عابد کا گوشۂ خلوت ہو یا کسی طوائف کا بالاخانہ ایک طرف، پہلے ایک مولوی صاحب اور ایک طرف اس نئے دور کے صرف صاحب کو لیجا کر کھڑا کردیجئے، اور دیکھ لیجئے کہ نظر احترام پہلے کس کی طرف اٹھتی ہے اور اونچی کرسی کس کو نصیب ہوتی ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اب تک چونکہ اونچی کرسیوں پر بیٹھنے کے اہل یہاں کے کالے لوگ نہیں ہوتے تھے اسلئے جہاں تک کہنے یا سننے کا تعلق تھا صاحب سے صرف کوئی انگریز۔ افیسر جج۔ کلکٹر یا کمشنر ہی قسم کا کوئی انسان سمجھا جاتا تھا۔

اس تیسرے دور کی ترقیوں سے عام لوگوں کو بھی صاحب نے اپنی طرف مخاطب کرلیا اور اب ہر شخص کے دل میں یہ تمنا گدگدی لینے لگی کہ وہ بھی صاحب کہا جائے۔ شوق کرلینا تو بہت آسان ہے۔ لیکن حلوہ یا مٹن چاپ خوردن کا روئے باید یہ کالے مانس گوروں جیسا منہ کہاں سے لاتے۔ اس لئے کچھ مجبوری سی تھی، لیکن روپ بدلنے والی ترکیب اس معاملہ میں بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ ان کالوں نے بھی بھیس بدلنا شروع کردیا۔ شروانی یا پاجامہ اور عمامہ وغیرہ جو پہلے ہر شریف آدمی کا لباس تھا، اس کی جگہ کوٹ اور پتلون نے لی داڑھیاں پیک کرکے سمندر پار پارسل کردی گئیں۔ بعضوں نے مونچھوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ اور بعضوں نے بزرگوں کی نشانی سمجھ کر اس پر ترس کھایا تو تبرکاً کچھ رہنے دیا۔ بقیہ کو نائی کے حوالہ کردیا۔ سر کے بال کا بھی یہی حال ہوا۔ اب نائی کی مجال نہیں کہ موجودہ دور میں کسی جنٹلمین کی پوری حجامت بنا سکے وہ کچھ اگلے ہی زمانے والے لوگ اتنے سیدھے سادھے ہوتے تھے جن کو وہ مونڈ لیا کرتے تھے۔ خیر تو مختصر یہ کہ اکی تہذیب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کل پہلے والے سامان تہذیب آدھے نہیں کردئے جائیں۔ آدھا جوتا یعنی چپل نما شو آدھا پائجامہ یعنی ہاف پینٹ۔ آدھی شیروانی یعنی کوٹ جو شخص زیب تن نہیں کرتا ہو۔ سر کے بال آدھے اور آدھی مونچھ نہیں رکھتا ہو۔ ہاف بوائلڈ (نیم برشت) انڈے نہیں کھاتا ہو وہ موجودہ مکمل تہذیب کے دائرہ سے باہر سمجھا جائے گا۔ الغرض اس ترقی اور اکونومی کے زمانے میں، یا یوں کہئے کہ اس سستی کے زمانہ میں کتنے لوگ نقلیں اتار اتار کر جنٹلمین یعنی صاحب بن گئے۔

چونکہ نقل اتارنے کا جذبہ لڑکوں میں فطرت نے زیادہ بخشا ہے کالج کے طلبہ جن کی عمر کچھ بھی ہو ان کا شمار چونکہ لڑکوں میں ہے اس کام میں بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔ جب وہ کالج سے باہر بھی نکلے تو ان کی صاحبی نہیں گئی۔ کوئی وکیل ہوا تو کوئی منصف، کوئی ڈپٹی ہوا تو کوئی ڈاکٹر۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سب کے سب صاحب بھی بنتے رہے، اب تو ماشاءاللہ ان کی صاحبزادی بھی سچ مچ صاحب کے بچے بن رہے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ ان کا نوکر، ان کا دھوبی اور ان کا مہتر بھی صاحب بن جائے۔

دفتروں میں کام کرنے والے کرانیوں میں پہلے چونکہ کوئی کالج ریٹرنڈ نہیں ہوتا تھا اسلئے یہ کرانی لوگ اب تک صاحب نہیں بنے تھے۔ لیکن فطرت کی وہی ہوا یہاں کب تک لگنے سے بچے جس سے سارا زمانہ نہ بچ رہا تھا۔ یہ کیسے ہوتا کہ یہ لوگ چٹائی سے باہر رہتے۔ انقلاب کے ایک اثر سے سب سے پہلے کالج کے طلبہ متاثر ہو کر صاحب بنتے تھے تو دوسرا اثر یعنی بے روزگاری کا شکار بھی ان ہی کو ہونا تھا اور وہ ہونے بھی لگا۔ یعنی حشرات الارض کی طرح بی۔ اے اور ایم۔ اے پیدا ہونے لگے۔ دو چار تو خیر کسی طرح صاحب کے کسی عہدہ پر مامور ہو گئے۔ بقیہ کو کتنی جگہوں کی خاک چھاننے اور کتنے دروازوں پر جھک مارنے پر بھی جب محرومی ہونے لگی تو اس ڈر سے کہ کہیں آگے چل کر پھر اسی کی بھی جگہ نہ ملے کرانی میں بھرتی ہونے لگے۔ یہی لوگ اپنے ساتھ وہ جراثیم ان دفتروں میں بھی لائے۔ یعنی ان چھوٹی چھوٹی کرسیوں پر بھی صاحب لوگ نظر آنے لگے۔ ان لوگوں کو تو خیر کسی طرح یہ صاحبی جچتی بھی ہے، کیونکہ صاحب کی قسمت نہ سہی، لیکن صاحب کے صفات تو رکھتے ہیں۔ ہنسی تو آتی ہے مجھ جیسے اُن کرانیوں پر جن کے پاس صاحب کی کوئی ڈگری تو نہیں، لیکن صاحب بنکر یا تو صاحب کا مُنہ چڑاتے ہیں اپنا۔ دوسروں کو کیا کہوں، میں خود اس مرض میں کبھی کبھی مبتلا ہو جاتا ہوں۔ ابھی حال ہی کا واقعہ ہے

کہ میرا بڑا صاحب ملاحظہ کے لئے آیا۔ میں ہمیشہ تو صاحب نہیں بنا رہتا ہوں، لیکن وقتاً فوقتاً یا کہیں آنے جانے کے لئے ایک جوڑا صاحب کا یونی فارم لیکر رکھ لیا ہے۔ صاحب کے آنے کی خبر جب ہوئی تو سوچا کہ اپنے روزانہ والے لباس یعنی عمامہ، شیروانی اور پائجامہ میں بڑا صاحب کے سامنے جانا ٹھیک نہیں، کیونکہ اگر میں ایسا کرتا تو ایک طرف اس لباس میں صاحب کا اردلی نظر آتا اور دوسری طرف میں۔ اس توہین کو برداشت کرنے کے لئے ضمیر نے اجازت نہیں دی اسلئے آفس آنے کے وقت وہی صاحب والی وردی جو ایسے ہی موقعوں کے لئے رکھ چھوڑی تھی کاغذ میں لپیٹ کر بغل میں دبالی۔ آفس پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ بڑے صاحب اب آہی چلے۔ جھٹ پٹ میں نے اپنی پوشاک بدلنی شروع کر دی لیکن کیا بتاؤں ہمیشہ کی عادت نہیں رہنے کی وجہ کر مجھ سے چند غلطیاں ہو گئیں جو طبیعت تو نہیں چاہتی کہ عرض کروں، مگر یہ باتیں چونکہ مجھ سے بالقصد نہیں ہوئی تھیں اسلئے کہنے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ بلا سے کوئی مجھ پر ہنسے۔ لیکن مجھے اب اس کی بھی فکر نہیں، کیونکہ میں نے اب صاحبی کرنے سے ہمیشہ کے لئے قسم کھالی ہے۔ خیر سُنئے ہوا کیا کہ جلدی میں قمیص کے کالر کا ایک گوشہ تو کوٹ کے نیچے کر لیا لیکن دوسرا گوشہ کوٹ کے اوپر ہی رہ گیا۔ دوسرے قمیص کا نچلا حصّہ آگے سے پتلون کے اندر دبا لیا۔ لیکن پچھلا باہر ہی للکتا رہا۔ ٹائی بھی باندھنے کو تو باندھ لی لیکن وہ بھی ٹھیک اسی طرح ہو کر رہ گئی جیسی محرم کے زمانہ میں لڑکیاں کے گلے میں بدھی ہوتی ہے۔ یہ باتیں تو کسی قدر اتنی مضحکہ خیز نہیں تھیں سب سے زیادہ غلطی یا بھول جو کہئے وہ یہ ہوئی کہ عجلت میں پتلون کا بلٹ تو باندھ لیا مگر بٹن سب کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اتنے میں صاحب کا موٹر آگیا اور میں دوڑ کر استقبال کو آگے بڑھا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ میرے ساتھی نے دیکھ لیا اور اشارہ کر کے مجھے ہوشیار کر دیا۔ میں بھاگا ہوا استنجا گاہ کیطرف چلا گیا اور میرا ساتھی صاحب کے استقبال کو بڑھ گیا جس سے

خدا خدا کرکے میری صاحبی کی آبرو رہ گئی لیکن اسکے بعد میں نے توبہ کرلی ہے چاہے لوگ مجھے جو بھی کہیں اردلی کی پوشاک پہنونگا لیکن اب کبھی صاحب نہیں بنونگا۔

اسی سلسلہ میں مجھے اپنے ایک اور دوست کا قصہ یاد آگیا جو یقینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ذرا اسکو بھی سن لیجئے۔ یہ حضرت میرے ہی دفتر میں میرے ساتھ پہلے "کرانی بابو" تھے۔ لیکن قسمتوں سے بعد میں وہ "انسپکٹر صاحب" ہوگئے۔ خدا جانے اس انسپکٹری میں کیا رکھا تھا کہ پہلے ملتے ہی صاحب بننے کا شوق ایسا چرایا کہ سب سے پہلے وہ ایک ریڈی میڈ سٹور سے صاحب کا ایک سٹ یونی فارم لے آئے۔ جس روز سے انسپکٹری کا چارج لیا اسی روز سے وہ صاحب بھی بن گئے اور بالکل میڈان ولایت معلوم ہونے لگے۔ ایک دفعہ کسی مقدمہ کی تحقیقات کیلئے کسی گاؤں میں انکو جانیکی نوبت آئی وہاں بھی آپ پوری صاحبی کی شان سے تشریف لائے مقدمہ کی سماعت والے دن بھی حاکم کے روبرو بجائے کسی وکیل کے آپ ہی کی تعناتی ہوئی مدعا علیہ ایک غریب دیہات کا رہنے والا سیدھا سادھا آدمی تھا۔ انسپکٹر صاحب نے دوران جرح میں اس سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ تمہارے یہاں کوئی شخص تحقیقات کو گیا تھا۔ اس نے جواب دیا "ہاں" پھر اس سے پوچھا کہ دیکھکر بتاؤ وہ شخص اس کمرہ میں موجود ہے یا نہیں۔ اس نے پہچاننے کی کوشش تو کی لیکن قاصر رہا۔ تب اس سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتا سکتے ہو کہ وہ کیسا آدمی تھا۔ اس نے جواب دیا کہ حضور وہ آدمی "صاحب معلوم ہوتا تھا" معلوم ہونے کا جملہ انسپکٹر صاحب کو ذرا برا سا معلوم ہوا اسلئے ڈپٹ کر پھر پوچھا کہ "معلوم ہوتا تھا" سے تمہارا کیا مطلب ہے صاف بتاؤ دیہات کے رہنے والے بیچارے عام طور پر آپ تو ڈپٹ "جھڑپ" سے ناواقف ہوتے ہیں۔ وہ اب تک یہ جانتا تھا کہ صاحب تو صرف انگریز کو کہتے ہیں اور وہ شخص جو تحقیقات کیلئے گیا تھا انگریز تو تھا نہیں۔ ہاں البتہ وہ انگریزوں جیسی پوشاک ضرور پہنے ہوئے تھا۔ اسی بنا پر اس نے اپنے خیال میں "معلوم ہوتا تھا" کہکر ایک صحیح جواب دیا تھا۔ اب اس مزید سوال پر بہت ہی بگڑ گیا لیکن فوراً ہی وکیل صاحب کی تشفی کرانے کیلئے اپنے جواب کا مطلب دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھایا کہ حضور چونکہ وہ شخص جو تحقیقات کو گیا تھا اصلی صاحب[1] "نہیں تھا اسلئے ہم نے "معلوم ہوتا تھا" کہا تھا۔

یہ سنکر ہمارے انسپکٹر صاحب پر گویا کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ خاموش سر جھکا کر بیٹھ رہے۔ غریب دیہاتی بھی کٹہرے کی قید سے رہا ہوا اور سارا کمرہ حاضرین کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔ انسپکٹر صاحب جب گھر لوٹ کر آئے تو کوٹ اور پتلون کو اتار کر بجائے کھونٹیوں میں لٹکانے کے بکس میں ایسا بند کیا کہ پھر انکے نکلنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب وہ پھر اسی پوشاک میں نظر آتے ہیں جو انسپکٹری سے پہلے استعمال کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اب وہ اپنی شان میں صاحب[2] کا لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ "صبیر رضوی مخدوم آبادی"

دل حزیں کو الم کش بنا دیا تم نے
میں پیتے ہی جسے عقل و ہواس کھو بیٹھی
ہمارا خرمن ہستی تھا کیا اسی قابل
جگر کو سوز اور آنکھوں کو دعوت گریہ
بتاؤ کون سی آخر ہوئی خطا مجھ سے
غرض کہ چھین کے صبر و قرار اس دل کو

ہمارے سوئے تھے ارماں جگا دیا تم نے
وہ جام تلخ محبت چکھا دیا تم نے
کہ اس پہ برق شرر بار دی گرا تم نے
بتا دی ہے یہ کس جرم کی سزا تم نے
نظر سے اپنی یکایک گرا دیا تم نے
بس ایک مدفن ارماں بنا دیا تم نے

نفیسہ ناز

[1] انسپکٹر صاحب کو وہ کوئی وکیل صاحب سمجھا تھا
[2] یعنی کوئی انگریز نہیں تھا۔

میری ڈائری

یورپ کے دس سالہ دور قیام میں دنیا کا تخیل میرے لئے نہایت دلکش تھا۔ دنیا ایک دلچسپ گہوارہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک خوشگوار خواب۔ وہ یورپ ـــــ و تہذیب و تمدن کا مرکز ہے۔ ـــــ علم و ہنر کا مخزن ـــــ منبع انبساط ـــــ مخزن مسرت اور خوشیوں کا سرچشمہ۔ جہاں دولت حکومت کرتی ہے مجبوروں پر ـــــ جہاں روپیوں سے پریم کا لین دین ہوتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر چھلکتی جوانیاں مدہوش بناتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔

لیکن جب مجھے ہندوستان کے ایک کالج میں پروفیسری ملی تو یہاں کی دنیا عجیب ہی نظر آئی ـــــ ہندوستان ـــــ بدنصیب ہندوستان ـــــ غلام ہندوستان ـــــ علم کی برکتوں سے ناآشنا! ـــــ موجودہ تہذیب جہاں سے دور اور دولت جہاں سے مفقود ـــــ منبع غربت اور مخزن غم ـــــ جہاں تارے نکلتے ہیں ڈوب جانے کیلئے۔ پھول کھلتے ہیں مرجھا جانے کیلئے۔ حسن نمودار ہوتا ہے فنا ہونے کیلئے۔

میں نے لہراتی ہوئی ندیاں، شاداب وادیاں اور لہلہاتے کھیت دیکھے اور فاقہ کش مرد، بے زبان عورتیں اور بیمار بچے بھی نظر آئے۔ ان نظاروں کو دیکھکر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ ان دنوں میں روزانہ ڈائری لکھتا تھا۔ جنکے کچھ اوراق تو کیڑوں کی نذر ہو گئے۔ بقیہ موجود ہیں جو ہندوستان کی بیکسی اور بدنصیبی کا مرقع ہیں۔

۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء۔ آج تعطیل کا دن تھا۔ صبح طلوع آفتاب سے قبل ہی دیہات کی جانب ٹہلنے کے ارادہ سے چل نکلا۔ ہوا فرحت بخش تھی اور موسم پہلے کی نسبت سے زیادہ خوشگوار۔ ماحول کی سحر آفرینی اور فضا کی شعریت سے مسحور ہو کر میں چلا گیا۔ چھوٹی چھوٹی سرسبز وادیاں ان نظاروں کو حسین تر بنا رہی تھیں اور جاذب نظر قدرت کے ان مناظر میں ایک پیغام ہے۔ ایک دعوت عمل انسانوں کیلئے۔ وہ پیغام صدیوں سے راز حیات افشا کر رہا ہے کہ اپنی ہستی کو ان دلفریب نظاروں میں محو کر دو۔ اسی میں عبادت اور نجات ابدی کا راز مضمر ہے۔ لیکن انسانوں کا یہ قافلہ منزل کو بھول گیا۔ اور ایک رہرو درماندہ کی طرح ہر دلفریب منظر کو اپنا مقام سمجھا اور ذریعہ نجات .... کیسی بھولی ہے دنیا۔

ان ہی خیالات میں مستغرق شہر کی آبادی سے بہت دور چلا آیا۔ جہاں سے ایک چھوٹا سا گاؤں اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس گاؤں کے سکون اور اطمینان پر رشک ہو رہا تھا۔ سوچنے لگا کہ ہم شہروں کے رہنے والے زر کثیر خرچ کرنے پر بھی وہ حقیقی خوشی اور سکون نہیں محسوس کرتے۔ جسکا غریب دیہاتی اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں لطف اٹھاتے ہیں۔ آخر وہ کونسی نایاب چیز ہے جسکی انکے یہاں فراوانی اور ہمارے یہاں فقدان ہے۔ تخیلات کی دنیا میں تقریباً کھو گیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان کی مسرت کا راز معصوم عقیدت میں پوشیدہ ہے۔ اب گاؤں صاف نظر آنے لگا تھا۔ سفید بادلوں کے ہلکے ہلکے ٹکڑے دھیرے دھیرے فیروزی رنگ سے ہوا میں تیر رہے تھے۔ آفتاب کی ترچھی کرنیں ایک مقدس سکوت کے ساتھ مسکرا رہی تھیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی معمر شخص ایک بچہ کی طفلانہ حرکتوں پر مسکراتا ہو۔ دھان کے ہرے ہرے کھیت لہلہا رہے تھے اور شاید ان کے ساتھ کسانوں کے معصوم اور امیدوں سے بھرے دل بھی جنکی شادابی پر انکی مسرت کا انحصار تھا۔ یکایک میری نظر ایک ماہ پیکر حور وش نازنین پر پڑی جسکا عالم فریب حسن دعوت نظارہ دے رہا تھا۔ وہ گلاب کا ایک پھول تھی جو آبادی سے دور کسی پہاڑی پر کھل رہا ہو اور جسکا دیکھنے والا کوئی نہیں۔ اس پر ایک سوگوار محویت طاری تھی چہرے پر پریشانی کے آثار تھے اور وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے چاند بادل کے ٹکڑے میں چھپ رہا ہو۔ مغربی ممالک کی بہت سیاحت کی ہے۔ یورپ کے تمام شہروں کی سیر کر چکا ہوں۔ جنکا سارا یورپ شیدا ہے اور ان پریوں کو بھی جنہیں ملکۂ حسن کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ

محو ..... حسین تھا۔ انسان کو مدہوش بنانے کیلئے۔ جسکو شاید فطرت بھی دوبارہ نہ پیش کر سکے۔ وہ مجسمہ حُسن تھی یا کسی کی زبان میں عظ رنگینیاں سمٹ کر انسان ہو گئی ہیں۔ ابتدائے بہار کی نوخیز انگڑائیاں اور اُسکی ساحرانہ شخصیت اشعر آفریں فضا اور معبود قدرت کا شاہکار تھوڑی دیر کے لئے اس نے میری آنکھوں میں تمام پردے ہٹا دیئے ...... اور صرف میں تھا اور اسکا دلنواز حُسن۔ دل کی زبان آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی سے

اے کاش جنگلوں میں میرا قیام ہوتا تیرے پجاریوں میں میرا بھی نام ہوتا

میں اب اسکے بالکل نزدیک تھا۔ وہ آنکھیں نیچی کئے زمین کو دیکھ رہی تھی اور میں اسکو۔ اس محویت میں کافی دیر ہو چکی تو میں نے سکوت توڑا۔ "اے جنگل کی حسین دیوی! گستاخی معاف ہو تو میں یہ پوچھوں کہ جنگل کی اس دلفریب ویرانی میں تیرا کہاں گذر۔ تجھے تو انسانوں کی بستی میں رہنا چاہیئے تاکہ تیرا وجود انسانیت کے لئے مقدس ہو۔ آخر دنیا کے ہنگاموں کو کیوں تیاگ دیا؟

وہ بولی "بابوجی! آپ کچھ شاعری سے کام لے رہے ہیں۔ میں دیوی؟ آپ نہیں جانتے کہ آپ ہمارے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔ اگر وہ دیویاں جنکا ذکر ہم اپنی مذہبی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں میری ہی طرح ہیں تو یقیناً وہ پرستش کے لائق نہیں بلکہ وہ انسان کی بداعمالیوں کی سچی تصویریں ہیں۔ جنکا وجود ضروری ہے صرف اس لئے کہ دنیا ان سے عبرت حاصل کرے" مجھے اس جواب سے بڑی ندامت ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ عورت کے مقابلہ میں اسکے حسن کی تعریف قیمتی کا سب سے زبردست ہتھیار ہے۔ لیکن یہاں ناکامی ہوئی کیونکہ وہ صرف صنف نازک نہ تھی بلکہ خوبیوں کا پیکر۔ میں نے اپنی جذبات تھامتے ہوئے کہا "معاف کیجئے اگر میرے الفاظ سے آپ کو تکلیف پہنچی جہاں تک قیافہ شناسی کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ زندگی کی راحتوں کو کھو چکی ہیں اور ہجوم یاس نے آپ کو ایک مکمل فلسفی بنا دیا ہے ...... معبود کا حقیقی پرستار" وہ کہنے لگی "ہاں بابوجی! آپ کا قیاس صحیح ہے۔ دل کے ابربطِ میں بہت سے غمگین نغمے پنہاں ہیں اور بہت جلد یہ تار ٹوٹ کر میرے نغمۂ حیات کو فضا میں منتشر کر دینگے۔

وہ ساون کی جھڑی کی طرح آنسو بہاتی رہی۔ جب جی ذرا ہلکا ہوا تو آپ بیتی شروع کی "یہ سامنے جو گاؤں نظر آتا ہے فیض نگر ہے کچھ دنوں پہلے یہ میرے لئے جنت تھا۔ لیکن آج اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود مجھے ویران نظر آ رہا ہے۔ وہ گلزار وادیاں اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود مجھے بے رنگ نظر آ رہی ہے کیونکہ خود میری زندگی کا پھول خزاں کے دور سے نہ بچ سکا۔ ان ہی وادیوں میں میرا بچپن جوان ہوا۔ وہیں پر میرے دیوتا نے میٹھے سروں میں رس بھرے گیت ہمیں سنائے۔ اور وہیں محبت کے پیمان باندھے گئے۔ لیکن وقت سے پہلے ٹوٹ گئے ...... بہت پہلے۔ اسی ظالم فطرت نے نہیں نہیں۔ بلکہ انسانیت نے میرے دل کے مندر کو ویران کر دیا۔ جہاں شکتی ہی شکتی تھی اور جہاں جیون کی معصوم گھڑیاں سپنوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں"۔

وہ رک گئی۔ آنچل سے آنسو پونچھا اور گلا صاف کر کے پھر شروع کیا "بابوجی! ہم دیہاتی ہیں۔ ہمارا فلسفۂ محبت خیالی نہیں عملی ہوتا ہے اور ہمارا پریم ..... معصوم اور بے لوث۔ ہم محبت کرتے ہیں تفریح کیلئے نہیں بلکہ زندگی کی کڑیوں کو استوار کرنے کیلئے۔ شامو سے میری محبت ایسی ہی تھی۔ وہ ایک تندرست خوبصورت تعلیم یافتہ نوجوان تھا جو ملازمت سے برطرف کئے جانے کے بعد گاؤں میں ایک معمولی کسان کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسکے آنے کے بعد میں نے بھی تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا اور اب مستقل طور پر گاؤں میں اپنی زندگی کی گھڑیوں کو خوشگوار تر بنانے کیلئے رہنے لگی ...... ہاں تو ہمارا پریم صنوبر کے درختوں کے سایہ میں پلا اور پھر مندر کے مقدس سکوت اور گاؤں والوں کی قلبی عقیدت کے درمیان ہمارا رشتہ استوار ہو گیا۔ قلب کی گہرائیاں محبت کے لطیف جذبات سے لبریز تھیں اور ایک دوسرے کی بے پناہ قوتوں سے مغلوب ہو کر کھنچے جا رہے تھے ...... عقیدتمند پجاری کی طرح ہم اب انسانوں کی مادی دنیا سے پرے نیلے آکاش کے نیچے رہتے تھے جہاں تمام کثافتیں محبت کی بھٹی میں جل جاتی ہیں۔ دلنواز فضا، ابتدائے بہار کی سرور افزائیاں اور اسکی یاس انگیز داستان نے مجھ پر بھی بہت اثر کیا اور نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے کلام جاری رکھا "ہماری خوشی کے دن بہت تیزی سے گذر گئے۔ اور پھر ......

اس سال بارش تقریباً نہیں ہوئی اور خدا کا قہر بھولے بھالے کسانوں پر نازل ہوگیا۔ دھیرے دھیرے آسمان پر سیاہ بادل چھا جاتے ویسے ہی ہمارے دلوں کی امیدیں بھی جاگ اٹھتیں۔ لیکن ناکام۔ کھیتیاں جلکر خاک ہوگئیں۔ ہم لگان بھی ادا نہ کرسکے۔ سرکاری سپاہی آئے اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے کھیتوں کو نیلام کردیا ..... غریب نواز سرکار! غریب کسان حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔ زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں۔

اسی زمانہ میں جنگ چھڑ گئی ...... عالمگیر جنگ۔ دنیا کے تمام ممالک برسرپیکار تھے۔ اخلاق وانسانیت تہذیب وتمدن آخری سانس لے رہے تھے روزانہ بڑی دہشتناک خبریں آتیں، اور ہمارے چھوٹے جھونپڑوں میں بھی اسی کے تذکرے رہتے۔ ہمارے نزدیک جنگ کا تخیل ہی دوسرا تھا دو آدمیوں کی جنگ ۔ خاندان والوں کی جنگ .... گاؤں والوں کی جنگ ... ایک دن کیلئے اور پھر ان کے معصوم دل مل جاتے۔ ہنسی خوشی لیکن یہ جنگ ہماری سمجھ سے باہر تھی۔ کھانے پینے اور دوسری تمام ضروریات پر دام بہت چڑھ گئے۔ ہماری سرکار نے بھی تیاریاں شروع کیں اور فرانس سے مل کر جرمنی پر حملہ آور ہوگئی۔ نئے نئے سپاہیوں کی بھرتی کا کام بڑی سرگرمی سے شروع ہوگیا۔ گاؤں والوں کے لئے یہ سنہرا موقع تھا۔ عورتوں نے مردوں کو بہت روکا.... آہ وزاری سے منت والتجا سے خوشامد سے لیکن ان کے ارادوں میں فرق نہ آیا۔ وہ جانتے تھے کہ موت سر پر ناچ رہی ہے۔ لیکن مجبور تھے ۔ ...... یہاں تو اس سے بھی زیادہ خوفناک موت تھی۔ شامو بھی مجھ سے رخصت ہوا۔ دل میں یاس وحسرت کا طوفان لئے ہوئے۔ عورتیں گاؤں سے باہر نکل کر مردوں کو دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ !

شامو کے جانے کے بعد میری دنیا تاریک ہوگئی۔ زندگی کے سنہرے خواب پریشان ہوگئے۔ جنگ کا حال تو حسب دستور ملتا رہا لیکن شامو کی کوئی خبر نہیں ملی۔ خزاں بہار سے اور بہار خزاں میں تبدیل ہوتی رہی۔ لیکن جنگ نہ ختم ہوئی۔ ہم اسکے اختتام کیلئے دعائیں کرتے لیکن نہ ختم ہونیوالی جنگ شاید میری زندگی میری خوشیاں اور میرے ارمان ختم کرگئی "اسکی آنکھوں میں جھلکتے تاروں سے زیادہ حسین آنسو اسکے نازک رخساروں پر خاموش ندیوں کی طرح بہنے لگے" میرے دل ودماغ کی تمام قوتیں جو ایک مرکز کی طرف مائل تھیں اس طرح ہچکولے کھانے لگیں جیسے ایک ڈوبتا ہوا جہاز سمندر کی بے پناہ موجوں پر زیر و زبر ہوتا ہے دل کے غمگین نغمے بہت جلد اس مادی پیکر کو توڑ کر آزاد ہوجائینگے اور دنیا سنے گی ۔۔ ایک اندوہگیں گیت" وہ اٹھی اور ایک سمت کو چلدی۔ میں بھی اسکی دکھ بھری کہانی' اسکی ساحرانہ شخصیت اور ہندوستان کی بدنصیبی پر آنسو بہاتا واپس آیا۔ سورج کے ارد گرد کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے !

"احمد میرانی"

قواعد وضوابط رسالہ سہیل گیا

(۱) رسالہ سہیل ہر انگریزی مہینہ کی ۱۶ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے

(۲) سہیل میں وہ مضامین نظم ونثر شائع ہوتے ہیں جو معیار ادب پر پورے اترتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے۔

(۳) سہیل کی سالانہ قیمت مبلغ ۲ شششماہی ۱۲/ اور فی پرچہ ۴/ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۴/ کے ٹکٹ آنے پر ارسال کیا جاتا ہے۔

(۴) سہیل میں ہر ماہ کم از کم ۴۸ صفحات کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

(۵) جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ آنا ضروری ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائیگا۔

(۶) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینہ کی ۳۰ تاریخ تک آنے پر رسالہ دوبارہ ارسال کردیا جائیگا۔

(۷) سہیل کے ۱۲ صفحے اُن طلباء کے مضامین کیلئے مخصوص ہونگے جو سہیل کے خود مستقل خریدار ہونگے یا ۱۲ کیلئے وہ خود [illegible]

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح

فرماتے ہیں

"تمہاری سیاسی برتری تمہاری تنظیم میں پوشیدہ ہے"

ہم بھی یہی کہتے ہیں

"تمہاری اقتصادی ابتری صرف تمہارے انتشار کے سبب ہے"

دولت کی فراوانی

اگر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے پیسوں کو منظم شکل میں کچھ کرنے دو

شیر بنگال مسٹر اے کے فضل حق

لینگرین سیمنٹ فیکٹری کے ہڈ آفس کے معائنہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں

"میں بلا تامل کہونگا کہ اس آفس کے تجارتی ماحول سے میں بیحد متاثر ہوا۔ اس کے ارباب اقتدار کافی دوراندیشی سے کام لے رہے ہیں۔ اور اعلیٰ تجارتی اصول پر عمل نظر آتے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ہو کر رہیں گے۔ اور مجھے توقع ہے کہ مستقبل قریب میں یہ مارکٹ میں اپنا قدم جمالیں گے۔" ہمارے شیئرا رگنائزرس مسرس رحمٰن برادرس کا آفس پٹنہ میں سائنس کالج کے سامنے کُن کُن سنگھ لین میں ہے۔ کمپنی کے متعلق مفصل معلومات پراسپکٹس ودیگر کاغذات آپ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے ساتھ اپنے پیسوں کی بھی تنظیم کیجئے۔ حصے تیزی کیساتھ بکتے چلے جارہے ہیں۔ جلد درخواست کیجئے

صحت گھر

بانکی پور ـــــ پٹنہ

(کا)

کام

آپ کی صحت کو برقرار رکھنا

اور

آپ کی بیماری کو دور کرنا ہے

حالات لکھنے کا فارم دو پیسہ کا ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمایئے

آپ کا خیر خواہ جنرل منیجر

مرہم مسّنہ لواسیری یہ مرہم لگاتے ہی مسّوں کی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ مریض بہت زیادہ آرام محسوس کرتا ہے۔ ڈیڑھ ہفتے میں مسّے کو تحلیل کر کے ختم کر دیتا ہے۔ آپریشن کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لئے نجات ملجاتی ہے۔ قابل قدر چیز ہے۔ قیمت فی شیشی عہ علاوہ محصول۔

جنرل منیجر "صحت گھر"
بانکی پور۔ پٹنہ

اسٹار

دنیائے طب میں زبردست انقلاب

اسٹار۔ اُن مریضوں کے لئے جو جریان میں مبتلا ہیں اور مایوس العلاج ہو چکے ہیں بہت مفید ہے ہزاروں صحتیاب ہو چکے ہیں۔ آزمائش شرط ہے

ملنے کا پتہ ــ مدرسہ فارمیسی ڈاکخانہ سرس ضلع گیا

روغن عثمانی

یہ روغن ہر قسم کے درد اور ورم کے لئے بہترین چیز ہے۔ زخموں کو مندمل کرتا ہے پھوڑا پھنسی تر و خشک خارش کے لئے اکسیر ہے درد گوش اور کان بہنے کو بے حد مفید ہے۔

ملنے کا پتہ

عبدالغفور محمد ابراہیم دارالشفاء رفیع گنج ضلع گیا

سرمہ سوزاک

خدا کی قدرت اور فقیروں کی تلاش سے انسان کو کیسی کیسی چیزیں مل جاتی ہیں کہ عقل حیران رہتی ہے۔ دیکھئے یہ سرمہ ہے لیکن قدرت نے وہ اثر دیا ہے کہ اسے آنکھوں میں لگاتے ہی سے مردانہ زنانہ سوزاک یا خون اور پیپ آتا ہو چند ہی روز میں ایکدم نجات ہو جاتی ہے۔ احتلام جریان اور عورتوں کے سیلان الرحم سفید دھاد میں یہ بالکل اکسیر کا کام کرتا ہے اسمیں کوئی تعجب نہیں کیونکہ ان مریضوں کا اثر آنکھ کی روشنی پر بھی ضرور ہوتا ہے آنکھ سے معلوم ہونے لگتا ہے قیمت کچھ نہیں لی جاتی ہے صرف مزدوری ادا ملنے کا خرچ بذریعہ منی آرڈر دو روپیہ سوا پانچ آنہ (۲؍۵) وی پی میں ۲؍ اور استعمال کے بعد اگر غلط ہو تو ایمان و دھرم سے کہیں رقم اداشدہ واپس کر دیجائیگی غلط لکھنے سے اثر جاتا رہیگا۔ ملنے کا پتہ

غریب خانہ (۸۰۸) مجھولی ڈاکخانہ پرتاب ٹانڈ (مظفرپور)

نئی کتابیں

یورپ کی حکومتیں برطانیہ۔ فرانس۔ اٹلی۔ سوئزرلینڈ۔ اور جرمنی کے نظام حکومت کی تشریح۔ قیمت عہ

حیات و کلیات سمعیل مولانا اسمعیل میرٹھی کا تمام کلام مع حالات زندگی قیمت مجلد للعہ

حیات وارث حضرت سید وارث علی شاہ کے ممتاز حالات و واقعات اور ارشادات۔ قیمت مجلد ہے غیر مجلد سے

قتیل اور غالب غالب کی مخالفت اور قتیل کی موافقت میں یہ ایک منفرد کتاب ہے قیمت ۸ر

محکومیت نسواں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق ۔ اسے عورتوں کی آزادی کا صحیفہ سمجھنا چاہیئے۔ قیمت مجلد عہ

مکتبہ جامعہ دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی
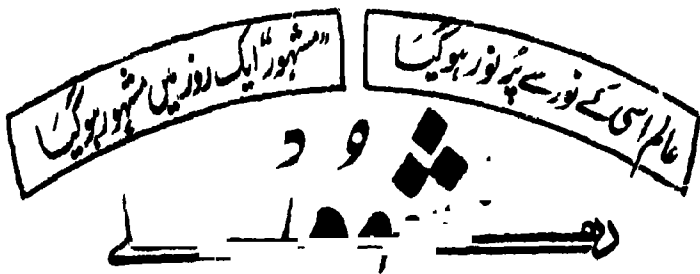
یہ علمی، ادبی و طبی ماہوار مصور رسالہ نہایت آب و تاب اور پابندی وقت کیساتھ دہلی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بہترین علمی، ادبی، تاریخی اور طبی مضامین اور بہترین اخلاقی، اصلاحی اور مزاحیہ افسانے، معلوماتی مقالے اور ادب لطیف کے جواہر پارے شائع ہوتے ہیں ملک کے مشہور ادیب، شاعر، افسانہ نگار اور ماہرین فن طب اسکے صفحات کو رونق بخشتے ہیں۔ اور سراج الاطبا، فخر الحکماء عالی جناب خان صاحب حکیم حاجی محمد سراج الدین خاں صاحب دہلوی نے اس کی سرپرستی فرمائی ہے۔ ان تمام خوبیوں اور گوناگوں دلچسپیوں کے باوجود اسکی قیمت صرف ایک روپیہ سالانہ ہے نمونہ کا پرچہ مفت طلب فرمائیے۔

مقام اشاعت:۔ **ممتاز منزل فراشخانہ دہلی**

ضروری نہیں کہ آپ ہر دوکاندار - کارخانہ اور کمپنی کا نام یاد رکھیں

صرف

آل انڈیا جنرل اورڈر سپلائی کمپنی کلکتہ

نمبر ۴۵ مکلوڈ اسٹریٹ کلکتہ ڈاک خانہ پارک اسٹریٹ

کا پتہ نوٹ کرلیں اور ضرورت کے وقت ہر خدمت کے لئے یاد فرمائیں

آپ کو کلکتہ جیسے بڑے شہر سے اپنی تجارت اور ضرورت کی چیزیں منگوانی ہوں تو شوق سے اس کمپنی کو لکھیں - آپکی ساری فرمائشیں مختلف کمپنیوں سے فراہم کرکے عہر (ایکروپیہ چار آنہ) فی صدی کمیشن پر نہایت ارزاں بہت جلد روانہ کرے گی خصوصًا پریس کے جملہ سامان ہر قسم کی روشنائی - وارنش - پالش پتھر - کاغذ وغیرہ کے بھیجنے اور بلاک مثلاً ہاف ٹون 'لائن، الکٹرو کے بنوانے کا کافی انتظام ہے ایک مرتبہ آرڈر دیکر آزمائیں -

(مینیجر)

ایک نظر ادھر بھی

فصل خزاں ہو صبر کہ فصل بہار ہو — سنسان دشت یا چمن لالہ زار ہو

تمباکو کے دھوئیں کی کرامت تو دیکھئے — پہونچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

اگر آپ تمباکو کا شوق رکھتے ہیں تو گیا کے اس کارخانہ کا تمباکو پیجئے۔ جو پینے میں اعلیٰ خوشبو میں نرالا پینے ہی طبیعت کو مست بنانیوالا جگر کو تازگی و دلکو راحت پہنچانیوالا نہایت پائدار خوشبو رکھنے والا جس کی نہایت میٹھی خوشبو کیسا منے گیا کے کل تمباکو پھیکے پڑگئے ہیں جس خمیرے کی پیاری خوشبو سے آپ خود اور آپکے دوست حیرت میں ہو جائیں گے جسکو نہایت صفائی کیساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ خوبی تو یہ ہے کہ بہت دیر تک تمباکو جلتے رہنے بھی اکھڑنے کا نام نہیں اسی لئے تو ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے صرف ایک بار آزمائش کریں - فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے -

ہیڈ آفس پرانی گودام گیا } تمباکو منگانے کا پتہ یہ ہے - کرامت میاں تمباکو کارخانہ { برانچ آفس - کچہری روڈ گیا

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی

عرق موتیابند

یہ عرق اپنی سچائی کی وجہ سے تمام دنیا میں مثل آفتاب کے روشن ہے آنکھوں میں پہونچتے ہی بجلی کی طرح پتلی کی رگوں میں دوڑ کر فوراً موتیابند کو صاف کرنا شروع کر دیتا ہے اس کے استعمال سے چشمہ ہمیشہ کیلئے اتر جاتا ہے۔ صرف دو ہفتہ میں اندر پانی کا گرنا کافور ہو جاتا ہے اگر پھول چیچک کی نہ ہو تو تین روز میں ماڑا کو ایسا صاف کرتا ہے کہ جیسے پھٹکری پانی کو صاف کرتی ہے الغرض جملہ امراض چشم کو ہفتہ کے اندر دور کرتا ہے۔ اگر فائدہ نہ ہو تو دوگنی قیمت واپس

قیمت بڑی شیشی للعہ چھوٹی شیشی عہ

ہمدم حیات

جریان مردوں کیلئے دیمک ہے تو سیلان رطوبت بھی عورتوں کیلئے گھن سے کم نہیں جریان مردوں میں عام ہے تو عورتیں بھی اس کی عموماً شکار ہیں چند علامتیں تحریر کرتا ہوں ہاتھ پاؤں میں سوزش چہرہ اداس مرجھایا ہوا بلا وجہ طبیعت کا گھبرانا۔ خود بخود غصہ ہونا یا بیگانہ قبض۔ غذا کا کم ہونا کبھی بیہوش ہونا حرارت کا موجود رہنا ہمدم حیات ان بیماریوں کو دور کرنے میں واقعی اکسیر اعظم ہے ہزاروں بے زبان عورتوں کی جانیں بچ چکی ہیں پہلی خوراک میں صداقت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

قیمت چالیس روز کی خوراک۔ للعہ ۲۰ یوم کی خوراک عہ

پرمائی سالٹ

دائمی ریاحی درد کے لئے بجد مفید ہے پیٹ میں درد ہو۔ بدہضمی کی شکایت ہو کھٹی ڈکار آتی ہو جگر کا فعل خراب ہو پیٹ پھول جاتا ہو قبض کی شکایت ہمیشہ رہتی ہو جس کے باعث سر میں درد رہتا ہو طبیعت متلاتی ہو اکثر طبیعت بھی گھبراتی ہو تو بہت جلد اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے اس کا تدارک کیجئے اور پرمائی سالٹ استعمال کیجئے اور اس کی زود اثری ملاحظہ کیجئے ہزاروں کی تعداد میں روزمرہ فروخت ہو رہی ہے۔

قیمت فی شیشی عہ ایک شیشی میں ایکہزار خوراک ہوتی ہے

پائریا ہمیشہ کیلئے جان چھوڑ کر بھاگیگا

آزمائش کیجئے اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے پہلی خوراک میں درد کو کافور کرتا ہے چند فوائد ملاحظہ ہوں دانت میں درد ہو ہلتا ہو۔ جڑ بالکل کمزور ہو گئی ہو مسوڑہ پھول گیا ہو۔ خون پیپ آتا ہو منہ سے بدبو آتی ہو کھانے پینے میں دانت سہلاتا ہو تو ایسی حالت میں خدا پہ بھروسہ رکھتے ہوئے انڈین ٹوتھ پوڈر ضرور استعمال کیجئے آپ کی ساری شکائتیں آپ سے کوسوں دور ہمیشہ کیلئے ہو جائیں گی اگر فائدہ نہ ہو ہم سے قیمت واپس لیجئے۔ قیمت عہ

پوری شیشی چھ مہینے کیلئے کافی ہوگی۔

ملنے کا پتہ: ایچ۔ ایم کمپنی آئی ہاؤس رفیع گنج ضلع گیا

شربت حیات (رجسٹرڈ)

عام جسمانی کمزوریوں کیلئے بیحد مفید ہے مقوی دماغ و مقوی باہ ہے خون صالح پیدا کر کے جسم کو فربہ کرتا ہے مرد عورت بچہ سب کیلئے یکساں مفید ہے اور ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے
قیمت فی تولہ عہ

سفوف اعظم (رجسٹرڈ)۔ یہ سفوف جریان سرعت انزال وغیرہ کی شکایت کو دور کر کے مردمی کو بڑھاتا اور امساک پیدا کرتا ہے خصوصاً عورتوں کی سیلان الرحم وغیرہ کیلئے بیحد مفید ہے قیمت (۱۰ خوراک) ۱۲ر

اکسیر بخار (رجسٹرڈ) عرق جاڑا بخار ورم جگر طحال اور تپ لرزہ تپ کہنہ اور باری کا بخار اور ہر قسم کی بخار کیلئے بیحد مفید ہے حرارت اعضا شکنی کھانسی قبض وغیرہ کو دور کرتا ہے
قیمت فی پاؤ ۱۲ر آنہ فی شیشی ۶ر (ترکیب استعمال ہمراہ دوا)

سرمہ حسن نظر (رجسٹرڈ) آنکھوں کی جملہ بیماریوں کیلئے مثلاً جالا پھولا ناخونہ موتیا بند رتوندی آنکھوں سے پانی گرنا وغیرہ کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت ۸ر

لیکوریا۔ سیلان الرحم اور ماہواری کی تمام شکایتوں کے لئے اکسیر ہے۔

ان کے علاوہ ہمارے یہاں ہر قسم کی مفردات و مرکبات کافی تعداد میں موجود رہتی ہیں

نیشنل دواخانہ نمبر ۱۰۹ اپر چیت پور روڈ کلکتہ

تمام قسم کے بندوق، رائفل اور کارتوس کیلئے

ان سی ڈاؤ

کی دوکان میں ایک مرتبہ تشریف لا کر آزمائش کیجئے
ہیڈ آفس:۔ ان۔ سی ڈاؤ اینڈ کو نمبر ۹ ڈلہوزی اسکوائر
پورب جانب کلکتہ

برانچ۔ رانی گنج، ای۔ آئی۔ آر۔ رانچی۔ بہار

بنگال اسٹشنرس سنڈیکیٹ
نمبر ۱ مشن روڈ کلکتہ

مینوفیکچررس۔ اینورڑس۔ ریپررس

ہمارے یہاں خوردہ اور بیوپاری اسٹیشنری کا سامان فروخت ہوتا ہے اور چھپائی کا کام نہایت ہی اچھا کیا جاتا ہے اس کے علاوہ انجینیرنگ اور میتھاٹیکل انسٹرومنٹ اور ڈرائنگ و پینٹنگ کے سب سامان بکفایت ملتے ہیں

سروتہ برینڈ زردہ فیکٹری
شمیمی زردہ، دلاری قوام، کیسر بلاس استعمال کیجئے

شمیمی زردہ ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جو عام بازاری زردوں سے ممتاز کرتی ہیں اس کے اجزا ترکیبی میں کوئی جزو مضر صحت نہیں ہے اسکی تیاری میں صفائی و ستھرائی کو خاص طور پر محفوظ رکھا ہے دلاری قوام خوشبو اور لذت کے اعتبار سے اپنی آپ نظیر ہے شائقین حضرات استعمال کر کے ہمارے دعوے کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ کیسر بلاس پان کی جان ہے خوشبو دار خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہے اس کے استعمال سے دل و دماغ میں فرحت پیدا ہوتی ہے ان اصحاب کے کام کی چیز ہے جو زردہ اور قوام استعمال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہر طرح کے عطریات اور عرقیات کے لئے بھی یہ کارخانہ بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔

ایم الیس ورکس نمبر ۲۲ ترہٹی بازار اسٹریٹ کلکتہ

دنیائے طب کا حیرتناک اضافہ

افیون چھڑانے کی لاجواب دوا

عرصہ سے دنیا کا تقاضا تھا کہ کوئی چیز ایسی ایجاد ہو جو افیون کے عوض استعمال کر لی جائے اور کوئی تکلیف نہو کافی تجربہ کے بعد مجیدی آپکی خدمت میں ہم نہایت فخر کیساتھ پیش کرتے ہیں آپ خواہ کتنے ہی عرصہ سے افیون کے عادی کیوں نہوں تریاق مجیدی کھائیے اور وہی سکون اور لطف محسوس کیجئے دو ہفتہ کے اندر آپکو افیون کا خیال تک بھی نہیں آئیگا اور نہ اس دوا کی ضرورت رہے گی

روغن مجیدی:۔ گنٹھیا۔ انقرس۔ فالج۔ لقوہ۔ پسلی سینہ غرض ہر قسم کے درد کیلئے بیحد مفید ہے۔ گنٹھیا میں دو چار قطرے دو چار مرتبہ مالش کر کے سکائی کرنیکے بعد روئی باندھیں معمولی دردوں میں دھوپ میں بیٹھکر مالش کریں اسکے علاوہ دردوں میں خوب مل کر سینکیں اور درد کی جگہ روئی باندھ دیں

اکسیر حیات:۔ ورم طحال پیٹ کی گرانی اور نفخ کو دور کر کے بھوک لگاتا اور پیٹ کے درد سوء ہضم و ہیضہ کیلئے مفید ہے بچھو کے زہر کو دفع کرتا ہے بطور منجن کے استعمال کرنیسے دانت کے کیڑے مر کر نکل جاتے ہیں درد دور ہوتا ہے۔ دستوں کو بند کرتا ہے دوا کیا ہے اکسیر حیات ہے ایکماشہ کھا کر پانی پی لیں بچھو کے کاٹنے پر چھڑک کے پیر پر رکھ کر پانی ڈالکر ملدیا جائے

قرص مجیدی:۔ نزلہ۔ کھانسی۔ دمہ۔ انفلوانزا۔ گنٹھیا۔ آواز بیٹھنا خراش گلو۔ سانس پھولنے کو مفید ہے۔

دواخانہ پیغام شفار ۱۰۹ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ

مژدۂ راحت

ہر بیماری کا باقاعدہ علاج اور مجرب ادویات کی آرزو ہے تو کلکتہ کے نامی عالی جناب مولانا حکیم ابو الشفار سید شاہ محمد راحت حسین صاحب (راحت منزل محلہ شیر پور بہار شریف پٹنہ) یا یونانی دواخانہ نمبر ۱۰ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ سے مل کر علاج کرائیے اور صحت تامہ و قوت کاملہ حاصل کیجیے

ادویات مجربات

عرق راحت:۔ ہر قسم کے بخار طحال، جگر کی مجرب دوا ہے۔ قیمت فی شیشی ۶/

اکسیر ذیابیطیس:۔ اس مرض میں پیشاب و پیاس کی زیادتی ہوتی ہے اس کو دور کرنے کیلئے آزمودہ ہے قیمت ۴۰ خوراک عہ/ ۲۰

یونانی دوائیں:۔ مفرد، مرکب، عمدہ تازہ ارزاں یہاں سے منگائیے۔

منیجر یونانی دواخانہ
نمبر ۱۰ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ

حل سوالات مڈل

مڈل اسکولوں اور ہائی اسکولوں کے ساتوین درجہ کے امتحانات کے کل پرچوں کے سوالات سنہ ۱۹۳۱ء سے سنہ ۱۹۲۹ء تک نہایت خوبی سے حل کئے گئے ہیں۔ ہر سبجکٹ کی الگ الگ کتاب کو رٹنے کے بدلے صرف دو بار دیکھ جائیے امتحان میں پاس نہ ہوں تو ہمارا ذمہ،

قیمت سنہ ۱۹۳۱ء سنہ ۱۹۳۶ء عہ/ سنہ ۱۹۳۷ء سے سنہ ۱۹۳۹ء ۱۲/ سنہ ۱۹۳۱ء تا سنہ ۱۹۳۹ء پوراسٹ عہ/

ملنے کا پتہ **راج راجیشوری بکڈپو کچہری روڈ گیا**

ہمیشہ نکٹائی مارکہ زردہ کھائیں

دوسرے مارکہ کو ہاتھ نہ لگائیں

تمام زردوں کا بادشاہ ؟ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؟ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفرانی
تمام زردہ قواموں کا امام ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام

تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؟ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دلربا ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الائچی دانوں کا تاج شاہانہ ؟ نکٹائی مارکہ خوشبودار الائچی دانہ

اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی وہاں بھی ہے * برما بھی مدح خواں ہے ہندوستان بھی ہے

(مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو)

محمد مصطفےٰ حسین کا شہرۂ آفاق کارخانہ

نکٹائی مارکہ کی بہترین و عمدہ ترین و لذیذ ترین چیزیں مغرب و مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں بلکہ خوبصورتی، خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور خوش تر سے خوش تر نفیس پیکٹوں اور خوش وضع شیشیوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ضرور آزمائش کیجیے

شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں

ہیڈ آفس :- نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ۔ ہوڑہ

برانچیں :-

کلکتہ	بمبئی	رنگون
۱/۵۸ کیننگ اسٹریٹ	۶۱ ارسکین روڈ بمبئی	۱۱۸ سورتی بڑا بازار

NATIONAL MUSLIM ... کتب ... اسلامیہ ...

خاص نمبر

رسالہ سہیل گیا (بہار) کا جلیل القدر خاص نمبر اپریل میں شائع ہوگیا جو ۲۰۰ صفحات پر محیط ہے اور جس کا دامن آرٹ کی ۱۴ رنگین تصویروں۔ مشاہیر اہل قلم کے دس فوٹو بلاکس ۱۶ سولہ معلومات افزا بیش قیمت مقالوں۔ ۳ اور گداز رومان آفریں افسانوں اور ڈراموں۔ ۱۷ دلکش اور لاجواب نظموں۔ ۲۸ بلند پایہ وجد آفریں غزلوں سے مالا مال ہے۔

خاص نمبر کے چند درخشندہ ستارے

ادیب جلیل جناب سید مصطفیٰ احمد بلگرامی۔ ادیب شہیر حضرت ایم اسلم لاہور۔ ادیب جمیل حضرت شعلہ وارثی لکھنوی۔ رئیس الادبا حضرت ہدف اجتہادی لکھنوی۔ مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی۔ پروفیسر سید محمد طاہر رضوی ام۔ اے۔ پروفیسر شیخ عبد اللطیف تپش ام۔ اے ملتان حضرت عطاء اللہ پالوی۔ جناب سید رضا قاسم مختار۔ حضرت حمید عظیم آبادی۔ پروفیسر اختر اُرینوی ام۔ اے۔ مفتی گوہر شادانی۔ مشہور مزاح نگار حضرت مانپوری حضرت سہیل عظیم آبادی۔ جناب عش مظفر پوری۔ مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی۔ خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی علامہ شفق رضوی عماد پوری۔ حضرت احسن مارہروی۔ علامہ آرزو لکھنوی ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی۔ علامہ جمیل مظہری۔ حضرت بہزاد لکھنوی۔ جناب پیارے لال شاکر میرٹھی۔ حضرت ادیب مالیگانوی۔ پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری۔ بلبل بہار حضرت سریر کابری۔

خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے اگر آپ اسے مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مبلغ تین روپیہ سالانہ چندہ ارسال فرما کر مستقل خریدار بن جائیں۔

المشتہر

منیجر رسالہ سہیل شمسی پریس گھیسا ٹولہ گیا

صوبہ بہار کا علمی ادبی اخلاقی تاریخی تمدنی ماہنامہ
رسالہ سہیل گیا
The SOHAIL
مقام اشاعت — دفتر رسالہ سہیل

پھولوں کی بارش

HAYAT DEMAGH HAIR OIL

چار چاند ٹریڈ مارک

روغن حیات دماغ

FOUR MOON REGD T.M.

عطر ... ہمارے یہاں کا خاص عطر ہے جسکی خوشبو نہایت دلفریب اور فرحت بخش ہوتی ہے ایک بار لگانے سے آپ محسوس کرینگے جیسے کہ پھولوں کی بارش آپ پر ہو رہی ہے۔ تیز اسکی خوشبو کافی مدت تک قائم رہتی ہے اسکے علاوہ عطر ہار سنگار عطر ... اور دیگر عطریات بہترین قسم کے ہمارے یہاں سے آپ کو دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان سب کی قیمتیں بالکل مناسب رکھی گئی ہیں۔ دیگر قسم کے خوشبودار تیل و عرقیات اعلیٰ قسم کے ہم سے خریدیں ہمارے یہاں کا خاص تیل روغن حیات دماغی کام کرنے والوں کیلئے نایاب ہے۔ فہرست مفت طلب کیجئے آزمائش شرط ہے۔

حافظ محمد زکریا برادرس

۳۱/۳۶ سراج بلڈنگ فوجداری بالاخانہ۔ کلکتہ

کیا آپ کو معلوم ہے؟

کہ کون سا زردہ اچھا ہے وہ جس کے کھانے سے دل و دماغ تازہ رہیں۔ سر میں چکر نہو پان مزہ دار ہو، منہ کی تمام خرابیوں کو دور کرے۔ اس لئے عطریات کے بادشاہ

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

نے عطریات کے ساتھ ساتھ زردہ کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ پبلک کو آسانی ہو۔ آزمائش شرط ہے۔

ذیل کے پتہ سے طلب کریں

اکبر علی احمد علی اینڈ برادرس نمبر ۱۲۲ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ۔ نمبر ۱۱۶ گلی نمبر ۲۵ رنگون۔

ٹیلیفون نمبر:۔ ۵۲۰۷ بڑا بازار　　پوسٹ بکس نمبر ۲۳۲۳　　تار کا پتہ:۔ "ادویون"

پانچ ہزار روپیہ نقد انعام

بڑے دواخانہ کے انقلابی پروگرام کی دوسری قسط

ہمارا دواخانہ۔ زیر سرپرستی عالی جناب افسر الاطباء ڈاکٹر حکیم محمد علی صاحب قریشی مدظلہ العالی جس تیزی سے ترقی کے میدان میں گامزن ہے اس کا ثبوت دواخانہ کی دن دونی رات چوگنی ترقیوں سے صاف ظاہر ہے بڑا دواخانہ کلکتہ کا ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان کا لیڈنگ دواخانہ ہے جس میں دہلی کے تمام مرکبات دہلی کے بھاؤ پر اور ولایتی دوائیں مارکیٹ سے سستی فروخت کی جاتی ہیں۔

انقلابی پروگرام کی دوسری قسط ہم نہایت خوشی سے اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی مندرجہ ذیل جلد و اثر یونانی مجرب ادویات کو جو پہلے سیال کی شکل میں پیش کی گئی تھیں انہیں اب کثیر صرف کرکے خوبصورت گولیوں اور قرصوں میں تبدیل کر دیا ہے تاکہ نازک مزاج اشخاص بھی ان ادویات سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

نمبر	دوا کا نام	گولیوں اور قرصوں کی شکل	گولیوں یا قرصوں کی قیمت	سیال کی قیمت
۱	روح جگر	مرواریدی گولیاں	خوراک فی ہفتہ عگار	دو روپیہ (عگا)
۲	جریامیٹ	روپہلی قرص	״ ״ گار	ایک روپیہ (عہ)
۳	حیات آفریں	قرمزی گولیاں	״ ״ عہر	ایک روپیہ (عہر)
۴	روح معدہ اعلیٰ	آبنوسی گولیاں	״ ״ گار	دو روپیہ (عگا)
۵	اکسیر ربو	گلابی گولیاں	فی گولی ۲ر	فی خوراک ۲ر
۶	ملین مبارک	مرواریدی گولیاں	فی درجن ۶ر	
۷	جوہر عشبہ اعلیٰ	آبنوسی گولیاں	خوراک فی ہفتہ عگار	دو روپیہ (عگا)

نوٹ:۔ اس کے علاوہ اور بھی پچپن قسم کے مجربات کو مختلف گولیوں اور قرصوں کی شکل میں تبدیل کیا ہے جنکی فہرست عنقریب شائع کی جائیں گی۔

پانچ ہزار روپیہ کا نقد انعام ہم ہندوستان کے تمام یونانی اور ڈاکٹری دواخانوں کو کھلا چیلنج دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یا فرم یہ ثابت کر دے کہ ہم سے پہلے کسی نے یونانی ادویات کو اتنی خوبصورت و اعلیٰ فنشنگ گولیوں اور قرصوں میں تبدیل کیا ہے تو ہم اسے مبلغ پانچ ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے۔

المشتہر:۔ منیجر بڑا دواخانہ (گرانڈ فارمیسی) نمبر ۲۶ زکریا اسٹریٹ کلکتہ

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح

(فرماتے ہیں)

"تمہاری سیاسی برتری تمہاری تنظیم میں پوشیدہ ہے"

(ہم بھی یہی کہتے ہیں)

تمہاری اقتصادی ابتری صرف تمہارے انتشار کے سبب ہے

(دولت کی فراوانی)

اگر دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے پیسوں کو منظم شکل میں کچھ کرنے دو

شیر بنگال مسٹر اے کے فضل حق

لنگرین سیمنٹ فیکٹری کے ہڈ آفس کے معائنہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں

میں بلا تامل کہونگا کہ آفس کے تجارتی ماحول سے میں بیحد متاثر ہوا۔ اس کے ارباب اقتدار کافی دوراندیشی سے کام لے رہے ہیں اور اعلیٰ تجارتی اصول پر عمل نظر آتے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ کامیاب ہوکر رہیں گے۔ اور مجھے توقع ہے کہ مستقبل قریب میں یہ مارکٹ میں اپنا قدم جمالیں گے۔"

کمپنی کے متعلق مفصل معلومات پراسپکٹس و دیگر کاغذات کمپنی کے ہڈ آفس سے حاصل کر سکتے ہیں۔

اپنے ساتھ اپنے پیسوں کی بھی تنظیم کیجئے۔ حصے تیزی کے ساتھ بکتے چلے جارہے ہیں جلد درخواست بھیجئے۔

لنگرین سیمنٹ فیکٹری لمیٹڈ
۱۳۵ کلایو اسٹریٹ کلکتہ

عرق اکسیر اعظم
پیٹ کے بیماری کی دوا
مثلاً پیٹ درد کرنا۔ پیٹ پھولنا پیٹ میں میٹھا میٹھا درد رہنا۔ پیٹ میں گڑگڑاہٹ بے چینی ہونا۔ قبض رہنا پتلا دست آنا۔ کلیجہ میں درد اٹھنا۔ معدہ کی کمزوری کی وجہ سے غذا نہ ہضم ہونا۔ بھوک نہ لگنا۔ سینہ کا جلن معلوم ہونا۔ ورم جگر ہونا۔ تلی کا بڑھ جانا۔ پیشاب زیادہ آنا۔ یا رہ رہ کر آنا (جسکو ذیابیطس کہتے ہیں) دست اور متلی کے ساتھ قے آنا (جسکو ہیضہ کالرا کہتے ہیں) موسمی بخار کا آنا۔ یا معدہ کی خرابی سے کوئی دوسری بیماری ہو جانا۔ مرض نیا ہو یا پرانا، خدا کے فضل سے عرق اکسیر اعظم استعمال کرنے سے بالکل اچھا ہو جاتا ہے۔ قیمت۔ فی شیشی۔ ایک روپیہ تین شیشی کی قیمت۔ دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ
جناب ڈاکٹر صاحب کی رائے ملاحظہ فرمائیے
جناب ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب پٹنہ سے تحریر فرماتے ہیں۔
جناب کی دوا اکسیر اعظم چند مریضوں کو استعمال کرایا۔
پیٹ کے [illegible] امراض کے مریض اس سے برابر صحت یاب ہو رہے ہیں۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔
نسوانی
عورتوں کے پرسوت کے بیماری کی مفید دوا
آجکل ہر گھر میں عورتوں کو سفید رطوبت مثل دھات یا مٹیالے رنگ گاڑھی لیس آتے رہنے کی شکایت ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے بدن کمزور رنگ پیلا۔ ہاتھ پیر میں جلن۔ دماغ میں چکر۔ آنکھ تلے اندھیرا آجایا کرتے ہیں۔ ٹانگ میں درد۔ کمر میں درد۔ بھوک نہ لگنا۔ طبیعت میں سستی رہتی۔ حمل گر جانے۔ مردے گھبرانے۔ کمزور اولاد پیدا ہونے کی شکایت رہتی ہے
نسوانی ایسی مجرب آزمائی ہوئی لاثانی دوا ہے کہ عورتوں کی جملہ بیماری کی شکایت انشاءاللہ دور ہو جائیگی۔ قیمت۔ فی شیشی ایک روپیہ تین شیشی کی قیمت۔ دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ
نسوانی سے حیرت انگیز فائدہ ہوا
جناب مرتضیٰ حسین صاحب۔ اورنگ آباد (گیا) سے رقمطراز ہیں
جناب کی دوا نسوانی واقعی تیر بہدف دوا ہے۔ میں نے اپنی اہلیہ کو استعمال کرایا جس سے حیرت انگیز فائدہ ہوا۔ براہ نوازش ۲ شیشی نسوانی اور روانہ فرمائیے۔ مشکور ہونگا۔
(فرمائش لکھتے وقت "سہیل" کا حوالہ دیجئے)
ملنے کا پتہ:۔ ایس۔ اے۔ بی بخشی کمپنی۔ ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

عہد حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عزت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسکے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں ایک ہفتہ میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امت مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیئے گئے ہیں۔ اسکے متعلق مشاہیر کی آراء سے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا۔ (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت بہتر ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کے لئے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی چھپائی اور کاغذ ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۳؍ کے ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیجکر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر امت مسلمہ امرتسر (پنجاب)

پان کھانیوالوں کے لئے ایک قیمتی تحفہ
جیون مالتی
پان کو خوشبو اور خوش ذائقہ بنانیوالا مصالحہ
جیون مالتی جو مشک، زعفران اور قیمتی و مفید مصالحوں سے تیار کیا جاتا ہے۔
جیون مالتی بیحد خوشبودار اور خوش ذائقہ ہے، اور لطف یہ کہ تمباکو کے جزو سے قطعی پاک ہے۔
جیون مالتی منہ میں ایک خوشگوار خوشبو پیدا کر دیتا ہے جس سے پاس بیٹھے ہوئے حضرات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ قیمت فی شیشی صرف ۴؍
ملنے کا پتہ دہلی کیمیکل ورکس۔ رام ساگر روڈ گیا
غزنی ٹانک
مایوسوں کے لئے آب حیات ہے
جریان، احتلام، سرعت انزال، جلق، کثرت جماع، نامردی، عصبی کمزوری کیلئے غزنی ٹانک کا ہر قطرہ آب حیات کا کام کرتا ہے۔ غزنی ٹانک خون صالح پیدا کرتا ہے۔ جسم کو تندرست اور قوی بناتا ہے۔ کمزوری سے پیدا ہونے والے امراض مثلاً سر چکرانا آنکھوں کے سامنے اندھیرا آنا دل کی دھڑکن بھوک کی کمی۔ بار بار پیشاب کا ہونا ضعف جگر طبیعت کا ہر وقت سست اور کاہل رہنا دماغی اور محنتی کام کرنے والوں کیلئے نایاب ٹانک ہے قیمت فی شیشی ۱۲؍ تین شیشی پانچ روپے۔
منیجر غزنی فارمیسی نمبر ۸ کولوٹولہ اسٹریٹ۔ کلکتہ

تالیفات جناب خواجہ عشرت لکھنوی

شاعری کا مکمل سٹ۔ چار جلد ہیں بے استاد شعر کہنا اسکتا ہے قیمت ۶/
تذکرہ آب بقا۔ شعرائے ماضی حال کا کلام منتخب اور حالات زندگی قیمت ۳/
ہند شعراء۔ ہندوستان کے ہر مذہب و شاعر کا کلام اور حالات ۵۰ شعرا کی لاعدد
لغات اردو مکمل سٹ۔ چار جلد ہیں مصادر مفرد مصادر حتی الحروف ۔ ۔
مضمون نویسی۔ اردو عبارت لکھنے کا قاعدہ مع قواعد علم بیان ۸/
ترجمان پارس۔ اردو سے فارسی بنانے کا قاعدہ مع جدید فارسی ۶/
ہجو لی۔ بیبیوں کی تعلیم کی کتاب جدید و اضافہ مکمل ۵ جلدیں قیمت ۲/
قواعد میر۔ میر تقی میر دہلوی کے سینہ بہ سینہ قواعد قیمت ۶/
اصلاح زبان اردو۔ متروک محاورات و الفاظ کی تحقیق عہد ناسخ تا میر تک ۶/
زبان دانی۔ اردو کے مستند قواعد فصیح کی تحقیق قیمت ۶/
جان اردو۔ اردو ہندی کی حقیقت الفاظ کا فرق استعمال محاورات کی تحقیق ۶/
اصول اردو۔ صرف و نحو کے چھوٹے چھوٹے قاعدے ۶/

المشتہر: منیجر عشرت بک ڈپو احاطہ خانساماں کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

مژدہ راحت

ہر بیماری کا باقاعدہ علاج اور مجرب دوا دنیا کی آرزو ہے تو کلکتہ کے
نامی عالی جناب مولانا حکیم ابو الشفا سید شاہ محمد راحت حسین صاحب گولڈ میڈلسٹ
(راحت منزل محلہ شیر پور بہار شریف (پٹنہ) یا یونانی دواخانہ نمبر ۱۰۷
لور چیت پور روڈ کلکتہ سے علاج کرائیے اور صحت نامہ تو کاملہ حاصل کیجیے

ادویات مجربات

عرق راحت: ہر قسم کے بخار ملال جگر کی مجرب دوا ہے قیمت فی شیشی ۶/
اکسیر ذیابطیس: اس مرض میں پیشاب پیاس کی زیادتی ہوتی ہے
اس کو دور کرنے کے لئے آزمودہ ہے قیمت ۱۴ خوراک عہ/
یونانی دوائیں: مفرد، مرکب، عمدہ تازہ ارزاں یہاں سے منگائیے۔

منیجر یونانی دواخانہ
نمبر ۱۰۷ لور چیت پور روڈ کلکتہ

مکان برائے فروخت

محلہ نادر گنج واقع وارڈ نمبر ۷ میں ایک کھپریوش مکان مع ختہ باغ دکھنڈ جنگی ارہی
ایک کٹھہ سترہ دھور ہے جس کا ہولڈنگ نمبر ۶۲۲ ہے فروخت ہوگا قیمت تین سو روپیہ ہے
بیع کی مقرری ہو گا کہ نہیں ضروری معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ سے خط و کتابت کیجیے
قیس محمد خاں ہیڈ ماسٹر علی نگر پالی ام۔ ای اسکول ضلع گیا

قیمت فی ڈرام ۱ر قیمت فی ڈرام ۱ر

دی کوئین ہومیو فارمیسی

کلکتہ کا واحد مسلم دواخانہ

ہمارے یہاں ہومیوپیتھک بایوکیمک کی بہترین خالص دوبیات ارزاں قیمت پر مل سکتی ہیں امریکہ کی مشہور بورک اینڈ ٹیفل کمپنی سے دوائیں براہ راست منگوائی جاتی ہیں۔ اور تمام ڈسٹرکٹ میڈیکل میں تقسیم ہوتی ہیں۔ خالص دوبیات ہی ہماری نیک نامی کی ضمانت ہیں۔ آرڈر کا خاص انتظام اسکے علاوہ ہومیوپیتھک کی کتابیں بھی ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ آرڈر دیکر آپ اپنی پوری تشفی کر سکتے ہیں۔

پروپرائیٹر:۔ **ڈاکٹر عبداللہ**

ہیڈ آفس

نمبر ۳۲ بنیا پوکھر لین کلکتہ

تمام قسم کے بندوق رائفل اور کارتوس کے لئے

ان سی ڈاؤ

کی دکان میں ایک مرتبہ تشریف لاکر آزمائش کیجئے۔

ہیڈ آفس

ان سی ڈاؤ اینڈ کو نمبر ۹ ڈلہوزی اسکوائر

پورب جانب

برانچ:۔ رانی گنج۔ ای۔ آئی۔ آر۔ رانچی۔ بہار۔

عام جسمانی کمزوری، جریان، سرعت انزال، بدہضمی، قبض، عرق النساء درد سر، درد کمر، خون کی کمی، سستی اور کاہلی کے لئے اکسیر ہے۔

قیمت:۔ ۱۰ اونس بوتل ایک روپیہ ۲۰ اونس بوتل ایک روپیہ بارہ آنہ

نیشنل ہومیو فارمیسی نمبر ۸ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

منظور شدہ محکمہ تعلیم صوبہ بہار

مطابق میمو نمبر E.R. 394 مورخہ ۵ ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء

رسالہ ماہانہ سُہیل گیا

ادارت
عارف سنسہاوی
قیصر عثمانی

پروپرائیٹر
محمد زین العابدین احمد صدیقی
سُنسہاوی

جلد ۴ | ماہ نومبر سنہ ۴۰ء مطابق شوال المکرم سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۵

لمعات

افسانہ نمبر

[illegible] ادب و [illegible] حضرات میں قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا گیا اب تک دفتر میں اس کے متعلق بہت خطوط آچکے ہیں۔ اور ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بعض خطوط تو مستقل مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان میں افسانہ نمبر کے تمام پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے ان خطوط کو پڑھکر ہماری ہمتیں اور بہت بلند ہوچکی ہیں۔ اور ہم سہیل کی ترقی و ترویج کے سلسلہ میں دو چار قدم اور آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ہمارے قلمی معاونین اور ادب نواز حضرات کی سرپرستیاں اور [illegible] اسی طرح جاری رہیں تو انشاء اللہ اس کا اظہار جنوری ۱۹۴۳ء کے پرچہ میں کر دیا جائیگا

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوبہ بہار میں افسانہ نمبر کی اشاعت کا یہ پہلا موقع ہے۔ اب تک یہاں سے جتنے رسالے بھی نکلے یا نکل رہے ہیں۔ انہوں نے شاید افسانہ نمبر نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی یا افسانہ کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ لیکن سہیل کے پیش نظر جہاں زبان و ادب کی خدمت ہے۔ وہاں فن افسانہ نویسی کو بھی عروج دیکر بلند سطح پر لانا ہے۔ ہماری یہ پہلی کوشش کہاں تک کامیاب رہی۔ اس کا اظہار ہمارے محترم دوست جناب نجم ندوی نے اپنے ایک گرامی نامہ میں اس طرح کیا ہے۔

افسانہ نمبر کا بیشتر حصہ پڑھ چکا ہوں اور باقی زیر مطالعہ ہے۔ اس عظیم الشان کامیابی پر دلی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں سہ

شادی از زندگیٔ خویش کہ کارے کردی

"یوپی اور لاہور کے لئے تو یہ چیزیں کوئی خاص وقعت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ وہاں تو آئے دن ایسے خاص نمبر نکلا کرتے ہیں۔ بلکہ بہار کی فضا میں بلا شبہ یہ ایک نئی تخلیق ہے۔ اور اس لحاظ سے اس افسانہ نمبر کو بہار کی اردو صحافت کا چشم و چراغ کہنا چاہئے۔ اس کا سہرا احباب کے سر رہا تقلید خدا کرے قیامت تک ہوتی رہے"

اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ افسانہ نمبر کی اس مقبولیت کا سہرا زیادہ تر ہمارے ان قلمی معاونین کے سر ہے جنہوں نے اپنے گرانقدر [illegible] عنایت فرمائے۔ اور افسانہ نمبر کو ہر پہلو سے مکمل بنانے میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ اس لئے ہم اپنے ان محترم دوستوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ خدا کرے ان کی ہمدردیوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے

شکوۂ بیجا

ستمبر کے سہیل میں قارئین سہیل سے التجا کی گئی تھی کہ افسانہ نمبر کو بحفاظت تمام حاصل کرنے کے لئے تین آنہ کا ٹکٹ [illegible] بھیجدیں۔ اور ڈاک کی بدعنوانیوں کی وجہ سے نمبر دوبارہ روانہ کرنے کے خرچ سے اس جنگ کی گرانی میں بچا [illegible] اس کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ دی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کافی تعداد میں نمبر غائب ہوئے۔ اور دفتر کو ایک نقصان [illegible] حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی بات تھی کہ یہ ٹکٹ دفتر کچھ اپنے لئے نہیں طلب کر رہا تھا۔ بلکہ اس سے پرچہ بحفاظت تمام پہونچ [illegible] پر انتظار کی زحمت جو اٹھانی پڑتی ہے۔ اس سے بھی نجات ملجاتی۔

ایجنٹ صاحبان کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دفتر میں افسانہ نمبر کی صرف چند کاپیاں جدید مستقل خریداروں کے لیے محفوظ رکھی گئی ہیں اس لئے ان کی مزید دوبارہ سہ بارہ فرمائشوں کی تعمیل نہیں ہوسکتی۔ دیگر حضرات بھی صرف افسانہ نمبر کی خریداری کیلئے دفتر میں خط لکھکر فضول پیسے نہ ضائع کریں۔ ہاں اگر افسانہ نمبر سے سہیل کی مستقل خریداری قبول کر لی جائے تو اس صورت میں افسانہ نمبر مفت ملجاتا ہے۔

ہمیں یہ خبر سنکر نہایت افسوس ہے کہ سہیل کے قلمی معاون اور ہمدرد جناب بی۔ آر تپش تیغپوری کی والدہ محترمہ تاریخ ۷ نومبر ۴۰ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرماگئیں۔ ماں کا سایہ اٹھ جانے کا غم کس قدر حوصلہ شکن اور ہمت آزما ہوتا ہے اس کا اندازہ وہی حضرات کرسکتے ہیں جن کے ہاتھوں نے اس مبارک ہستی کو قبر میں اتارا ہے۔ ناچیز ایسا ہی ہے اور ان کی نظریں صرف ایک مرتبہ اسے دیکھنے کی آرزو میں ادھر ادھر بھٹک رہی ہیں۔ کاش یہ آرزو پوری ہوسکتی!!!

دعا ہے کہ خدائے قدوس مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان خصوصاً ہمارے محترم دوست کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ضروری تصحیح:— افسانہ نمبر میں کتابت کی چند صریح غلطیاں رہ گئی تھیں جن کی تصحیح ذیل میں درج ہے

صفحہ	کالم	سطر	صحیح	صفحہ	کالم	سطر	صحیح
۳۰	۱	۱۰	دل پکڑ پکڑ کے بیٹھ جاتے تھے	۴۱	۲	۱	روپیوں کی ڈھیری
۳۱	۱	۱۴	سامنے آ کے وہ نظروں سے پنہاں ہوگئیں	۳۵	۱	۱۸	لکھنے کی میز
۵۰	۱	۲۵	پہلوگوں کا پوزیشن نازک ہو جائے گا۔	۹۸	۱	۲۵	محبت کی پینگ بڑھانے میں

صبحدم طائران خوش الحان — پڑھتے ہیں "کل من علیہا فان"

دنیائے اسلام میں یہ خبر نہایت رنج و غم کے ساتھ سنی جائیگی کہ مدرسہ انوار العلوم گیا کے بانی اور صوبہ بہار کے نائب امیر شریعت جناب ابو المحاسن مولانا محمد سجاد صاحب بتاریخ ۱۸ نومبر ۴۰ء بوقت پونے پانچ بجے دن دارالامارت پھلواری شریف میں رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولانائے مرحوم قصبہ بہار شریف کے قرب و جوار کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تکمیل تعلیم کے بعد کچھ دنوں مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس رہے پھر الہ آباد پہنچکر جس سرچشمہ سے آپ سیراب ہوئے تھے اسی مدرسہ میں تشنگان علم کی پیاس بجھانے لگے پھر کچھ دنوں کے بعد اپنے استاد حضرت مولانا عبدالکافی صاحب (بانی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد) کی اجازت سے اپنے ایک لائق اور نوجوان ہمت شاگرد مولانا محمد عبدالحکیم صاحب کو لیکر گیا تشریف لائے اور ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد ڈالی جو اسوقت تک قائم ہے۔ ادھر تقریباً بیس سال سے آپ سیاسی زندگی بسر فرما رہے تھے۔ گو کسی حال میں مدرسہ سے غافل نہیں رہتے تھے۔ خدا مدرسہ کو آپکا نعم البدل عطا فرمائے۔ اور آپکے جانشین مدرسہ کے نائب ناظم مولانا محمد عبدالحکیم صاحب موصوف کو عزم استقلال میں برکت دے۔ نیز اس دینی درسگاہ کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مرحوم کے انتقال کے متعلق ایک مختصر سا قطعہ تاریخ تحریر میں فی البدیہہ ناظرین سہیل کے پیش نظر ہے:—

صد حیف ابو المحاسن سجاد نیکذات — اک فرد بے مثال تھے جو اس دیار کے
دنیائے بے ثبات کو وہ کہہ کے الوداع — مہمان آج ہوگئے دار القرار کے
سر زندگی کا کاٹ کے لکھ دو کسن وفات — تھے نائب امیر شریعت بہار کے

صبح عید کا ساقی نامہ

ترے نثار ہٹادے نقاب اے ساقی
دکھادے روئے منور شتاب اے ساقی
نہیں ہے صبر کی اب مجھکو تاب اے ساقی
پلادے آنکھوں سے جام شراب اے ساقی
سوائے بادہ کشی اور کوئی کام نہیں
یہ صبح عید ہے صبح مہ صیام نہیں

شراب ہئے تو آئے پری کی صورت میں
نئی امنگ نیا جوش ہو طبیعت میں
کسی کی آنکھوں کو میں چوم لوں مسرت میں
شراب حسن ڈھلے ساغر محبت میں
رہیں نہ آج مری دل میں حوصلے دل کے
جو آئے غش بھی تو ساقی ترے گلے مل کے

دکھائے آنکھیں جو مجھکو تو کیا مزہ آئے
شراب تند پیالوں سے کچھ چھلک آئے
یہ برہمی کی ادا ایسا مجھکو تڑپائے
بلائیں لوں میں ادھر اُس طرف وہ شرمائے
جو پھیرے آنکھیں تو مٹ جائیں حسرتیں جی کی
کہوں میں رو کے نگاہ کرم ہو اے ساقی

یہ روز عید یہ ساقی کی چشم مستانہ
نگاہ پڑ گئی جس پر ہوا وہ دیوانہ
بنا ہے میکدہ ہر سے یہ میخانہ
شراب عشق ہے اور حسن کا ہے پیمانہ
حسین جمع ہیں ارمان دل نکلتے ہیں
عجب مزہ ہے کہ آنکھوں سے جام چلتے ہیں

نئی ہے عید نیا آج ہے سماں دیکھو
کہ جھک کے دیکھتا ہے زمیں کو آسماں دیکھو
جو عید کی ہے مسرت وہ تم یہاں دیکھو
خوشی سے رنگ ہے شیشوں کا ارغواں دیکھو
چڑھا کے بادہ ہر اک تشنہ کام ہنستا ہے
پہن کے سرخ لباس آج جام ہنستا ہے

یہ جشن عید یہ سامان جشن شاہانہ
یہ میکشوں کا ہجوم اور صحن میخانہ
جو نیم باز ہے ساقی کی چشم مستانہ
شراب ناب کا آدھا ملا ہے پیمانہ
یہ بزم رند جہاں رنج دور رہتا ہے
کہ بے پئے ہوئے ہر دم سرور رہتا ہے

وہ مغبچوں کے اشارے وہ دور پیمانہ
ادا وہ ساقی مہوش کی دل ربایانہ
بہک رہی ہے بہت آج چشم مستانہ
لبوں پہ میکشوں کے ہے صدائے رندانہ
رسا فدا ہیں جو میکش ادائے ساقی پہ
گرے ہیں کھا کے جو غش بھی تو پائے ساقی پہ

"رسا ہمدانی گیاوی"

ایک تنقیدی مقالہ — سہیل خاص نمبر کے متعلق

افسانۂ ما با دیگراں

زبان اُردو میں جس طرح لفظ تنقید بمعنی نقد (پرکھنا) غلط استعمال ہوتی ہے اسی طرح فن نقد کا مصرف بھی صحیح نہیں کیا جاتا۔ تنقید کرنا جتنا مشکل ہے اس کو اتنا ہی آسان سمجھا جاتا ہے، ایک خاص جذبہ کے ماتحت قلم اٹھایا اور کسی کی تعریف یا تنقیص کر ڈالی گویا حق نقد ادا کر دیا، حالانکہ تنقید کی ذمہ داری کو سمجھ کے فنی حیثیت سے اس کے صحیح فریضہ کو ادا کرنا کارے دارد، اور اگر کوئی اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے تو جن پہ تنقید کی جاتی ہے وہ اپنی تائید پر تو خوش ہوتے ہیں اور اگر کسی لغزش کی گرفت کی جائے تو غیر معصوم ہونے پر بھی غلطی ماننے کے لئے تیار ہوتے اور اس میں اتنی رد و کد ہوتی ہے کہ اصل مبحث ترک ہوتا ہے اور ذاتیات کی نوبت آجاتی ہے اس لئے میں رسالہ سہیل کے خاص نمبر پر . . . تفصیلی تنقید کرنے سے صرف نظر کرتے ہوئے بعض حصوں پر مختصراً اور دو مضمونوں کے ایک ایک پہلو پر تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ رائے زنی کرنا چاہتا ہوں۔

جناب عارف صاحب قابل مبارکباد ہیں کہ رسالہ سہیل کو اتنی مختصر دیگراں زندگی میں اس قابل بنا لیا کہ ایک ضخیم اور دیدہ زیب خاص نمبر شائع کر سکے جس کی لوح خوش منظر، کاغذ غنیمت اور طباعت صاف ہے، سہ رنگی تصویروں میں مجنوں کی تصویر میں نہ سبحان اللہ کہی گئی ہو کاش کوئی دل جلا شاعر پیر ایک نظم بھی کہہ دیتا۔ یک رنگی تصویروں میں دریائے برہمپتر کی تصویر زائد دلکش ہو جاتی اگر سہ رنگی ہوتی۔ شیخ سعدیؒ تصویر ایرانی آرٹ تو ضرور ہے لیکن تمثال سعدی ہونے کی سند چاہتی ہے۔

نظموں میں رکشا والا، مشرق و مغرب کا مکالمہ، مزدور کی فریاد وغیرہ کامیاب نظمیں ہیں

افسانوں میں "وہ رات" اچھا لکھا ہے اور "نیرنگ خیال" کو اس حسن سے اُردو بنایا ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ رہا میرا افسانہ "نور و . . ." تو اس کے متعلق بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ رسالہ بھر میں سب سے زیادہ غلط کتابت اسی کی ہوئی ہے لفظوں کی لفظیں بلکہ بعض جملے تک لکھنے سے رہ گئے ہیں اور کہیں کہیں پر کچھ لفظیں بڑھ گئی ہیں، کچھ بدل گئی ہیں جن سے عبارت میں بے ربطی آگئی ہے۔

ڈراما ایک ہی ہے "نغمہ رباب" اور خوب لکھا ہے۔

مقالوں میں "طلسم ہوشربا" پر اچھا تبصرہ کیا ہے صرف ہمزہ کے آخری ساسانی بادشاہ ہونے میں کلام ہے۔ اور اس داستان سے اُردو زبان کی معلومات جتنی زائد حاصل ہو سکتی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

زلف دراز منعا سلطنت کے بعض تاریخی اجزاء پریشان ہیں اور تاریخ گوئی کے بیان میں بہت گہری ادبیت صرف کی گئی ہے، ممکن ہے انہیں دونوں خصوصیتوں کی بنا پر مذکورہ عنوان انتخاب کیا گیا ہو۔ "فردوسی و اسدی" بہت مفید مضمون ہے۔

"رباعی نگاری اور شاد" میں صنف رباعی سے کافی بحث کی گئی ہے اور نتیجہ میں عام مسلمہ کے ماتحت رباعی کو بحر ہزج کا پابند تسلیم کیا گیا ہے لیکن میں "ناواقف فن" ہونے کی وجہ سے دولت شاہ سمرقندی کا مؤید ہوں کیونکہ فنی حیثیت سے کسی اور صنف شاعری کو کسی ایک بحر کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا بلکہ غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، مثلث، مخمس، مسدس، مسمط، ترجیع بند، ترکیب بند، گرہ بند وغیرہ کی تقسیم قافیہ اور طرز کے

لحاظ سے کی گئی ہے اس لئے رباعی میں بھی قافیہ اور طرز ملحوظ رہنا چاہیئے۔ رہا قطعہ تو وہ دو شعر کا پابند نہیں ہوتا کم از کم دو شعر اور زائد سے زائد ایک پوری نظم بھی قطعہ ہوتی ہے، پھر قطعہ میں مطلع بھی شرط نہیں ہے اور رباعی میں پہلے دو مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے بلکہ بعض اوقات چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ ہو جاتے ہیں اس لئے ان دونوں میں مناسب تقسیم یوں ہو سکتی ہے کہ دو شعر با مطلع ہوں تو رباعی اور دو سے زائد یا دو شعر بے مطلع ہوں تو قطعہ۔

صورتوں میں راجہ رام نرائن موزوں کی تاریخی زندگی پر جتنی تیز روشنی ڈالی گئی ہے اس کی ادبی زندگی اتنی ہی دھندلی ہو گئی ہے، اگر اس پہلو کو بھی روشن کر دیا جاتا تو اور اچھا تھا۔

عطا بہاری کی ادبی زندگی دکھاتے ہوئے ان کو لکھنؤ اسکول کا متبع بتایا ہے اور حدود تعلیم معین کئے بغیر کہہ دیا ہے کہ "وہ تسلیم لکھنوی کے شاگرد ہیں بلکہ اس لئے بھی جبکہ متقدمین شعرائے لکھنؤ سے کسب فیض کیا تھا اس لئے بہار کا بھی ماحول تھا یہی وجہ ہے کہ ہم کلام عطا میں لکھنوی طرز کی جھلک دیکھتے ہیں" اس کے بعد لکھنوی طرز کی مثالیں دئے بغیر کلام عطا کے نمونے پیش کئے ہیں۔

نفس مضمون میں صوبۂ بہار کا ماحول بھی تشریح طلب ہے اس لئے اس سے قطع نظر اگر استاد کے مذاق سخن سے شاگرد کا متاثر ہونا ضروری ہے تو عطا بہاری لکھنؤ اسکول کے نہیں بلکہ دہلی کے اسکول کے متبع ہو جاتے ہیں کیونکہ تسلیم لکھنوی شاگرد تھے نسیم دہلوی کے نسیم نے اپنے شاگرد کو دہلی اسکول تعلیم دی اور تسلیم نے اپنے شاگرد کو وہی سکھایا جو خود سیکھا تھا، یہی سبب ہو سکتا ہے کہ جو مثالیں لکھنؤ اسکول کی سند میں پیش کی گئی ہیں وہ بھی دہلی اسکول کی نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، ملاحظہ ہو ابتدائی کلام کی مثالیں یہ ہیں ؎

(عطا بہاری)
مانا کہ فراموش ہوئے عہد وفا سب
بھولے سے تری یاد بھی جاتی نہیں جاتی

(ذوق دہلوی)
مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے
کہہ دو ہم سے نہ کوئی دے کے نشانی مانگے

(عطا بہاری)
کیوں بگڑے بوسہ لے کے پھر لو جب ہم نے یہ کہا
بولے یہ اپنی وضع نہیں، جو دیا دیا

(درد دہلوی)
کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قند مکرر ہو نہیں سکتا

اس کے بعد رعایت لفظی کی مثالیں دی ہیں اور یہ لطف ہے کہ انکی سند بھی دہلی اسکول سے ملتی ہے ؎

(عطا بہاری)
افشاں بھری جبیں جو یاد آئی رات بھر
گن گن کے تارے صبح کا تڑکا بنا دیا

(ذوق دہلوی)
چنی تو نے افشاں جو لے مہ جبیں ہے
ستاروں میں کیا کیا چنان و چنیں ہے

(عطا بہاری)
لکھے ہیں شعر مدح میں دندان یار کے
گوندھے ہیں ہم نے ہار دُرِ شاہوار کے

(یکرنگ دہلوی)
لگے ہیں خوب کانوں میں بتوں کے
سخن یکرنگ کے گویا گہر ہیں

(نسیم دہلوی)
رشک اسقدر دیا لب و دندان یار نے
گوہر عدن سے لعل یمن سے نکل گیا[۱]

---

[۱] ان خیالات کا اصلی ماخذ فارسی ہے، عطا کے دوسرے شعر اور یکرنگ و نسیم کے شعروں کا لگاؤ ملاحظہ ہو ؎

(حافظ)
کس نداند گفت شعرے زیں نمط
کس نیارد سفت دُرّے زیں قبیل

(کمال)
چوں بخندد دہان شیرینت
پردہ لؤلؤ عدن بدرد

اس کے بعد لکھنوی محاوروں اور تشبیہوں کی مثالیں لکھی ہیں اور اتفاق سے وہ بھی لکھنؤ تک محدود نہیں ؎

(عطا بہاری)
جب اُٹھ کھائے میرے عطا اُس وقت مرا ماتھا ٹھنکا
کس واسطے طرز سخن بدلا کیوں حیلہ وفن کو چھوڑ دیا

(نثار دہلوی)
ہم آ گئے ہی سمجھے تھے وہ گھر کو سدھارے گا
جس وقت گجر باجا ماتھا مرا ٹھنکا تھا

جب میں نے خون کو چوس لیا اشک آنکھوں سے ٹپکا نیل ڈھلا
یاقوت بدخشاں میں نہ رہا موتی نے عدن کو چھوڑ دیا

(مومن دہلوی)
کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا

عطا نے دوسرے شعر میں خون کو یاقوت سے اور اشک کو موتی سے تشبیہ دی ہے نسیم دہلوی کے یہاں اس کی بھی نظیر موجود ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے یہاں یاقوت کے بجائے لعل ہے اور یہ کوئی خاص فرق نہیں کیونکہ دونوں کے رنگ ایکساں ہوتے ہیں، رہا موتی سے عدن کا تعلق وہ انہیں کے ایک شعر میں اوپر آچکا ہے ؎

(نسیم)
خوں ٹپک کر آنکھ سے پھر اشک تر پیدا ہوا
معدن لعل بدخشاں میں گہر پیدا ہوا[۵۱]

(عطا بہاری)
لاکھا جما کے سُرخ لبوں پر غضب کیا
گلبرگ تر کو آپ نے سوسن بنا دیا

(ذوق دہلوی)
دیکھنا اے ذوق ہونگے آج پھر لاکھوں کے خون
وہ جماتا ہے لب لعلیں لاکھا پان کا

عطا نے اپنے شعر میں لب سُرخ کو گلبرگ اور (لاکھے سے) سیاہی مائل ہو جانے پر سوسن سے تشبیہ دی ہے، دہلی اسکول کے نصاب تعلیم میں یہ سبق بھی موجود ہے ؎

(نسیم دہلوی)
یہ لب چوسے ہوئے کیونکر نہیں ہیں
کہ ہیں گلبرگ لیکن تر نہیں ہیں

(ذوق دہلوی)
اس لب لعلیں پہ ہے یہ جلوہ رنگ مسی
یا کہ سوسن[۵۲] اور لالہ مشتعل پیدا ہوا

بات یہ ہے کہ ہر زبان کی شاعری پر مختلف دور گزرتے ہیں اور ہر ایک دور کا مذاق جداگانہ ہوتا ہے، شاعری کی ابتدا سادگی سے ہوتی ہے اور انتہا تکلفات پر، فارسی شاعری کا بھی یہی حشر ہوا اور اس کی تابع اردو شاعری کا بھی یہی حال ہے، پیش رو جو گوہر لٹا چکے ہیں

---

[۵۱] یہ خیال بھی فارسی سے آیا ہے ؎

گر طمع داری ازیں جام مرصع مئی لعل
دُر و یاقوت بنوک مژہ ات باید سُفت
(آنسو، اشک خونیں)

[۵۲] نسخۂ دیگر۔ یا کہ نافرمان، و لالہ مشتعل پیدا ہوا۔ اگر اس مصرع کی لفظ کو مانا جائے تو دوسری مثال بھی ذوق ہی کے کلام میں موجود ہے فرق اتنا ہے کہ اس میں مشبہ لب نہیں گر مشبہ بہ وہی سوسن ہے ؎

عکس زلف یار اور آئینۂ رخسار یار
کھینچے ہیں شام سحر تصویر سوسن آب میں

تیرے دندان مسی زیب کی دیکھی جو بہار
پڑ گئی اوس سی گلشن میں گل سوسن پر

ان خیالات کا منبع بھی فارسی ہے ؎

(حافظ)
گلبرگ را ز سنبل مشکیں نقاب کن
یعنی کہ رُخ بپوش و جہانے خراب کن

(کمال)
خطے بر سوسن از عنبر کشیدی
سر خورشید در چنبر کشیدی

متاخرین انہیں پر استعارے اور تشبیہوں کی رنگ برنگی آب و تاب چڑھایا کرتے ہیں جن میں آمد کم ہوتی ہے اور آورد زائد، اس سے دلی لکھنؤ مستثنیٰ ہے نہ دہلی، دور متاخرین جیسا لکھنؤ کا گزرا تقریباً ویسا ہی دہلی کا بھی، جس طرح دور آخر میں اہل لکھنؤ[1] محسوسات و مشاہدات سے گزر کے توہمات کی ہوائیں، استعاروں کی گرہ در گرہ لگا رہے تھے اور اس بلند پروازی میں تشبیہ در تشبیہ سے پیچیدگی بڑھا رہے تھے اسی طرح دہلی والے بھی غزل کی پہیلیاں بجھا رہے تھے، جذباتی شاعری نہ اُن میں تھی نہ ان میں بلکہ اُردو میں شروع ہی سے جذبات کم تھے جو آخر میں اکثر رہ گئے کیونکہ جتنا تکلف بڑھتا گیا تغزل فنا ہوتا گیا یہی وجہ ہے کہ میر تقی میر اکبر آبادی کے تغزل کو دہلی والے بھی نہ پا سکے اور ایک لکھنؤ کو نہیں، برس گزرنے کے بعد بھی میر صاحب کے نشتر کن نہ ہوئے اس لئے اس دور کی شاعری کو لکھنؤ سکول کی تعلیم بتانا اور ناسخ اس کا ہیڈ ماسٹر قرار دینا مناسب نہیں، ہر دور کے شعراء کے پسندیدہ شعر کم اور بھرتی کے شعر زائد ہوتے ہیں، یہی حال ناسخ کے کلام کا بھی ہے کہ اس میں بلند پروازی و مضمون آفرینی زائد ہے لیکن یہ بھی نہیں کہ وہ تغزل سے بے بہرہ ہو ؎

(ناسخ) وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں	ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں
" آس کہتے ہیں جسے آس نہیں پاس نہیں	یاس ہے پر کسی حالت میں مجھے یاس نہیں
" بارود میں لگا دے کوئی آگ جس طرح	کرتے ہی عشق دل نہ رہا اختیار میں
" پہروں چپ رہتے ہیں ہم اور اگر بولتے ہیں	وہی پھر پھر کے الٹتے ہیں تمہاری باتیں
" جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی	عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
" ہر ایک کی صدائے قدم روندتی ہے دل	بہتر ہے ہم کو پاس ترے انتظار سے

اگر غالب اپنی بے انتہا مضمون آفرینی و بلند پروازی کے باوجود پسندیدہ جدت ادا کے لحاظ سے اکبر آبادی سے دہلوی بنائے جا سکتے اور دور آخر کے شاعروں میں خوش مذاقی کا سہرا ان کے سر باندھا جا سکتا ہے تو عشق لکھنوی خیالی گورکھ دھندوں سے آزاد ہونے کے لحاظ سے خوش مذاقی کا علم بردار کیوں نہ بنائے جائیں۔ اگر ناسخ لکھنوی پر ان کی تمثیل نگاری اور خدمات زبان کو نظر انداز کر کے بدمذاقی کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو نصیر دہلوی کو حد سے زائد بدمذاق ہوتے ہوئے بھی الزام سے کیوں بری رکھا جائے ؎

عشق لکھنوی	نصیر دہلوی
ہاتھ سینہ پر جو رکھو گے تو کیا ہو جائے گا	آستیں سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو پونچھ
فرق میرے دل کی سوزش میں ذرا ہو جائیگا	بنگیا موج یم خوں شکن سرخ ترا
لب تک آنے نہ دیا حرف شکایت	سقف فلک کہنہ میں کیا اس کو لگاؤں
دل ہے مرے پہلو میں طرفدار کسی کا	اے ضعف دل اس آہ کا تھم تھم نہیں سکتا

[1] ایک پارٹی نے اپنے مخصوص اغراض کے ماتحت اس دور کے مذاق کو لکھنؤ سکول کی تعلیم ہونے کا اتنا پروپگنڈا کیا ہے کہ وسعت نظر نہ رکھنے والے حضرات اس مسئلہ کو پہاڑ سمجھ کرتے ہیں اور جہاں لکھنؤ اسکول کا نام آیا وہاں اس کی بیہودہ تعلیم بھی سمجھ لیتے ہیں عبرت "عطا بہاری" میں لکھنؤ اسکول کی تعلیم کو واضح نہیں کیا گیا لیکن کلام عطا سے جو تشبیہیں پیش کی گئی ہیں وہ اسی دور کی شاعری کا نمونہ ہے اس لئے ضرورت پڑی کہ اس پارٹی کی غلط فہمی پر روشنی ڈالی جائے۔

(ہاتف اجتہادی)

تعشق لکھنوی

ذرا پھول سے پاؤں میلے ہوں گے
تم آؤ ہم آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
بنی ہے کیا دل بیتاب پر خدا جانے
کچھ آج اشک بھی آنکھوں سے بیقرار آئے
صد شکر صبح ہونے نہ پائی کہ مر گیا
بارے خجل ہوا نہ شب انتظار سے
اب اگر تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں
درد دل اتنوں دنوں سہا ہے کہ عادت ہو گئی

نصیر دہلوی

چرائی چادر مہتاب شب مےکش نے جھیلوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر
دھر روش پشت فیل پر پڑا اور اسکی خرطوم آب فشاں
مجھ سے تشبیہ جلوہ گر ہے فلک پہ بجلی نہیں پہ بادل
ابر سیہ میں دیکھی تھی بگلوں کی قطار اس شکل سے ہے
یاد دہانے بھر کے ترے دندان مسی زساون بھادوں
خال پشت لب شیریں ہے عسل کی مکھی
مدح فرہاد پیٹ بنکے جبل کی مکھی[۱]

جب یہی کلیہ ٹھہرا کہ اُستاد کا اثر شاگرد پر ضرور پڑتا ہے تو ذوق و مومن شاگردان نصیر بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے لہذا چند مثالیں انکے کلام سے بھی لکھی جاتی ہیں۔

ذوق دہلوی

مرا دل آگے ہی سینہ میں جب پھوڑا سا پکتا ہو
خیال خط سبز یار نے کیوں برگ پان باندھا
دل جو ہے جام شراب ہوس جام شراب
اس میں ہے خال سویدا مگس جام شراب
مجنوں نے دی لگا جو سر خار زار پشت
پشت اب ہجوم خار سے ہے پشت خار پشت[۲]
مصحف روئے یار میں دیکھا ہے موجز خال کا
لکھتے ہیں قل ہو اللہ ہم ایک چنے کی دال پر
گلشن کو آب گر مژہ اشکبار دے
بلبل بجائے بیضہ در شاہوار دے
رونگٹے یار کے پشت لب شیریں پہ نہیں
شہد پر بیٹھ کے ہیں پائے مگس ٹوٹ گئے

مومن دہلوی

وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دم بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشم پری سے ہم
اشک ٹپتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہن زخم گلو کرتے ہیں
بھلا کب اشک آ کر اسکی چشم سرمگیں میں ہے
عصائے آبنوسی کا دست بیمار حزیں میں ہے
تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے
نقش پا بر نقش پا ظالم کف افسوس ہے
چشم دریا بار ہے اس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزائے پر طاؤس ہے
سرگرم مدح غیر دم شعلہ زن سے ہے
دو رخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

مومن دہلوی کے شاگرد تھے نسیم دہلوی (استاد الاستاد عطا بہاری) اسلئے انکا بھی اپنے استاد کے مذاق سے متاثر ہونا ضروری ہوا۔

---

[۱] انکی ایک اور غزل کا ایک قطعہ بھی قابل دید ہے: یہ ہے مجنوں نہیں آہوئے لیلیٰ ہے تو سینگ بھجے ہے یہ ہیں خار

[۲] اس مطلع میں پہلے مصرع کی ردی ساکن ہے اور دوسرے مصرع کی ردی متحرک ہو گئی (دہ ف) — بہن کر پوستیں نکلا ہے گھر سے / لگے ہیں پاؤں میں نکلے ہیں سر سے

حشر کے گنتی ہے دن منہ تک ہی ہے حور کا — حاملہ ہے قبر لاشہ لے کے مجھ رنجور کا

بس زمیں پر پڑ گیا عکس لب شیریں ترا — تخم جو دہقاں نے بویا نیشکر پیدا ہوا

منہ کی لوٹ سے آنکھوں میں کیفیت نشہ کی ہے — یہ دانہ خال کا ہے یا رگس تریاک سے پیدا

نوک نیزہ و سر پہ ہے گردن پہ ہر پیکان تیر — الف زباں زیر گلو ہے اک لیہ بان بالائے سر

یہ غضب ہے بو کے گل معشوق بلبل بن گئی — کچھ نہ آیا تجھکو پاس الفت پروانہ شمع

کوتا ہے بوسہ لب شیریں پہ بار بار — وہ مور ہوں ازل سے جو تنگ دہن میں ہے

کلام فہیم سے بعض ایسی مثالیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے عطا بہاری کا خیال ملتا جلتا ہے تاکہ بیاں سے دونوں کا سلسلہ قائم ہو جائے۔ ق

یا قوت کہاں مرے دہن میں — ٹکڑا ہوگا کوئی جگر کا

چھوٹی تسلیوں کی تو تیغ گزر گئی — جلد آ ترے مریض کا تنکا کٹی جل گیا

دامن تک آ کے اشک نہ جا بجا ٹھے آنکھ میں — پھرتا نہیں گہر جو عدن سے نکل گیا

مضمون آبدار نے جنبش لبوں کو دی — گوہر سخن کا درج دہن سے نکل گیا

تارے بکھرے ہیں دامن شب پہ یہ ہے گماں — افشاں چمک رہی ہے جو گیسوئے یار پر

بوسے اگر ہم نے لئے ہیں تو دے کبھی تم کو — چھٹ گئے آپ کے احساں سے برابر ہو کر

سیاہی بے سبب لب پہ نہیں خالی یہ دھوکا ہے — گماں ہو بخت عاشق کا نہیں گلہائے سوسن پہ

در پیش ہوں گے عذر گزشتہ اسی طرح — روشن کرو نہ آج کی شب جان من چراغ

اس کے بعد ارباب نظر خود ہی فیصلہ کر لیں کہ عطا بہاری لکھنو اسکول کے متبع تھے یا دہلی اسکول کے۔

ہدف اجتہادی

جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ کا آنا ضروری ہے
اور نمونہ کا پرچہ بغیر چار آنے کا ٹکٹ آئے ہوئے
نہیں روانہ کیا جا سکتا۔
"منیجر"

گذشتہ رات

آپکے انتظار میں ہمدم

راستے سے کوئی گذرتا تھا — میں سمجھتی تھی آرہے ہیں آپ
ایک دنیا لئے اُمیدوں کی — نظریں ہوتی تھیں میری فرشِ راہ
آپ ہوتے نہ تھے تو حسرت سے — کھینچتی تھی میں ایک ٹھنڈی آہ
ذرہ ذرہ پہ تھی اُداسی سی — جیسے فطرت کا ڈھل گیا ہو شباب
تھی ستاروں کی چال سست اتنی — جیسے تیں لے رہی ہوں جیسے جواب
چاند افسردہ چاندنی بے کیف — جیسے ان پر ہو سایۂ ظلمات
الغرض کیا بتاؤں اے ہمدم — کتنی غمگیں تھی وہ گذشتہ رات

رات ہونے کو ختم جب آئی

آپ چپکے سے آئے میرے پاس — اور شانوں پہ رکھ دئیے اپنے ہات
پیار سے مسکرا کے یہ بولے — کتنے صبر آزما تھے یہ لمحات!
بیخودی مجھ پہ ہوگئی طاری — لیا انگڑائی جاگ اٹھے جذبات
ذرہ ذرہ پہ چھا گئی مستی — جیسے فطرت لنڈھا رہی ہو شراب
الغرض کیا بتاؤں اے ہمدم — کتنی رنگیں تھی وہ گذشتہ رات

"ع"

مصوّر کی موت

واقعی کرمانی میرے بچپن کا دوست تھا۔ ہم اور وہ دونوں ایک ہی محلہ میں رہتے تھے کرمانی کے پتا جی کلکتہ کے کامیاب وکیلوں میں سے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ کرمانی کو بھی وکالت میں لگانا چاہتے تھے لیکن خود کرمانی کی طبیعت آرٹ و مصوری کی طرف مائل تھی وہ اسکول میں لہٰذا اپنے اس غیر معمولی ذوق کی بنا پر ماسٹروں کی جھڑکیاں کھاتا رہتا۔ اس کے پتا جی اس سے بہت ناخوش رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ پڑھنے میں ذرا دھیان نہیں دیتا اور ہر وقت مصوری ہی کی طرف متوجہ رہتا۔ انٹرنس تک وہ کسی طرح پہونچ گیا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد اس نے اپنے پتا جی سے صاف کہہ دیا کہ اب وہ سوائے مصوری کے اور کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ آخر انکو ماننا پڑا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد میں تو علیگڑھ چلا گیا اور کرمانی مصوری کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے دہلی روانہ ہوگیا۔

اس کے ایک ہی سال بعد کرمانی کے پتا جی کا انتقال ہوگیا اب کرمانی کو اپنے شوق کے پورا کرنے کا پورا موقع ہاتھ آیا۔ باپ کا پس انداز روپیہ لیکر مصوری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے وہ فرانس چلا گیا۔ وہاں سے جب واپس آیا تو باپ کی دولت ختم ہوچکی تھی۔ لیکن اسے کچھ فکر نہ تھی کیونکہ اس کے عوض میں اس نے مصوری کی ایک قابل قدر دولت حاصل کر لی تھی۔ فرانس سے واپس آنے کے بعد میری اس سے کلکتہ ہی میں ملاقات ہوئی۔ میں اس وقت بی۔ اے۔ کرچکا تھا۔ اسکے فطری ذوق اور پھر اس کی اعلیٰ تعلیم نے اسے چمکا دیا تھا۔ وہ اب ہمارے اسکول کا کرمانی نہیں رہا تھا بلکہ اب اس کا شمار کلکتہ کے ایک کامیاب اور طباع مصوروں میں تھا۔ یوں تو اس نے اپنی زندگی میں بہت سی تصویریں بنائیں لیکن اس کی ساری زندگی کی کمائی دراصل اس کی وہ تصویریں ہیں جس میں سے ایک اس کی شہرت دولت اور عزت کا سبب بنی تو دوسری اس کی موت کا باعث ہوئی۔

اس کی پہلی تصویر تو ایک حسین دوشیزہ کی ہے جو اس نے فرانس سے فوراً واپس آنے کے بعد اس وقت کھینچی تھی جب وہ تیس برس کا ایک حسین نوجوان تھا اور دوسری ایک بوڑھی میوہ فروش کی ہے جو اس نے اس وقت بنائی تھی جب وہ ساٹھ برس کا بڈھا تھا۔

ان دونوں تصویروں کے درمیان میں اس نے بہت سی تصویریں بنائیں لیکن ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جس نے اس کی شہرت اور دولت میں کچھ اضافہ کیا ہو اس کی غیر مقبولیت نے اسے بہت زیادہ دلگیر بنا دیا تھا آخر میں اس بوڑھی میوہ فروش عورت کی تصویر نے دوبارہ اس کی کھوئی ہوئی شہرت کو واپس لا دیا لیکن اس شہرت کی قیمت اس کو اپنی جان کی شکل میں ادا کرنی پڑی جو واقعی بہت گراں تھی۔

جب اس نے بوڑھی میوہ فروش عورت کو سب سے پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو اس وقت میں اس کے ساتھ موجود تھا۔ ہم لوگ کلکتہ کے ہنگامہ خیز سڑک چورنگی پر جا رہے تھے بوڑھا کرمانی خاموش سر جھکائے میرے ساتھ جا رہا تھا۔ یکایک وہ بولا۔ سیفی! اب میں بوڑھا ہوا اب میری ہمت جواب دے رہی ہے اب میں غالباً اپنی پہلی شہرت کو واپس نہ لا سکونگا تم خوش قسمت ہو کہ اس بڑھاپے میں اپنی ادبی شہرت اور کامیابی دیکھ رہے ہو۔

مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے .. ..: میں ابھی جملہ ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس نے میرا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے کہا۔ دیکھو ذرا اس عورت کی طرف تو دیکھو۔ میں نے اس طرف دیکھا ایک بوڑھی

عورت سڑک کے کنارے کھڑی ایک ٹوکری میں کچھ پھل اور میوہ بیچ رہی تھی لیکن وہ کسی طرح کی آواز نہیں دے رہی تھی اس کی خاموشی ہی صدا تھی وہ بہت سال خوردہ عورت تھی اس کے چہرے پر جھریاں لٹک آئی تھیں۔

کرمانی اس عورت کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا وہ اسے دیکھنے میں اس درجہ محو تھا کہ وہ میری باتوں کو ایک دم نہ سن سکا۔ اس کی آنکھیں بتلا رہی تھیں کہ وہ اس عورت سے روحانی فیضان لے رہا تھا یکایک وہ بڑبڑایا ہے یہ بالکل ایسا ہے یہ ہر طرح مکمل ہے ہم نے آجتک ایسا بشرہ نہیں دیکھا تھا۔ اگر ہم اسکو کینوس پر اتار لینے میں کامیاب ہو جائیں تو ہم پھر یقینی اپنی پہلی شہرت کو واپس لے لیں گے لیکن یہ ممکن کہاں؟ میں نے پھر دوبارہ اس عورت کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا

واقعی اس کے بشرہ میں غضب کا حسن تھا اس نے کرمانی کے جذبات میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس کے چہرہ سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ حسرت حزن اور التجا کا مجموعہ تھی۔ دیکھنے والا آسانی سے اس کے اندرونی جذبات کا پتہ چلا سکتا تھا دیکھنے والے کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس پر زمانہ کی بہت سی مصیبتیں گذری ہیں۔ اور وہ چند پیسے کے پھل خریدنے کی التجا کر رہی ہے۔

"تمہارا بالکل صحیح خیال ہے کرمانی"۔ میں چلایا اس اثنا میں کرمانی دوڑ کر اس عورت کے پاس پہونچ چکا تھا میں بھی فوراً پہنچا اس عورت نے اپنی تصویر کھنچوانے سے قطعی انکار کر دیا میں نے بتلایا کہ کرمانی کلکتہ کا مشہور مصور ہے اگر اس نے تصویر بنوالی تو اس کی قسمت کھل جائیگی۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی۔ وہ عورت کرمانی کو دیکھکر غائت درجہ وحشت زدہ اور خائف ہو رہی تھی۔ اور جوں جوں ہم لوگ اس سے التجا کرتے اس کی وحشت اور بڑھتی ہی جاتی تھی کرمانی کی مقبولیت نے اس کا دماغ بگاڑ دیا تھا۔ وہ اس بات کا عادی نہ تھا کہ وہ کسی سے کسی بات کی درخواست کرے اور وہ نامنظور ہو اس عورت کے انکار سے وہ فطری طور پر کچھ جھلا گیا لیکن میں نے فوراً اس کو ہٹا کر خود اس عورت سے گفتگو کرنی شروع کی میں نے اس کی خوشامد کی ہاتھ جوڑے اور اچھی طرح سمجھایا کہ تصویر بنوا لینے سے خود اس کا کتنا بڑا فائدہ ہے۔ میں نے اسے کچھ اجرت بھی دینے کا وعدہ کیا .... پہلے تو وہ اجرت کے نام سے کچھ بدکی لیکن پھر میرے سمجھانے پر کہ یہ اجرت نہیں بلکہ بطور نذر کے ہوگا۔ وہ بڑی مشکل سے راضی ہوئی۔ میں نے اسے کرمانی کا پتہ بتلا دیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد کرمانی نے یکایک کہا جیسے وہ خواب سے بیدار ہوا ہو ...... "اب وہ نہیں آئیگی اس نے صرف بہانہ کیا" میں نے اسے یقین دلایا کہ یہ بوڑھی عورت ضرور آئیگی۔ دوسرے روز وعدہ کے مطابق وہ آگئی کرمانی نے اپنا کام شروع کر دیا۔

اس کے بعد میں نے بہت دفعہ اس عورت کو کرمانی کے تصویر خانہ میں دیکھا کرمانی تصویر کشی میں مصروف رہتا اور جب تک وہ نقاشی کرتا رہتا بوڑھی عورت کے چہرہ سے روحانی اذیت کے آثار ظاہر ہوتے۔

ایک دن میں نگار خانہ میں آیا تو کرمانی کام کرتے کرتے ذرا دم لینے کے لئے باہر چلا گیا تھا بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور چہرہ سے کرب کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ..... "اب میں زیادہ اس روحی اذیت کو برداشت نہیں کر سکتی ہوں۔ یہ میرے لئے بہت زیادہ ہے"۔

"میں سمجھتا ہوں واقعی تمہیں اس طرح کی ہیئت کذائی بنانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی"۔ میں نے اسے تشفی آمیز لہجے میں جواب دیا۔ وہ سادگی سے سر ہلا کر چپ ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے اس کو دلاسا دیتے ہوئے کہا........

"کرمانی اب وہ مصور نہیں ہے جو آج سے تیس برس پہلے تھا اس کی وہ تصویر جو اس نے ایک لڑکی کی پہلے بنائی تھی۔ دراصل اس کی شہرت کا باعث تھی اسی سے دراصل وہ منظور خلائق ہوا اور اس تصویر کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس لڑکی کو وہ ابتک نہیں بھولا ہے۔ دیکھو یہ وہ تصویر ہے"۔ میں نے کہتے ہوئے یکایک وہ تصویر بڑھا دی۔

"تمہارا کیا مطلب ہے"۔ اس نے انتہائی حسرت سے پوچھا۔

آہ بیچارہ کرمانی ایک دل شکستہ اور افسردہ انسان ہے اور یہ سب اسی لڑکی کی وجہ سے اسی حسین لڑکی نے اس کا دل چرایا ہے" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "واقعی یہ شباب ہی چور ہے"۔ اس نے برجستہ جواب دیا۔ "جوان ہونا آدمی کے لئے نعمت ہے لیکن افسوس یہ حسن و شباب زیادہ دیر قائم رہنے والی چیز نہیں۔"

"یہ تصویر کرمانی کی پہلی کامیابی تھی اس کو اس نے دس ہزار روپے میں فروخت کیا تھا لیکن اس کے بعد اس نے اس کی دوگنی قیمت ادا کر کے اس کو واپس لے لیا۔" میں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ــــ اس بوڑھی عورت نے اس تصویر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اس کو کرمانی نے پھر کیوں واپس خرید لیا۔" اس کی وجہ سوائے جذبات کے اور کیا بتائی جا سکتی ہے۔ اچھا سنو کرمانی اس لڑکی سے گہری محبت کرتا تھا اور وہ لڑکی بھی دل و جان سے اس پر فدا تھی۔ یہ ایک امیر اور پڑھے لکھے گھرانے کی پارسی لڑکی تھی۔ اور چونکہ کرمانی معمولی آدمی تھا اس لئے اس لڑکی کے والدین کرمانی کے ساتھ شادی کے بہت مخالف تھے۔ لیکن اس لڑکی نے اپنی سچی محبت پر سب کو قربان کر دیا۔ وہ گھر بار ماں باپ سب سے علیحدہ ہو گئی اور کرمانی کی ہو کر رہ گئی۔ اپنے گھر سے وہ بہت سا روپیہ پیسہ اور جواہرات لیکر آئی تھی اور جو کچھ لائی تھی سب کرمانی کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ آخر میں وہ تنگدستی سے مجبور کر دی گئی لیکن اس نے کسی بات کی ذرا پرواہ نہ کی۔ کرمانی کی دلی تمنا اس کی تصویر کھینچنے کی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اور باوجود انتہائی تکلیف کے جو ایک ناز و نعم میں پلی ہوئی لڑکی کو ہونا چاہیے اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ نگار خانے میں تصویر ہوئی۔" میں یہ قصہ بیان کرتے کرتے ذرا دم لینے کے لئے رک گیا۔ تو اس نے بڑی بے چینی سے مجھ سے قصہ بیان کرنے کی فرمائش کی میں نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ہاں تو کرمانی نے اس لڑکی کی تصویر بنائی جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس تصویر نے اس کے لئے شہرت اور دولت کا خزانہ کھول دیا وہ تصویر اس کی ایسی کامیاب ہوئی کہ سارے ہندوستان میں اس کی مصوری کی دھوم ہو گئی۔ اور وہ یکایک ہندوستان کے مصوروں کی صف میں آ گیا۔ اب اسے روپے کی کچھ کمی نہ تھی۔ وہ بمبئی کے دولتمند لوگوں میں سے تھا۔ کچھ دنوں تک دونوں کی زندگی بہت خوش گذری لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

کرمانی کی غیر معمولی شہرت اور دولت نے اس کے دماغی توازن کو برقرار نہیں رہنے دیا۔ ستائش کا نشہ شراب کے نشہ سے بھی زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ جبکہ کسی کو غربت اور گمنامی کے بعد رسائی ہو۔ اس کا دماغی توازن بالکل بگڑ گیا۔ وہ اب اپنے کو بہت بڑا آدمی سمجھنے لگا۔ اور اس لڑکی سے جو کہ دراصل اس کی تمام شہرت کی مرہون منت تھی۔ ایک طرح کی بے مہری برتنے لگا اس کے دماغ میں یہ بات آ گئی تھی کہ وہ لڑکی اس کی بیوی بننے کے لائق نہیں ہے۔ اس نئی خوش زندگی میں اسے کسی ایسی رفیقہ حیات کی خواہش تھی جو اس کی موجودہ شاندار زندگی کے شایان شان ہو۔ لیکن وہ بیوقوف تھا جو ایسا خیال رکھتا تھا۔ اس نے خود بھی اس کو بعد میں محسوس کیا۔ لیکن افسوس بہت بعد"۔

"بہت بعد کیا معنی؟"۔ اس بوڑھی عورت نے مجھے درمیان میں ٹوکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میں بتلاتا ہوں کرمانی نے جب شادی سے انکار کر دیا تو وہ بیچاری لڑکی اس کے پاس سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی۔ اس روز اس وقت سے پھر کبھی صورت نہ دکھائی۔ اور اس کا جانا کیا تھا کہ اس کی تمام شہرت کا یکایک خاتمہ ہو گیا۔ شاید اس حسین لڑکی کا سر پر سایہ ہو۔ اس تصویر کے بعد سے کرمانی برابر نیچے ہی گرتا گیا۔ اس کی شہرت اور کامیابی روبہ انحطاط تھی۔ اس نے بہت کوشش کی لیکن بے سود اس تصویر کے مقابلہ میں پھر کوئی تصویر نہ بنا سکا جو اس کی شہرت میں مزید اضافہ کرتا۔ اب کرمانی جیسا کہ تم نے خود اندازہ لگایا ہو گا بہت دلگیر افسردہ اور کھویا ہوا رہتا ہے۔ اکثر اپنی غلطی پر پشیمانی کے آنسو بہاتا ہے اور اس لڑکی سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے"۔ میں نے جب ختم کیا تو اس عورت نے ایک

ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا واقعی قصہ درد انگیز ہے۔ لیکن دنیاوی زندگی میں اس طرح کی غلط فہمیاں اکثر ہو جایا کرتی ہیں۔

دو تین روز بعد کرمانی نے اس بوڑھی عورت کی تصویر بنانی ختم کر دی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کی یہ شاہکار اسکی پہلی شہرت کو واپس لے آئیگی اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر جان توڑ محنت کر رہا تھا جب وہ تصویر سامنے آئی تو میں اس کی صناعی اور کامیابی پر مبہوت ہو گیا۔

کیوں بیٹی اس تصویر کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے! اس نے شگفتگی سے پوچھا۔ "تم نے تو کمال کر دیا یہ تصویر کیا ہے انسانی صناعی کا معراج ہے۔ سچ کہتا ہوں میں نے آج تک ایسی تصویر نہیں دیکھی تھی میں نے بڑی مسرت آمیز لہجہ میں کہا تم نے یاس و امید کے جذبات کو حیرت انگیز طور پر ایک جگہ تصویر کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ کرمانی اس تصویر سے غیر معمولی طور پر خوش تھا۔ وہ بار بار اس تصویر کو دیکھ رہا تھا میں نے اب اس تصویر کی طرف سے نظر ہٹا کر اس عورت کی طرف دیکھا جو تھک کر آرام کرسی پر گر گئی تھی۔ میں سمجھا یہ بہت پریشان ہو گئی ہے اس سے بدت گئی ہے "کیا تم اس کے انداز کی بھی تصویر کھینچنا چاہتے ہو؟ لیکن اگر یہ عالم رہا تو تم اسے کبھی فرصت نہ دے سکو گے" میں نے پوچھا کرمانی نے میری بات کا کچھ جواب نہ دیا وہ کسی گہرے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ "یہ عجیب اتفاق ہے کہ تمہاری زندگی کی دو کامیاب تصویریں دو عورت کی مرہون منت ہیں۔" میں نے طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ کرمانی کی تیز آنکھیں اپنی تازہ بنائی ہوئی تصویر سے ہٹ کر اس لڑکی کی تصویر کی طرف پڑ رہی تھی جو کسی زمانہ میں اس کے دل کی ملکہ تھی اور جس نے نہ صرف اسکے لئے اپنا گھر بار دھن دولت قربان کیا تھا بلکہ بہت بڑی شہرت کی بھی باعث ہوئی تھی۔ بوڑھے کرمانی کے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یکایک میرے دماغ میں ایک بات آئی۔ میں چونک گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے میں نیند سے جاگ اٹھا ہوں۔ میں نے غور سے بوڑھی عورت کو دیکھا اور اس لڑکی کی تصویر سے مقابلہ کیا۔ "کہیں یہ بوڑھی عورت حسن شباب کا انجام نہ ہو۔ کیا وہ حسین دوشیزہ اس کمہلائی ہوئی ضعیف عورت کی شکل میں نہیں ہو سکتی ہے حسن کی شگفتگی نے بگڑ کر یہ شکل اختیار کر لی ہو۔ کیا تعجب ہے۔ گو میرا ایسا یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا لیکن اس بوڑھی عورت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو مجھے مجبور کر رہی تھی۔ کہ میں اسے کرمانی کی وہی حسین محبوبہ یقین کر لوں اس کا ایک عجیب حسرت اور افسردگی کے ساتھ بار بار بوڑھے کرمانی کو دیکھنا خواہ مخواہ دل میں شبہ پیدا کر رہا تھا مجھے اس کا پورا یقین ہو گیا اور قریب تھا کہ میں کرمانی کی کھوئی ہوئی دولت کو بغل میں دیکھکر حیرت اور خوشی سے چلا اٹھوں کہ یکایک اس نے زور سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے آنکھوں آنکھوں میں خاموش رہنے کی التجا کی۔ کرمانی نے اب تک مجھے نہیں پہچانا ہے وہ اب تک مجھے وہی بیوہ فردوش عورت سمجھ رہا ہے خدا کے لئے چپ رہو اسے مت بتلاؤ میں تمہاری . . . . قبل اسکے کہ وہ اپنا جملہ ختم کرے بوڑھا کرمانی دوڑ کر اس کے قدموں پر گر گیا۔ اسکی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ بوڑھی عورت جلدی سے اسکی طرف جھکی اور اسے اٹھانا چاہا لیکن وہ مر چکا تھا۔ کرمانی! کرمانی! دو مرتبہ اس نے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

قبل اس کے کہ میں اسکے قریب پہنچوں محبت کے ڈرامہ کا یہ آخری منظر بھی ختم ہو چکا تھا۔ بوڑھی عورت حق وفاداری ادا کرنے کیلئے کرمانی کے ساتھ جا چکی تھی۔

"معین الدین" دردائی

خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

غزل

غضب بدست ہیں بھی ہوں بلا سرشار میں بھی ہوں
کہ اک ہم کیف چشم بادہ گون یار میں بھی ہوں

براہِ نازِ مقتل میں چلو چالیں جو مجبری کی
قضا کشتوں سے پہلے چیخ اٹھے سرکار میں بھی ہوں

نشانِ پا ہی بن کر رہ گیا ہے آخر سر کے بل مجھ کو
غشی ہر چند چوکس ہے مگر ہشیار میں بھی ہوں

وطن چھوڑا تو پھر سوئے وطن کو ٹھانہ تماشہ
اک آوارہ نشانِ نکہتِ گلزار میں بھی ہوں

فراق و وصل کے ماہر کو جنت کیا جہنم کیا
مجھے بہلا نہ واعظ آلودہ کار میں بھی ہوں

نمونہ ہے میری آشفتہ حالی جنس وحشت کا
اسی انبار سے اک مشتِ از خروار میں بھی ہوں

بھرا دامانِ بحرِ شعر دُر ہائے رضا میں سے
مگر اے جوؔد اک ابرِ جواہر بار میں بھی ہوں

جوؔد رویائی

احساسات

وہی ہیں ترے غم میں مٹ جانے والے
جو ہیں کامیابی کو ٹھکرانے والے

نہ سوچا کسی پر گذرتی ہے کیا کیا
بہت دیر کی رحم فرمانے والے

یہ رونا نہیں ہے بس اتنا سمجھئے
یونہی یاد آتے ہیں یاد آنے والے

نہ ذوقِ خودی اور نہ احساسِ ہستی
سبھی کھو چکے ہیں تجھے پانے والے

ذرا دیکھتا جا مرے دل کا عالم
ارے جانیوالے! ارے جانے والے!!

نہ رونے کو آنسو نہ ہنسنے کو محفل
عجب کشمکش میں ہیں لٹ جانے والے

یہاں ہر نفس ہے شکستِ تمنّا
جئیں اور، مجھ پر ستم ڈھانے والے

اُمنڈتے ہی آتے ہیں آنکھوں میں آنسو
نہ اب اور سمجھائیں سمجھانے والے

مری لغزشیں عین حکمت ہیں پیارے
کوئی اور ہوں گے بہک جانے والے

اسؔد کے لئے اس قدر سنگ توبہ
بس اب رحم کر، رحم فرمانے والے

اسؔد لکھنوی

اب کیا

فاضل امتحان سے پہلے ابراہیم نہ جانے کیا کیا سوچا کرتا تھا۔ شادی، آرام، راحت اور کامیاب زندگی یہ اس کے خیالات کا بنیادی مطمح تھا۔ — دن آئے اور راتیں گذریں۔ ابراہیم امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنی شریک حیات بھی منتخب کر لی۔ اور قدرت نے ایک ہی سال کے اندر اسے ایک خوبصورت سی لڑکی کا باپ بھی بنا دیا۔ الغرض اس کی تمام خواہشات کی تکمیل ہو گئی۔ لیکن یہ سب کچھ ہو سکنے کے بعد بھی ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور قابل رشک بنانے کے ذرائع اس کے پاس نہیں تھے۔ ملازمت کی تلاش میں ابراہیم صبح سے شام تک کارخانوں اور دفتروں کی خاک چھانا کرتا۔ لیکن قدرت کو شاید یہی یہ بات منظور نہ تھی۔

اسی طرح ایک نہیں، دو نہیں، بلکہ پورے ۲۴ ماہ گذر گئے۔ باپ دادا کی بچی کھچی جائیداد بھی آہستہ آہستہ سکڑنے لگی۔ ملازمت کی طرف سے ناامید ہو کر ابراہیم کو لاٹری ٹکٹ کا خریدنے کا خبط ہو گیا۔ چاہے پیٹ میں روٹی نہ ہو مگر لاٹری ٹکٹ ضرور خریدا جائے گا۔ جب قسمت ہی برگشتہ ہو تو اس اتفاقی نزول دولت کی خواہش بیکار ہے۔ اس قمار بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رہنے کا گھر بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اور یہ خاندان شہر کی ایک تنگ و تاریک گلی میں جہاں نیچے طبقے کے لوگ رہا کرتے تھے۔ آباد ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد اچانک ابراہیم کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ ایک کارخانے میں پندرہ روپے ماہوار کی ملازمت اس شرط پر ملی کہ پہلے ایک ماہ تک مفت کام کرنی پڑے گی۔ ابراہیم کے پاس ایک ماہ تک کھانے پینے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پھر بھی حمیدہ کے اصرار پر مجبوراً یہ شرط منظور کرنی پڑی۔

ایک ایک کر کے تیس دن گذر گئے۔ آج ہی ابراہیم کی قسمت کا فیصلہ ہونیوالا تھا۔ شام کو ۵ بجے اسے ایک لفافہ ملا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ یقین نہ ہوا۔ سر میں چکر آنے لگا۔ بہت مشکل سے اپنے مردہ جسم کے بوجھ کو سنبھالتا ہوا گھر واپس آیا۔

حمیدہ بڑی امیدوں کے ساتھ ابراہیم کا انتظار کر رہی تھی۔ بیچاری سادے دل کی عورت تھی۔ خدا اور رسول سے دعا مانگنے مانگتے ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں سے بھی التجا کر ڈالی تھی۔ لیکن یہ کیا؟ ابراہیم چپ چاپ کھڑے پلنگ پر لیٹ گیا۔ حمیدہ نے نہایت میٹھے لہجے میں دریافت کیا:۔

"جی اچھا ہے نا؟"

جواب ندارد ——— ابراہیم کے چہرے پر مایوسیاں چھائی ہوئی تھیں۔ اس کے لئے یہ سوچنا بھی مشکل ہو رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ جتنا غور کرتا مستقبل اتنا ہی تاریک دکھائی دیتا۔ بیوی کا محبت آمیز فقرہ سن کر اس کے ساز دل کے شکستہ تاروں میں ہلکی سی لرزش ہو گئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حمیدہ سے اب کوئی بات چھپی نہ رہی۔ اس کے شوہر شناس دل نے سب کچھ سمجھ لیا۔ وہ بولی:۔

"صبر کو کھونے سے کیا فائدہ ہوگا؟ خدا بڑا کارساز ہے۔ زندگی دکھ یا سکھ سے بسر ہو ہی جائے گی۔"

یہ جملہ کہکر حمیدہ نے ننھی منی سی مسکراتی ہوئی بچی کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ بچی کو گود میں اٹھاتے ہی وہ چونک پڑی۔ اس کا جسم توا جیسا جل رہا تھا اور پھیپھڑے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

نواب اعتماد الدولہ کامگار خاں

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

جناب حکیم محمد نقی صاحب ہنسوی کا ایک تاریخی مقالہ بعنوان بالا رسالہ ندیم ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء کے اوراق پر ناچیز کی نظر سے گذرا۔ فاضل مقالہ نگار نے اپنے مضمون کو کامیاب اور دلچسپ بنانے کی انتہائی کوشش کی ہے سانحہ جیسے جیسے ہیں آگے بڑھتا گیا شوق تیز ہوتا گیا لیکن اسکے ساتھ ہی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھکر میری دلچسپیاں پیچیدگیوں سے بدل گئیں فاضل مضمون نگار رسالہ ہذا کے صفحات ۲۰۱ و ۲۰۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

یہ واقعات سنہ ۱۷۶۱ء کے ہیں لیکن سیر المتاخرین میں حق کو بری طرح رنگا گیا ہے گویا دن کو رات بنانے کی کوشش کی گئی ہے مورخ صاحب سیر المتاخرین بڑے فخر سے تحریر فرماتے ہیں کہ جو میجر کارنک نے بادشاہ اور کامگار کو کیا وہ پورے طور پر شکست فاش دی اس فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا اور بادشاہ اور کامگار خاں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی اور موسیو لا فرانسیسی جو بادشاہ کی مدد پر آیا تھا گرفتار کر لیا گیا۔ یہ تاریخی واقعہ ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس کے جانچنے اور پرکھنے کا حق ہر ادیب کو حاصل ہے۔ تعجب تو یہ ہوتا ہے کہ جس قسم کی فتح تھی کہ دشمن کو مغلوب اور بے دست و پا کر دینے کے بعد بھی خود میجر کارنک کو صلح کا پیغام بادشاہ کے پاس بھیجنا پڑا اس پر بھی اس مغلوب بادشاہ نے اس پیغام کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ مگر جب نواب ہدایت علی خاں بہادر گورنمنٹ انگلشیہ بیچ میں پڑ کر بادشاہ کو سخت مجبور کرتے ہیں تو ناچار بادشاہ صلح پر آمادہ ہوتا ہے ہم نے مانا کہ فاتح اور مفتوح میں صلح ہوئی ہے مگر آپ نے کبھی یہ نہیں سنا ہوگا کہ فاتح کو تاوان جنگ ادا کرنا پڑا ہو بلکہ مفتوح ہمیشہ تاوان جنگ ادا کرتا ہے اور پھر صلح بھی ہوتی ہے اس شان سے کہ میجر کارنک سر سے ٹوپی اتار کر بادشاہ کی سواری کے ساتھ پیدل دوڑتا ہے اور صلح کے وقت بادشاہ تخت پر ہوتا ہے اور میجر کارنک اور دیگر انگریز افسران مع میر قاسم اور رام نرائن وغیرہم کے بادشاہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور شرائط صلح مرتب کئے جاتے ہیں ایک ہزار اشرفی نذرانہ دی جاتی ہے اور چوبیس ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر ہوتا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ فاتح کا مفتوح کو تاوان جنگ دینا صلح کے لئے پیش دستی کرنا غالب جماعت کا مغلوب کے روبرو ہاتھ باندھے کھڑا رہنا افسر مافوق کا پاپیادہ، برہنہ سر بادشاہ کے رکاب میں دور تک دوڑنا بظاہر ایک عجوبہ روزگار انوکھی سی بات معلوم ہوتی ہے فاضل مقالہ نگار کے فاضلانہ جملے "یہ واقعات سنہ ۱۷۶۱ء کے ہیں لیکن سیر المتاخرین میں حق کو بری طرح رنگا گیا ہے گویا دن کو رات بنانے کی کوشش کی گئی ہے" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف سیر المتاخرین نے موصوف کے خیال میں واقعہ کو غلط بیان کیا ہے اور خلاف واقعہ فاتح کو مفتوح اور مفتوح کو فاتح کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ چنانچہ اصل واقعہ کی تہ تک پہنچنے کیلئے ناچیز نے

تاریخ بہار، تاریخ فرشتہ وغیرہ بعض انگریزی تواریخوں کے اوراق الٹے مگر کسی مستند کتب تاریخ میں اس کی نسبت خاطر خواہ کوئی مواد نہ مل سکا سوائے سیر المتاخرین کے جملہ کتب تواریخ اپنی اپنی جگہ پر خموش ہیں کسی مستند تاریخ میں نواب سید غلام حسین خاں صاحب طباطبائی مرحوم کی اس تحریر کے خلاف کوئی تحریر نہیں ملتی ہے اور جب تک کہ کسی مستند تاریخ سے اس کا کافی ثبوت نہ ملے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ایک ایسے معتبر اور بلند پایہ مورخ کی تحریر جس کی شخصیت مسلم الثبوت[۵۱] جس کے قلم میں دم عیسیٰ کا اعجاز جو بنفس نفیس اپنے والد نواب اسد جنگ کے ہمراہ میدان جنگ میں موجود رہ چکا ہو جس کا لوہا میکلے اور مل جیسے انگریز مان چکے ہوں۔ آج تقریباً دو سو سال کے بعد ان کی تحریر محض سنی سنائی باتوں اور خیال آرائیوں سے کام لیکر غلط ٹھیرائی جائے اور نہ صرف خاندانی روایتیں[۵۲] بلا استناد و استدلال صحیح مان لی جائیں بلکہ مؤلف موصوف کی شان میں بیجا اور نا ملائم الفاظ "بڑے فخر سے فرماتے ہیں" استعمال کئے جائیں اور ان کے خلاف زہر افشانی کیجائے۔ ع

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اگر ایک طرف نواب غلام حسین خاں صاحب نے بقول فاضل مضمون نگار "دن کو رات بنانے کی کوشش کی ہے" تو دوسری طرف فاضل مقالہ نگار نے دن کو روز روشن کی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کرنے کی کونسی ہی حاصل کی ہے! کاش رات رات ہی رہتی تو واقعات دیرینہ اپنی جگہ پر حسب دستور قائم و برقرار رہتے مگر غیر مستند روایات نے تو اس کو شب دیجور کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے اور ایک عجب عقدہ لاینحل کی صورت پیدا کر دی ہے مزہ تو جب تھا کہ دعویٰ پر دلیل دی جاتی اور معتبر سندیں اور قابل قبول حوالے دیکر صاحب سیر المتاخرین کی تحریر کی تردید کی جاتی اور اپنی نئی تاویل کی صداقت کا ثبوت دیا جاتا

فاضل مقالہ نگار کا قول ہے کہ "تاریخی واقعات کو جانچنے اور پرکھنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے" میں اس پر پورا زور تائید کرتا ہوں اور موصوف کے اس خیال سے بالکل متفق ہوں لیکن اگر جانچنا اور پرکھنا اسی کا نام ہے جیسا کہ فاضل مضمون نگار نے جانچا اور پرکھا ہے

---

[۵۱] ملاحظہ ہو ندیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۷ جہاں جناب سید ریاست علی صاحب ندوی اپنے مقالہ "سید غلام حسین مصنف سیر المتاخرین" میں تاریخ ہند ۱۸۷۰ء[?] کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں

مصنف ایسی آزادی صفائی اور زور کلام کے ساتھ اپنی طرز تحریر میں اظہار خیال کرتا ہے جو ایشیائی مورخین میں مفقود ہے اور سلسلے مسلمان مورخین میں اس کا ایک ممتاز درجہ ہو سکتا ہے۔ جنرل برگس کے بقول یہ کتاب سیر المتاخرین تاریخی یادداشتوں کے طور پر لکھی گئی ہے اور یہی انداز تاریخ نویسی کے لئے مفید ہوتا ہے اگر وہ چند خصوصیات نظر انداز کر دی جائیں جو مسلمان مورخین کے ساتھ وابستہ ہیں تو سمجھ یہ کتاب یورپ کے تاریخی یادداشتوں سے کسی لحاظ سے کم نہیں اگر یہ کتاب لارڈ کلرنڈن اور بشپ برنٹ کے ناموں سے منسوب کر دی جائے تو اپنی تصنیف کو ان کے ناموں کیلئے ناموزوں نہ ہوگی۔ اس تصنیف سے انگریز اچھی طرح واقف ہیں کیونکہ مل نے اپنی تاریخ ہندوستان میں جا بجا اس سے اقتباسات نقل کئے ہیں اور یہ غلام حسین ہی ایک ایسا مسلمان مورخ ہے جس سے میکالے نے اقتباسات لیکر اس کی بڑی تعریف اور توصیف کی ہے [۵۲] خاندانی روایات سے فاضل مقالہ نگار کا کیا مطلب ہے کیا اس سے قلمی نسخہ جات یا پرانی دستاویزات مراد ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کی اصل عبارت پیش کرنی لازم تھی!

"وفا حسین آبادی"

تو ہم ایسی جانچ اور پڑتال کا ہرگز قائل نہیں کیونکہ دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں جب تک کسی تاریخی واقعہ کی نسبت ثبوت نہ دیا جائے صاحبان فکر و نظر اس کو قبول اور منظور نہیں کر سکتے۔

سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جناب حکیم صاحب نے اپنے مضمون میں سیر المتاخرین کے حوالے بھی دئے ہیں اور اسے صحیح مان کر اسکی سندیں بھی پیش کی ہیں مگر یہاں پر پہنچکر نہ معلوم کیوں مورخ عالام کی تحریر سے اختلاف کیا گیا ہے؟ اگر صاحب سیر المتاخرین غلط گو مورخ تھا تو اسکا ہر قول اصولاً غلط ہو سکتا ہے یہ کیا کہ کہیں تو وہ سچا اور مستند سمجھا جاتا ہے اور کہیں غیر مستند[1]

یا تو بیگانہ ہی رہیئے ہوجئے یا آشنا — یہ اداکیا آشنا کا ہے کبھی نا آشنا

ان حالات کے پیش نظر گذارش ہے کہ فاضل مقالہ نگار اپنے دعویٰ پر کسی مستند تواریخ کا حوالہ سپرد قلم فرما کر رات کو دن کی صورت میں اہل نظر کے سامنے پیش کریں ورنہ آج تقریباً دو سو سال بعد نواب غلام حسین خاں صاحب جیسے مستند[2] مورخ کی تحریر پر نکتہ چینی کرنا۔ انکی تحریر پر اپنی رائے کو بلا کسی مستند حوالے کے مقدم کرنا سراسر انصاف کا خون ہے۔ ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

چنانچہ اس کے متعلق اگر کوئی معترض یہ کہے کہ موقع کی نزاکت اور اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا احساس کرتے ہوئے زمانۂ مستقل میں شاہ عالم کے حملوں سے بچنے اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے میجر کارنک اور اس کے رفقائے اگر دور اندیشی سے کام لیکر صلح کر لی ہو تو یہ کونسی تعجب کی بات ہے؟ کیا یہ ترکیب میجر کارنک کی دانشمندی کا ثبوت نہیں ہو سکتی؟ میرے خیال میں شاہ عالم کو محو کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی دوسرا جادو نہیں ہو سکتا تھا؟ یقیناً یہ ایک شطرنج کی چال تھی جو بساط حکومت پر بادشاہ کو مات کرنے کے لئے چلی گئی تھی!

---

[1] ملاحظہ ہو ندیم بہار نمبر صفحہ ۵۴ مضمون نوشتۂ سید ریاست علی صاحب ندوی کی مندرجۂ ذیل عبارت۔

دوسری جلد کا وہ حصہ جو بنگال و بہار و اڑیسہ کی تاریخ میں ہے اور جس نے ۳۵۸ صفحات میں اس کے اکثر اہم موقعوں پر وہ خود موجود رہا ہے اور سیر المتاخرین کا یہی حصہ اس کی جان ہے، وہ قصر حکومت سے وابستہ تھا، اندرونی معاملات اس کے علم میں آتے اور حسب ترتیب وہ سرزد ہوتے وہ اُن سے آگاہ رہتا، دربار حکومت میں موجود رہتا، میدان جنگ میں جاتا، خفیہ گفتگوؤں میں وہ حصہ لیتا، خفیہ دستاویزیں اس کے ذریعے سے بھیجی جاتیں سفارتوں پر مامور کیا جاتا اور یہاں تک کہ اندرون محل کی گفتگو بھی سنتا (ص ۵۴۹) اس لئے جب وہ تاریخ لکھنے بیٹھا وہ ان تمام معلومات کا حامل تھا اور اب اُن کے آشکارہ کر دینے میں کوئی امر مانع نہ تھا چنانچہ اُس نے بڑی دیانتداری سے سب کچھ صفحۂ قرطاس پر لاکر رکھ دیا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سیر المتاخرین نہ لکھی جاتی تو ان حالات کا بیشتر حصہ ہمیشہ کے لئے مستور رہتا اور مورخین کو گتھی سلجھانے اور کڑی ملانے میں قیاسات کی ہزاروں عمارتیں تیار کرنی پڑتیں۔"

[2] ملاحظہ ہو صفحہ ۴۵ اور ۴۶) بہار نمبر ندیم "اس کے اہل خاندان اعظم شاہ کی فوج میں تھے اور اسی زمانہ سے سیاسیات سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قسم کی چیزوں سے باخبر رہتے پھر اسکے والد کے مرکزی حکومت دلی سے وابستہ ہونیکی وجہ سے اُسے سیاسیات کے صحیح علم حاصل ہونے کا ایک قوی ذریعہ حاصل تھا پھر اُسے اسکے انگریز دوستوں سے جو اعلیٰ مناصب پر تھے بہتیری چیزیں ملیں چنانچہ اکثر انکے حوالے سے بھی واقعات درج کئے ہیں اور خصوصاً انگریزی کیمپ کا تو اُسے مستند علم حاصل تھا اور پھر دلی اور کلکتہ وغیرہ کے سفر میں بھی شمالی و جنوبی ہند کے تماشے دیکھتا رہا اور بعض موقعوں پر خود شریک رہا۔

دنیا میں بہتیری ایسی ان ہونی باتیں مقتضائے وقت سے مجبور ہوکر کرنی پڑتی ہیں چنانچہ اسی موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے میجر کارنک نے فاتح ہوکر بھی صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا جو تواریخی حیثیت سے کوئی تعجب خیز بات نہیں ہوسکتی۔ بقول ع

امور مملکت خویش خسرواں دانند

صفحہ ۲۰۲ پر جناب حکیم صاحب موصوف اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ "یہ کہنا کس درجہ مضحکہ انگیز ہے کہ انگریزوں کو شاہی احترام منظور تھا اسو جہ کر... سی وقت بادشاہ کی کی گئی مگر میں پوچھتا ہوں کہ ۱۸۰۳ء میں جبکہ عالم شاہی خزانہ انگریزوں نے بند کر دیا تھا اس وقت اُن کا یہ جذبہ احترام کہاں چلا گیا تھا؟"

فاضل مقالہ نگار کا یہ اعتراض بھی قابل قبول نہیں کیونکہ آج جو دوست ہے وہ کل بھی دوست رہے یا آج جو دشمن وہ کل بھی دشمن ہی رہے گا یا جتنی عزت کسی کی آج ہے اتنی ہی اور اسی حد تک کل بھی رہ جائے گی ایسا کوئی قطعی کلیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دنیا کی ہر شئے تغیر پذیر ہے اور ہر چیز میں لمحہ بہ لمحہ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی کیا یہ واقعہ نہیں کہ وہی ہیں فرزند جو شاہ جہاں کی ایک اولاد صالح کی طرح عزت کرتا رہا۔ اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ حکم آنکھوں سے بجا لاتا رہا مگر جب وہی اورنگ زیب باپ کو قید کرتا ہے وہ بھی دو ایک روز کے لئے نہیں بلکہ سات سات سال کیلئے جہاں سے ضعیف العمر باپ مر کر نکلتا ہے اس موقع پر اورنگ زیب شاہ جہاں کی وہ اگلی سی عزت و توقیر کیوں نہیں کرتا؟ اس کی ذات میں اتنا تغیر کیوں رونما ہوجاتا ہے رشتۂ فرزندی میں منسلک رہنے پر بھی قدیم روابط کیوں نہیں قائم رہتے؟ یہ سیاست تھی اور صرف سیاست! جب سیاست باپ اور بیٹے میں امتیاز باقی نہیں رکھتی تو شاہ عالم اور انگریزوں کا کیا تذکرہ؟ ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ... کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

سید حیات حسین وفا

قواعد و ضوابط رسالہ سہیل گیا

(۱) رسالہ سہیل ہر انگریزی مہینہ کی ۱۶ تاریخ کو پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔
(۲) سہیل میں وہ مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں جو معیار ادب پر پورے اترتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کیے جاتے۔
(۳) سہیل کی سالانہ قیمت مبلغ ۲؎ ششماہی ۱؎۲ اور فی پرچہ ۴؎ ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۴؎ کے ٹکٹ آنے پر ارسال کیا جاتا ہے۔
(۴) سہیل میں ہر ماہ کم از کم ۴۸ صفحات کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔
(۵) جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔
(۶) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینہ کی ۳۰ تاریخ تک آنے پر رسالہ دوبارہ ارسال کر دیا جائیگا۔
(۷) سہیل میں ۴ صفحے اُن طلبار کے مضامین کیلئے مخصوص ہونگے جو سہیل کو خود مستقل خریدار ہونگے یا سہیل کیلئے دو خریدار بہم پہنچائیں گے۔
"منیجر"

ایک غریب کی عید —— کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

عید آئی ہے پیامِ جانفزا لیکر یہاں
آج ہیں محوِ طرب دنیا کے سب خورد و کلاں
ہیں فقط میرے لئے منحوسیاں اور سسکیاں
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

میں بھی انساں ہوں مرا بھی دل ہے اے میرے خدا
نغمہ گو کوئی ہے کوئی آج ہے محوِ بکا
کیوں نگاہِ گرم سے ہیں دیکھتے ارض و سما
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

ہاں سُنیگا کون کس سے میں کہوں یہ داستاں
حسرت و رنج و الم سے ہے بھرا میرا بیاں
لُٹ گیا اُف کیوں مرا دہ گلستاں بے خزاں
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

رحمتوں سے ہاں تری اہلِ دُوَل مانوس ہیں
ہاں لباسِ نو بہ نو میں آج وہ ملبوس ہیں
گُدڑیوں میں ہاں چھپا کر تن کو ہم منحوس ہیں
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

کسقدر مسرور ہیں ہاں آج یہ اہلِ دوَل
راز کیا ہے تو بتا دے اے خدائے عز و جل
کیوں ہوا ہے ہم میں ان میں اسقدر رد و بدل
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

رشک انکی دولت و عزت پہ ہاں مطلق نہیں
ہاں شکایت ہے مجھے تجھ سے یہ تا با یقیں
کیا! وہ بندہ ہے ترا اور میں ترا بندہ نہیں؟
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

اے غریبوں کے خدا فریاد ہے فریاد ہے
بیکسوں کے کبریا فریاد ہے فریاد ہے
سُن لے میرے ناخدا فریاد ہے فریاد ہے
ہر طرف چھائی ہیں کیوں منحوسیاں میرے لئے — کیوں بہار بنکے چمن میں ہے خزاں میرے لئے

"انیس الرحمن ساقی" (شیخپوری)

رولن ج

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
(غالب)

جاوید ایک حسین و جمیل نوجوان تھا۔ اسکی بے نکلف بیہ ایک غیر معمولی ذہنی تھی۔ اسکی فراخ پیشانی عمیق و علمی ذہانت کا پتہ دیتی تھی حیثیہ آباد (دکن) سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے مکان مظفر پور واپس آگیا اور اب وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ معاش اختیار کرے جس سے آزوقہ بہم پہنچنے کے ساتھ ساتھ اسے دماغی و روحانی مسرت بھی حاصل ہو۔ اس کا خیال تھا کہ تحصیل علم کی غرض و غایت محض تحصیل زر نہ ہونی چاہئے بلکہ علم سے خوشی طبع بھی حاصل کرنی چاہئے اس لئے وہ علمی فضا میں زندگی بسر کرنے کا متمنی تھا اور یہی اس کا مقصد اولیں تھا۔

اس کے پاس ایسے ذرائع موجود تھے جن سے بآسانی پولیس یا ایسے ہی کسی محکمے میں معقول تنخواہ پر ملازمت حاصل کر سکتا تھا مگر اس نے قطعی اسکو پسند نہ کیا۔ والدین کی انتھک کوششیں بھی اسکے پائے عزم میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہ کر سکیں اور وہ اپنے خیال پر مضبوطی سے قائم رہا۔ ایک عرصے تک غور و فکر کرنے کے بعد آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ ایک ادبی و علمی رسالہ نکالے جس کے ذریعہ علاوہ اپنی ذہنی و روحانی مسرت کے آزوقہ بھی بہم پہنچائے چنانچہ اس پختہ ارادے کے بعد اس نے والدین سے اپنا خیال ظاہر کر دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ اس بارے میں کوئی دوسری صورت ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔

جاوید نے متعدد مسلمانوں کے تعاون سے تمام انتظامات کے بعد ماہنامہ "جاوید" کے اجرا کا اعلان کر دیا اور کچھ عرصے بعد پرچے کی ترتیب شروع کر دی گرمیوں کا دن تھا مگر وہ صبح سے شام تک ادارے کے کاموں میں منہمک رہتا۔ والدین از راہ محبت دوپہر میں آرام کرنے کیلئے کہتے مگر وہ انکی کچھ سماعت نہ کرتا بلکہ بعض اوقات وہ پریس میں سائیکل پر بیٹھے اور رسالے کے بعض ضروری کاموں کیلئے سرگرداں پھرتا بالآخر تنگ آکر والدین نے اسکو اسکی مرضی پر چھوڑ دیا اب وہ انکی نظروں میں ایک خبطی و دیوانہ جاوید تھا جو انکے خیال میں بالکل ہی ازکار رفتہ ہو چکا تھا۔

جاوید کا پہلا پرچہ بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا۔ منجملہ دوسری ظاہری و معنوی خصوصیتوں کے سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مقالے افسانے، ڈرامے اور نظمیں غرض پورا پرچہ جاوید ہی کے قلم کا ممنون کرم ہوتا جو اسکی حیرت انگیز جولانی طبع کا ثبوت تھا۔ پرچے کا خیر مقدم خارق توقع بہت زیادہ ہوا اور ہمعصر جرائد نے تبصرے میں صفحوں کے صفحے لکھ مارے اور خوب خوب تعریفیں کیں

اگرچہ جاوید کو اس کامیابی پر کچھ زیادہ حیرت نہ تھی مگر وہ خوش تھا اور وہ اس زندگی میں جو لذتیں پا رہا تھا وہ اسکے نزدیک دنیا کے کسی شعبہ میں میسر نہیں ہو سکتی تھیں اور اب اسکو پہلے سے بھی زیادہ گھر کی فضا تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی چنانچہ اب وہ چوبیس گھنٹوں میں صرف چند لمحے گھر پر گزارتا اور وہ بھی طوعاً نہیں تو کرہاً

اس کے والدین کو اس کا یہ طرز عمل بالکل ہی پسندیدہ نہ تھا انکے خیال میں جاوید ننگ خاندان نکل گیا تھا۔ کیونکہ اس علمی و ادبی انہماک کے علاوہ وہ خاندان کے فیوڈل رسم و رواج کو بھی علم بردار نہ تھا بلکہ غرور و تمکنت جیسے کوسوں دور تھا نہ شان سے منافرت رکھنے والا متمول عزت سے بجائے اختلاط [illegible]

والا صاحب جرأت، صاف گو اور بیباک جاوید تھا، اسکے نزدیک
عزت صرف علم سے حاصل ہو سکتی تھی نہ کہ دولت سے، اسی
لئے اکثر وہ اپنے متمول اور صاحب ثروت اعزا سے مرعوب
ہونا تو کجا بلکہ جاہل وغیرہ کہہ کر اپنے خیال میں بہت بڑی
بت شکنی کرتا تھا اور انہی وجوہ کی بنا پر جاوید سے اسکے اعزا
خوش نہ تھے۔

رسالہ "جاوید" بڑے زور شور کے ساتھ چلنے لگا چھ
ہی مہینے کے عرصے میں کامیابی کا یہ حال تھا کہ صوبۂ بہار[2] میں
کم ہی ایسے مقامات ہوں گے جہاں اسکے خریدار نہ ہوں ہر کلب
ہر سوسائٹی .... اور ہر پڑھے لکھے[1] کے ہاتھوں
میں جاوید کا ہونا ضروریات میں تھا۔ اب جاوید کا دفتر پہلا سا نہ
تھا بلکہ دو تین کاتب ایک مہتمم اور دو تین چپراسی بھی دیکھنے میں
آتے تھے، چنانچہ یہی غیر معمولی کامیابی اسکے اعزا کے لئے کیا
کم تکلیف دہ تھی کہ "جاوید مشین پریس" کے اجرا نے ایک ہنگامہ
عظیم برپا کر دیا۔ اسکے والدین تک کو حیرت تھی مگر اب خوشی کے
ساتھ۔

مشین پریس کے اجرا کے بعد چونکہ جاوید کی مشغولیتوں
میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ اسلئے اس نے ملاقات کرنے والوں
کے لئے ایک خاص وقت معین کر دیا تھا۔ اور وقت مقررہ کے
علاوہ وہ کسی سے بھی اب ملنا جلنا ہرگز پسند نہ کرتا تھا، مالی
اعتبار سے بھی اب وہ اچھا خاصا مرفہ الحال تھا اور باطمینان
و بافراغت زندگی بسر کر رہا تھا جسکی وجہ سے اب وہی سِڑی
سودائی جاوید عزیز و اقارب کی نظروں میں غیر معمولی وقعت
حاصل کر رہا تھا جسکا اسے بھی احساس تھا مگر اس جذبۂ جاہ
پرستی سے وہ اب ان لوگوں کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر
سمجھنے لگا تھا احباب میں بھی وہ ان ہی سے خوش اور بے تکلف
تھا جو اسکی مالی ترقی سے متاثر ہو کر اسکے گرویدہ نہ تھے بلکہ حقیقی
معنی میں اسکے ذاتی صفات کے معتقد و مداح تھے۔

(۲)

شادی کرنے کا خیال اسکو ضرور تھا مگر جہاں اسکے والدین
کی خواہش تھی وہاں نہیں، اسمیں بھی اسکی مخصوص شرطیں
تھیں۔ امیر گھرانہ ہو بلکہ محض غریب مگر شریف گھرانا ہو، لڑکی
اگر تعلیم یافتہ نہیں تو کم از کم سلیقہ شعار، سلیم الطبع اور جفاکش
ضرور ہو۔ جو لڑکی اسکے والدین کو پسند تھی وہ اگرچہ جاوید کے
رشتے کے چچا کی لڑکی اور خود اسکی بھاوج کی پھوپھی زاد بہن تھی اور نیز
بھی بہت زاہدہ بھی لیکن وہ شرطیں اس میں نہ تھیں اسلئے جاوید نے صاف
لفظوں میں انکار کر دیا۔ - - - مگر اسکو اپنی ذات میں بے چینی
کے ساتھ کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے جلد از جلد اب وہ شادی
کر لینا چاہتا تھا۔

اپنے صوبے میں چونکہ جاوید کافی سے زیادہ مشہور ہو چکا تھا
اور اسکی قابلیت و ادبیت کا لوہا مانا جا چکا تھا اور اسکی شاعری
کی دھوم ہر سر گوشے میں ہوئی تھی اسلئے آئے دن مشاعروں کے
دعوتی خطوط آتے اور صرف اسی پر بس نہ تھا بلکہ دور دور سے
لوگ خود دعوت دینے آیا کرتے تھے چنانچہ ایک مشاعرے
کے سلسلے میں اسکو چار پانچ دنوں کے لئے مظفرپور چھوڑ کر
بھاگلپور جانا پڑا اور بھاگلپور میں مشاعرے کے بعد پیہم دعوتوں
نے اسکا تمام پروگرام درہم برہم کر دیا اسکی قیام گاہ پر صبح سے
چھ بجے شام تک ایک جم غفیر رہتا، کچھ لوگ ایسے بھی اس کے
معتقدین میں تھے جو ہر وقت موجود رہتے انہی معتقدوں میں ایک
صاحب کو جاوید کی شادی کی بڑی فکر تھی گو ابتک جاوید اسکو
مذاق ہی تصور کرتا رہا لیکن جب گفتگو نے سنجیدگی کی صورت اختیار
کی تو اسنے بھی سنجیدہ طور پر اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا

---

[1] راقم کی مراد صرف صاحب ذوق سے ہے کیونکہ سب پڑھے لکھے صاحب ذوق نہیں ہوتے۔ [2] یعنی صوبۂ بہار۔ — منا قاسم

حتیٰ کہ ایک دن جاوید کے ہونے والے خسر اصالت خاں صاحب خود تشریف لے آئے اور تخلیے میں گفتگو کی اسکے بعد جاوید شادی کے لیے بالکل تیار ہو گیا اور اب اسکو تھوڑی تاخیر و تعویق بھی ناگوار گذر رہی تھی چنانچہ اس نے مکان پر والدین کو اطلاع دیئے بغیر مرحلۂ شادی کی مشکل دوقت کو خود تاریخ مقرر کر کے نہایت آسانی سے انجام دے لیا۔

بھاگلپور سے مظفر پور آتے وقت اب کے وہ تنہا سفر نہیں کر رہا تھا بلکہ اسکی شریک زندگی صفیہ بھی شریک سفر بنی ہوئی تھی مکان پہنچکر وہ نہایت اطمینان سے اندر گیا اور با قاعدہ والدین سے انکی بہو صفیہ کا تعارف کرایا جاوید نے اسوقت اپنے گھر پر ایک عجیب و غریب غیر متوقع منظر پیش کیا جو باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے مستحسن ہونے کے ہندوستانی رواج شرافت کے سراسر منافی تھا جس سے ہر فرد تصویر حیرت بنا ہوا تھا۔

جاوید ہر اعتبار سے خوش تھا اور بیحد خوش تھا اور اب وہ صوبۂ بہار کے علمی و ادبی حلقے میں پہلے سے بہت زیادہ شہرت حاصل کر چکا تھا اور مشہور ترین ادیب شمار کیا جاتا تھا اور اسکے علمی و ادبی مشغلوں میں اسکی شریک زندگی صفیہ بھی بہت حد تک معاونت کرتی تھی کیونکہ اسکو بھی شعر و ادب سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی تھی اور روز بروز اسکا ذوق ترقی پذیر تھا۔

جاوید نے صفیہ کے فطری و طبعی رجحان کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ یقیناً ایک زنانہ رسالے کی ادارت کے لیے کافی صلاحیت رکھتی ہے چنانچہ رسالہ حجاب کا اجرار فوراً عمل میں آگیا۔ صوبۂ بہار کی نیم بیدار نسوانی فضا میں چونکہ ایک زنانہ رسالے کی سخت ضرورت تھی اس لیے یہ پرچہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونا شروع ہو گیا۔

صفیہ اور جاوید اپنی ادبی مشغولیتوں میں مصروف رہنے کے باوجود انتہائی خوشی و خرمی کی زندگی بسر کر رہے تھے کیونکہ دونوں زن و شو کے مزاج میں یگانگت و توازن قائم تھا اور یہی وجہ تھی کہ صفیہ خود اپنی خوشی سے میکے جانا پسند نہیں کرتی تھی اسکی نظروں کے سامنے اسکے خاندان کی جہالت اور خصوصاً اصالت خاں کی تنگ نظری جنہوں نے اسکی شادی جاوید کے ساتھ محض اسکی مالی ثروت کو مدنظر رکھتے ہوئے کی تھی اس پہ روز روشن کی طرح نمایاں و آشکار تھی۔

اصالت خاں پرانے دقیانوسی خیال کے آدمی تھے جو عورتوں کی معمولی تعلیم کے بھی مخالف تھے لیکن صفیہ کی معمولی نوشت و خواند محض اسکی ماں کی تربیت کا نتیجہ تھی جو ہو گئی۔ ماسوا اسکے جاوید کی صحبت سے صفیہ کا اسقدر جلد متاثر ہو جانا در اصل اسکی فطری ذکاوت و خداداد ذہانت کی بنا پر تھا ورنہ اسکی تعلیم ہرگز اس لایق نہ تھی کہ محض صحبت سے متاثر ہو کر اسقدر جلد ایک رسالے کی ادارت کر سکے۔

جسوقت سے صفیہ بحیثیت مدیرۂ حجاب مشہور ہو چلی تھی اسی وقت سے اصالت خاں صاحب کے عتاب نامے اپنے پاس اور کچھ خطوط جاوید کے پاس آنا شروع ہوتے جسمیں اس ذلت کے نہ برداشت کرنے کا ذکر ہوتا۔ جاوید اور صفیہ دونوں نے ان خطوط پر کوئی خاص دھیان نہ دیا اور نہایت مختصر الفاظ میں اپنے کام سے باز نہ رہنے کی اطلاع دیدی جسکا پھر کوئی جواب نہ آیا۔

ایک شام کو جب کہ صفیہ اور جاوید دونوں دن بھر کی تکان مٹانے کے لیے پائیں باغ میں ٹہل رہے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے دماغ تر و تازہ کر رہے تھے۔ ملازم نے یکایک اصالت خاں کی تشریف آوری کی اطلاع دی دونوں چونک پڑے اور معنی خیز نگاہوں سے ایک نے دوسرے کو دیکھا جاوید دوڑ کر باہر آیا خاں صاحب کو اندر لایا اور ان کا سامان ملازم نے گاڑی سے اتارا خاں صاحب جو فرط غضب سے بھرے ہوئے تھے آتے کے ساتھ ہی جاوید کی طرف

مخاطب ہو کر بولے ۔

اصالت خاں صاحب:۔ "جاوید صاحب! مجھکو نہایت افسوس ہے کہ میرے پیہم خط لکھنے پر بھی آپ اپنی رائے پر قائم رہے آپ کو شاید علم نہیں کہ میں اپنے خاندان میں اس مسئلہ میں کیسا فکر مند ہو رہا ہوں، ایک شریف لڑکی کا نام ملک بھر میں طشت ازبام کرنا کونسی شرافت اور دانشمندی ہے؟ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ آپ شریفوں کا سا پردہ بھی نہیں برتتے۔ صفیہ کے بھوپا ان دنوں بھاگل پور آتے ہوئے ہیں اور وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ آپ سفر میں بھی لڑکی کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ کہاں کی شرافت ہے؟ ایک شریف ہرگز ایسی حرکتوں کا مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ میرے خیال میں تو [illegible] جاوید نے سر سے پاؤں تک [illegible]

جاوید:۔ قبلہ [illegible] کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے اور [illegible] خاندانی روایات جاہے بدتر ہوں مگر ان پر قائم رہنا اور انکو سراہتے رہنا آپکے نزدیک انتہائی شرافت اور سعادت ہو سکتی ہے۔ مگر ایک ذی فہم انسان کیلئے سخت حماقت اور جہالت ہے۔ آپ کو ابتک شاید یہی نہیں معلوم ہے کہ عورتوں نے دنیا میں کیا کیا کارنمایاں کئے اور کن کن شعبوں میں مردوں کے دوش بدوش رہیں اور مذاہب سے تو مجھے بحث نہیں صرف اسلام کی عورتوں کی سیرت کا مطالعہ فرماتے تو مجھے یقین ہے کہ آپ ہرگز اپنے اس غلط خیال پر قائم نہیں رہیں گے خیر مجھے اسوقت کوئی بحث کرنی مقصود نہیں ہے لیکن اتنا عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ جب آپ لڑکی کی شادی کر چکے تو پھر آپ کو اسکے جملہ معاملات سے علیحدگی ہو گئی وہ جانے اور اسکا شوہر۔ ہاں اگر لڑکی اپنے شوہر سے ناخوش اور شاکی ہے تو البتہ اس صورت میں آپ دخیل ہو سکتے ہیں آپ اپنی صاحبزادی سے دریافت فرما سکتے ہیں۔ میں نے انہیں کبھی کوئی تکلیف دی ہے دوسرے یہ کہ اگر ہم لوگوں کے طریقہ زندگی سے آپ کی خاندانی عظمت میں دھبہ لگتا ہے تو پھر آپ کو ہم لوگوں سے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔"

جناب اصالت خاں صاحب نے جاوید کی گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ انکی گیدڑ بھبکیوں سے مرعوب ہونے والا شخص نہیں ہے اس لئے کہنے لگے۔

اصالت خاں صاحب:۔ "میں اسی قطع تعلق کے لئے آیا ہوں" جاوید نے "بسر و چشم منظور" کہتے ہوئے جواب دیا۔ اصالت خاں صاحب اسی وقت اپنی روانگی کا ارادہ کرنے لگے جاوید نے ہنسکر کہا۔ "اس قطع تعلق میں ایک شب مزاحم نہیں ہو سکتی۔ صبح کی گاڑی سے تشریف لے جائیگا" خاں صاحب بھی شب میں جانے کی دقتوں کو سوچ کر خاموش ہو رہے اور علی الصباح بغیر ناشتہ کئے روانہ ہو گئے

(۳)

اس واقعہ کے چھ سات ماہ بعد صفیہ کی چھوٹی بہن رابعہ کی شادی درپیش ہوئی، اصالت خاں صاحب نے جاوید یا صفیہ کو کوئی اطلاع نہ دی مگر ان کے دو ایک [illegible] صفیہ کی شرکت کے بغیر تقریب سے قطعی انکار کر دیا خاں صاحب اور انکی اہلیہ میں ایک جنگ طویل قائم رہی آخر اصالت خاں صاحب کو شکست ہوئی مجبوراً انہوں نے بیٹے اکرم خاں کو صفیہ کی طلبی کیلئے مظفر پور بھیجا جاوید کی صلح جو اور امن پسند طبیعت ہرگز اس کے لئے تیار نہ تھی کہ وہ صفیہ کو جانے سے باز رکھے چنانچہ صفیہ رابعہ کی شادی میں شرکت کی غرض سے اپنے بھائی اکرم خاں کے ہمراہ بھاگلپور روانہ ہو گئی مگر جاوید نے اپنی عدیم الفرصت ہونے کا عذر کرتے ہوئے اپنی خوشدامن کے نام ایک معذرت نامہ لکھ بھیجا۔ رابعہ کی شادی کی تقریب ختم ہو چکی تھی اور جاوید صفیہ کے آنے کا نہایت بے صبری سے انتظار کر رہا تھا کہ پہلی ڈاک سے صفیہ کا خط ملا جسمیں اس نے اپنی ماں کے اصرار سے چند دنوں اور ٹھہر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور جاوید سے اسکی اجازت چاہی تھی۔

نہ صرف مخرب اخلاق بلکہ نفسانی خواہشات کی برانگیختگی کے محرک اور ایک بڑی حد تک ممد و معاون بھی ہوتے ہیں خوب سوچکر جواب دیجیگا۔ دعاگو

اصالت خاں

اصالت خاں کا خط پڑھتے ہی جاوید بھاگلپور جانے کیلئے تیار ہوگیا، شب کی گاڑی سے روانہ ہوکر دوسرے دن صبح کو وہاں پہنچا اور ایک ہوٹل میں قیام کیا لیکن چونکہ اس شہر میں کافی سے زیادہ اسکے قدر دانوں کی جماعت موجود تھی اس لئے ایک وقت سے زیادہ وہ ہوٹل میں نہ رہ سکا اور اسکے دوست مولوی سراج الحسن وکیل اسکو اپنے یہاں لے آئے، سہ پہر کے وقت وہ اپنے خسر اصالت خاں صاحب کے پاس گیا۔ خاں صاحب جاوید کو دیکھکر ہکا بکا ہوگئے، انکو سخت تعجب ہوا اور نہایت گھبراہٹ کے لہجہ میں بولے

اصالت خاں صاحب ... آپ کب آئے؟ ... ابھی ... کیسے؟ کوئی اطلاع بھی نہ دی؟"

جاوید — میں کل سے آیا ہوا ہوں اور اپنے دوست مولوی سراج الحسن صاحب وکیل کے یہاں مقیم ہوں"

اصالت خاں صاحب — اپنا گھر ہوتے ہوئے کسی غیر کے یہاں ٹھہرنا یعنی چہ؟"

جاوید — معاف فرمائیگا! دونوں غلط، نہ تو آپ کا گھر میرا گھر ہے اور نہ میں کسی غیر کے یہاں ٹھہرا ہوں"

اصالت خاں صاحب (کھڑے ہوتے ہوئے) اچھا تو میں آپکے آنے کی اندر اطلاع کر دوں"

جاوید نہیں! مجھکو آپ ہی سے ضرورت ہے اور بعد ملا ہوں گا۔

اصالت خاں صاحب (بیٹھتے ہوئے) تو پھر کہئے کیا بات ہے"

جاوید آپ کا خط مجھے ملا جس سے پتہ چلا کہ آپ نے میری بیوی کو قصداً روک رکھا ہے یا اسکی کوشش فرمائی ہے میں آپ سے یہی عرض کرنے آیا ہوں کہ آپ نے بالکل ہی غلط اصول اختیار فرمایا ہے اور آپ اسمیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے، آپ کو تو میری روش پہلے سے معلوم تھی اگر آپ کو میرا طریقہ پسند نہ تھا تو اول تو آپکو اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کرنی ہی نہ چاہیے تھی دوسرے یہ آپ کو مجھسے کسی قسم کا کوئی معاہدہ کرانے کا اختیار نہیں ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ شادی کر دینے کے بعد اب آپ اس معاملے میں اسقدر غلط حرکتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

اصالت خاں صاحب (ذرا غصے سے) ان منطقی باتوں کو میں نہیں جانتا، میری لڑکی ہے مجھکو ہر طریقے کی شرطوں کا اختیار حاصل ہے۔ میں خاندانی رسم و رواج کی شرمناک خلاف ورزی گوارا نہیں کر سکتا! اور فرض کیجئے اگر میں اسکو نہ جانے دوں تو پھر آپ اسکو لے جانے کی کیا طاقت و ہمت رکھتے ہیں؟

جاوید — بہت خوب! میں اسی اتمام حجت کیلئے آیا تھا، میری طرف سے اب اگر کچھ کاروائی ہو تو میں اسکا ذمہ دار نہیں، آپکو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ آپ اپنے تحفظ کی فکر کیجیگا"

اصالت خاں — (اور زیادہ غصے میں) زیادہ اطمینان تو نہ سب فکر ہے! آپ اپنی خبر لیجئے اور آپکو جو کچھ کرنا ہے کر کے دل کا بخار نکال لیجئے میں ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا اسامی نہیں ہوں"

جاوید، اصالت خاں صاحب کا یہ آخری جملہ سنکر چلا گیا اور اپنے دوست مولوی سراج الحسن وکیل سے کل واقعات کا ذکر کرتے ہوئے دوسرے روز دخل یابی زوجہ کا مقدمہ عدالت میں دائر کرا دیا تیسرے روز اصالت خاں صاحب کے نام سمن پہنچا اور گھر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔

(۴)

صفیہ کو جاوید کے بھاگلپور آنے اور پھر ملاقات نہ ہونے کا سخت دلی صدمہ تھا۔ اسکے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا کہ وہ

مولوی سراج الحسن صاحب وکیل کے یہاں جاوید سے کوئی پیام و سلام کرا تی تھی۔ اصالت خاں صاحب کے پاس جس وقت کہ سمن پہنچا تھا وہ مقدمے کو کامیاب بنانے میں مصروف ہوگئے دکھانے بالاتفاق یہ رائے دی کہ مقدمے کی کامیابی صفیہ کے بیان پر منحصر ہے اس لئے گو اگر خاں صاحب اس پر زور دینے لگے کہ وہ انکی حسب خواہ بیان دینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے مگر جاوید پرست صفیہ اسوقت عجیب مصیبت و تذبذب اور کشمکش میں تھی اگرچہ باپ سے انکی مرضی کے موافق بیان دینے کا اقرار کر لیا تھا مگر وہ دل میں سوچ چکی تھی کہ واقعی ... کہنا تھا۔ کئی مرتبہ اسکو یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اسکا یہ رویہ تمامی اخلاقی کمزوری پر مبنی ہے اور اسکو اپنے باپ سے صاف انکار کر دینا چاہئے۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنا خود اپنے اور دونوں کے حق میں درجہ نقصان دہ تھا۔ مقدمے کی تاریخ ... اور ... جیسے جیسے دن کا انتظار کیا جانے لگا جاوید اپنی جگہ پر مطمئن تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صفیہ کیا بیان دیگی۔

مقدمے کی مقررہ تاریخ آ پہنچی اور صبح سے دن ... تک اصالت خاں صاحب کا مکان کچہری کا نمونہ نظر آنے لگا کیونکہ صفیہ کے نام کمیشن جاری ہوا تھا، صفیہ کا بیان شروع ہوا۔ اس نے صاف صاف لفظوں میں اصالت خاں صاحب سے اپنی بیزاری ظاہر کر دی۔ خاں صاحب کا بالجبر اسکو روک رکھنا اسنے صراحۃً بیان کر دیا اور جاوید کے یہاں جانے کی رضامندی کھلے الفاظ میں ظاہر کی، معمولی جرح کے بعد اسکا بیان ختم کیا گیا۔

اصالت خاں صاحب کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی اور صفیہ کیلئے سوائے زدوکوب کے انہوں نے، اور کوئی بات اٹھا نہ رکھی گھر میں ایک ہنگامہ عظیم برپا تھا، صفیہ زار و قطار رو رہی تھی اور اصالت خاں صاحب نہایت غصے میں چیخ چیخ کر سخت اور نا ملائم الفاظ استعمال کر رہے تھے جس سے سارے محلہ والوں کے ہوش اڑے ہوئے تھے خاں صاحب کا غصہ کسی طرح فرو نہ ہوتا تھا اور بار بار وہ یہی کہہ رہے تھے۔

"صفیہ! تیری موت اب تیرے سر پر سوار ہے، دیکھوں! تو کس طرح جاوید کے یہاں جاتی ہے"

مقدمے کی کارروائی ختم ہو چکی تھی اور بس فیصلے کا انتظار تھا، اصالت خاں صاحب اپنے غصے کی بدولت انسانیت کے جامے سے باہر ہو چکے تھے، انکی نظروں میں صفیہ کا وجود انکے خاندان کیلئے باعث ننگ تھا۔ فیصلے کے روز اپنی کامیابی کے بعد دوپہر کو جاوید جبکہ مولوی سراج الحسن صاحب وکیل کے ہمراہ اصالت خاں صاحب کے مکان پر گیا تو وہاں پہنچ کر اس نے کچھ اور ہی منظر دیکھا۔ ہر طرف سے نوحہ و شیون کی صدائیں آرہی تھیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صفیہ ......، حرکت قلب .. ..بند.........،

جاوید نے پورے الفاظ بھی نہ سنے تھے کہ وہ اپنے قد سے زمین پر گر پڑا، اور اب وہ بالکل ہی بیہوش تھا مولوی سراج الحسن وکیل نے منہ پر پانی کی چھینٹیں دیکر ہوش میں لانے کی بہتیری کوششیں کیں مگر معمولی پھریری آکر پھر غشی طاری ہو جاتی تھی آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد جب کچھ ہوش آیا تو اسوقت اسکا دماغ ماؤف ہو چکا تھا، اسکی زندگی بار دوش ہو چکی تھی، بہ ہزار دقت مولوی سراج الحسن صاحب اسکو اپنے مکان پر لائے جہاں اسکے احباب جوق در جوق آنے لگے ہر شخص اسکی حالت دیکھکر اصالت خاں پر نفرین کر رہا تھا۔

صفیہ کی لاش اٹھتے وقت جاوید کی خوشدامن نے وکیل صاحب کے یہاں آدمی بھیجکر جاوید کو بلوا بھیجا مگر وکیل صاحب نے مصلحتاً جاوید کو کوئی اطلاع نہ دی کیونکہ وہ اب بالکل ہی مخبوط الحواس ہو چکا تھا اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا اسکی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی اب نہ روتا نہ کوئی غم کرتا اگر باتیں کرتا تو بالکل ہی غیر مربوط اور مجنونانہ اگر ساکت رہتا تو گھنٹوں غرض نہ اب اسکو صفیہ کی یاد تھی اور نہ اب وہ پہلا سا جاوید تھا...... .... اسلئے کہ اب وہ بالکل

بندھن

وہ اپنی ... تنگ کوٹھری میں ایک ٹوٹی ہوئی پلنگڑی پر لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی ... آج سے بہت دن پہلے کی بات! جب وہ ایک الھڑ سی لڑکی تھی!

اُسے اپنی سرلا دیوی یاد آرہی تھی! سرلا دیدی! کسقدر پیار تھا ان دونوں میں! کتنی سندر تھی، بچاری دیدی! بھگوان جانے وہ ان دنوں کہاں ہونگی؟ انہیں بھی "اپنی کوئی وسنتی" یاد آتی ہوگی! بھولی بسری وسنتی! کھوئی ہوئی وسنتی؟ ——— اور اور رمل بھیا بیچارے؟ نہ معلوم کس حال میں ہونگے؟؟

ایک روز وہ سرلا دیدی سے ملنے جارہی تھی۔ تو حسب عادت ان کے گھر پہونچ کر دروازے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ اندر۔ رمل بھیا۔ دیدی سے باتیں کررہے تھے۔ ویسے بھی ان کی باتیں عجیب عجیب ہوا کرتی ہیں۔ اس نے دل میں کہا —— رمل بھیا کہہ رہے تھے۔

"تم کیا جانو سرلا پریت کی جب آگ سلگتی ہے تو پھر کبھی نہیں بجھتی سرلا! سچ کہتا ہوں تم ہی میرے من مندر کی دیوی ہو۔ میں تمہاری پوجا کیا کرتا ہوں! میری دیوی!

وسنتی ایک دم چونک پڑی۔ پوجا تو صرف "دیوتاؤں" اور دیویوں کی ہوا کرتی ہے ——— یا سرلا دیدی کی بھی ——— ؟؟ اوہ! یہ کتنی بے معنی سی باتیں ہیں۔ وہ حیران ہوکر سننے لگی۔ اور جب اس نے چھپکر دروازے میں سے جھانکا! تو ٹھٹک کر رہگئی۔ رمل بھیا۔ دیدی کے چرنوں میں سر جھکائے۔ اور دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے۔ بالکل ایک "پجاری"

کا فرض ادا کررہے تھے۔ اور سرلا دیدی سچ میں اس وقت رادھا کی "مورتی" جیسی معلوم ہورہی تھیں۔

اس دن وسنتی دیدی سے بغیر ملے ہوئے ہی گھر لوٹ آئی!

اس کی سمجھ سے یہ باتیں بالکل باہر تھیں۔ رمل بھیا۔ اور سرلا دیدی اس کے لئے ایک معمہ بن گئے۔ جو ہزار کوشش پر بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ——— اس طرف وسنتی کی ماں کی کھانسی زوروں پر تھی۔ اب اسے بخار بھی ہلکا ہلکا سا رہنے لگا تھا۔ اس لئے سرلا اور وسنتی میں بہت دنوں سے ملاقات نہ ہوسکی۔

ایک شام، جب وہ پانی بھرنے کو جارہی تھی۔ تو رستہ میں اسے سرلا ملی۔ لیکن اس کا عجیب حال تھا۔ چہرہ زرد ہورہا تھا۔ اُلجھی، اداس، اداس، کھوئی کھوئی سی! وسنتی نے اس کے گلے میں باہیں ڈالکر پوچھا۔ کیا ہوا ہے دیدی؟ تو وہ بولی تھی۔ کیا بتاؤں وسنتی مجھے بھی پتہ نہیں! سچ بتا! چاچا جی کا جی تو ٹھیک ہے نا؟ اور کاکا کیسے ہیں؟ ہاں سب ٹھیک ہے رے! لیکن تیرے رمل بھیا جو چلے گئے۔!!! ان الفاظ کے ساتھ ان کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں ——— رمل بھیا کے چلے جانے کا انہیں اتنا دکھ ہے کیوں بھلا، آخر ان کی سہیلیاں تو موجود ہیں۔ شاما، رادھا، اور کنتی، مالتی۔ کتنی اچھی ہیں یہ سب! وہ تو کبھی دیدی کی طرح اداس نہیں رہتیں۔ ہر وقت ہی ہنستی رہتی ہیں۔ ہمیشہ کھیلتی رہتی ہیں۔

اوہ! کل رادھا نے اس پگڈنڈی پر سے مجھے کیسا دھکیل دیا تھا۔ میں تو دھان ہی میں گر گئی تھی۔ اور میری سبز کانچ کی سندر

چوڑیاں سب کی سب چور، ہو گئیں جب میں پانی سے بھینگ کر باہر نکلی تو وہ سب بنستی ہوئی بھاگ چکی تھیں۔ مگر یہ دیدی؟ یہ کتنی اداس ہیں!

——— وہ یہ سوچتی ہوئی پانی بھرنے لگی۔ جب وہ گھڑا اٹھا کر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ تو سرلا کوئی گیت گانے لگی۔ جس کو وہ نیم کے سایوں تلے کھڑی ہو کر بڑے غور سے سننے لگی۔

دل توڑ کے جانے والے سن   دو اور بھی رشتے باقی ہیں
اک سانس کی ڈوری اٹکی ہے   اک پریم کا جیون بندھن ہے

ارے! دیدی کو ہوا کیا ہے کتنی دکھ بھری آواز میں گا رہی ہیں۔

———! دل کس طرح توڑا جاتا ہے؟ اور یہ "پریم کا بندھن" کیا ہوتا ہے؟؟

اک سانس کی ڈوری اٹکی ہے   اک پریم کا جیون بندھن ہے

دیدی سے میں یہ ضرور پوچھونگی! یہ سوچ کر وہ واپس لوٹی۔ سرلا دیدی سے پوچھا۔ "آج اتنی اداس کیوں ہو، دیدی"! ایک بات پوچھتی ہوں دیدی! یہ "پریم کا بندھن" کیا ہوتا ہے؟ تو وہ اس کو پیار سے تھپڑ لگاتی ہوئی بولی شریر! جب "پریم بندھن" میں من بندھ جائے گا تو پھر تو خود ہی جان جائیگی!

رمل بمبئی کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ مگر ان کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا! کوئی چٹھی بھی تو نہیں بھیجی انہوں نے بیچاری دیدی کو ہر روز ان کی چٹھی کا کتنا آسرا رہتا تھا۔ کتنی بے تابی کے ساتھ انتظار کرتی رہتی تھیں۔ لیکن ہمیشہ مایوسی ہی ہوئی۔ اب دیدی ایک دم چپ رہا کرتی تھیں۔ اپنا وہ گیت بھی اندنوں بھول چکی تھیں۔ جب بھی پنگھٹ پر ملاقات ہوتی۔ دیدی کو اداس ہی پایا۔ بسنتی نے یہ بھی خیال کیا تھا۔ اب تم اپنا وہ گیت "بندھن" والا نہیں گاتی ہو دیدی ——— بتاؤ نا؟

اتنی ملول سی کیوں ہو؟ تو سرلا نے کہا تھا۔ بسنتی!
ٹوٹ چکا وہ پریم کا بندھن!   من نگری اندھیاری ہے

بسنتی کو یہ گیت بہت پسند آیا تھا۔ وہ بھی کبھی پانی بھرنے کے وقت، کبھی اپنی کوٹھری کی کھڑکی پر گایا کرتی تھی۔

من نگری اندھیاری ہے! اسے یہ بند زیادہ پسند تھا۔ کیونکہ "پریم بندھن" کا مطلب اس کی سمجھ میں بالکل نہ آیا تھا جب وہ اپنی تاریک کوٹھری میں دیا جلانے کو جاتی! تو دل میں کہا کرتی۔ بیچاری دیدی کی "من نگری" ایسی ہی اندھیاری ہو گی نا؟ من نگری اندھیاری ہے!

اسے اپنی سرلا دیدی سے بیحد محبت ہمدردی تھی ———!

ایک روز مالتی بسنتی کے یہاں آئی تھی تو کہہ رہی تھی! آج سرلا کا بھائی آیا ہے! سرلا دیدی کا بھائی؟ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ہاں! وہ شہر سے بہت دنوں بعد آئے ہیں۔ ارے! وہی رمیش! کیا تو نے نہیں دیکھا؟

وہی شریر سے! جو ہم سب کو اپنی ——— شرارتوں سے تنگ کیا کرتے تھے! ہمارے پکے ہوئے آم چرا کر بھاگ گئے۔ کبھی جھولوں کی رسیاں کاٹ کر چھپ جاتے! تجھے یاد نہیں آتا! اسے کچھ کچھ خیال سا تھا۔ سیاہ سیاہ آنکھوں والا نبڑ طرار لڑکا! جس سے گاؤں کی سب لڑکیاں بری طرح برابر ڈرا کرتی تھیں!

اس دن وہ سرلا دیدی کے یہاں جانے میں نہ جانے کیوں شرما رہی تھی۔ اس نے بالکل ارادہ کر لیا تھا کہ نہیں جائیگی۔ لیکن جب سرلا نے بلوا بھیجا تو۔ تو مجبوراً جانا ہی پڑا۔

رمیش! کتنے دن بعد شہر سے لوٹے ہیں وہ؟ اس نے ——— تو پورے پانچ برس کا طویل عرصہ! سنتی ہوں۔ شہری لوگ بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ سینما دیکھتے ہیں۔ موٹر اور سائیکل پر ہر وقت اڑے پھرتے ہیں۔ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں۔ بالکل! "صاحب لوگ" کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ سب! اس کی نظروں کے سامنے اس "صاحب" کا چہرہ دفعتاً گھوم گیا۔ جو "شکار" کیلئے اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ اور اسکی چمکتی ہوئی ——— وہ سیاہ

سی موٹر ——— جسکی سرسراہٹ وسنتی کو بہت پسند تھی۔ ہاں! رمیش بھی تو اب شہری ہی ہوئے نا؟ اس کے متحرک لب سے آہستہ نکلا۔ مجھے دیکھ کر وہ کیا خیال کرینگے؟ کیسی عجیب سی لڑکی ہے یہ۔ اور یہ میرے موٹے سوت کے اجلے کپڑے؟؟ اور یہ بغیر کنگھی کئے ہوئے بال؟ اس نے بالوں کی ایک لٹ کو سلجھاتے ہوئے خود بخود کہا۔ "سرسوں" کے تیل کی تیز بو بالوں سے آ رہی تھی شہری لڑکیاں! بھگوان، اتنی سندر کیوں ہوتی ہیں؟ سنا ہے کہ وہ بھی لڑکوں کی طرح "اسکول" میں پڑھا کرتی ہیں۔ ان کے کپڑے کتنے اچھے اور باریک ہوتے ہیں۔ بال کن خوبصورتی کے ساتھ سنوارا کرتی ہیں ——— ! اسے مالتی کی وہ تصویروں والی کتاب یاد آگئی۔ جو اس کے بھائی کیلاش لال نے لاکر دیا تھا۔ فلم ایکٹریسوں کی رنگین تصویریں تھیں ——— !

اپنیں خیالات میں محو وہ ——— سرلا کی ڈیوڑھی وہ لگ پہونچی اس نے دروازہ ہی پر سے دیکھا چاچا جی بیٹھی پکوان تل رہی تھیں اور سرلا دیدی پیتل کی تھالی مانجھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی متجسس نظروں سے کرسی کو تلاش کیا، پھر ایک اطمنان کی گہری سانس لے کر۔ اندر داخل ہو گئی۔

دیدی! "نمستے دیدی!" اس نے دور ہی سے کیا۔ اس کی دیدی ایک دم کلیوں کی طرح کھل پڑیں۔ اری! سن! رمو آیا ہے سچ! اس نے اپنی دیدی کے دونوں ہاتھ پیار سے پکڑ کر پوچھا! تو کیا جھوٹ؟ دیکھ لے نا! وہ اسے کھینچتی ہوئی اس چھوٹی سی کوٹھری میں لے گئیں۔ جہاں رمیش ایک دم شہری لباس میں ایک ٹوٹی ہوئی بنچ پر پاؤں چڑھائے بیٹھا تھا، صاف صاف کپڑے، اور تیل سے جمایا ہوا بال! یہ وسنت ہے! رمو پہچانتے ہو؟ اوہو! وسنتی دیوی! وہ ایک دم جیسے چونک کر بولے! وسنتی دیدی کے کندھوں کے پیچھے سے اسے گھور رہی تھی۔ سیاہ، سیاہ آنکھوں والا رمیش! اسے بڑا اچھا معلوم ہو رہا تھا ——— !

اور وہ سب کیا ہوئیں؟ مالتی، بسنتی، شاما، رادھا! رمیش نے وسنتی سے پوچھا۔ ——— دونوں کی نگاہیں ایکبار ملیں۔ سیاہ سیاہ مسکراتی ہوئی آنکھیں ——— جیسے شاداب کنول ——— سطح دریا پر تیر رہے ہوں! وسنتی جھینپ کر دیدی کے اوٹ میں چھپ گئی۔ اس کا دل نہ جانے کیوں دھڑک رہا تھا۔

اب تم "شہری رادھاؤں" کے ہو گئے! "گاؤں کی رادھاؤں" کو کیوں پوچھ رہے ہو جی ——— !؟ دیدی ہنستی ہوئی بولیں۔ "نا دیدی! شہری رادھاؤں" اور "گاؤں کی رادھاؤں" میں بڑا فرق ہوتا ہے! یہ گاؤں کی بھولی بھالی سادہ طبیعت والی لڑکیاں!

یہ کہتے ہوئے وہ باہر چلے گئے

رمیش کو آئے ہوئے کافی دن بیت گئے تھے۔ سرلا اور وسنتی کے پریم میں اور اضافہ ہی ہوتا گیا۔ رمیش ——— اور سرلا جب سب کبھی اس کے گھر آتے تو وہ "مکی" کی گرم گرم روٹیوں اور بھنے ہوئے "چنے" سے ان کی خاطریں کیا کرتیں۔ اور اسکی غریب بوڑھی "ماں" ہمیشہ انہیں اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ سے "اشیرباد" دیتی

اکثر جب یہ سب لڑکیاں کنواں پر پانی بھرتی رہتیں تو رمیش "نیم" کے تناور درخت تلے بیٹھا ہوا "بانسری" بجاتا رہتا۔ شاما اور مالتی کو اس کی موجودگی بڑی ناگوار گزرتی ——— کیوں کہ دونوں لڑکیاں۔ اب تک اس سے بہت لجایا کرتی تھیں رادھا تو ہمیشہ کہا کرتی۔ اوہ! جیسے "کرشن مراری" ہی تو بن گئے ہیں ——— !

ہر وقت منہ سے بانسری لگا رکھی۔ ابھی بھی نہیں لگنی یہ "راگنی" کنتی نے تو بارہا "بانسری" ہی توڑ دینے کی ٹھان لی تھی۔ اور سرلا دیدی بھی ہمیشہ کہا کرتیں۔ میں گھر جاکر رمو کو ضرور منع کر دونگی۔ کل سے وہ

نہیں آئیگا! لیکن دیدی نے کبھی نہیں ایسا کیا۔

سنتی کو رمیش کی یہ بات بہت پسند تھی۔ جب بانسری کی دھیمی دھیمی آواز اس کے کان میں پہونچتی تو وہ گھر کا سارا کام کاج چھوڑ کر انہیں سندر راگنیوں میں محو ہو جاتی ——— !

کہو ماآج نراش بھی!

دیا بجھے پھر سے جل جائے ۔ رات اندھیری جائے دن آئے
یہی آشا ہے جیت اگر کی سمجھ گئی تو گئی
کردن کیا آج نراش بھی . . .

کہو ماآج نراش بھی!

کتنے مدھ بھرے ہیں یہ گیت ——— . . . . نہ جانے کیوں مدھا اتنی کشی کو رمیش کے گانے سے چڑھ ہے! اور دیدی! کیا معلوم شاید انہیں بھی تو اچھا نہیں لگتا!

"بچارہ رمیش!"

سورج غروب ہو چکا تھا۔ کسان اپنے اپنے "ہل" کاندھے پر رکھے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے! چند گاؤں کے شریر لڑکے لیکن اب بھی منتی "بندیلی" کے باغ میں پکے پکے جامن توڑنے میں بری طرح مشغول تھے! باغ کے سامنے پر رمیش روز کی طرح بیٹھا ہوا بانسری بجا رہا تھا۔ اسی وقت دسنتی پانی بھر رہی تھی۔ وہ کنواں میں "ڈول" ڈالے بہت دیر تک اس کے گیت سنتی رہی۔ اور جب وہ گھڑا کو اپنی کمر پر رکھ کر ——— . . . . گھر کی جانب چلی ——— . . . تو رمیش بھی ادھر آنکلا۔ "نمستے! دسنتی بجا گئی۔ دسنت دیوی! ارے! تم اسقدر بڑا گھڑا اٹھا لیتی ہو ——— . . . ! وہ تعجب سے بولا

ہم تو روز ہی اسی طرح پانی بھرتے ہیں۔! وہ شرمائی ہوئی سی کھڑی تھی۔ اور سب بھی تو بھرتی ہیں۔ دیدی بھی تو اسی طرح گھڑا بھر کر لیجاتی ہیں جی! تم نے کیا نہیں دیکھا؟ ہوں دیکھا ہے لیکن ان کے گھڑے اتنے بڑے تو نہیں ہوتے! اوہ! کسقدر بڑا ہے یہ گھڑا۔ اور دسنت تمہارے کپڑے بھی تو بھیگ گئے ہیں۔ ادھر دیکھو اوہ تو کیا ہو گا! یہ میلی میلی سی ساری! وہ اپنی ساری کا پلو سنبھالتی ہوئی بولی۔

مگر تم اس میلی ساری میں بہت سندر معلوم ہوتی ہو بسنت!

میں سندر ہوں ؟ دیدی کی طرح لیکن میرا رنگ اتنا صاف کہاں ہے؟ میرے بال بھی تو رادھا کے بالوں کی طرح سیاہ اور گھنیرے نہیں؟ میری آنکھیں بھی تو شاما جیسی رسیلی نہیں ——— جانے میں سندر کسطرح ہوئی؟ یہ سوچتی ہوئی وہ اپنے گھر کی طرف جانے لگی! —

اتنی جلدی چلیں۔؟ تم مجھ سے اتنا بھاگتی ہو کیوں؟ دسنتی۔ رمیش کنواں پر بیٹھ چکا تھا۔ آج مندر جانا بھی ہے نا! پوجا میں دیر ہو ہی رہی ہے! وہ اپنے گاگر کو سنبھال کر بولی! مگر ——— مگر دسنت مجھے بھی اپنی "دیوی" کی پوجا کر لینے دو! اچانک اسے رل بھیا کی وہ سب باتیں ——— یاد آگئیں ——— جو وہ سرلا دیدی سے کہا کرتے تھے! اوہ! یہ لوگ کیسی کیسی باتیں بنانا جانتے ہیں دیوی ——— . . . اور "پوجا" وہی پرانی بات رل بھیا والی! جیسے کٹھور ہیں وہ ——— دیدی کو تو ایک دم بھول ہی چکے ہیں۔!

وہ اب گھر کی طرف چلی گئی۔ اور رمیش "نیم" اور "شیشم" کی قطاروں میں چھپتی ہوئی دسنتی کو دیکھتا رہا! "سندر" ——— دیوی رمیش کے یہ الفاظ وہ بھولنا چاہتی تھی۔ مگر وہ ——— رہ کر جیسے کوئی اسے کہہ رہا تھا: "تم اس میلی ساری میں بھی بہت سندر معلوم ہوتی ہو!"

اس دن سے وہ ماں کی نظر بچا بچا کر اپنا چہرہ رہ رہ کر اپنے ننھے سے آئینے میں دیکھ لیتی! اسے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ واقعی وہ "دیویوں" کی طرح حسین ہے! کالی آنکھیں گھنی پلکوں کے درمیان ننھا سا برس ما

رہی ہیں۔ اس کے لب جب وہ شیشہ میں اپنا منہ دیکھتی تو خود بخود متبسم ہو جایا کرتے ... .. اور اسکو اپنے ہونٹ ہونٹوں کے بیچ میں سفید سفید دانت بڑے بھلے معلوم ہوتے

ایک دفعہ وہ اپنے آنگن میں "جنگلی ہار" اور "گیندے" کے پھول لگا رہی تھی۔ تو رمیش نے اس سے کھرپی لیکر کتنے اچھے طریقے سے پودے لگا دئے تھے!! کتنی لگتی اچھی کیا رہی بہائی تھیں!! گیندے کی زرد زرد پھول اور "جنگلی ہار" کے خوشرنگ پھول جب گستاخ ہواؤں کے جھونکوں سے جھومتے تو وہ لپٹنا ایک عجیب مسرت محسوس کرتی! —— !

اس روز آندھی چلتی ہوئی چل رہی تھی۔ ملن کی طبیعت بھی تو بڑی خراب تھی۔ وہ اپنی کوٹھری میں دیا جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ بجھ بجھ جاتا ... آخر اس نے یا پھر بار کی آڑ میں دیا سلائی جلا کر دیا روشن کر دیا —— ... اندھیری کوٹھری میں دیا کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی پھیلنے لگی! لیکن پھر کھڑکی سے ایک تیز جھونکا آکر اسے گل کر گیا ....!!

وہ اندھیرے ہی میں اپنے پلنگ پر لیٹ رہی آج اسکی طبیعت نہ جانے کیوں بڑی گھبرا رہی تھی۔ وہ اپنی بیاکل آتما کو چین دلانے کی خاطر "رمیش" کا پسندیدہ گیت گنگنانے لگی

کہو نا آج نراش بھئی!
دیا بجھے پھر سے جل جائے.. رات اندھیری جائے دن آئے!
من آس ہے جوت انکھن کی سمجھو گئی تو گئی
کروں کیا آج نراش بھئی... .....
کہو نا آج نراش بھئی ..... .

ایشور جانے یہ سب آشاؤں کا دامن تھامے کیوں بیٹھے ہیں۔ "من نراش بھئی!" ہمیشہ یہی ایک رٹ! جب جیون میں آشا نہ ہو! من میں پریم نہ ہو!! نین میں جوت نہ ہو!!! تو پھر یہ جینا

یہ آواز رمیش کی تھی جو کھڑکی پر سے کہہ رہا تھا — رمیش؟ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا! اتنی طوفانی شام میں تم کیسے آ گئے جی؟ وہ دیا جلاتی ہوئی بولی! یہ سب دیدی کے درشن کی خاطر۔ یہ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے ہاتھ میں بیلے کے پھولوں کا ایک ہار تھا — جس کے وسط میں ایک بڑا سا سرخ گلاب اپنی مع شاداب پتوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا —— شاکر جی کے بیلا ہی کے پھولوں کا یہ "ہار" بنایا گیا تھا — بیلا کے پھولوں کی دھیمی دھیمی بو ساری کوٹھری کو معطر کرنے لگی!

دسنت! رمیش کی آواز آج ایکدم غمگین تھی اس نے ٹمٹماتی ہوئی روشنی میں دیکھا حزن وملال کے تاثرات اس کے چہرے پر چھا رہے تھے۔ "بسنتی میں مجبور کو ٹھہر جا رہا ہوں!" اس کے کپکپاتے ہوئے لبوں سے بمشکل نکل سکا —— رمیش! دسنتی نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا! دسنت! یہ ہے میرے پریم کا بندھن" اس نے ہار کو اس کی کلائیوں کے گرد لپیٹتے ہوئے کہا! مجھے بھی تیرا کافی دشواس ہے کہ تم مجھے بھول نہ جاؤ گی! دسنت دیوی!

رمیش چلے گئے! ان کے جاتے ہی ہواؤں کا ایک تیز جھونکا آیا اور دیا بجھ گیا "یہ ہے میرے پریم کا بندھن" تاریک کوٹھری میں یہ آواز اب تک گونج رہی تھی۔ اور رمیش چلے گئے اور اس کی من نگری ایک دم سونی اور اندھیاری ہو گئی تھی —!

آج اس واقعہ کو کتنا عرصہ گذر گیا ہے اف! کتنے دن بیت گئے سرلا دیدی سسرال چلی گئیں۔ رل بہیا کی بھی شادی ہو گئی! شاما راؤ صاحب کا بیاہ ہو گیا۔ اس چیت میں اسکی بھی شادی ہونے والی تھی —— اس کا پتی کیسا ہوگا بچاری کو کیا معلوم! یہ بیاہ تو صرف بزرگوں کی رضامندی اور سماجی رسموں میں ادا ہوتا ہے۔ بیچاری گاؤں کی بے زبان لڑکیاں "آج وہ اپنی کوٹھری میں پڑی پڑی بہت سی بیتی ہوئی باتوں کو یاد کر رہی تھی!! —

اس نے اٹھکر اپنے بکس سے ایک مرجھایا ہوا ہار نکالا جیسے

پھولوں کی سوکھی ہوئی پنکھڑیاں جھڑ جھڑ کر گرنے لگیں یہ ہے میرے پریم کا بندھن! یہ لیکن وہ اُن مرجھائے ہوئے پھولوں کو اپنی کلائیوں کے گرد لپیٹے رہی ہار کا دھاگا کمزور ہو چکا تھا وسنتی کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔۔۔

اس وقت من سکے من میں ایک ٹیس سی لگی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی دنیا کہہ رہی ہے وسنت!

ٹوٹ چکا وہ پریم کا بندھن
من نگری اندھیاری ہے

وہ اپنے آنسوؤں کو آنچل میں جذب کرتی ہوئی ٹوٹے ہوئے ہار کے سوکھے ہوئے پھول کی منتشر پنکھڑیاں جمع کرنے میں منہمک تھی۔۔۔

آنسہ نسیمہ سوز

جذبات صابر

بجلیاں رقص میں ہیں سرِ گریباں قریب
دل ہے یا طورِ کا شعلہ ہے رگِ جاں کے قریب

میں ہوں کشتۂ ہی اعجازِ مسیحائی کا
اب بھی وہ بیٹھے ہوئے ہیں تنِ بے جاں کے قریب

زیست اور موت کی چشمک میں بڑا لطف آیا
خوب رونق رہی غمخانۂ ارماں کے قریب

جلوۂ طور تھا یا کوئی فریبِ جلوہ
تھا بھی اور کچھ بھی نہ تھا دیدۂ حیراں کے قریب

شامِ غم زلفِ پریشان کئے بیٹھی ہے
اُف یہ دھندلی سی فضا بزمِ چراغاں کے قریب

گُل اُمید کے پھولوں سے اُسے بھر دینگے
فاصلہ کتنا ہے گلزار و بیاباں کے قریب

عشق اور حسن تماشائے جہاں بن نہ گئے
عندلیب اور ہو نالاں گُلِ خنداں کے قریب

پاک باطن کہیں ہوتے ہیں غبار آلودہ
خاک اُڑ سکتی نہیں نعشِ شہیداں کے قریب

تو یقینی نہیں آزادیِ اہلِ زنداں
ایک نعرہ ہی لگاتے چلیں زنداں کے قریب

فصلِ گل آئی ہے یا فصلِ جنون آئی ہے
جیب و دامن کا ہے انبار گلستاں کے قریب

آنکھ کے سامنے قائم رہیں دونوں منظر
شامِ غربت بھی رہے صبحِ گلستاں کے قریب

مضطرب کیوں ہے فضائے دو جہاں اے صابر
کون بیتاب تماشا ہے دلِ جاں کے قریب

صابر الہ آبادی

عید کے دو رُخ

آج عید تھی ——— وہ عید جس کا سال بھر سے انتظار تھا۔ بچے بوڑھے، جوان، عورت، مرد سبھی شاداں و فرحاں تھے۔ دنیائے اسلام یکسر مسرت نظر آرہی تھی۔ دوست دشمن آج ایک ماہ کے تزکیۂ نفس کے بعد دل کو نفاق و بغض سے اور دماغ کو رنج و غم سے آزاد کر کے گلے مل کر پُر خلوص دل سے اخوت اسلامی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

میں عید گاہ سے واپسی میں سر راہ دوستوں سے ملتا ہوا آ رہا تھا۔ جب گھر پہنچا تو میز پر گلدستے کے پھولوں میں خوش رنگ کاغذ نظر آیا نکال کر دیکھا تو یہ عبارت مندرج تھی۔

پیارے وارث! عید گاہ سے چھوٹتے ہی تمہارے یہاں پہنچا۔ کافی انتظار کے بعد اب واپس جا رہا ہوں شام کو دسترخوان پر تمہارا انتظار کروں گا، ٹھیک ۶ ½ بجے پہنچ جانا، انتظار کی زحمت نہ دینا۔ فقط "تمہارا مخلص"

یہ تحریر میرے مخلص اور بے تکلف دوست پروفیسر صدیق کی تھی، دن بھر ملنے والوں کا سلسلہ جاری رہا، شام کو فرصت ملی تو نماز مغرب سے فراغت کے بعد میں صدیق صاحب کے ہاں چلا۔ چھ بج رہا تھا، منزل دور تھی، میں پوری سُرعت سے مسافت طے کرتا جا رہا تھا کہ جلد از جلد پہنچ سکوں، ابھی نصف راہ بھی طے نہ ہوئی تھی کہ کسی نے پیچھے سے میری چھڑی پکڑ لی۔ یہ میرا کالج کا قدیم ساتھی نریش کمار تھا۔ جو اپنی فطری چلبلاپن سے کبھی باز نہیں آتا۔ اس سے گفتگو میں پانچ صرف ہوئے اس نے سگریٹ پیش کر کے اصرار شروع کیا کہ میں پیوں، مجھے سگریٹ اور اس قسم کی لغویات سے قطعی نفرت، نریش کا اصرار کہ آج عید کی خوشی میں سگریٹ پی ہی لوں، پیچھا چھڑانے کے لئے سگریٹ جلا کر میں نے لے لیا اور چل کھڑا ہوا۔

میں تیزی سے چل رہا تھا۔ سگریٹ خود بخود آہستہ آہستہ جلتا جا رہا تھا، اس کے دھوئیں فضا میں غائب ہوتے جا رہے تھے۔ تیزی سے ... لیا کہ ایک کش لیکر اسے چھپکلیوں ... نہ جانے مجھے کچھ خیال آیا، اس خیال کے ساتھ ہی میری رفتار غیر محسوس طور پر سست ہو گئی۔

مجھے خیال ہوا ——— آج یوم عید ہے۔ — اپنی مسرت کیلئے لوگ اسے آج بھی جلائے بغیر باز نہیں آتے، غریب جل رہا ہے اس کے دھوئیں کسی بیکس کی "آہ" ——— خاموش اور متزلزل آہ کی طرح آسمان کی طرف اُٹھ رہے ہیں ——— کیا یہ ممکن ہے کہ اس روز سعید میں بھی اسی طرح کسی کا دل جل رہا ہو؟ اور اس سے اس کی دھوئیں اُٹھ اُٹھ کر آسمان کو چیرتے ہوئے

میرا سلسلۂ خیالات ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ اچانک کسی آواز نے مجھے چونکا کر اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"خدارا کوئی میرے بچے کو بچا دو" میں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا——— باوجودیکہ سویرا تھا مگر سڑک سُنسان تھی، دور و یہ مکانات کی کھڑکیوں کی جالیوں سے چھن چھن کر روشنی آرہی تھی سڑک کے موڑ پر ایک سحرائی عالم سکوت میں گھڑی چل رہی تھی۔ میں نے غور کرنا شروع کیا کہ یہ آواز کس طرف سے آئی۔ کیا کسی نے میری بیش قیمت شیروانی، قیمتی جوتے اور گرم پتلیوں سے متاثر ہو کر امداد کی درخواست تو نہیں کی؟——

یہ دردناک آواز کیسی تھی؟ کیا آج بھی کوئی ہستی مظلوم ہو سکتی ہے؟؟ میرے خیالات نے پلٹا کھایا——— میں متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہی پُر درد و غم انگیز آواز سُنائی دی "الٰہی رحم کر" ——— میرے داہنی جانب گلیاری میں کوئی غم کی ماری عورت

نحیف سی چادر لپیٹے کھڑی تھی، دریافت حال سے معلوم ہوا کہ اس
مفلس کا بچہ عالم نزع میں ہے۔ اس نے کہا "بھائی! خدا کے لئے
ڈاکٹر بلا دیجئے۔" میں نے کہا "بس! چلو میں ابھی دیکھوں گا، میں خود
ڈاکٹر ہوں۔" میں اس عورت کے ساتھ ساتھ تھوڑی دور جا کر ایک
شکستہ کھپریل والے مکان میں داخل ہوا۔ اس مکان میں داخل
ہوتے ہی مجھے شکستہ کی سی کیفیت ہو گئی۔ میں خود کو سنبھالا
اور آگے بڑھا۔ کمرہ میں بچہ پڑا تھا جو ان کے ساتھ کراہ رہا تھا۔ سرہانے
لالٹین رکھی تھی، تیل ختم ہو چکا تھا، صرف بتی جل رہی تھی۔ میرے
پہنچتے ہی وہ بھی بجھ گئی۔ اب تاریکی مسلط تھی، میں نے نبض دیکھی۔
اف! بدن جل رہا تھا۔ جیب سے ٹارچ اور تھرمامیٹر نکالا ٹمپریچر لیا۔ بخار
چار ڈگری سے تجاوز کر چکا تھا۔ میں تھرمامیٹر کا پارا اتار رہا تھا
کہ اس عورت نے گھبرا کر کہا:

"ڈاکٹر صاحب! ادھر دیکھئے۔" میں نے اس طرف ٹارچ
ڈالی۔ دوسرا بچہ جو اس سے چھوٹا تھا، بے حس و حرکت پڑا تھا، آنکھیں
پھٹی تھیں، جسم پر پسینہ جاری تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی ناامید ہو گیا
لیکن مشاقی اور تجربہ کاری کی بنا پر حسب عادت تشفی و تسلی دیتا رہا۔
میں خاص ضروریات کے لئے "ہومیوپیتھک" ادویات بھی رکھتا ہوں
اکثر اس کی شیشیاں میری جیب میں پڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ میں جیبیں
ٹٹولنے لگا، خوش قسمتی سے اس وقت کی
شیشی مل گئی۔ میں پانچ پانچ منٹ کے وقفہ پر دو خوراک کھلا دی
بچے کی حالت درست ہو گئی۔

میں لالٹین لیکر دوکان پر پہنچا، تیل ڈال کر جلایا۔ ایک
اتنا بڑی اس میں تیل بھروا کر واپس آیا۔ بیمار کو تسلی اور
دلاسا دیتے ہوئے یہ کہکر کہ میں ہسپتال سے دوا بھیج دیتا ہوں اور
خود بھی آکر دیکھ جاؤں گا، واپس چلا آیا۔

نو۹ بج چکے تھے، صدیق صاحب کے یہاں جانیکا وقت نکل چکا تھا
اس لئے گھر کی طرف لوٹا۔ راہ میں اس مرقع عبرت عورت کے گذشتہ اور
موجودہ حالات پیش نظر تھے ——— آہ! شہر کی معزز ترین ہستی
فردوس آباد کے رئیس اعظم مولوی عبد الماجد فرقانی کی اکلوتی اور
پروردۂ ناز و نعم لڑکی، جس کے ادنی کھانسی اور معمولی زکام پر بھی
آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو جاتے تھے۔ آج شوہر کی
بے التفاتی اور اپنے بیجا ایثار کی بدولت اس کس مپرسی کی حالت
میں مبتلا ہے۔ اللہ اللہ! یہ انقلاب، یہ تغیر!!۔

میں انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں ہسپتال پہنچا۔ نسخہ لکھکر
کمپونڈر صاحب کے سپرد کیا۔ نوکر کو پتہ بتا کر سمجھاتے ہوئے سخت تاکید کی
کہ فوراً دوا پہنچا آئے، اور خوابگاہ کی طرف چلا۔ اس واقعہ نے میرے
دماغ پر اتنا خراب اثر کیا تھا کہ میں نے جلد از جلد سو جانا مناسب
سمجھا۔ تبدیل لباس کے بعد بستر پر لیٹا ہی تھا کہ صحن میں ایک کار
آکر رکی۔ میں نے سمجھا کہ کوئی عیادت ملنے آیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا
کہ آیا ہے، میں پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ ڈبل فیس پر
بھی کہیں نہ جاؤں گا۔ لیکن ان لوگوں نے اس قدر اصرار کیا اور مریض کی
حالت کچھ ایسی تشویشناک بتائی کہ میں اپنے فطری اخلاق سے
پسیج گیا، اور چار گنا فیس پر چلنے کو تیار ہو گیا انہوں نے بھی منظور
کر لیا، کیونکہ کون منحوس ڈاکٹر ہوگا جو اپنی خوشی قربان کر کے آج
ان کے یہاں جائے گا۔

بارہ تیرہ میل جانا تھا، راہ اچھی تھی، نیو ماڈل کی نہایت
خوبصورت اور تیز رفتار فورڈ تھی، پینتالیس۴۵ منٹ میں ہم لوگ
پہنچ گئے۔ پیٹرومیکس کی روشنی سے دور ہی سے پتہ چل گیا تھا
کہ سامنے نواب صاحب کی کوٹھی ہے، کوٹھی کی آرایش و زیبایش
بے مثال تھی۔ باجے زور شور سے بج رہے تھے، کیونکہ میں سخت
حیران تھا کہ جس گھر میں مریض کی حالت تشویشناک ہو وہاں
شادیانے بجیں؟۔

چند منٹ گذرے ہوں گے کہ اندر خبر کی گئی کہ ڈاکٹر صاحب
آ گئے۔ خبر کے معلوم ہوتے ہی نواب صاحب برآمد ہوئے۔

یہ نواب نہال حسین، مولوی عبد الماجد صاحب مرحوم کے داماد تھے۔ نخی جان سے عقد کر لینے کے بعد اور شہر سے روپوشی اختیار کر کے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے، بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ معلوم ہوا کہ ان کے بچے کی طبیعت ناساز ہے کچھ کھاتا نہیں بالکل سست ہو رہا ہے میں نے دیکھا تو بچہ بالکل اچھا تھا۔ دن کو سوئی دودھ کافی کھا لینے کی وجہ سے یہ کیفیت ہوگئی تھی۔

نواب صاحب نے مجھے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن میری طبیعت ایسی منغض ہو رہی تھی کہ ایک لمحہ ٹھہرنا بھی ستم تھا۔ میں ضروری ہدایات کر کے روانہ ہوا۔ واپسی میں سخت ذہنی انتشار میں مبتلا تھا۔ جس کی جائداد کی بدولت نہال صاحب کی نوابی ہے" خود اس کا حال ہے؟۔

اس سے قبل نو بجے میں انہیں کے بچوں کو کس مپرسی کے عالم میں ایک قطرہ دوا کے لئے جاں بلب دیکھ آیا تھا، چند گھنٹے بعد انہیں کے دوسرے تندرست بچوں کے لئے بلا پرواہ لگتا نے دیکھ رہا ہوں۔ خوف الٰہی، اور پابندی احکام مذہب سے بیگانگی کے بعد سی کی اصلاح سماج اور سوسائٹی کے لئے دشوار ترین امر ہے۔

آج بھی احباب عید ملنے آرہے ہیں۔ اور میری خاموشی کا سبب پوچھتے ہیں، بتائیے! کہ میں انہیں کیا بتاؤں؟ فقط

"محمد الیاس"

اسلام پور (پٹنہ)

ایک منظر ادھر بھی

فصل خزاں ہو عنبر کہ فصل بہار ہو سنسان دشت یا چمن لالہ زار ہو
تنباکو کے دھوئیں کی کرامت تو دیکھئے پہنچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

کیا آپ تنباکو کا شوق رکھتے ہیں۔ تو گیا کے اس کارخانے کا تنباکو پیجئے، جو پینے میں اعلیٰ خوشبو میں نرالا پیتے ہی طبیعت کو مست بنا دے، جگر کو تازگی و دل کو تراوٹ پہنچانیوالا نہایت پائدار خوشبو رکھنے والا جسکی نہایت میٹھی خوشبو کے سامنے گیا کے کل تنباکو پھیکے پڑ گئے ہیں جس حجرے کی پیاری خوشبو سے آپ اور آپکے دوست حیرت میں ہو جائینگے جسکو نہایت صفائی کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے، خوبی تو یہ ہے کہ بہت دیر تک تنباکو کو جلتے ہوئے بھی گھٹنے کا نام نہیں اسی لئے تو ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے بصرف ایک بار آزمائش کریں۔ فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کی جاتی ہے

ہیڈ آفس پرانی گدام گیا۔ } تنباکو منگانے کا پتہ:- کرامت میاں تنباکو کارخانہ گیا { برانچ آفس کچہری روڈ گیا

کحل الجواہر رجسٹرڈ

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ

مفید اور لاجواب سرمہ ہے۔ دعوے سے کہتا ہوں کہ کمزوری نگاہ، حلت و تاریکی چشم، نزلہ، جالا، رولا، پھولا، ناخونہ، پربال، دُسرخی چشم، آنکھوں کے درد اور نظر آنے کیواسطے بیحد مفید ہے۔ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک لوگ بھی استعمال کر کے فائدہ حاصل کر رہے ہیں ہزاروں ریلوے ملازمین اسکی بدولت امتحان میں کامیاب ہو کر اسکے مداح ہیں برابر استعمال کرنے سے چشمہ بھی چھڑا دیتا ہے اور موتیابند کیلئے اس سے بہتر سرمہ نہیں۔ سلائی مفت ایک شیشی کا وی پی عہ دو شیشی کا ۱۲؎ تین شیشی کا تین روپیہ ۳؎

ملنے کا پتہ بیت الشفا گیا

نوحۂ زندگی

حقیقت اپنے اصلی روپ میں واقعات کی کڑی بندشوں کو محسوس کرتی ہے ۔ مگر افسانوں میں آزادی سے چلتی پھرتی ہے

"نگہ"

میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا جمال ! تمہیں بھول جانا ممکن ہی نہیں ۔ سلیم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور ٹرین پلیٹ فارم کو چھوڑ کر منزل کی طرف جانے لگی ۔ جیسے ہماری پلکوں میں چھپے ہوئے آنسوؤں کو نہ دیکھنا چاہتی ہو !

ایک سال کا یہ واقعہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ابھی ابھی پیش آیا ہو ۔

سلیم میرا دوست تھا ۔۔۔ ۔۔۔ کالج کا ساتھی ۔۔۔ ۔۔ وہ خوبصورت نوجوان اور شاعر تھا ۔ آج جبکہ نا ممکن ممکن ہو گیا ہے اور سلیم نے مجھے بھلا دیا ہے میں اس کی دکھ بھری زندگی کے واقعات قارئین تک پہونچانا چاہتا ہوں ۔ لیکن اس سے پہلے چند باتیں عرض کرونگا میں ایک افسانہ نگار ہوں اور کامیاب افسانہ نگار وہی سمجھا جاتا ہے جو واقعات کو توڑ مروڑ کر افسانہ بنا دے ۔ مجھے اعتراف کرنا چاہیئے کہ میں بھی اب تک یہی کرتا رہا ہوں ۔ اور شاید آئندہ بھی یہی کرتا رہوں گا ۔ لیکن آج ۔۔۔۔۔۔ ؟ آج میں واقعات کو اصلی روپ ہی میں پیش کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں کیونکہ حقیقت بہر حال بناوٹ سے زیادہ رومان انگیز اور سبق آموز ہوتی ہے

اس حیثیت سے افسانے میں نام فرضی ہی استعمال کرونگا ۔ کیونکہ ان سے دو شریف خاندان کی عزت وابستہ ہے ۔ اور شاید نہ پسند باتیں ایسی بھی آ جائیں جو عرض نہ کر سکوں تو قارئین سے درخواست ہے کہ وہ کسی کا راز سمجھکر مجھے معاف فرمائیں ۔

اس کہانی کی ابتدا اسلامیہ کالج لاہور سے ہوتی ہے ۔ آٹھ سال پہلے میں اور سلیم ساتھ پڑھتے تھے ۔ سلیم تھا تو گاؤں کا رہنے والا مگر تعلیم کے شوق نے اسے شہر اور شہرت کالج پہنچا دیا ۔ کالج ہی میں ہم پہلی دفعہ ملے اور خیالات کی یکرنگی نے ہمیں ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا ۔ رفتہ رفتہ تعلقات بڑھتے گئے اور تکلف کا پردہ ہمارے درمیان سے اٹھتا گیا ۔ ہم بظاہر ہر وقت تعلیم میں مشغول رہتے تھے ۔ اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ تعلیم کے علاوہ اور بھی کوئی مشغلہ تھا ۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم اپنی پرائیوٹ زندگی کو بھی ایک دوسرے سے راز رکھے ہوئے تھے ۔

ایک روز ۔۔۔۔۔۔ گرمیوں کی دوپہر تھی اور چھٹی کا دن ۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ایک افسانہ کا پلاٹ سوچ رہا تھا مگر دماغ کچھ ایسا اوندھا ہو گیا تھا کہ کچھ سوجھتا ہی نہ تھا آخر الجھن سی ہونے لگی اور میں اپنا کمرہ بند کر کے سلیم کے کمرے میں جا پہنچا ۔ اتفاق سے وہ دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا ۔ میں آہستہ آہستہ چلکر اس کے قریب پہونچا اور پشت کے پیچھے کھڑا ہو کر دیکھنے لگا ۔ سلیم اس وقت عجیب محویت کے عالم میں تھا سر کے بال الجھے ہوئے تھے ۔ پسینے سے سارے کپڑے تر ہو رہے تھے مگر اسے کچھ خبر نہ تھی ۔ اس کے سامنے میز پر ایک کاغذ پڑا تھا جس پر چند شعر لکھے ہوئے تھے ۔ اور وہ آنکھیں بند کیے کوئی مصرع گنگنا رہا تھا ۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا: "کیا ہو رہا ہے سلیم؟" وہ اچھل پڑا اور جلدی سے سامنے رکھا ہوا کاغذ اٹھا کر چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ "اب چھپانے سے کیا فائدہ؟ شاعر صاحب!" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔ وہ کچھ جھینپ سا گیا اور بات ٹالتے ہوئے کہنے لگا: "اس وقت کیسے آئے، یہاں میں جا رہا ہوں؟" "جانا کہاں ہے؟ تمہارے ہی پاس آیا ہوں" میں نے جواب دیا۔ بے تکلفی کرتے ہوئے چلو ذرا ٹہل آئیں۔

سلیم بولا، دراصل وہ اپنی شاعرانہ زندگی چھپانا چاہتا تھا "یہ ٹہلنے کا کون سا وقت ہے؟ اس گرمی میں باہر جانے سے فائدہ؟" میں نے اس کے عجیب خیال پر حیران ہوتے ہوئے کہا "صاحب! گرمی میں بھی قدرت کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا چاہیے"۔ جناب! یہ بھی تو ہمارے ہی لئے بنائی گئی ہیں" یہ کہہ کر وہ کپڑے بدلنے لگا۔ "اچھا تو آپ فلسفی بھی ہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو بھئی چھپے رستم نکلے" اس نے میری باتوں کا جواب دیتے ہوئے کمرہ بند کیا اور ہم سڑک پر ہو لئے۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "سلیم! تم نے آج تک مجھے یہ کیوں نہ بتایا کہ تم شاعر بھی ہو، آخر اس میں چھپانے کی کیا بات تھی؟" سلیم نے جواب دیا۔ "تم بھی تو رات رات بھر اپنے کمرے میں بند ہو کر کچھ لکھتے رہتے ہو، تم ہی نے کب بتایا کہ کیا لکھتے ہو؟" "تم نے کبھی پوچھا بھی تو نہیں!" میں نے ہنس کر کہا۔ "اب جو پوچھ رہا ہوں" سلیم بولا۔ "میں افسانے لکھتا ہوں" "اور میں شاعری کرتا ہوں" سلیم نے قہقہہ لگایا "یہ خوب رہی"

اس انکشاف کے بعد غیریت کا پردہ بالکل اٹھ گیا۔ اور ہم دونوں ایک ہی کمرے میں رہنے لگے۔ سلیم اکثر مجھے اپنی نظمیں سناتا اور میں اسے اپنے افسانے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں چیزوں میں رومانی عنصر غالب ہوتا۔ اور یہی چیز تھی جو ہمیں ایک دوسرے میں جذب کئے دے رہی تھی۔

اسی طرح دن گذرتے گئے۔ اور ہم لوگوں کی پر خلوص محبت بڑھتی رہی۔

سلیم بہت خوبصورت اور تندرست نوجوان تھا۔ سرخ و سفید چہرہ بھرا بھرا سڈول جسم اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں اس کی آنکھوں میں ایک نرالی کشش تھی ——— مقناطیسیت ——— جو بھی ایک دفعہ اس سے ملتا ہمیشہ کے لئے اسی کا ہو رہتا۔ جیسے جادو کے زور سے کوئی اسے اپنا بنا لے!

آہ! آج بھی جب سلیم کی اس زمانے کی تصویر دیکھتا ہوں تو دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ آج کا سلیم اس سال پہلے کے سلیم سے کتنا مختلف ہے ——— کالج کے مایہ ناز کھلاڑی سلیم کا سایہ بھی تو نہیں رہا ——— اُف! ستم ظریفی قدرت۔

ہم بالکل بے تکلف ہو چکے تھے۔ مگر ابھی تک مجھے نہیں معلوم تھا کہ سلیم عشق کی پرخار وادی میں بھی قدم رکھ چکا ہے۔ کیونکہ وہ شاعر تھا اور شاعر کے دل کو آج تک کوئی سمجھ نہیں سکا۔

چھٹیوں میں میں اس کے گاؤں گیا، وہیں اس نے بتایا کہ اسے زہرہ سے محبت ہے (زہرہ اس کے ایک غریب عزیز کی بیٹی تھی) سلیم زہرہ کو اپنا دل دے چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس کے سوا کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے والدین زہرہ سے اسکی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نہیں بھی معلوم تھا کہ زہرہ اور سلیم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ محبت ان کی نگاہوں میں "جوانی کی لغزش" تھی ——— کاش! وہ جانتے ہوتے کہ محبت "زندگی کی روح" ہے، جوانی کی لغزش نہیں!..........

سلیم کا خاندان زیادہ امیر تو نہ تھا مگر گذر اچھی طرح ہو رہی تھی اس کے برعکس زہرہ کے والدین کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لئے ناممکن تھا کہ سلیم کے والدین زہرہ کو اپنی بہو بنانا منظور کرتے ——— ہماری موجودہ دنیا میں شادی لڑکے لڑکی کے تناسب، خوبصورتی، علم و عقل اور شرافت و لیاقت کی بنا پر نہیں ہوتی۔ اس کے لئے شرط ہے "دولتمند ہونا" اور افسوس زہرہ کے والدین اس "شرط" پر پورے نہ اتر سکتے تھے۔ اسی لئے سلیم کے والدین ایک غریب گھر کی لڑکی کو بہو بنا کر ہم چشموں میں رسوا ہونا نہ چاہتے تھے۔

زہرہ اور سلیم کی محبت سچی اور پاک تھی اور یہ محبت دفعتاً پھوٹ پڑی تھی۔ بلکہ وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ان کے معصوم دلوں میں محبت . . . تھی اور زمانے نے سکھا دیا تھا جب وہ محبت کے حقیقی مفہوم سے بھی ناواقف تھے۔ ان کی محبت اسی زمانے سے قائم تھی جب امیری اور غریبی کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ بچپن کی معصومیت ایک ایسی دولت ہے جس کے سامنے نہ تو امیر کا عالیشان محل کوئی وقعت رکھتا ہے نہ غریب کا جھونپڑا ——— بڑائی اور غرور تو بعد کی چیزیں ہیں!

یہی وجہ ہے کہ زہرہ اور سلیم کی محبت امیری غریبی کے ان جھگڑوں سے بے نیاز تھی ان کی معصوم روحیں صرف ایک دوسرے کے دلوں ہی کو دیکھ سکتی تھیں ——— کپڑوں اور گھروں کو نہیں

یہ سب بجا تھا مگر سلیم کے دولتمند والدین زہرہ سے اس کی شادی کیا نہ چاہتے تھے۔ دوسری طرف زہرہ کے والدین تھے جنہیں ان باتوں سے کوئی . . . نہ تھا وہ تو اپنی لڑکی کی شادی ایسی جگہ کرنا چاہتے تھے جہاں سکھ اور آرام اچھے کھانے کپڑے کا نام ہے۔ یعنی ہوی کی محبت اور عزت تک ان کی "دنیادار نظریں" بھی نہ پہنچ سکی تھیں۔

غریب کی طرف سلیم اور زہرہ تھے ——— دو محبت کرنے والی پاک روحیں ——— دونوں کبھی کبھی ملتے اور اپنی مصیبتوں پر چار آنسو بہا لیا کرتے تھے۔ مگر یہ سلسلہ بھی زیادہ دن تک نہ رہ سکا۔ جلد ہی گاؤں بھر میں چرچا ہونے لگا۔ اور اس کے ساتھ ہی دونوں کے ماں باپ اپنی اپنی عزت بچانے کا انتظام کرنے لگے اور زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ زہرہ کی شادی ایک امیر خاندان سے طے پا گئی۔ دوسری طرف سلیم کو رشتے کی زنجیروں میں باندھ دیا گیا۔ رضیہ قریب کے شہر میں ایک امیر گھر کی لڑکی اس سے سلیم کی نسبت طے پا گئی۔ اور دن بھی مقرر ہو گیا۔

سلیم جانتا تھا کہ وہ زہرہ کے سوا کسی سے محبت نہیں کر سکتا لیکن اس . . . مخالفت نہ کر سکا۔ اس کے خیال میں مخالفت ممکن ہی نہ تھی مگر میرا خیال ہے کہ یہ اس کی کمزوری تھی لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ وہ ہمیشہ سے اسی ڈھنگ کا آدمی تھا اس کی مرضی کے خلاف کام ہوتا اور وہ مخالفت نہ کر سکتا۔ دل ہی دل میں کڑھتا اور کچھ نہ بولتا۔ عادت سے بجائے اس کی فطرت بن گیا تھا۔ اس معاملے میں بھی یہی ہوا اور رضیہ سے اس کی شادی ہو گئی۔

جس وقت سلیم دولہا بنا ہے ٹھیک اسی وقت محبت اپنی طاقت کا ایک ثبوت دیتی دیتی رہ گئی اگر سلیم مجبور نہ ہو جاتا تو ممکن ہے . . .[1]! اس کا نتیجہ کچھ بھی ہوتا مگر اندھے اور ناعاقبت اندیش والدین کی آنکھیں ضرور کھل جاتیں۔

سلیم کی شادی ہو گئی مگر اسے اس کی ذرا خوشی نہ تھی۔ شادی کے موقع پر میں وہاں موجود نہ تھا۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ہزار کوششیں کر کے بھی اپنی دلی کیفیت کو نہ چھپا سکا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ اس کا دل اندر سے رو رہا ہے اس کا ظاہری سکون اور پھیکی مسکراہٹ بالکل اس قیدی کی طرح تھی جو پھانسی کا حکم سن کر بھی صرف اس لئے زور سے ہنسی ہنستا ہے کہ لوگ اسے بزدل نہ سمجھیں!

سلیم کے شادی کے بعد ہی زہرہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔ اپنی شادی کے دن اس نے زہر کھا کر خودکشی کرنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی گھر والوں کو معلوم ہو گیا اور ڈاکٹری امداد سے اسے بچا لیا گیا۔ ——— زندگی سے بیزار لوگوں کو زبردستی زندگی کے جہنم میں پھینک دیا گیا۔ ہماری سماج کا یہی دستور ہے۔ یہ کسی کا ایک ہی دن جل مرنا نہیں دیکھ سکتی۔ بلکہ اسے زندگی بھر جلتا ہوا دیکھنے ہی میں مزا آتا ہے!

زہرہ کی شادی ہو گئی اور اب دونوں کے والدین اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر خوش تھے۔

شادی کا ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد سلیم کالج واپس آیا۔ اب وہ اپنے غم کو تعلیم و کھیل کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر کامیابی معلوم؟

مایوسیوں سے بھری بھری ہوئی زندگی کے تین سال گزر گئے

[1] اس راز کو راز ہی رہنا چاہیے۔ "شریف"

اور سلیم کو ایک حادثہ [1] ـــــ مہلک حادثہ پیش آگیا جس نے کچھ مدت کے لئے اسے جیون اور ڈاکٹروں کا تختۂ مشق بنا دیا۔ اور جب وہ ہسپتال سے لوٹا تو اس قابل نہ رہ گیا تھا کہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔ مجبوراً تعلیم ترک کر دی اور ایک دائمی مصیبت ساتھ لیکر گاؤں چلا گیا۔

جلد ہی مجھے بھی تعلیم ترک کر دینی پڑی اور میں نوکری کی تلاش میں کلکتہ چلا آیا۔ مجھے ملازمت مل گئی اور میں نے غلامی کے بندھنوں میں اپنی زندگی کے دن گذارنے شروع کر دئے۔ سلیم سے میری خط و کتابت برابر جاری تھی۔ اور وہ مجھے ہر خط میں یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اب اسکی حالت سنبھل رہی ہے۔

دو سال بعد میں لاہور واپس گیا۔ اور سلیم سے ملا۔ مگر میں نے دیکھا کہ سلیم اب پہلے کا سلیم نہ رہا تھا۔ صحت کی خرابی کے ساتھ ہی اس کی زندگی کے معمولات میں بھی بہت زیادہ تبدیلی ہو چکی تھی۔ اور اس کا مزاج غیر شاعرانہ قسم کا ہو کر رہ گیا تھا۔

سلیم کا معیار بہت بلند تھا۔ اور ناکام ہونے کے بعد بھی اس کی محبت میں زندہ رہنے کی کافی گنجائش تھی۔ مگر زندہ رہنا جتنا آسان ہے دل کے زخموں کا علاج اتنا آسان نہیں۔

رضیہ خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ جلد ہی اسے سلیم سے محبت ہو گئی۔ مگر سلیم اپنے پاس وہ دل نہ پاتا تھا جو رضیہ کو دے سکے وہ کہا کرتا تھا "محبت صرف ایک ہی دفعہ کیجاتی ہے۔ اور وہ میں کر چکا۔" لیکن اسے رضیہ سے ہمدردی تھی۔ اپنی بربادی کا ذمہ دار وہ رضیہ کو نہ سمجھتا تھا۔ اس لئے اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش بھی کرتا تھا۔ رضیہ کو اپنی "مصنوعی محبت" کا یقین دلا کے وہ سمجھتا تھا کہ اسے دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور ممکن ہے رضیہ کی سی "شوہر کو مجازی خدا سمجھنے والی ہندوستانی عورت" دھوکا کھا جاتی مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی ایک "خاص موقعہ" [2] پر یہ راز سلیم کی سچی محبت سے واقف ہو چکی تھی اس لئے سلیم کی اس ہمدردی نے اس کے دل میں سلیم کی محبت کئی گنا بڑھا دی۔ اور اس نے سلیم کو جاننے بھی نہ دیا کہ وہ "راز محبت" سے واقف ہے۔

رضیہ کو سلیم سے محبت تھی اور محبت سے آشنا دل ہی محبت کی قدر کر سکتا ہے۔ وہ سلیم کی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے اپنی حالت پر مطمئن تھی لیکن محرومیٔ محبت کا غم اندر ہی اندر اس کے دل پر زخم لگا رہا تھا۔ سلیم کی روز بروز ہوتی ہوئی خراب حالت نے ان زخموں کو ناسور بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک مہلک مرض کا شکار ہو گئی۔

جب سلیم کو معلوم ہوا کہ اس کی "نمائشی محبت" رضیہ کو دھوکا نہ دے سکی اور وہ بڑی کوشش سے اس کا علاج کرنے لگا۔ کافی علاج معالجے کے بعد رضیہ کی کچھ ظاہری حالت کچھ سنبھلی۔ اس عرصے میں سلیم کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ مالی پریشانیوں نے اسے اتنا مجبور کیا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں کلکتہ چلا آیا۔ یہاں ہم دونوں پھر ایک دفعہ ملے اور اس نے مجھے اپنی مصیبتوں کی طویل داستان سنائی۔

کافی دوڑ دھوپ کے بعد ایک جگہ سلیم کو ملازمت مل گئی اور وہ کچھ مطمئن ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ہم نے رضیہ کو بھی کلکتہ بلا لیا۔ یہاں اس کا بڑی کوشش سے علاج کیا گیا مگر بیماری اور بھی بڑھ گئی۔

کام سے فارغ ہو کر جب ہم مکان جاتے تو پرانی باتیں یاد آ کر ہمیں کسی دوسری ہی دنیا میں پہونچا دیتی تھیں۔ کالج کے [illegible] دن ـــــ ـــــ ہماری ادبی دلچسپیاں اور سیاسی بحثیں ـــــ ہم گھنٹوں انہیں باتوں میں کھوئے رہتے تھے۔ آخر سلیم حسرت سے یہ شعر پڑھتا۔

خونِ گشتہ تمناؤں کا منظر ہے بھیانک
للہ نہ ماضی کو مرے سامنے لاؤ

[1] اس بھیانک حادثے کی تفصیل مجھ سے ممکن نہیں ـــ "شریف"۔ [2] یہ رضیہ کا راز ہے جسے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ـــ "شریف"

ایک سال اور گذر گیا اور بنگال کی زہریلی آب و ہوا نے رضیہ کی صحت بالکل ہی برباد کر دی۔ آخر سلیم کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ رضیہ کو وطن بھیج دے۔

رضیہ کے وطن چلے جانے کے بعد سلیم نے پہلی دفعہ اعتراف کیا کہ زہرہ کی محبت قائم رہتے ہوئے بھی رضیہ کی محبت، قربانی اور فرمانبرداری نے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور وہ اپنے دل میں اُسکی محبت پانے لگا ہے۔

مگر رضیہ کی محبت بھی اُس کے لئے مصیبت ہی ثابت ہوئی۔ ایک ایسا زخم اُس کے دل میں ہو گیا جو شاید کبھی اچھا ہو سکے۔ رضیہ اور سلیم کی برائے نام محبت دیکھ کر زہرہ نے یقین کر لیا کہ اس کی محبت سلیم کے دل سے نکل چکی ہے۔

یہ جان کر سلیم کو بہت زیادہ دکھ ہوا کہ زہرہ کو اُس پر اعتبار نہیں رہا۔ اُس نے بڑی حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا "کاش! میں زہرہ کو کیسے یقین دلاؤں کہ اُس کی محبت لافانی ہے، وہ قبر تک میرے ساتھ جائیگی۔ اسے نہیں معلوم کہ میں صرف محبت کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے اور زہرہ کی زندگی کو درد زیادہ تلخ ہونے سے بچانے ہی کے لئے دور دور اُس سے رہتا ہوں۔ کاش وہ سمجھ سکتی کہ پاکیزہ محبت کبھی فنا نہیں ہو سکتی۔ محبت کی پاکیزگی ہی وہ "آب حیات" ہے جو بڑے ہی خوش نصیبوں کو ملتا ہے۔"

ایک سال اور گذر گیا۔ مگر رضیہ کی حالت ذرا نہ سنبھلی۔ وہ روز بروز موت سے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ آخر سلیم دو مہینے کی رخصت لے کر مکان گیا۔ میں اُسے اسٹیشن تک چھوڑنے گیا۔ جب گاڑی چلنے کا وقت قریب آیا تو میں نے اپنے دل میں درد کی ایک ٹیس سی محسوس کی اور خود بخود میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنے آنسوؤں کو چھپاتے ہوئے میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ——
سلیم! فکروں کے ہجوم میں مجھے بھول نہ جانا" اور اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا جان! —— تمہیں بھول جانا ممکن ہی نہیں" ——— اور گاڑی چلی گئی۔

گاڑی چلی گئی اور میری پلکوں میں چھپے ہوئے آنسو بڑھ کر پلیٹ فارم کے سنگین فرش میں جذب ہو گئے۔ وہ تین مہینے سلیم کے خط برابر آتے رہے جن میں وہ رضیہ کی زندگی کی طرف سے برابر مایوسی ظاہر کرتا تھا۔ ......ء کا منحوس دن مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ جب اُس کا آخری خط آیا۔ جس میں صرف چند سطریں لکھی ہوئی تھیں —— میں نے کھول کر جلدی جلدی پڑھا۔

"جمال! کل ......ء کو رضیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ہمیں داغ مفارقت دے کر چلی گئی —— بدنصیب سلیم"
اس کے نیچے یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

—— معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیر ——
—— تیرے لئے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں؟ —— —

اس خط کے بعد اُس نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا۔ میں نے بیسیوں خط لکھ ڈالے مگر ایک کا بھی جواب نہیں ملا۔ سلیم کو مجھ سے جدا ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ میں ابھی تک لاہور نہیں جا سکا۔ اور جانے کب تک نہ جا سکوں گا۔ مجھے نہیں معلوم سلیم کہاں ہے۔ مگر یہ یقین ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اُس کے محبت کے آب حیات سے بھرے ہوئے دل میں میری یاد ضرور چٹکیاں لیتی ہو گی۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ مجھے خط نہیں لکھتا جس کی وجہ "شاعر کا دل" ہے جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

سلیم کے ان مہینوں سے بھرے ہوئے واقعات زندگی کو میں نے تو صرف زندگی کے زیر عنوان قلمبند کر دیا ہے۔ معلوم نہیں وہ میری اس جرأت کو کس نظر سے دیکھے گا۔!

آخر میں مجھے اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ یہ داستان غم ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس کا انجام بخیر ہو ——— آمین ...

شریف چکوالی

ء ء کسی مصلحت کی بنا پر یہ تاریخیں ظاہر نہیں کی جا سکتیں۔ •

نوحۂ زندگی

ہیں تحیر زا بہت سے مشرقی رسم و رواج
"عقد" تو ہے غیر کے ہاتھوں میں بک جانے کا نام
"عقد" زنجیرِ علائق میں اسیری کا مقام
"عقد" دو روحوں کے اک جوڑ کا مشکل مسئلہ
"عقد" کے مختارِ کل ماں باپ ہیں لیکن یہاں
انتہا تک کرنا ہوگا جس کو آپس میں نباہ
اس میں دولہا اور دلہن کا مشورہ "مد فضول"
گر کہیں قسمت سے رجحاناتِ طبعی مل گئے
اور دونوں کے مزاجوں میں ہوا جو اختلاف
اختلافِ جسم و دل شورش اٹھاتا ہے ضرور
مشرقی عورت کی فطرت کو مگر صد آفریں
جس کے دل سے خوئے تسلیم و رضا جاتی نہیں
وہ رفاقت اور محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
ہے مجازی روپ میں شوہر خدا اسکے لئے
ترک کر دیتی ہے احساسِ خودی سے رسم و راہ
دل سے غیرت کے سب پردے اٹھا دیتی ہے وہ
منتشر اوسان ہیں کیسے انہیں باہم کروں؟
کس طرح میرا لٹا عہدِ جوانی کیا کہوں؟
داغ ہیں محرومیوں کے دل پہ بے حد بے شمار
زندگی بھر میں فریبِ آرزو کھاتا رہا
اُف! شباب آتے ہی اک کافرِ الفت ہو گئی
انجمن میں حسنِ خود سر کی رباب عشق تھا
ہائے پر اس وقت آڑے آ گئی ظالم سماج
دونوں ہی سوسائٹی کے ڈاکوؤں سے لٹ گئے

سب سے بڑھکر ہے تعجب خیز رسمِ ازدواج
مرد و عورت کے شریکِ زندگی پانے کا نام
ایک دوشیزہ کے عورت بنکے رہ جانے کا نام
زندگی بھر کی رفاقت کا وہ پہلا مرحلہ
بے حیا اور ناو کہلاتی ہے گر کھولے زباں
ابتدا میں اُن سے استصواب رائے بھی گناہ
دونوں بے چون و چرا کرتے ہیں ایجاب و قبول
پھر تو یہ سمجھو کنول دونوں دلوں کے کھل گئے
بالیقیں اک دوسرے سے وہ کرینگے انحراف
دن کو تڑپاتا ہے راتوں کو رلاتا ہے ضرور
جب جھکی اک بار پھر اٹھتی نہیں اُس کی جبیں
شکوۂ جور و جفا لب پر کبھی لاتی نہیں
وہ اطاعت اور خدمت کے سوا کچھ بھی نہیں
دین و دنیا کا وہی ہے آسرا اسکے لئے
دکھ اٹھا کر بھی گلہ کرنا سمجھتی ہے گناہ
خود کو کھو دیتی ہے اور شوہر کو پالیتی ہے وہ
آہ، اپنی زندگی کا کس طرح ماتم کروں؟
آنسوؤں کی اور آہوں کی کہانی کیا کہوں؟
رو رہا ہے خون کے آنسو شباب سوگوار
کر کے پیہم الفتِ ناکام بچھتاتا رہا
نوجوانی حسن کی پہنائیوں میں کھو گئی
یعنی میں خوش قسمتی سے کامیابِ عشق تھا
دو دلوں کی دشمنی پر تل گئے رسم و رواج
زندگی بھر کے لئے اک دوسرے سے چھٹ گئے

اُس "گارستہ" اور میری راہ الگ کر دی گئی
جرم از بسکہ تھی اس بارے میں میری خودروی
ملتفت ہوتا میں اس سے کس طرح ! مجبور تھا
گنج تنہائی میں "دخسار غیر" سے بچھڑا ہوا
کھویا کھویا سا میں کچھ مخمور سا رہنے لگا
گو وہ ناکردہ گناہ بے جرم ہی ملعون تھی
پیکر مہر و وفا تھی آبرو کی جان تھی
اس کے ایثار و رفتار نے قائل کر دیا
جذبۂ ایثار اس کا رنگ یوں لانے لگا
اس کی معصومی پہ مجھکو پیار سا آنے لگا
خود بخود بیگانگی دل سے مرے جانے لگی
آرزو سنبھلی، تمنا پھر جواں ہونے لگی
ہم محبت اور مسرت کی فضا میں کھو گئے
میرے اُجڑے گھر میں جیسے آگئی پھر سے بہار
آہ لیکن سچ ہی ہے شاید کسی کی بات ہے
چند روزہ سر خوشی میں کھُل گیا سارا بھرم
مجھکو کیا معلوم تھا میری محبت زہر ہے
مجھکو کیا معلوم میری صبح میں بھی شام ہے
مجھکو کیا معلوم تھا یہ مسکرا دینا مرا
مجھکو کیا معلوم تھا مٹ جاؤنگا میں یوں اگر
مجھکو کیا معلوم تھا بنگال[4] کی آب و ہوا
اُن کٹھڑی سر پٹکتی ہے سر برہنہ آرزو
اب تو ہر اک سانس اک چلتی ہوئی تلوار ہے
چھوڑ دے اے روح اس ویران گھر کو چھوڑ دے
تشنگیٔ شوق کی تکمیل کرنے دے مجھے

سر خوشی کی نہر اُف! زہر آب سے بھر دی گئی
باندھ دی گئی اک "غیر" کے دامن سے میری زندگی
دل تو پہلے ہی محبت میں کسی کی چور تھا
رنج محرومی میں "فرض ہمدمی" بھولا ہوا
پاس رہ کر بھی میں اُس سے دور سا رہنے لگا
پھر بھی چپ رہتی تھی کیونکہ مشرقی خاتون تھی
مختصر یہ ہے سکینہ[1] ابن شبیر کی آل تھی
سر جھکانے کی ادا نے مجھکو گھائل کر دیا
میں خود اپنی بے رخی سے آپ شرمانے لگا
اُس کے پہلو میں مرا دل چین سا پانے لگا
رفتہ رفتہ اُس کی اُلفت دل کو گرمانے لگی
اک نئی بجلی رگ و پے میں مرے دوڑنے لگی
اس طرح گھل مل گئے شیر و شکر سے ہوگئے
ہے خدا رکھے زبیر[2] اس عہد کی جو یادگار
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
چھوڑ کر مجھکو ہوئی وہ راہیٔ ملک[3] عدم
چاہنا میرا کسی کو اک مجسم قہر ہے
میرا پیغام وفا بھی موت کا پیغام ہے
موت کی دیوی کا بن جائیگا خونیں تھا
وہ ہمیشہ کے لئے جائے گی مجھ سے روٹھکر
ہے سکینہ کے لئے زہر آب اور باد فنا
موت ہی بس کر سکے گی اب تو چارۂ دل رفو
اس مسلسل موت میں اب زندگی دشوار ہے
توڑ دے اے موت جسم و جاں کا رشتہ توڑ دے
اب جیا جاتا نہیں اللہ مرنے دے مجھے

ظفر زبیری

---

[1] میری رفیقۂ حیات! جو مجھے کارزار حیات میں تنہا چھوڑ گئی [2] یہ میرا لخت جگر، مرحومہ کی واحد زندہ یادگار [3] ۱۸ جنوری ۴۰ء کو مرحومہ مجھ سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئی۔
[4] میں بسلسلہ ملازمت کھڑگپور میں مقیم تھا اور مرحومہ میری شریک سفر تھی۔ اس مرض موت میں مبتلا ہوئی۔ ظفر

مرقع حاضرہ

مثنوی کیا ہے کارنامہ ہے شعر کیا شاعری کا جوہر ہے

اُردو میں ایسی مثنوی جو ہر عنوان کی نظموں کا کام دے کوئی نہیں اگر ہے تو یہی ہے۔ پوری مثنوی میں ہر نظم کے ساتھ ساقی نامہ اور اُسی بحر کی ایک غزل، عنوان حسب ذیل۔

حمد، نعت، منقبت۔ عرض حال۔ میکدۂ الست۔ نغمۂ نیستاں۔ شراب محبت۔ سوز حقیقت۔ مکالمہ نفس و روح۔ ترانۂ حال و قال۔ درس علم و عمل۔ حسن و شباب۔ صبح بہار۔ چودھویں کا چاند۔ عید کا چاند۔ صبح بنارس۔ دوپہر۔ برسات کا سماں۔ جمنا کا میل۔ بلا کا سحر۔ تیمور۔

اگر آپ نے یہ مثنوی ملاحظہ نہیں فرمائی تو اُردو کی دنیائے شاعری میں گویا کچھ نہیں دیکھا۔ غیر مجلد کتابوں کا تاجرانہ نرخ دس نسخے غیر مجلد والوں کیلئے رعایتی ۱۲ ار چالیس سے پچاس تک کیلئے رعایتی ۸، یہی حساب چوتھائی اور نصف کمیشن کا سب پر رہیگا۔ مجلد ۱۲ غیر مجلد عہ

حدیقۂ آخرت (و) توشۂ رحمت

حدیقۂ آخرت کی مانگ اتنی بڑھی کہ طبع ثانی کی نوبت آئی حضرت مصنف علامہ شفق نے ایک نیا اضافہ نظم و نثر میلاد جدید یا توشۂ رحمت کا ایسا کر دیا ہے کہ دونوں مل کر نور علی نور ہیں یہ مانی ہوئی بات ہے عام کیا خواص تک جانتے ہیں ایسی نثر اور ایسی نظم مروجہ کتب مولد وغیرہ میں نہیں پا سکتی

سیرت اسلامیہ کا قصیدۂ لامیہ

اُردو زبان میں آپ ایسا کوئی قصیدہ نہیں دکھا سکتے جس میں آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک کا مختصر ذکر اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے فتح مکہ تک کی تاریخ نظم کی گئی ہو دیر نہ کیجئے ورنہ پھر آپ مانگیں گے تو یہ لاجواب قصیدہ نہ مل سکے گا۔

شاعری و زباندانی سکھانے والی نادر کتابیں

جلد منگائیے ورنہ پھر طبع ثانی کے انتظار میں بروقت نہ ملے گی

تحقیق سخن۔ محاسن شعریہ عیوب وغیرہ کو تفصیل کے ساتھ بتایا ہے قیمت ۸ر

رکن عروض۔ مروجہ و معمولی بحریں مع ارکان و زحاف وغیرہ ۔ ۲؍ر

گنجینۂ تاریخ۔ فن تاریخ گوئی کے علاوہ مشاہیر کی تاریخیں وغیرہ

دلکی رباعیوں کا مجموعہ۔ چونتیس رباعیاں دل کے عدد کے مطابق قیمت ۲ر

پیری کی رباعیوں کا مجموعہ۔ پچاس رباعیوں کا مجموعہ ہے قیمت ۲؍ر

ارمغان دہلی۔ دہلی کے قیام کے زمانے اور اسی زمانے کی نثر و نظم ۔ ۲؍ر

مدح پیغمبر۔ نعت گو جناب اشرف مرحوم تلمیذ مولانا شفق کا دیوان ۔ ۲؍ر

جذبات اشرف۔ اشرف مرحوم مذکورہ بالا کی نظموں کا مجموعہ ۔ ۲؍ر

"بسلسلۂ وفائے عہد"

حامد کا خط ناہید کے نام

از زاق نگر
مورخہ یکم نومبر ۱۹۴۰ء

میری ناہید۔ خدا تمہاری مدد کرے

میں عرصہ ایک ماہ سے موسمی بخار میں مبتلا تھا اور ہنوز اچھی طرح تندرست نہیں ہوں۔ اسی لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ میری فکر نہ کرنا مجھے اس وقت دنیاوی خبرگیریاں حاصل ہیں۔ میری اہلیہ مجھ سے کافی محبت کرتی ہے۔ میرے بچے میرے دل بہلانے کو کافی ہیں اور دنیا اسی کا نام بھی ہے۔ سماج کو تم نے جو گالیاں دی ہیں وہ بہت کم ہیں اور یہ ہندوستان اسی طرح دائم المرض رہے گا۔ یہاں کے درندے نما بہائم صفت انسان ہمیشہ "سماج" کو کلیجے سے لگائے رہیں گے۔ خدا کو بھول گئے ہیں مگر سماج کو نہیں بھول سکتے۔ سماج کی عینک لگا کر اپنی اندھیر نگری کو اجاگر کرتے رہیں گے۔ مصلح قوم کو گالیاں دیتے رہیں گے۔ خدا برا کرے ان مدعیان تمدن کا۔ معاف کرنا ناہید میں کیا کیا بک گیا۔

تم نے مجھ سے اپنی امداد کی درخواست کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت خوددار ہو مگر ناہید مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا مجھے اجازت دو کہ میں تمہارے کچھ کام آؤں کیا میں تمہارے جواب کا منتظر رہوں۔ تم نے کلاراکی تصویر شائع کرانے کی خواہش ظاہر کی ہے میں منظور کرتا ہوں انشاء اللہ آئندہ جو خط لکھوں گا اسکے ضمن میں شائع کراؤنگا۔ خدا کرے تم مع بچے کے مع الخیر ہو۔

تمہارا "حامد"

رسالہ سُہیل گیا

افسانہ نمبر

۶ فن افسانہ نگاری سے متعلق مقالوں۔ ۲۶ انتہائی دلچسپ رومان پرور افسانوں ۱۵ وجد آفریں نظموں۔ ۴ عکسی (فوٹو بلاکس) تصویروں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۴۰ء میں تقریباً پونے دوسو صفحات پر شائع ہو گیا۔ اردو کے مایۂ ناز ادبا اور شعرا۔

پروفیسر اختر اورینوی۔ ایم۔ اے۔ مفتی گوہر شادانی۔ پیارے لال شاکر میرٹھی۔ جمیل احمد کندہا پوری۔ ہدف اجتہادی لکھنوی۔ ایم اسلم لاہوری۔ عطاء اللہ پالوی۔ پروفیسر محمد مسلم ایم۔ اے۔ مانپوری۔ مرزا ادیب بی اے۔ آسی رام نگری۔ سہیل عظیم آبادی۔ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی۔ ش مظفر پوری۔ اختر قادری ایم۔ اے۔ قیس شیخوپوری۔ شفق رضوی۔ نوح ناروی۔ سریر کابری۔ ادیب مالیگانوی۔ سعید احمد اعجاز۔ حاجی نبی احمد بریلوی۔ رسا ہمدانی۔ افسانہ نمبر میں یکجا ہیں۔

قیمت افسانہ نمبر ۱۰؍ لیکن مستقل خریداروں کی خدمت میں مفت۔

چندہ سالانہ (سے) چندہ ششماہی (۱۲؍)

"منیجر رسالہ سُہیل شمسی پریس گیا"

تمام زردوں کا بادشاہ ؟ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؟ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفرانی
تمام زردہ قواموں کا امام ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام

تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؟ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دلربا ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الائچی دانوں کا تاج شاہانہ ؟ نکٹائی مارکہ خوشبودار الائچی دانہ

اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی وہاں بھی ہے * برما بھی مدح خواں ہے ہندوستان بھی ہے

(مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو)

محمد مصطفےٰ حسین کا شہرہ آفاق کارخانہ

نکٹائی مارکہ کی بہترین و عمدہ ترین و لذیذ ترین چیزیں مغرب و مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں بلکہ خوبصورتی خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر ان سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور خوش تر سے خوش تر فینسی پیکٹوں اور خوش وضع شیشیوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ضرور آزمایش کیجیے

شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں

ہیڈ آفس :- نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ۔ ہوڑہ

برانچیں :-

کلکتہ	بمبئی	رنگون
۵/۱ کیننگ اسٹریٹ	۶۱ ارسکین روڈ بمبئی	۱۱۸ سورتی بڑا بازار

زردہ طلائی

یہ ہندوستان کے تمام زردوں کا بادشاہ ہے
نہایت قیمتی نفیس مقوی اور مفرح اجزا سے مرکب ہے
زردہ طلائی مشکی دانہ اکسٹرا کوالٹی فی تولہ پچیس روپیہ
" " " سے کوالٹی ۔۔۔

زردہ نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
سادہ دانہ قسم چہارم قیمت فی سیر ۸ "
" " پنجم " " " ۴ "
" " ششم " " " ۔۔۔ "
" " ہفتم " " " ۔۔۔ "

پیلی پتی نقرئی و زعفرانی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "
" چہارم " " " ۴ "
سادہ پنجم " " " ۲ "

زردہ موہنی نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۸ "

زردہ نقرئی سرخ زعفرانی پتی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
(سادہ) قسم ششم " " ۔۔۔

زردہ براؤن زعفرانی پتی

سادہ قسم اول قیمت فی سیر ۳ روپیہ
قسم چہارم قیمت فی سیر ۔۔۔ "

قوام تمباکو مشکی خوشبودار نقرئی

قسم اول قیمت فی تولہ ۳ روپیہ
(بلادرق) قسم اول " " ۔۔۔ "
" " چہارم " " " ۴ "

پیکڈ زردہ

بکسوں میں جو زردہ بند کیا جاتا ہے وہ بہترین قسم کا زردہ ہے۔ ذیل میں آدھ سیر کے بکسوں کی قیمت دی گئی ہے

پیکڈ زردہ خوشبودار

سیاہ پتی سرخ بکس پیکارانہ قیمت ۔۔۔
" سبز بکس " " ۱۲ر
براؤن پتی سیاہ لیبل " " ۔۔۔
" " سبز لیبل " " ۔۔۔
" " سرخ لیبل " " ۱۰ر
براؤن زعفرانی پتی سبز لیبل ایک پاؤ کا بکس
قیمت ۹ر
" سرخ لیبل " ۶

ہوائی جہاز مارکہ زردہ بکس آدھ سیر کے بکس
قیمت ۔۔۔
ہوائی جہاز مارکہ گلابی بکس آدھ سیر ۱۲ر
سانپ مارکہ زردہ بکس " ۸ر

پان کے مسالے (نکٹائی مارکہ)

مکھ بلاس گلاب پھول مارکہ فی ڈبہ ۴ر
" " " " فی گروس ۳ روپیہ
پان بلاس نقرئی گولیاں فی شیشی ۶ر
" " " " فی گروس ۴۵ روپیہ
دل بہار یعنی اسپنس برائے پان فی شیشی ۴ر
تیسل بہار نکٹائی مارکہ قسم اول فی درجن ۔۔۔
" " " فی گروس ۔۔۔
نقرئی شیشی سلور زردہ فی شیشی ۴ر
بشل چھپ بڑی ڈبیہ قیمت ۶ر
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ قسم اول
فی سیر ۴۰ روپیہ
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ
قسم دوم فی سیر ۲۰ روپیہ
" " " سوم " ۱۰ "
سیاہ چمکیلا سادہ خوشبودار دانہ قسم اول ۔۔۔
فی سیر ۴ روپیہ
" " " " قسم دوم " " ۲ "

بیوٹی کریم ۔ سنگنزہ ماتی (نکٹائی مارکہ)

اسکے استعمال سے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں اور مہاسے بالکل دور ہو جاتے ہیں جلد صاف ستھری نکل آتی ہے۔ خوبصورتی پیدا ہوتی ہے مردوں کے علاوہ عورتوں کیلئے نہایت ضرور ہے
قیمت فی درجن ۸ فی گروس ۔۔۔

جہاز مارکہ خضاب (نکٹائی مارکہ)

سول ملٹری جہاز مارکہ خضاب صرف دو منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ چمکیلا اور نرم کر دیتا ہے بالکل بے ضرر اور بہت سستا ہے۔
قیمت فی شیشی ۸ فی درجن ۔۔۔

نکٹائی مارکہ

روغن پیپرمنٹ
روغن دارچینی
روغن الائچی
روغن کافور
روغن لونگ
روغن لیمو
روغن صندل
روغن نورجہاں روغن تل رنگین اور دیگر تیل اسینس سینٹ اور عطر بھی بازار میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

محمد مصطفےٰ حسین کا نام اور نکٹائی مارکہ کا لیبل

مال کی عمدگی پاکیزگی اور ارزانی کا سرٹیفکیٹ ہے

علم و ادب ہی سے انسان معزز اور متمدن بن سکتا ہے

فسانہ خورشیدی نواب آسمان جاہ اور خورشیدی بیگم کے حسن و عشق کے واقعات نہایت شستہ زبان میں ہندوستانی معاشرتی زندگی کی سچی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ قیمت مجلد دو روپیہ

سوانح عمریاں	قیمت	ناول اور افسانے	قیمت	متفرق کتابیں	قیمت	جدید ناول	قیمت	کتب متفرق	قیمت
آکتاب سانت دو حصے	عہ	چاند کا گناہ	عگار	توشیح التہذیب	عہ	حسن کا غلام	۸ر	خواب پریشاں	۲ر
فاطمۃ الزہرا	۸ر	عورتوں کے افسانے	ٹھہ	تواریخ بغداد	۴ر	بہرام کا انجام	۹ر	ماں بیٹے کی گفتگو	۲ر
حضرت ابوبکر صدیقؓ	۶ر	تین پیسے کی چھوکری	عہر	لڑکی کا چاند ڈرامہ	۶ر	جان جہاں	۸ر	خطوط عشق و معشوق	۴ر
حضرت عمر فاروقؓ	۶ر	لعل مقدس	عگار	افسانہ قلیس	۲ر	عیاش سادھو	۸ر	شادی کی پہلی رات	۶ر
حضرت عثمان غنیؓ	۵ر	ہلال صلیب	عگار	کنونگ مار طاہرہ	۶ر	گناہ کے افسانے	۸ر	سہاگ کی پہلی رات	۶ر
حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۵ر	دغا کا پتلا	عگار			فہمی کی ڈائری	۹ر	سہاگن کا روزنامچہ	عہ
اتاترک مصطفےٰ کمال	۱۰ر	وحشی کے افسانے ۱۲ر				داستان الم	۸ر	عورت کے چرتر	۸ر
مولانا محمد علیؒ	۸ر	کیلے کا چھلکہ عہ				شہاب غضنفر	۸ر	بازاری عورت	۸ر
تاریخ مسلم لیگ	۱۲ر	؟				؟		**غزلیات**	
مسٹر محمد علی جناح	۱۰ر	نازک کنارہ عگار				رنگیلا نواب	۸ر	دیوان جلیل	۲ر
حیات اقبال	عہ	معیار محبت عہ				بہرام کا جوتا	۸ر	کلام امیر و داغ	۱ر
اقبال کی شاعری	۸ر	آتشی کتا عہ				بازاری عورت	۸ر	غنچۂ امید	۲ر
نور جہاں	۱۲ر	افسانہ ہوش ربا عگار				ضرب جگر	۴ر	دامن بہار	۲ر
ترکی جمہوریہ	عگار	حاجی لق لق کے افسانے	۱۲ر	نور جہول	۱۲ر	ہندوستانی غنڈہ	۱۴ر	پریم ساگر	۲ر
ہٹلر	۸ر	قسمت کا شکار	عگار	مسائل شیعہ	۱۰ر	من کی آگ بجھاؤں کیسے	۸ر	کلام جوہر	۲ر
مسولینی	عہ ۱۲ر	ایکٹرس کی آپ بیتی	عہ	خون کے آنسو	۳ر	بازاری رقاصہ	۱۴ر	حسن صنم	۲ر
اسٹالن	۱۲ر	سیاہ کار افسانے	عہ	خمخانہ بدر	ے ر	مجنوں کے کارنامے	۸ر	بہار فردوس	۲ر
انقلاب روس	عہ	مجنوں کی ڈائری	عہ	کلیات عرش گیاوی	عہ	لیلی کی کہانی	۸ر	آوارہ عاشق	۲ر
تاریخ فلسطین	۱۲ر	لیلے کے خطوط	عہ	پیاری دشمنی	۱ر	سمرنا کے دو چاند	۸ر	دیوان نطق	۱۲ر
صحیفہ ادب	عگار	چغتائی کے افسانے اول	عہ	سمنستان کی شہزادی	۱ر	خونی دلہن	۹ر	بہار خلد ا[illegible]	۲ر
زوال غازی امان اللہ	ے ر	" " دوم	عہ	زیور زیب النساء	۵ر	چھری کا اڈا	۸ر	مدینہ کا چمن	۱ر

طریق النجات

اردو میں حدیث کی بہترین کتاب جس میں تقریباً اٹھارہ سو
صحاح ستہ کی مستند حدیثیں درج ہیں تھائی چھپائی اور کاغذ
بہترین ہے عورت مرد بچے بچیاں بخوبی پڑھ سکتے ہیں۔
قیمت مکمل چار حصے عگار
مکمل چمڑے کی جلد بندھی ہوئی
دو روپیہ بارہ آنہ

ملنے کا پتہ:- منیجر اسٹار بک ڈپو نمبر ۴۰ لوئر سرکلر روڈ کلکتہ

STAR BOOK DEPOT
40, LOWER CIRCULA ROAD,
CALCUTTA.

صوبہ بہار کا علمی ادبی اخلاقی تاریخی تنقیدی ماہنامہ
رسالہ سہیل گیا
The SOHAIL
مقام اشاعت: دفتر رسالہ سہیل پریس گیا

پھولوں کی بارش

عطر صنوبر ہمارے یہاں کا خاص عطر ہے جسکی خوشبو نہایت پُر لطف ہے اور فرحت بخش ہوتی ہے ایک بار لگانے سے آپ محسوس کرینگے جیسے کہ پھولونکی بارش آپ پر ہو رہی ہے۔ تیز اسکی خوشبو کافی مدت تک قائم رہتی ہے اسکے علاوہ عطر ہار سنگار عطر روح افزا اور دیگر عطریات بہترین قسم کے ہمارے یہاں سے آپ کو دستیاب ہو سکتے ہیں اور ان سب کی قیمتیں بالکل مناسب رکھی گئی ہیں۔ دیگر قسم کے خوشبودار تیل و عرقیات اعلیٰ قسم کے ہم سے خریدیں ہمارے یہاں کا خاص تیل روغن حیات دماغی کام کرنے والوں کیلئے نایاب ہے۔ فہرست مفت طلب کیجئے آزمائش شرط ہے۔

حافظ محمد زکریا برادرس

۳۱/۳۶ سراج بلڈنگ فوجداری بالاخانہ۔ کلکتہ

قواعد و ضوابط رسالہ سہیل گیا

۱۔ رسالہ سہیل ہر انگریزی مہینہ کی ۶ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

۲۔ سہیل میں وہ مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں جو معیار ادب پر پورے اترتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے

۳۔ سہیل کی سالانہ قیمت مبلغ ۳ روپے۔ ششماہی ۱؎ اور فی پرچہ ۴؍ نمونہ کا پرچہ ۴ کے ٹکٹ آنے پر ارسال کیا جاتا ہے

۴۔ سہیل میں کم از کم ۴۸ صفحات کے مضامین ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔

۵۔ جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔ ورنہ جواب نہیں دیا جائیگا۔

۶۔ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینہ کی ۳۰ تاریخ تک آنے پر دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ سُہیل گیا کا درخشندہ و تاباں
خاص نمبر
جو
عنقریب اپنی نمایاں خصوصیات کے ساتھ قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہوگا
جسمیں
ملک کے مشاہیر اہل قلم حضرات کے بلند پایہ مقالے معیاری مصوّر افسانے اعلیٰ نفسیاتی ڈرامے
وجد آور سرمدی نظمیں پُرکیف غزلیں اور دلچسپ مزاحیہ مضامین ہوں گے
اگر
آپ اس کو مفت ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی سال بھر کیلئے سُہیل کی خریداری قبول کر لیجئے
تاکہ یہ ضخیم خاص نمبر آپ کی خدمت میں مفت ہی نذر کیا جاسکے۔
مُشتہرین حضرات
اگر آپ کی تجارت سرد پڑ چکی ہے اور اسے آن واحد میں فروغ دینا چاہتے ہیں تو ایسے زرّیں
موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں رسالہ سُہیل میں اشتہار دیکر فوراً فائدہ اُٹھائیں۔ کیونکہ سُہیل تقریباً ملک کے
ہر گوشہ میں ہزاروں آدمیوں کی نظر سے ہر ماہ گذرتا ہے۔
نیاز مند منیجر

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
NATIONAL MUSLIM UNIVERSITY
DEL 1

منظور شدہ محکمہ تعلیمات صوبہ بہار مطابق میمو نمبر ۹۹۴ E.R مورخہ ۵ ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء

رسالہ سہیل گیا

ادارہ
عارف سنسہاروی
قیصر عثمانی

پروپرائٹر
محمد زین العابدین احمر سنسہاوی

سرپرست :- جناب مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب بسمل سنسہاوی

نمبر ۵ | مئی سنہ ۱۹۴۱ء مطابق جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ | جلد ۵

زیر نظر شمارہ

شمارہ حاضرہ میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی کا مضمون "نسخ و نستعلیق" افادی نقطۂ نظر سے خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو کی یہ سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ آج تک اس کے لئے کوئی ایسا ٹائپ ایجاد نہ ہو سکا جس کے ذریعہ ہم اُردو طباعت کو دُنیا کی دیگر ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں لا سکیں ضرورت ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان اُردو کے اس دقت طلب مسئلہ کو جلد از جلد حل کیا جائے۔

"سپاہی" جناب ڈاکٹر محمد بصیر الدین کی کامیاب تجزیہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے ہمیں اُمید ہے کہ قارئین اُسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

اُجالے میں" ایک اچھوتا اور سنجیدہ کامیاب افسانہ ہے جناب سریندر موہن کھر بادھیا کے قلم سے۔ شرابی پر بہتیرے افسانے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن یہ افسانہ اس لحاظ سے انفرادیت کا حامل کہا جا سکتا ہے کہ اس میں شرابی کی شریک حیات کے مصائب و آلام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس پہلو پر اُردو ادب میں اس سے قبل روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

کچھ روز ہوئے ایک انگریزی رسالہ میں ایک مضمون "عورت پر فتح" شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار مسٹر جارج ولسن نے بتلایا تھا۔ کہ بہت سی عورتیں خواہ مخواہ کسی بات کے لئے ضد کر بیٹھتی ہیں اور ان کی یہ ضد اس وقت تک قائم رہتی ہے۔ جب تک ان کی نفسیات کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اُن کا علاج نہ کیا جائے۔ مثلاً پیرس میں ایسی عورتوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ جو شروع میں مردوں سے متنفر تھیں۔ اور انہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب انہوں نے خود اس کی تحریک شروع کی اور اپنے کو جلد از جلد رشتۂ ازدواجیت میں منسلک کر لیا۔

افسانہ "اپنے مرکز کی طرف" مندرجہ بالا خیال کی نفسیاتی تشریح ہے۔

اس کے علاوہ "پبلک ٹیلیفون پر" "شیطان اور فرشتہ" "بچہ کا خواب" اور "دلنواز" بھی اچھے افسانے ہیں نظموں میں "زندگی کی آخری ساعت" اور "دنیائے سیاست کا بین الاقوامی مشاعرہ" خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں۔

کاغذ کی قلت

افسوس ہے کہ اس ماہ کے پرچہ میں جو کاغذ لگایا جا رہا ہے وہ دیمک لگ جانے کی وجہ سے کہیں کہیں خراب ہو گیا ہے۔ آپ اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ بازار میں کاغذ کی ناقابل برداشت گرانی تو تھی ہی۔ اب زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر بھی اچھا کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ دیکھئے جنگ کی یہ ستم ظریفیاں آگے چل کر کیا رنگ اختیار کرتی ہیں۔

"ادارہ"

ہماری زبان

دائرہ اُردو گیا:-

اُردو زبان کی بقا اور ترقی کے سلسلہ میں ان دنوں ملک میں ہر ممکن خدمت کی جا رہی ہے گیا کے اہل ذوق حضرات نے بھی اس فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے "دائرہ اُردو" کے نام سے ایک ادبی مجلس قائم کی ہے۔ تاکہ محبان وطن کے دلوں میں ہندوستان کی مشترکہ زبان کی خدمت کا صحیح جذبہ پیدا ہو۔

جہاں تک اس دائرہ کے اغراض مقاصد کا تعلق ہے۔ ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کے ذریعہ اُردو زبان اور ادب کی بہترین خدمت کی جا سکتی ہے۔ کارکنان نے فیصلہ کیا ہے کہ دائرہ کی طرف سے ہر ماہ ایک مجلس منعقد ہوا کرے گی۔ جس میں مقالے۔ افسانے ڈرامے اور نظمیں پڑھی جائیں گی۔ ان مضامین کے معیار کے متعلق بھی دائرہ نے اپنا مطمح نظر پیش کر دیا ہے۔ اور وہ انہیں مضامین کو پڑھنے کی اجازت دیا کرے گا۔ جو کسی خاص جذبات کے حامل ہوں گے اور جن کا شمار "ادب برائے ادب" میں نہیں بلکہ "ادب برائے زندگی" میں ہوگا۔

دائرہ کی پہلی مجلس ۲ مئی ۱۹۴۱ء کو منعقد ہوئی اور نہایت کامیاب رہی۔

اُردو ٹکٹ:-

ادارہ اشاعت اُردو لکھنؤ سے ہمارے پاس اُردو ٹکٹ کی ایک جلد موصول ہوئی ہے۔ ان ٹکٹوں کے ذریعہ ادارہ نے مرحوم محسنین اُردو کو زندہ جاوید بنانے کی کوشش کی ہے ہمارے خیال میں یہ چیز اُردو زبان کی ہمہ گیری کو ثابت کرنے میں مفید ہوگی۔

ہر ٹکٹ پر ایک تصویر ہے۔ جہاں تک ادارہ کی معلومات کا تعلق ہے اس نے کسی کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ لیکن ایک اتنے بڑے مقصد کی تکمیل کے لئے صرف ذاتی معلومات سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ شاد خیال اور صفیر بلگرامی کی شاعرانہ ادبی عظمت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ اُردو ٹکٹ میں ان محسنین اُردو کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ادارہ آئندہ اسکی طرف توجہ دیگا۔

بہرکیف ان ٹکٹوں کے استعمال سے عوام میں اُردو کی اچھی خاصی تشہیر ہو سکتی ہے۔ ہمدردان اُردو سے درخواست ہے کہ وہ اپنے خطوط پر ان ٹکٹوں کو ضرور استعمال کریں اور اس مقصد عظیم میں ادارہ کا ہاتھ بٹائیں۔

"ادارہ"

زندگی کی آخری گھڑی

اک راہرو بے برگ و نوا منزل کی طرف ہوتا ہے رواں
ہیں پتلیاں ساکت چھت سے لگی ڈوبی ہوئی نبضیں بند ہیں لب

پیچھے کی گزریں دکھلاتی ہیں عبرت کی بھیانک تصویریں
اُکھڑی ہوئی سانسیں توڑتی ہیں بندِ اِن بلا کی زنجیریں

آنکھوں کا پھڑک کر رہ جانا ہیں خوابِ گراں کی تمہیدیں
اک یاس کا عالم چار طرف سر پیٹ رہی ہیں اُمیدیں

ہونٹوں پہ قیامت تک کیلئے اک مہر لگائی جاتی ہے
در پردہ یہ خوابِ ہستی کی تعبیر بتائی جاتی ہے

بھر بھر کے نگاہیں کہتی ہیں کچھ اپنے اور بیگانوں سے
اب نور بھی چھنتا جاتا ہے آنکھوں کے حسیں پیمانوں سے

مٹتی ہوئی دنیا کا نقشہ اب آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے
دم بھر میں حیاتِ فانی کا افسانہ مکمل ہوتا ہے

اُمڈی چلی آتی ہے دُنیا بھولے بسرے ارمانوں کی
بجھنے کیلئے ہے شمعِ سحر ہے بھیڑ لگی پروانوں کی

احساس کی دُنیا لُٹتی ہے ہر رشتہ ٹوٹا جاتا ہے
نیند آنے لگی ہے روح کا دامن ہاتھ سے چھوٹا جاتا ہے

رہ رہ کے یہ دھڑکن ہوتی ہے جاؤنگا کہاں معلوم نہیں
رستے کی صعوبت ایک طرف منزل کا نشاں معلوم نہیں

جینے کو جئے جینے سے مگر سیری نہ ہوئی جی بھر نہ سکا
کچھ کہہ نہ سکا کچھ سُن نہ سکا کچھ ہو نہ سکا کچھ کر نہ سکا

کیا جانے دمِ آخر صدمہ کیوں روح کو ہے بربادی کا
زنداں میں اسیرِ زنداں کو بھولا ہے مزا آزادی کا

سرور کابری مینائی

نسخ و نستعلیق

میں نے اپنے رسم الخط والے مضمون میں لکھا تھا کہ طباعت کی جو دقتیں آج اردو پریس کو اٹھانا پڑتی ہیں۔ اسکی وجہ پتھر کی طباعت (لیتھوگرافی) ہے۔ اس میں رسم الخط کا کوئی قصور نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جلد از جلد اردو زبان کی طباعت کے لئے سیسہ کے حروف (ٹائپ) کو اختیار نہ کیا گیا تو ہم اس طباعتی گھوڑدوڑ میں دنیا کی دوسری زبانوں کا کبھی مقابلہ نہ کر سکینگے۔ اسی رسم الخط میں لکھی جانے والی ایک نہیں دو نہیں، بلکہ دو درجن سے زیادہ زبانیں دنیا میں رائج ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور، بڑی اور وسیع زبان عربی ہے۔ ذرا اسکی طباعتی آسانیوں کو دیکھئے۔ مصری اخبارات کو دیکھتا ہوں تو اردو پریس کی حالت پر آنسو آجاتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی مونو۔ اور لینو مشینیں جدید ترین ایجاد روٹری پریس، اور انٹر ٹائپ مشینیں کس قدر آسانی اور افادیت سے ساتھ کام دے رہی ہیں۔ مصر کا ایک ایک روزنامہ بیسیوں تصاویر کے ساتھ سولہ سولہ بڑے صفحات پر ہزاروں سے متجاوز لاکھوں کی تعداد میں چھپتا اور اردو اخبارات سے سستا بکتا ہے۔ ایک ہمارے اردو اخبارات ہیں کہ کاپی لکھوانے، پتھر جمانے اور نہ جانے طرح طرح کی کن کن دقتوں میں مبتلا ہیں۔ پھر گرمیوں میں کاپی کا پھیل جانا معمولی بات ہے۔ ان سب دقتوں پر قابو پایا بھی تو دو چار ہزار فرمے نکالنے کے بعد پتھر چھین گیا۔ لیجئے پھر سے کاپی لکھوایئے اور جموایئے۔ جن لوگوں کو پریس کی عملی دقتوں سے واسطہ پڑا ہے وہی جانتے ہیں کہ کسقدر پاپڑ بیلنے کے بعد وہ بیچارے ایک کتاب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان دقتوں کا صرف ایک حل ہے کہ پتھر کی طباعت کو خاص خاص ضروریات مثلاً نقشے وغیرہ کے لئے مخصوص کر دیجئے۔ اسی طرح نستعلیق حروف کو بھی فائن آرٹ پرنٹنگس تک محدود رکھئے۔ جس کتاب کو غیر تجارتی اصول پر چھاپنا مقصود ہو اسکی اعلیٰ طباعت کرایئے۔ نفیس بلاک بنوایئے اور اعلیٰ درجہ کی طباعت کیجئے۔ بہتر ہوگا۔ مگر باقی تمام اخبارات، رسائل اور تجارتی کتب کے لئے نسخ ٹائپ کی طباعت اختیار کیجئے۔ جدید ترین مشینیں آپکو تیار ملیں گی۔ کتاب سستی پڑیگی۔ اور مطبوعات زیادہ سے زیادہ تعداد میں بآسانی چھپ سکینگی۔

میرے پاس ملک کے مختلف حصوں سے درجنوں خطوط آئے ہیں جن میں سوال کیا گیا ہے کہ نستعلیق کیلئے ٹائپ کے حروف کیوں نہیں تیار کئے جاتے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر ہم نستعلیق کے حروف ڈھالنے میں اپنا قیمتی وقت کیوں صرف کریں۔ اور کب تک صرف کرتے رہیں۔ نستعلیق جسے واقعی نستعلیق کہا جا سکے وہ کبھی ٹائپ کے ٹکڑوں میں نہیں سما سکتا۔ اور جو ٹائپ کے ٹکڑوں سے بن جائیگا وہ کبھی نستعلیق نہیں ہوگا۔ شاعری منطق کے ماتحت نہیں ہو سکتی۔ اور مصوری کشی کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ مختلف ٹکڑوں کی ترکیب سے کامیاب مصوری ہو سکے۔

نستعلیق ٹائپ بنانے کی کوششیں

نستعلیق ٹائپ بنانے کی کوششیں سو سال سے زیادہ مدت سے جاری ہیں۔ ہندوستان میں عیسائی مشنوں نے اس کیلئے بڑا زور لگایا [illegible] میں لکھنؤ سے ایک خاص ضخیم کتاب اسی ٹائپ میں چھپکر شائع ہوئی۔ لیکن تجربہ نے فیصلہ صادر کیا کہ یہ ٹائپ چلنے

کی چیز نہیں اور حسن شناس فنی نظروں نے کہا کہ یہ کتاب جس خط میں چھپی ہے اسے چاہے کچھ کہہ لیا جائے مگر نستعلیق تو ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح کلکتہ میں کوائیں اور نہ جانے کہاں کہاں کوششیں ہوئیں مگر ناکام،

شاہی مطبع مصر یعنی مطبع امیری بولاق میں بھی کئی سال اس پر صرف کئے گئے۔ مگر ناکامی ہوئی۔ محمد سعید پاشا خدیو نے اپنے تمام شاہی وسائل اور کوششیں اس پر صرف کردیں، انہیں خود اس کا بہت شوق تھا۔ ۱۲۷۴ھ میں حاجی خلیفہ چلپی المتوفی ۱۰۶۸ھ کی مشہور کتاب کشف الظنون کا جو نسخہ مطبع امیری میں چھپا ہے اسمیں سرخیاں اور عنوانات نستعلیق ٹائپ میں چھاپے گئے ہیں۔ مگر ساری کوششوں کا نتیجہ صرف اسقدر نکلا کہ سرخیاں چھپ سکیں اور بس، اقرار نامی کے ساتھ کچھ دنوں کے بعد جب ۱۲۷۹ھ میں خدیو سعید پاشا کا انتقال ہوگیا، اسکی کوششیں بھی ختم کردی گئیں۔

بیروت میں امریکہ میں، اور کلکتہ میں بھی بارہا ماہرین فن نے اس پر سر کھپایا، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پچھلے کئی سال سے حکومت سرکار عالی حیدرآباد دکن نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے، بعد سے ایک جگ (۱۷ سال) بہترین ماہرین نے اس پر صرف کئے جنہوں نے یورپ و امریکہ مصر اور بیروت میں فنی تربیت حاصل کی ہے۔ ایک قسم کا ٹائپ بنا کر تیار بھی کیا گیا جو اگرچہ نستعلیق تو نہیں مگر مشابہ بہ نستعلیق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا یہ ٹائپ ہماری طباعتی ضروریات کیلئے کافی ہے اور کیا عام طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ روزنامے اس میں چھپ سکتے ہیں۔ اس کا جواب خود حکومت کا یہ عمل ہے کہ بالآخر کوششیں ترک کردی گئیں۔ اور خاطرخواہ کامیابی نہ ہوسکی

غرض کہ اب تک جتنی کوششیں ہوئیں کسی میں پوری طرح کامیابی نہ ہوسکی، اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی نہ ہوسکیگی۔ یہ خط مصوری اور فائن آرٹس کی ایک قسم ہے۔ اسکا ٹائپ بنا دینا ممکن نہیں۔ ایسی تمام کوششیں ایک بار نہیں ایک ہزار بار ناکام رہینگی۔ برخلاف خط نسخ کے کہ اس کا ٹائپ بنا، اور نہایت کامیاب بنا، روٹری پریس میں کام دے رہا ہے۔ اور اتنا باریک بنکر چل رہا ہے کہ ایک انچ میں (۸) سطر بلکہ (۹) سطروں تک نسخ ٹائپ میں چھپی ہوئی کتاب میرے سامنے ہے۔

نستعلیق

نستعلیق ٹائپ نہیں بن سکتا۔ اسکی کیا وجہ ہے، ذرا سے غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ خود ایران نے جہاں کی یہ پیداوار ہے، اسی لئے اسے اپنے یہاں سے بالکل رخصت کردیا۔ مگر ہندوستان کا یہ حال ہے کہ جب مسلمان یہاں آئے نستعلیق ایجاد ہوچکا تھا، ایران کی اتباع میں یہاں بھی اچھے سے اچھے، قادر رقم اور یاقوت رقم ملک اعجاز رقم پیدا ہوئے، طرح طرح کا کمال دکھایا۔ بڑی بڑی قدردانیاں ہوئیں۔ ایک ایک قطعہ کی قیمت ہزاروں اشرفیاں ملیں۔ فن ترقی کرتا رہا۔ فن داں پیدا ہوتے رہے۔ اسی حالت میں مطبع آیا۔ مقبول خط خوشخط نستعلیق تھا۔ پتھر کی طباعت نے رواج پایا۔ ابتداء جو کتابیں چھپیں وہ خطاطی کا بہترین نمونہ ہیں۔ مطبع مصطفائی و مطبع نظامی کی چھپی ہوئی فارسی انشاء کی دو چار کتابیں میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ باوجودیکہ چھپائی نے خط کے حسن پر کافی اثر ڈالا ہے مگر بھی پھر نستعلیق کی نزاکتیں صاف نمایاں ہیں۔

ہم نے حسن خط پر اتنا زور دیا کہ عربی زبان کے لئے بھی اس خط کو اختیار کیا۔ ایک نہیں سینکڑوں درسی عربی کتابیں آپ کو اسی خط میں چھپی ہوئی ملینگی۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ خط نستعلیق عربی زبان کے لئے کبھی نہیں اختیار کیا گیا۔ یہ خط ایران کے ذوق حسن اور شاعر مزاجی کی پیداوار ہے۔ اور اسی لئے آجتک

عربی دنیا میں اسے خطِ فارسی یا خطِ ایرانی کہتے ہیں۔ اردو دوسری دو دو درجن زبانیں جو سامی رسم الخط میں لکھی ہیں۔ مثلاً جاوی، ملاوی، کردی قازانی، نوبین، وغیرہ۔ ان میں سے کوئی زبان نستعلیق میں نہیں چھپا کرتی۔ ایران نے بھی سمجھداری سے کام لیا۔ خطِ نستعلیق کو چھوڑ نسخ میں طباعت کا کام شروع کر دیا۔ اسی طرح آج ساری دنیا میں کہیں پتھر کی طباعت اور خطِ نستعلیق رائج نہیں ہے، وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ نستعلیق کا ٹائپ نہیں بن سکتا، ورنہ کون ہے جسے خوبصورت اور نازک حروف گول دائرے اور بیضوی دامن پسند نہیں آتے۔

خط کی نزاکت

نستعلیق خط بہت نازک اور دقیق ہے ادنیٰ مشابہت سے حروف نستعلیق نہیں کہے جا سکتے یا یوں سمجھئے کہ خطِ نستعلیق کسی بے قاعدگی کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتا، میں نے خود برسوں خطِ نستعلیق کی مشق کی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ یہ مصوری کی ایک قسم ہے اور اتنی نازک قسم ہے کہ اس کا صحیح اندازہ صرف مصور ہی لگا سکتا ہے، ذرا سی لغزش ہوئی اور حسنِ خط پر پانی پھر گیا، اس فن پر بازار میں بیسیوں کتابیں ملتی ہیں، اعجاز رقم، ارژنگ چین، پنجہ نگارین، انشائے نستعلیق گلدستہ وغیرہ کسی ایک کو اٹھا کر ملاحظہ فرمائیے، قاعدہ قانون، اتار چڑھاؤ، پیچ و خم، کتنی دقیقتیں ہیں۔ خطاطوں کی اصلاح میں اس خط کو "خطِ وحشی" کہتے ہیں کہ ذرا سی چوک ہوئی، اور خط آہوئے وحشی کی طرح کمندِ قلم سے باہر نکل گیا۔ منشی شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ بارہا حسنِ خط پر سانس کی آمد و شد کا نمایاں اثر پڑتا ہے، خطِ نستعلیق کے لئے خاص خاص قاعدے اور ضابطے مقرر ہیں، اور یقیناً مقرر ہونا ہی چاہیئے تھا، ماہرینِ فن نے یہ قاعدے اتنے مکمل مقرر فرمائے ہیں کہ جب کبھی انہیں ان قیود سے آزاد کرنے کی کوشش کی جائے گی، خط اپنا حسن و کمال کھو بیٹھے گا۔ مثلاً حروف (ح) کے لئے قاعدہ مقرر ہے کہ سر آدھا قط موٹا، ڈیڑھ قط لانبا، نوک آدھا قط، گردن و نوک کے مابین ایک قط کا فاصلہ، گردن تین قط، ایک قط مقعر، ڈھائی قط گولائی، تین قط چوڑائی اور سینہ بھی قط۔

اب ذرا ایسے ان قواعد سے الگ کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جہاں کہیں حرف قاعدے سے باہر گیا وہیں سے حسن بھی رخصت ہو گیا پھر یہ قاعدے قوانین مفردات تک محدود ہوتے تو بھی ٹائپ کے مسئلہ میں کچھ زیادہ مصیبت نہ ہوتی، مگر یہ ضابطے مرکبات تک میں موجود ہیں، بلکہ مرکبات میں ایک چیز اور بڑھ جاتی ہے وہ حرفوں یا ان کے ٹکڑوں کی نشست ہے، ان کی وجہ سے ٹائپ کامیاب نہیں بن سکتا مثلاً لفظ "گنجلک" لکھئے اس میں | گ | نـ | جـ | لـ | ک | پانچ ٹکڑے استعمال کئے جاتے ہیں لیکن ہر ایک کی سطح ایک دوسرے سے مختلف ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسری جگہ یہ ٹکڑے بیکار ثابت ہوتے ہیں بخلاف نسخ کے کہ اس میں لفظ گنجلک لکھئے **گنجلک** پانچوں ٹکڑے ایک ہی خط پر ملتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

عبدالقدوس ہاشمی

سفوف ہضمی
ایجاد کردہ
ابوالشفا حکیم شمس الحسن صاحب سہوانی
معدہ جگر اور آنتوں کی تمام بیماریوں کو دور کر کے اعلیٰ درجہ کی قوت پہنچانیوالی مشہور دوا ہے۔ بھوک کی خواہش اور ہاضمہ کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ جگر کے فعل کی اصلاح کر کے جسم میں صاف خون کی افزایش کرتا ہے ہیضہ کے زمانہ میں اس کا استعمال کرنا گویا اپنے جسم کو ہیضہ کے جراثیم سے محفوظ رکھنا ہے۔ بچوں جوانوں اور بوڑھوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ پرچہ ترکیب استعمال دوا کے ہمراہ جاتا ہے قیمت فی شیشی خرد ۶؍ کلاں ۱۲؍ محصول ڈاک علاوہ۔
مینیجر دواخانہ معدن الشفا محلہ قصاب ٹولہ گیا

حسن سخن

سر اُٹھانے کا ترے کوچے میں کس کو ہوش ہے
ہر جبینِ شوق نقشِ پا سے ہم آغوش ہے

احتسابِ لذتِ نیشِ فلک کا خوف کیا
تہ نشینِ خم بجائے بادہ حسرت نوش ہے

نشۂ بیخود نوازی کی تعلی کیا کہوں
آسماں کیسا غبارِ کاروانِ ہوش ہے

حسرتِ فردا میں ہوں محوِ زیاں کاریٔ سود
خلوتِ امروز سہوِ جلوہ گاہِ دوش ہے

ساغرِ ہستی کی کم ظرفی کا اندیشہ نہ کر
اے غریقِ بیخودی ہنگام نوشا نوش ہے

حفظِ خودداری نے تصویرِ تمنا کر دیا
چشمِ گویا ہو گئی جب سے زباں خاموش ہے

منزلِ حیرت میں شاید سجدہ ریزی ہے گناہ!
جس مسافر کو یہاں دیکھا جبیں بردوش ہے

شکوۂ شورِ قیامت کیوں ہو لبِ پر تپش
دل طرب پروردۂ ہنگامۂ خاموش ہے

عبداللطیف تپش ایم۔ اے

اُجالے میں

رات کے دس بج گئے تھے۔

کلکتہ کے ایک گنجان آباد محلہ کے آخری سرے پر مٹی کا ایک دو منزلہ مکان تھا۔ اور اس مکان میں متعدد چھوٹے چھوٹے کمرے اوسط طبقہ کے لوگ انہیں کمروں میں کرایہ پر اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ بات چیت کرنے۔ گانے اور چھوٹے بچوں کے رونے کی ملی جلی آوازوں سے یہ مکان گونج رہا تھا۔ لوگ زمین پر چادر اور چٹائی بچھا کر لیٹے ہوئے تھے۔ چند نوجوان ایک کنارے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان سے ہٹ کر ایک اور نوجوان چارپائی پر لیٹا ہوا کچھ گنگنا رہا تھا۔ بغل میں کسی سیٹھ کا پختہ مکان تھا۔ جسکی کھڑکیوں سے ریڈیو کے گانے کی آوازیں نکل کر آس پاس میں پھیلی رہی تھیں۔

گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد فضا پر خاموشی چھانے لگی۔ سیٹھ نے ریڈیو بند کر دیا۔ تاش کھیلنے والے لوگ انگڑائی لے کر اپنے کمروں میں چلے گئے۔ وہ نوجوان جو گنگنا رہا تھا اپنا ایک ہاتھ چارپائی سے نیچے لٹکا کر سو گیا۔ چٹائی اور چادر پر سوئے ہوئے لوگوں کو کمرہ میں سونے والیوں نے جگایا اور سب کے سب اوپر نیچے کے کمروں میں گھس گئے۔

مکان کے نچلے حصہ کے ایک گندہ کمرہ میں زمین پر ایک عورت سو رہی تھی۔ اور تیل کے کم ہونے کی وجہ سے لالٹین دھیمی جل رہی تھی۔ ایک کونے میں زمین پر کھانا نکال کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کا انتظار کرتے کرتے سو گئی ہو

کمرے کے باہر جوتوں کی آواز ہوئی اور دھڑام سے دروازہ کھول کر ایک نوجوان کمرہ میں داخل ہوا۔ اور کرخت آواز میں چلایا۔

"کشوری"

عورت چونک کر اٹھ بیٹھی۔ نوجوان پھر چلایا۔

"کمرہ اندھیرا کیوں ہے؟ بڑے آرام سے سو رہی تھیں ایں!"

عورت نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو اچھی طرح ملا اور پھر کھول دیا۔ لالٹین بجھ چکی تھی۔ اب کیا کیا جائے۔ دیا سلائی بھی گھر میں نہیں۔ پڑوس کے لوگ سو چکے ہیں۔ وہ چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

"کھڑی کیوں ہے ری حرامجادی" نوجوان نے چلا کر پوچھا اور اسکا ایک ہاتھ پکڑ کر طاقت کے ساتھ جھٹک دیا۔ وہ اس جھٹکے سے سنبھل نہ سکی اور ایک طرف جا گری۔ نوجوان پھر چلایا

"روشنی جلا میں کھانا کھاؤنگا"

"دیا سلائی نہیں ہے" عورت نے بہت ہی دھیمی آواز میں سہم کر کہا "لالٹین کو دھیما کر دیا تھا۔ بجھ گئی"

"یہ لے" نوجوان نے جیب سے دیا سلائی نکال کر اسکی طرف پھینک دی۔

عورت دیا سلائی لے کر لالٹین جلانے بیٹھی۔ مگر دیکھا تو

لالٹین میں تیل نہیں تھا۔ وہ کانپ گئی۔

"پھر بیٹھو کر اونگھ رہی ہے" نوجوان نے چلا کر کہا۔ "لالٹین کیوں نہیں جلاتی؟"

"تیل نہیں ہے" عورت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

نوجوان غصہ میں آگے بڑھ آیا۔ اور اس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ "بدمعاش کہیں کی ذرا بھی آرام سے رہنے نہیں دیتی۔ گھر آیا تو دیا سلائی نہیں ہے تیل نہیں ہے۔ اندھیرے میں رہوں؟"

عورت چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اسکے غصہ کا پارا اور بڑھ گیا۔ شام کی پی ہوئی شراب کا نشہ اب پورے شباب پر تھا۔ اس نے اسکو بے تحاشہ مارنا شروع کر دیا۔ "پڑی پڑی دانہ کھاتی ہے مگر شرم حیا کچھ بھی نہیں۔ میرا کام کرنے سے گویا قسم کھا بیٹھی ہے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے اسے گھسیٹ کر کمرہ سے باہر کر دیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے کہا۔

"جہاں جی میں آئے چلی جا چڑیل۔ یہاں تیرے لئے جگہ نہیں ہے۔"

طوفان کی تیزی سے جس طرح چھوٹا پودا لڑھک جاتا ہے اسی طرح عورت بھی لڑھک کر سڑک پر آگری اور کچھ دیر تک بیہوشی کے عالم میں زمین پر پڑی رہی لیکن کبتک!

کچھ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دیکھا کہ سڑک پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ سامنے سیٹھ کا دومنزلہ پختہ مکان تھا۔ اوپر کے کمرہ سے روشنی کا بلب اپنی آتشیں آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ اٹھکر دروازہ میں دھکا دینے لگی۔ لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ مجبوراً اسے دروازہ پر بیٹھنا پڑا۔ مصیبتوں کا یہ طویل سلسلہ آخر کبتک جاری رہے گا۔ وہ سوچنے لگی۔ اس نے کون سا بڑا گناہ کیا ہے؟ اس سے کون سی خطا سرزد ہوئی ہے؟ جو پتی نے ایک دن بھی پیار کی نظروں سے اسے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ مارپیٹ گالی گلوج۔ وہ تو ہمیشہ اسکی خدمت میں لگی رہتی ہے۔ اس کا ہر حکم بجا لاتی ہے۔ اس کی مار سہتی ہے۔ گالی سنتی ہے لیکن اسکا عوض اسکو یہی ملتا ہے کہ وہ سنسان رات میں گھر سے نکال دی جائے۔ اس کے لئے دروازہ بند ہو جائے۔ پتی پر اس کا کوئی حق نہیں .... وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب ایسے جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مر جانا ہی بہتر ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھانے لگی۔ مگر وہ ڈر رہی تھی۔

اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے آگے بڑھنے سے روک رہا ہو۔

دس بارہ قدم جانے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک آدمی گاتا اور ڈگمگاتا ہوا اسکی طرف آرہا ہے۔ وہ مارے خوف کے کانپنے لگی۔ اور ایک بجلی کے کھمبے کو پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

شرابی اس کے پاس آیا۔ اور چونک کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا

"تم کون ہو؟ اتنی رات ہوگئی۔ کہیں بھوت پریت تو نہیں؟"

ڈر اور شرم کے مارے وہ کچھ بول نہ سکی۔ اور کھمبے سے کچھ اور سٹ گئی۔ شرابی آگے بڑھ آیا۔ اور اسکی طرف غور سے دیکھا۔ کشوری کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہ رہی تھیں۔ شرابی نے پھر پوچھا۔

"تم کہاں رہتی ہو؟ اسی محلہ میں کیا؟"

اسکا سوال ہمدردی اور نرمی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے پھر پوچھا۔

"اتنی رات کو سڑک پر کیوں نکل آئی ہو۔ خطرہ میں پڑ جاؤگی۔"

کشوری ڈر اور خوف کے مارے اس کے پیروں پر گر گئی۔

انہیں بچوں کی طرح رونے لگی۔ شرابی گھبرا گیا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے ماں! مجھ سے کہو تو؟"

ماں! اس مقدس لفظ سے کستوری کا سارا خوف زائل ہو گیا۔ اور وہ بولی۔

"گھر سے مجھے نکال دیا گیا ہے" وہ ہچکیاں لینے لگی۔

"کس سالے نے تمہیں گھر سے نکالا ہے ماں" شرابی نے غصہ بھرے لہجے میں کہا۔

"چلو مجھے بتاؤ آج سالے کو نبٹا دوں"

کستوری کانپ اٹھی۔ اس کے پتی سے کون لڑ سکیگا۔ کستوری کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا پتی کتنا طاقتور اور جھگڑالو ہے۔ وہ چپ چاپ رہی۔

"خیر! تم نام مت بتاؤ۔ لیکن کل پتہ لگا کر اس سالے کو بتا دونگا" شرابی نے غصہ میں دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ لیکن یکایک رک کر مڑا۔

"اتنی رات سڑک پر رہکر کیسے کاٹو گی ماں" اس نے کہا۔ "چلو میرے ساتھ"

کستوری بلا خوف و خطر شرابی کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ دونوں خاموش تھے کچھ دور جا کر شرابی نے کہا "میرے گھر میں میرے سوائے اور کوئی نہیں ہے۔ میں اکیلا ہوں" اتنا کہکر وہ کچھ دیر کیلئے خاموش ہو گیا اور پھر خود ہی بولا۔ "تو کیا حرج ہے۔ تم میری ماں اور میں تمہارا بیٹا۔ میں نیچے کے کمرہ میں سو رہونگا اور تم اوپر کے . . . . .

شرابی نے اپنے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور اندر جا کر کہا۔ یہی میرا مکان ہے۔ چلو اوپر کا کمرہ بھی دکھلا دوں" دونوں دو منزلہ پر گئے۔ اس نے ایک کمرہ کھولکر کہا۔ وہ بستر لگا ہوا ہے اس پر سونا۔ کوئی ڈر نہیں ہے میں نیچے سوؤنگا۔ اگر ضرورت ہو تو آکر اٹھا لینا۔

شرابی نیچے اتر گیا۔ اور دوکان سے پوری کچوری لیکر اوپر آیا۔ دیکھا کہ کستوری کمرہ کے سامنے دالان میں کھڑی کچھ سوچ رہی ہے اور اسکا گورا جوان جسم چاند کی شعاعوں میں نہا رہا ہے۔ شرابی نے جلدی سے نیچی نظر کرکے کہا۔

"کھڑی کیوں ہو! جاؤ سو جاؤ۔ ہاں! سونے سے پہلے یہ تھوڑی سی کھا لینا۔ بھوکے سونا ٹھیک نہیں۔ صبح ہوتے ہی میں تمہارے پتی کے پاس لیجاؤنگا۔ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے"

کستوری بھر پیٹ کھانے کیلئے مدت سے ترس گئی تھی۔ اس نے جی بھر کر کھایا۔ اور بستر پر لیٹ کر اپنی موجودہ حالت پر غور کرنے لگی۔ لیکن وہ زیادہ غور نہ کر سکی کیونکہ گہری نیند نے اسے تھپک تھپک کر سلا دیا۔

آنکھ کھلی تو اس نے بستر پر پڑے پڑے کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھا۔ تاروں کی محفل اس کی قسمت کی طرح اجاڑ ہو چکی تھی۔ اور صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے وہ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہو گی۔ کچھ دور پر مٹی کا دو منزلہ مکان صاف معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

اسی مکان کے ایک کمرہ میں اسکی زندگی کے سات سال گذرے اور نہ جانے کتنے سال گذرنے کو باقی ہیں۔۔

کچھ دیر کے بعد اس مکان کے لوگ جاگ اٹھینگے۔ اور اسکی تلاش ہوگی۔ پڑوسین پوچھینگی "کستوری کہاں گئی۔؟"

اسی وقت اٹھکر وہ اپنے کمرہ میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ برتن مانجھتی تھی۔ اس کا شوہر آٹھ بجے چھاپہ خانہ میں کام پر جاتا ہے اس لئے جلدی سے وہ کھانا تیار کرتی تھی۔ آج بھی اس کا پتی کام پر جائیگا۔

مگر اسے کھانا پکا کر کون دیگا۔ سب کام اس کے بغیر پڑا رہیگا۔ اسے ابھی فوراً گھر لوٹنا چاہیئے۔ وہ گھر دروازہ کیسے چھوڑ سکتی ہے۔ اسی سے تو اسکی زندگی وابستہ ہے۔

کشوری دروازہ کھولکر جلدی سے نیچے اتری اور دیکھا کہ ایک کمرہ میں اسکا محسن ـــــ شرابی چٹائی پر پڑا سو رہا ہے۔

وہ سوچنے لگی۔ کیا وہ اُسے جگا کر یہاں سے جائے مگر اسکی تو کوئی خاص ضرورت نہیں۔ ابھی آفتاب نہیں نکلا ہے۔ جانے کے لیئے یہی وقت ٹھیک ہے۔ دیر ہونے پر آفتاب نکل آئیگا۔ لوگ جاگ جائینگے۔ ایک شور مچ جائیگا۔ لوگ اسے ایک غیر آدمی کے ساتھ لوٹتے ہوئے دیکھکر شک کرینگے انگلیاں اٹھائینگے۔ اور نجانے اس کے بارے میں کیا کیا بری باتیں سوچینگے۔ کشوری کا سارا جسم خوف سے کانپ گیا۔ اسکے سر میں چکر آنے لگا۔ اور وہ بہت زیادہ گھبرانے لگی۔

کل رات کو یہاں آکر اس نے سوچا تھا۔ رات بھر جاگنے اور تکلیف اٹھانے سے وہ بچ گئی۔ اب آرام سے سوئیگی۔ اس وقت اس نے نہیں سوچا تھا۔ کہ رات ختم ہونے پر وہ خود کو دنیا والوں کی نگاہوں ـــــ تیز نگاہوں سے کیسے بچا سکیگی۔ ایک غیر آدمی کے گھر رات بھر رہنا ـــــ اف! نجانے لوگ کیا کیا سوچینگے۔ وہ عورت ہے اور عورت کی حیثیت دنیا والوں کی نگاہوں میں کتنی نازک ہوتی ہے۔ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی ـ صرف شک وشبہ کی بنا پر عورت بلندی سے پستی کی طرف پھینک دی جاتی ہے۔

مگر اس کا محسن کتنا اچھا آدمی ہے۔ اسکی ہستی کتنی بلند ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ دنیا میں ایسے بھلے لوگ بھی بستے ہیں۔ لیکن کیا اس کا پتی اور اسکے مکان کے لوگ اس آدمی کی قدر کرینگے اس پر اعتبار کرینگے۔ یہ شرابی ہے اور دنیا شرابیوں پر اعتبار کرنا گناہ سمجھتی ہے۔ اب کیا ہو۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ وہ اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اگر لوگ اس پر یقین نہیں کرینگے تو وہ کہیں کی نہیں رہیگی۔

وہ پتی کے ظلم کو بھول گئی۔ رات کو اس نے جو جو باتیں سوچی تھیں وہ بھی بھول گئی۔ اس نے سوچا۔ یہاں نہ آکر اس نے رات اپنے دروازہ ہی پر بیٹھ کر کیوں نہ گذار دی۔ مانا کہ تکلیف اٹھانی پڑتی۔ جاگنا پڑتا۔ لیکن لوگوں کا ڈر تو نہیں رہتا۔ اسکی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے بہت سے لوگ اسکے چاروں طرف کھڑے اسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔

شرابی میٹھی نیند سو رہا تھا اور کشوری دروازہ سے لگی آنکھیں بند کیئے کھڑی تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی بوندیں نکلکر اس کی پلکوں پر کانپ رہی تھیں۔ اور وہ سوچ رہی تھی۔ کہ جانے سے پہلے اپنے محسن کو اٹھائے یا نہیں۔ اتنے میں اس نے اپنے چہرہ پر کچھ ہلکی ہلکی سی گرمی محسوس کی۔ آنکھوں کو جلدی سے کھولکر سامنے کی طرف دیکھا اور ایک چیخ کے ساتھ زمین پر گر پڑی

افق مشرق میں آفتاب جھلملا رہا تھا۔ اور سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔

سریندر ناتھ لکھ پادھیا

آپریشن مت کراؤ
کنٹھ مالا۔ کاربنکل۔ ناسور۔ زہرباد۔ آتشک پھوڑے غرض
ہر قسم کے زخموں کا علاج بغیر نشتر کے ہوتا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔
ڈاکٹر علی مظہر۔ ماہر امراض زخم گھسیا ٹولہ گیا۔

سانیٹ

کرکے روشن گھر سے نکلا ہوں ابھی دل کا چراغ
بھاگنے کو دور کوسوں اِس الم آباد سے
ڈھونڈھنے کو ایسی دُنیا جس میں میرا دل لگے
کاش لگ جائے کسی ایسے ستارے کا سُراغ

جس کے پا ہرگز نہوں مجبور طوفِ آفتاب
جس کا خرمن برق کی تخریب سے ہو بے خبر
جس کے کانوں میں نہ پہنچی ہو صدائے شورِ شر
آشنا ہرگز نہ ہوں جس کا گہن سے ماہتاب

جس کی راتوں پر ہو بارِ منّتِ زلفِ شمیم
جس کے دن پر تو ہوں اِک اُس کی ضیائے حسن کا
ہر نفس اُس کا جہاں ہو عطر افزائے نسیم
نغمۂ مستانہ سے معمور ہو جس کی فضا

کاش لگ جائے کسی ایسے ستارے کا سُراغ
تاکہ ساری کلفتوں سے مجھ کو مل جائے فراغ

عقیق (بی اے)

اپنے مرکز کی طرف

کافی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد بھی تلوتما شادی پر تیار نہیں ہوئی۔ اس کے والدین نے پہلے پیار کیا۔ پھر سمجھایا اور جب نہ مانی تو بگڑے بھی۔ ڈاکٹر نے اُسے واقعات کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ خاندان پر آنے والی بربادی کا نقشہ کھینچا اور اس کو شادی پر راضی کرنے کے لئے اپنی انتہائی کوششیں صرف کردیں لیکن تلوتما ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس کی آنکھیں بھینگی تک نہیں اور اس کے چہرہ پر کسی قسم کے تغیراتی آثار بھی ظاہر نہ ہوئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے وہ ان لوگوں کی گفتگو سے کوئی دلچسپی ہی نہیں لے رہی ہے اور اگر لے بھی رہی ہو تو اس طرح جیسے اس سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو۔

دس بج گئے ڈاکٹر نے معذرت کی اور مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے روانہ ہوگیا۔ اس کے والدین نے پھر ہمت کی نصیحتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور نہ جانے کبتک جاری رہتا۔ اگر چپراسی تلوتما کو ڈیوٹی کے شروع ہوجانے کی اطلاع نہ دیتا۔

آدھ گھنٹہ کی مصروفیت کے بعد جب ڈاکٹر اپنے کمرہ میں واپس لوٹا تو سب لوگ جا چکے تھے۔ اس نے خود کو کرسی پر گرا دیا۔ اور کچھ دیر پہلے کے واقعات پر نہایت انہماک کے ساتھ غور کرنے لگا۔

آخر تلوتما کو شادی پر راضی کرنے کے لئے کونسی ترکیب کامیاب ہوسکتی ہے؟ اُس نے اپنے دماغ کی انتہائی گہرائیوں تک اس سوال کو پہنچایا اور ایک اٹل۔ قابل قبول جواب کی اُمید میں آنکھوں کو بند کرلیا دیوار سے ٹنگا ہوا روشنی کا بلب آہستہ آہستہ مدھم ہوکر اپنی روشنی کھو بیٹھا چپراسی نے ڈاکٹر کو محو خواب سمجھکر دروازہ بند کردیا اور خود ایک اسٹول پر بیٹھکر اونگھنے لگا۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد یکایک اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس نے تیزی سے اٹھکر دروازہ کھول دیا ڈاکٹر کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"دھیرو!" چپراسی آنکھیں ملتا ہوا کمرہ میں گھس آیا اور مودب کھڑا ہوگیا۔ "جاؤ روم ۱۲ کی نرس کو سلام بولو" جلدی چپراسی تیزی سے باہر نکل گیا اور ڈاکٹر نے ٹیلیفون اُٹھایا۔

O.K 34 ..... ہلو — جوگیش بابو ہیں .. ذرا فون پر بھیج دیجئے اتنے میں روم ۱۲ کی نرس تلوتما کمرہ میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر نے ٹیلیفون کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ کون جوگیش بابو؟ ... .. اچھا تو سنئے آپ آج رات کی ٹرین سے مت جایئے۔ صبح تلوتما شادی کرنے کے لئے آپکے ساتھ جائے گی۔

"ڈاکٹر یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔ تلوتما بیچ میں چیخ اُٹھی۔ میں نہیں جاؤں گی"

ڈاکٹر نے ریسیور کو رکھدیا اور ہنستے ہوئے بولا۔

"ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں ٹھیک ہے خیر چھوڑو اس بات کو۔ مجھے تم سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تمہارے کمرہ میں کسی مریض کو زیادہ تکلیف تو نہیں؟

"جی نہیں۔ کوئی خاص بات تو نہیں۔ تلوتما نے کہا۔ آپ جو کچھ کہنا چاہیں بشوق تمام کہہ سکتے ہیں۔

"میں یہاں کچھ نہیں کہونگا۔" ڈاکٹر نے کہا "چلو ذرا دریا کی سیر کر آئیں۔"

"لیکن میری ڈیوٹی؟" تلوتما بولی۔

"کوئی حرج نہیں روم ۵ کی نرس دیکھ لے گی۔" ڈاکٹر نے کھڑے ہو کر کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ اور اس کے بعد دونوں وہاں سے روانہ ہوگئے اور دریا کے کنارے پہنچ کر پانی سے قریب کی ایک سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ ہوا کافی تیز اور سرد تھی دو چار کشتیاں کنارے سے لگی کھڑی تھیں اور ملاح ان پر بیٹھے ہوئے گا بجا رہے تھے۔ دور ایک چھوٹا سا بوٹ گرجتا اور سطح آب کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس سے قریب ہی ایک شکاری کشتی آہستہ آہستہ ہوا کے خلاف رینگ رہی تھی اور ملاح جال کے ذریعہ مچھلیوں کو اوپر کھینچ رہے تھے۔

"آپ نے کہا نہیں۔" تلوتما نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "مجھ سے آپ کچھ کہنا چاہتے تھے نہ؟"

"ہاں!" ڈاکٹر نے چونک کر کہا "میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر شادی نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

"میں خود بھی اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں" تلوتما نے انگلیوں سے پانی کی سطح پر لکیر بناتے ہوئے کہا "بچوں کی طرح باتیں نہ کرو تلوتما" ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جانتی ہو تمہارا یہ انکار تمہارے خاندان کو بربادی سے دوچار کر رہا ہے شاید تم اس وقت بہت چھوٹی تھیں جب تمہارے والدین نے گاؤں کے ساہوکار سے قریب قریب پانچ ہزار روپے اس شرط پر لئے تھے کہ اس کے لڑکے سے تمہاری شادی کر دیں گے اور اب جب شادی سے تم انکار کر رہی ہو۔ تو ساہوکار روپئے طلب کر رہا ہے لیکن جیسا کہ تم جانتی ہو۔ تمہارے والدین ۵ ہزار تو کیا پانچ سو بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نالش کر دے گا اور گھر کی اینٹیں تک بک جائینگی۔ کیا تمہارے دل میں ماں باپ اور چھوٹے بھائی کے لئے ذرا برابر بھی ہمدردی نہیں۔ خاندان کی عزت کا کچھ بھی پاس نہیں --- جہاں تک میرا خیال ہے ساہوکار کا لڑکا کشور بھی کوئی برا نہیں۔ حسین اور تندرست ہونے کے علاوہ وہ ام اے کے آخری سال میں ہے۔"

"ڈاکٹر! میں اس قصہ کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتی۔" تلوتما نے سنجیدگی سے کہا "کیا یہ ضروری ہے کہ والدین کی غلطیوں کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑے۔ انہیں روپئے قرض لینے کی ضرورت تھی یا نہیں مجھے اس سے بحث نہیں۔ لیکن انہوں نے ایسا وعدہ کیوں کر لیا جس کو پورا کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اور پھر جب میں شادی کرنے کے لئے تیار نہیں تو کشور کی قابلیت اور حسن و صورت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے۔ تلوتما" ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کہ شادی کئے بغیر تم اپنی زندگی گذار لوگی؟"

"یقینی" تلوتما نے جواب دیا "اور یہ مجھ ہی پر کیا منحصر ہے۔ اسپتال میں اور نرسیں بھی تو ہیں جو شادی کئے بغیر اپنی زندگی گذار رہی ہیں۔"

"تمہاری معلومات کس قدر سطحی ہیں تلوتما۔" ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ان نرسوں کو کبھی تم نے حقیقت کی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے۔ دیکھنے میں تو یہ پاک باطن۔ نیک طینت اور خدا ترس معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن شاید ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو حقیقی معنوں میں اپنے کو کنواری ثابت کر سکے۔ فرصت کا اوقات میں سکول اور کالج کے چھوکروں کے ساتھ سنیما کی سیر کرنا۔ پارک میں گھومنا اور کسی کنج میں محو اختلاط ہونا ہی ان کی زندگی کا مقصد ہو گیا ہے۔ اگر ان کے دل کی گہرائیوں میں تم ڈوب کر دیکھو گی تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ خدمت خلق

زیادہ ان کے دل میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ایک شریف خاندان کی لڑکی ہوکر ان گندگیوں کو اچھالنے کی کوشش کرو۔

آپ نے جو کچھ فرمایا ممکن ہے کہ درست ہو۔ تلوتما نے دریا کی لہروں پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ تمام عورتوں کی فطرت ایک جیسی ہو۔ یہ تو اخلاق کی بلندی اور پستی کا نتیجہ ہے۔ دریا کی ان لہروں پر نہ جانے کتنی کشتیاں اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔ ان میں سے بہتوں کو ملاح کی غفلت کی وجہ سے طوفان حوادث کا شکار ہونا پڑے گا۔ اور اکثر صحیح و سلامت اپنی منزل تک پہنچ جائینگی۔ بجنسہٖ یہی حالت انسانی فطرت کی بھی ہے۔ اگر ہم میں غور و فکر کا صحیح مادہ موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم بلندی کی طرف سے نظریں ہٹا کر پستی کی طرف جھک جائیں۔

تلوتما۔ تم نہیں جانتیں ڈاکٹر نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "کہ انسان صرف دنیا میں جینے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ زندگی کے پہلو بہ پہلو بہت سے فرائض ایسے بھی ہیں۔ جن کو پورا نہ کرنا گناہ عظیم کے مترادف ہے۔ زندگی کے اس حسین اور لذت آگیں دور سے ابھی تم واقف نہیں۔ جس میں دو روحیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور ان کے ٹکراؤ سے ایک ایسی کیفیت ایسی لطافت پیدا ہوتی ہے۔ جس پر دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں نچھاور کی جاسکتی ہیں۔ اگر تمہاری زندگی ابھی اس دور سے آشنا نہیں ہوئی۔ تو سمجھ لو کہ جلد ہی آشنا ہونے والی ہے۔ وہ دور ایسا ہوگا جب زندگی کے اس الجھے ہوئے راستہ پر سفر کرنے کے لئے تمہیں ایک ہمسفر کی ضرورت بری طرح محسوس ہوگی۔ تمہارا دل خود بخود کسی کو اپنا شریک حیات بنانے پر مجبور ہوگا اور تمہاری روح بےچینی کے ساتھ اپنی غذا کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتی پھرے گی۔ اس وقت اگر تم نے کسی کو اپنا شریک حیات منتخب کرلیا تو پھر کچھ عرصہ کے بعد تمہارے دل میں ایک نیا جذبہ گدگدیاں لے گا۔ اور تم چاہوگی کہ اوروں کی طرح تمہیں بھی کوئی ماں کہے۔ تم بھی کسی کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرسکو۔ تمہارے خاندان کا بھی نام روشن کرنے والا کوئی ہو۔ اور پھر تمہارا یہ مقدس جذبہ آہستہ آہستہ ابھرنا شروع کرے گا اور ایک دن ایسا آئے گا جب تمہیں بھی کوئی ماں کہنے والا ہوگا۔ تم بھی کسی کو بیٹا کے نام مخاطب کرسکوگی۔ اور اس وقت شاید تم پر انگلیاں اٹھانے والا کوئی نہ ہوگا۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ اس نے اپنی زندگی کا غلط مصرف لیا۔ اس نے فطرت کے خلاف بغاوت کی اور وہ نسوانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر جھلملائی۔

"ڈاکٹر! اس طول و طویل تقریر کا شکریہ۔" تلوتما نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کی باتوں کو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ دو روحوں کے اتصال سے جو کیفیت جو لذت پیدا ہوتی ہے اس سے میں ابھی تک ناآشنا ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے آج تک آشنا ہونے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ اب اس کی ضرورت محسوس کرتی ہوں۔ دنیا میں انسان کے ذمہ بہت سے فرائض ہیں۔ لیکن کوئی آدمی ایسا ہے جو ثابت کرسکے کہ اس نے اپنی زندگی کے تمام فرائض کو نہایت ایمانداری کے ساتھ ادا کیا ہے ہر شخص کسی نہ کسی فرض سے کوتاہی ضرور برتتا ہے۔ پھر میں بھی اگر اپنے ایک فرض سے کوتاہی برت رہی ہوں۔ تو کیا حرج ہے افزائش نسل نہ سہی خدمت خلق ہی سہی۔

"لیکن یقین کرو تلوتما" ڈاکٹر نے کہا۔ "تم اپنے اس فرض سے کوتاہی برت رہی ہو جس کا پورا نہ کرنا گناہ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"ممکن ہے کہ آپ اسے زندگی کا واحد ترین مقصد سمجھ رہے ہوں" تلوتما نے کہا۔ "لیکن کم از کم میں تو اسے ایسا نہیں سمجھتی۔"

ڈاکٹر خاموش ہو گیا اور اس کی نظریں دور سطح آب پر جا کر جم گئیں جہاں ایک کشتی نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے رخ کے خلاف اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ملاح نوسکھ معلوم ہو رہا تھا اور نہایت لاپروائی سے چپو چلا رہا تھا۔ اس کو اس بات کا ذرا برابر بھی خوف نہ تھا۔ کہ اگر ایک زوردار طوفان آگیا۔ تو اس کی کشتی پانی کی تیز لہروں میں جذب ہو جائیگی اور وہ آئندہ اپنے فرض کو انجام نہ دے سکے گا۔ ڈاکٹر نے سطح آب سے نگاہیں ہٹا کر تلوتما کو دیکھا۔ وہ دوسری طرف رخ کئے ہوئے دریا کی ان تیز و تند لہروں کو دیکھ رہی تھی جو نہایت تیزی سے آتیں۔ اور کنارے سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتیں۔ ڈاکٹر نے سوچا۔ شاید اُسے امید ہے کہ اس کی زندگی کے سمندر میں بھی جذبات کی لہریں اسی طرح اُٹھینگی اور اس کے عزم و استقلال سے ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں گی۔ نادان لڑکی! پانی کی مسلسل بوندیں جب پتھر کو بھی چھید کر سکتی ہیں تو کیا یہ ضروری نہیں کہ جذبات کی لہریں بھی اسکے عزم و استقلال کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں۔ ڈاکٹر کے خیالات نے اب دوسری طرف اپنا رُخ پھیرا۔ اور سوچنے لگا۔ تلوتما جنسی تعلقات سے ابھی قطعی نابلد ہے۔ وہ جانتی ہی نہیں کہ زندگی کا یہ دور کس قدر رومان انگیز اور کیف پرور ہوتا ہے۔ دفعتًا اس کے خیالات کا سلسلہ رک گیا۔ اس نے دور سطح آب پر دیکھا کہ وہ کشتی جو ہوا کے خلاف جا رہی تھی اب واپس لوٹ رہی ہے اور اسکے آگے ایک بڑی کشتی جا رہی تھی۔ ممکن ہے یہ اسکی رہنمائی کر رہی ہو، اور اُسے بتلایا ہو کہ ہوا کے خلاف سفر کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ڈاکٹر نے سوچا جس صورت سے بھی ہو اُسے تلوتما کی رہنمائی کرنی چاہیئے اُسے صحیح راستہ پر لانا چاہیئے اور اُسے بتلا دینا چاہیئے کہ زندگی وہ نہیں تھی یہ ہے ۔۔۔۔۔۔ لیکن آخر وہ کیا کر سکتا ہے ۔۔۔ ؟ دفعتًا اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور وہ کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر ہی وقت کا خیال کرتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا اب ہمیں چلنا چاہیئے" اُس نے کہا "کافی دیر ہو گئی۔"

تلوتما کھڑی ہو گئی اور دونوں دریا کے کنارے ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے کچھ دور جانیکے بعد چھوٹے چھوٹے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہوا چاندنی کے رک جانیکی وجہ سے راستہ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی اسلئے دونوں کو آہستہ آہستہ چلنا پڑا! دس بارہ قدم جانیکے بعد درختوں کی آبادی اور بھی گھنی ہو گئی۔ اور دو سائے نہایت آہستہ آہستہ تاریکیوں میں جذب ہونے لگے۔ کچھ دور جانے کے بعد دفعتًا ایسا معلوم ہوا جیسے ایک سایہ دوسرے پر جھپٹ پڑا اور پھر ایک نسوانی چیخ فضا میں بلند ہوئی کچھ دیر تک خاموش رہی اور وہی نسوانی آواز ایک بار پھر فضا میں بلند ہوئی "مجھے چھوڑ دو ڈاکٹر" لیکن ماہتاب کی چند شعاعوں نے گھنے درختوں سے جھانک کر دیکھا ایک سایہ دوسرے سایہ کی مضبوط گرفت میں تھا دریا میں بڑے زوروں کا ایک طوفان اٹھا اور تیز لہریں کناروں سے ٹکرانے لگیں۔ بادل کا ایک بڑا سا ٹکڑا سراسیمہ دوڑتا ہوا آیا اور چاند اسکی آغوش میں چھپ گیا۔ کائنات پر ایک گہری تاریکی چھا گئی ایک خوفناک سکوت۔

دوسرے روز صبح کے وقت ڈاکٹر ریڈیو کے سامنے بیٹھا تھا اسکے ہاتھوں میں ایک خط تھا اور اسکے چہرہ پر مسکراہٹ اتنے میں بڑا ڈاکٹر کمرہ میں داخل ہوا "ہلو ڈاکٹر۔" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "روم نمبر ۶ کی نرس آج نہیں آئی"

"وہ اب شاید کبھی نہیں آئیگی ڈاکٹر" ۔۔۔۔ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ کیوں؟" بڑے ڈاکٹر نے پوچھا۔

اس کے جواب میں ڈاکٹر نے اسکے ہاتھ میں خط دیدیا۔ "شکریہ ۔۔۔ استعفیٰ ۔۔۔ شادی ۔۔۔ تلوتما" یہی اس خط کا لب لباب تھا۔ بڑے ڈاکٹر نے اطمینان کا سانس لیا

عارف سنسہاوی

غزل

نغموں میں جو خاموشیِ پیہم کو بدل دوں
عالم کو بدل دوں دلِ عالم کو بدل دوں

ممکن ہے کہیں فطرتِ آدم کا بدلنا
مشکل ہے کہ یہ کشمکشِ غم کو بدل دوں

آشفتگیِ دل سے بہت تنگ ہوں میں بھی
تم آؤ تو اس محفلِ برہم کو بدل دوں

انداز نگاہوں کو کہاں دل کے میسر
نظروں میں کسی اِن دلِ محرم کو بدل دوں

جذبات بھی زندہ ہیں خیالات بھی زندہ
میں چاہوں تو بے کیفیِ عالم کو بدل دوں

ہر اشک میں تصویرِ تمنا نظر آئے
ہے لطف جو یوں گریۂ پیہم کو بدل دوں

یہ شئے مرے امکان کی دنیا میں نہیں ہے
اے عشق ترے جذبۂ محکم کو بدل دوں

سو رنگ بدل لیتے ہیں وہ یوں کہ زمانہ
میں کون؟ کہ اس نسبتِ باہم کو بدل دوں

تم شیوۂ آزار سے باز آ نہیں سکتے
میں کیوں روشِ نالہ و ماتم کو بدل دوں

کچھ ان کے اشاروں کا مجھے پاس ہے ورنہ
تقدیر کے ہر پیچ کو ہر خم کو بدل دوں

اُمیدِ محبت بھی ادیب ایک جنوں ہے
غم بدلے نہ بدلے سببِ غم کو بدل دوں

ادیب مالیگانوی

سپاہی

لڑنے والے کو سپاہی کہتے ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر سپاہی لڑتا ہے یا لڑ سکتا ہے۔ جو کوئی بھی سپاہی کی جماعت میں شریک ہو جائے وہ سپاہی بنجاتا ہے۔ اب یہ اسکی بلند ہمتی پر منحصر ہے کہ دشمن سے لڑے یا صلح کر لے۔ ہماری زبان میں ہر وہ شخص جو خاص قسم کی وردی پہن لے، بغل میں لٹھ یا کاندھے پر رائفل رکھ لے سپاہی کہلاتا ہے۔ سپاہی کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں مثلاً آبکاری کا سپاہی، بنک کا سپاہی، پولیس کا سپاہی، فوج کا سپاہی، بنئے کا سپاہی، ڈیوڑھی کا سپاہی وغیرہ۔ لفظ سپاہی سن کر ایک خاص قسم کا حلیہ آنکھوں تلے گھومنے لگتا ہے یعنی سرخ پگڑی، خاکی قمیص، خاکی نیکر، خاکی پٹی، سیاہ بھدے بوٹ، ہاتھ میں ڈنڈا، مسٹنڈے قسم کا آدمی، سر چھوٹا، پیشانی تنگ، آنکھیں چھوٹی، ناک چپٹی، ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے، دانت گندے اور ناہموار، ٹھوڑی بڑی اور چوڑی، چہرہ پر سیاہ داغ، مونچھیں بڑی اور اینٹھی ہوئیں، داڑھی منڈی ہوئی مگر کئی دن پہلے کی، گردن موٹی اور کوتاہ، کان چھوٹے اور لوٹے ہوئے، سینہ چوڑا، بازو ڈھلے ہوئے جو خواہ مخواہ کھینچ کر پیچھے کئے ہوئے، پیٹ نکلا ہوا جس پر چمڑے کی پیٹی ڈھیلی سی بندھی ہوئی، ٹانگیں ٹیڑھی جو پٹی باندھکر اور ٹیڑھی معلوم ہوں، چلنے میں نشان بے اعتنائی اور زمین میں مگدر گرنے جیسی آواز، بغل میں ڈنڈا اور منہ میں آدھی جلی ہوئی بیڑی، ہر طرف فاتحانہ انداز سے نظر اٹھاتے ہوئے اور سلام لیتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

کبھی پان والے کی طرف ایسے انداز سے دیکھ لیا جیسے وہ کوکین بیچ رہا ہو، اسکو اشارہ میں کڑی نظروں سے ڈانٹ کر پان سگریٹ کا چونگا وصول کرتے ہوئے آگے بڑھے، تانگے والے کا سلام لیا اور اسکو کچھ بے نقط کی سنا کر آگے بڑھے، پھل والے کی دوکان پر فاتح کی طرح کھڑے ہو کر کہا "کیوں بے، پھر تو نے پھلوں کی ڈلیا سڑک پر رکھنا شروع کر دی" پھل والے نے آہستہ سے اشاروں میں معافی مانگی اور شام کو کچھ سیب اور کچھ انگور دینے کا وعدہ کیا۔ یہاں سے آگے بڑھے، شہر کے اٹھائی گیروں سے گھل مل کر باتیں کیں، کسی پر پھبتی کسی، کسی کو ڈانٹا، کسی کی پیٹھ ٹھونکی اور آگے بڑھے۔ اتفاق سے اگر تھانہ دار پر نظر پڑ گئی تو فوراً پگڑی درست کی، پیٹی کو اوپر اٹھایا اور منہ کی بیڑی پھینک کر اپنی جگہ تن کر کھڑے ہو گئے۔ جیسے تھانہ دار کو دیکھا ہی نہیں۔ اپنے کارنامے اپنی چیخ پکار سے دکھانے لگے "ابے ہٹنا، وہ دیکھو، چلو، بڑھو، کیا دیکھتا ہے سامنے وہ دونگا، ابھی آیا، ذرا ٹھہر تو، نالائق وغیرہ"۔ ایسے موقعہ پر زیادہ تر اناڑی اور نیچی قسم کے تانگہ والے گالیاں سنتے ہیں اور اکثر انکی گوشمالی بھی کر دی جاتی ہے۔ تھانیدار کو دکھانے کے لئے ان کے بھدے جسم میں جتنی بھی چستی ہو سکتی ہے سب آ جاتی ہے۔ تھانہ دار اگر پرانی وضع کا پان خور قسم کا ہوا تو یہ چستی فوراً ڈھیلی ہو جاتی ہے اور ہنس ہنس کر دبی زبان میں "معاملہ" کی گفتگو ہونے لگتی ہے۔ نئی قسم کا تھانیدار سپاہی کی پسند کی چیز نہیں اس کے پیٹھ پھیرتے ہی سپاہی گالی بکتا ہے۔ اور تھوک پھینکتا ہے۔ یہ ہے مختصر سا خاکہ ایک پولیس کے سپاہی کا جو ہمارے آس پاس رہتا ہے اور جسکو ہم اکثر دیکھتے ہیں۔

سپاہی بننا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے گوشت زیادہ اور دماغ کم ہونے کی شرط ہے۔ یعنی ایسا آدمی عمدہ سپاہی

ہوتا ہے جو مضبوط اور گوشت دار ہو مگر جسکی کھوپڑی میں سمجھ بوجھ برائے نام ہو۔ ہوش گوش کے ساتھ انسان سپاہی بننا پسند نہ کریگا۔ ہر صوبہ میں خاص خاص ضلع کے لوگ عرصہ سے سپاہی بنتے چلے آ رہے ہیں۔ مثلاً صوبہ بہار میں آرہ یا شاہ آباد کے لوگ، یوپی میں رائے بریلی اور مرزاپور کے باشندے۔ ان خاندانوں میں لڑکے نے ہوش سنبھالا نہیں کہ ہر طرف سپاہی کو دیکھنے لگا۔ آج ماموں آئے، وہ بھی سپاہی۔ کل خالو آئے وہ بھی سپاہی، پرسوں پھوپھا آئے، وہ بھی سپاہی اور گھر میں: دادا اور باوا تو ٹھہرے ہی سپاہی۔ بچپن سے باپ کے پرانے بوٹ پیٹی ڈنڈا پٹی وغیرہ کو کوٹھری کے کونے میں لٹکتے ہوئے دیکھا۔ کسی دن لڑکے نے موقع پاکر باپ کے ڈھیلے بوٹ پہن لئے اور پٹی باندھکر ڈگمگاتا ہوا صحن میں آ پہونچا، ماں نے دیکھکر ہنس دیا، بہن نے دیکھکر خوشی سے تالیاں بجائیں۔ بیوہ پھوپھی نے کہا "واری جاؤں ننھا ابھی سے سپاہی معلوم ہوتا ہے"۔ کچھ دنوں کے بعد ماں نے پڑھنے کیلئے بچہ کو گاؤں کے میاں جی کے پاس بھیجدیا۔ وہاں کسی شرارت پر میاں جی نے کھجور کی چھڑی سے میاں کو خوب پیٹا۔ یہ روتے ہوئے بھاگ کر گھر آئے۔ ماں نے لڑکے کو کلیجے سے لگاکر میاں جی کو خوب گالیاں دیں اور اسطرح اسی دن سے پڑھنا لکھنا ختم ہوگیا۔ آگے چل کر جوانی میں پڑھنے لکھنے کا شوق ہوا تو اپنا نام عبدل الف سے لکھنے لگے اور ٹٹول کر قصہ گل بکاولی پڑھنے لگے۔ کچھ اور بڑھے تو گاؤں کے اکھاڑے میں مٹی لگانے اور کشتی لڑنے لگے۔ یہاں بھی محنت کم اور شرارتیں زیادہ ہونے لگیں۔ گاؤں کی گنوار لڑکیوں سے کبھی کنواں کے پاس اور کبھی کبھی کھیت میں ملنے لگے۔ معشوق کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی کے کھیت سے چنا چرا لائے یا کسی کے باغ سے رات کو آم توڑ کر لے آئے۔ رفتہ رفتہ ان کارستانیوں کی خبر گھر والوں کو پہونچی، باپ رخصت پر آئے اور بیٹے کو لئے ہوئے تھانے پر پہونچے۔ صاحب سے کہا۔ سفارش کرائی، اور بیٹا بھی سپاہی میں بھرتی ہوگیا۔ نیا سپاہی رنگروٹ کہلاتا ہے۔ بیٹا بھی رنگروٹ کی حیثیت سے ٹریننگ میں پہونچا جہاں تمام اکڑ نکال ڈالی گئی۔ اور یہاں سے سپاہی بن کر لوٹا یعنی سوجھ بوجھ کھوکر۔ واپسی پر کسی تھانہ میں تعیناتی ہوئی۔ اور بارہ روپیہ ماہوار مشاہرہ ملنا شروع ہوگیا۔ یہ خبر گاؤں میں پہونچی، ماں نے جلد ایک لڑکی کو پسند کیا۔ اور بیٹے کو رخصت لیکر آنے کو لکھوا بھیجا۔ خاندان والے جمع ہوئے دیہاتی قسم کے باجے بجے، عورتوں نے چیخ چیخ کر ڈھولک پر گایا۔ سپاہی گاؤں کے پٹواری کے ٹٹو پر بیٹھ کر سرخ اچکن اور سہرا باندھے ہوئے دھول پھانکتا ہوا سسرال پہونچا اور وہاں سے ایک روتی بسورتی بیوی کمسن ناسمجھ لڑکی کو ڈولی میں بٹھاکر اپنے گھر لے آیا۔ رات کو شب زفاف ہوئی دوسرے دن صبح کو رخصت ختم ہوگئی۔ سپاہی لوٹ کر خوشی خوشی تھانے پہونچا جہاں ہفتوں مزے لے لے کر اپنی شادی اور دلہن کے دلچسپ واقعات یار دوستوں سے بیان کرتا رہا۔ اب سپاہی کے دامن سے ایک عورت بھی بندھ گئی جسکے زیور کپڑے وغیرہ کا مہیا کرنا بھی اس کا فرض تھا۔ تنخواہ وہی رہی جو پہلے تھی۔ دیگر سپاہیوں نے بتایا کہ اتنی سی تنخواہ میں کیونکر سب کچھ جادو کے زور سے کیا جا سکتا ہے۔ الغرض سپاہی نے جادو کرنا بہت جلد سیکھ لیا۔

سپاہی منہ اندھیرے اٹھکر ضروریات سے فارغ ہوتا ہے (مسواک کرتا ہے اور نہاکر عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کی عبادت اس دعا پر ختم ہوتی ہے کہ آج کا دن آمدنی کیلئے سب دنوں سے اچھا ہو۔ ہفتہ میں ایک آدھ دن ڈنڈ بھی کرلیتا ہے۔ پھر روٹی پکاتا ہے اور کھانے سے فارغ ہو کر وردی پہنتا ہے۔ اور تھانہ میں سلام کیلئے حاضر ہو جاتا ہے۔ تھانہ دار صاحب یا تھانہ جانے

کی فکر میں آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے حقہ نوش فرماتے ہیں۔ سپاہی ادب سے سامنے جاکر کھڑا ہوجاتا ہے اور حسب ایما تھانیدار دن کا پروگرام درست کرتا ہے اور پھر اپنی ڈیوٹی پر چلاجاتا ہے (ڈیوٹی کا نمونہ آگے پیش کیا جاچکا ہے) شام کو جب ڈیوٹی سے لوٹ کر آتا ہے تو پہلے روٹی پکاکر کھاتا ہے۔ روٹی کھانے کے بعد ململ کا کرتہ اور سفید دھوتی پہنتا ہے۔ پھر ٹوٹا ہوا آئینہ اور کنگھا لیکر بال درست کرتا ہے۔ سر میں تیل ڈالتا ہے اور ترچھی ہوئی ترچھی ٹوپی لگاکر ہاتھ میں پتلی بید لئے ہوئے مونچھوں پر بل دیتا ہوا بازار کی سیر کے لئے نکلتا ہے۔ پہلے پان کھاتا ہے پھر سگریٹ جلاتا ہے اور کوٹھے پر بازاری عورتوں سے نظریں لڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ طوائف جو اونچے قسم کی ہیں وہاں اسکا گذر نہیں ہوتا کہ جمعدار یا تھانیدار صاحب اکثر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے بیچارہ چوک کی روشن سڑکوں سے دور ہٹ کر تنگ تاریک گلیوں میں چلا جاتا ہے۔ جہاں گندہ نالیوں کی کثیف بو گھوڑے کی لید، سوکھی گھاس اور نہانی کی ٹوٹی پھوٹی دوکان ہوتی ہے۔ اس دوکان پر ہر شخص اسکی عزت کرتا ہے۔ دوکاندار ادب سے چار کی پیالی پیش کرتا ہے اور اونگھتے ہوئے گاہک خوشامد میں پان اور بیڑی سے خدمت کرتے ہیں۔ یہاں کچھ دیر بیٹھ کر دوکاندار سے اشاروں میں کچھ دریافت کرتا ہے اور پھر ادھر ادھر دیکھکر آہستہ سے ایک پھٹے ہوئے ٹاٹ کے پردہ کو ہٹاکر جھونپڑی نما مکان میں داخل ہوتا ہے جہاں صحن میں ٹوٹی چارپائی پڑی ہوتی ہے۔ اور تین فٹ بلند سائبان میں ایک پڑتے کرم خوردہ تخت پر ٹمٹماتا ہوا چراغ جلائے دو عورتیں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایک بوڑھی اور دوسری ادھیڑ عمر کی۔ دونوں پان کھائے ہوئے اور مسی لگائے ہوئے۔ سر میں سیمو کا خوشبودار تیل اور آنکھوں میں کاجل لگا ہوا۔ ان میں سے زیادہ عمر والی اٹھکر کہتی ہے "سپاہی جی سلام" سپاہی خوش ہوکر ہنستا ہے اور صحن میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھکر کم عمر والی عورت کو اپنے پاس بلاتا ہے۔ فحش مذاق اور دھول دھپا ہونے لگتا ہے۔ بوڑھی عورت اپنا شباب یاد کرکے حسرت سے ان خوش فعلیوں کو دیکھتی ہے۔ سپاہی کچھ دیر بعد پیسے کل دینے کا وعدہ کرتا ہوا احتیاط سے پھٹے ہوئے ٹاٹ کے پردہ کو ہٹاکر باہر نکلتا ہے اور اپنی ٹوپی کو درست کرکے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے مونچھوں پر بل دیتا ہے۔ چلتے وقت دوسرے منتظر گاہک پر یوں رعب ڈالتا ہے "دیکھتا ہوں سالے پھر تو ادھر کا چکر لگانے لگا ہے۔ یاد رہے بچا، ایکدن حوالات میں بند نہ کردیا تو میرا نام نہیں" تھانہ لوٹ کر یار دوستوں میں آج کے تجربوں کو بیان کرتا ہے۔ اور لطف لیتا ہے۔ کچھ دیر بعد پلنگ پر لیٹ کر یا تو گل بکاؤلی کا قصہ بآواز بلند پڑھتا ہے یا پھر لیٹتے ہی فلک شگاف خراٹے لینے لگتا ہے۔

سپاہی کیا کام کرتا ہے؟ - یہ رات کو اندھیرے میں چوروں سے ملتا ہے اور دن کو تانگہ والوں کی گوشمالی کرتا ہے۔ دوپہر کو اونگھتا ہے اور شام کو گلیوں کا چکر لگاتا پھرتا ہے۔ حقیقت میں اسکا کام چوروں کو پکڑنا تھا اور شہر میں امن وامان قائم رکھنا تھا۔ جسکے لئے اسکو تنخواہ ملتی ہے۔ وردی ملتی ہے اور رہنے کو بارک ملتا ہے۔ سپاہی وہاں نظر آئیگا جہاں اسکی ضرورت نہیں اور وہاں غائب رہتا ہے جہاں اسکی شدید ضرورت ہو۔ چنانچہ جب شہر میں بلوہ ہورہا ہو اور آپ کے پیچھے غنڈے چھرا لئے ہوئے دوڑ رہے ہوں تو اسوقت آپ کتنا ہی چیخئے چلائے کوئی سپاہی آپ کو نظر نہ آئیگا۔ اور جب غنڈے آپ کے پیٹ میں چھرا بھونک کر چلے جائینگے تو سپاہی آپ کو اسپتال لے جانے میں مدد پہونچائیگا۔ سپاہی اپنی تمام قابلیت اپنی تمام چستی بلوہ کے بعد دکھاتا ہے۔ شہر جب پرامن ہوجاتا ہے تو سپاہی

بھی عام شہریوں کی طرح شہر میں گشت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بلوہ کے دوران میں شہریوں کے ساتھ ساتھ سپاہی بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سپاہی چوروں کو نہیں پکڑتا ہے بلکہ اسکو پکڑتا ہے جسکے ہاں چوری ہو جاتی ہے تا کہ تھانہ میں رپٹ لکھوا سکے۔ سپاہی اس موٹر کو نہیں روک سکتا جو کسی راہی کو کچلتا ہوا نکل جائے۔ وہ کچلے ہوئے آدمی یا تماشبینوں کو روک لیتا ہے تا کہ کوتوالی میں رپٹ لکھوا سکے۔ سپاہی ایک بیوہ بڑھیا کی لاپتہ بکری کا کھوج نہیں لگا سکتا مگر صاحب بہادر کے بل ڈاگ کو جہاں سے بھی ہو ڈھونڈھ نکالے گا۔ قصہ مختصر سپاہی وہی کرتا ہے جو اس کو نہیں کرنا چاہئے۔ اور وہ ہرگز نہ کریگا جو اس کو کرنا چاہیئے۔ یہی حال ہر قسم کے سپاہی کا ہے۔ چاہے وہ جنگ کا ہو یا آبکاری کا۔

فوج کا سپاہی اس قسم کے سپاہیوں سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ یہاں بھی گوشت پوست کو دماغ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ سپاہی صرف آدمیوں کی گردن کاٹنے اور ان کا خون بہانے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ جب دنیا میں ہر طرف امن ہو تو یہ سپاہی بھی مزے میں آرام سے ایک جگہ پڑے رہتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں اور ہولی کے زمانہ میں خوب پی کر رنگ اور عبیر سے کھیلتے ہیں۔ اور ڈھول بجا کر نہایت کریہہ آواز میں فحش گانے گاتے ہیں۔ امن کے زمانہ میں بھی انکو چین سے رہنے نہیں دیا جاتا۔ صبح اٹھتے ہی دس میل دوڑا دئے جاتے ہیں۔ تمام دن بندوق اور سنگین سے طرح طرح کی ورزشیں کرائی جاتی ہیں۔ تاکہ بیٹھے بیٹھے کاہل اور ناکارہ نہ ہو جائیں۔ اس دوران میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ ان کو پریڈ اور ڈرل سکھایا جائے۔ رائفل اور سنگین سے لڑنے کی ترکیب سکھائی جائے۔ اور انکے دل میں ایسی ہمت اور بہادری پیدا کی جائے کہ یہ آدمی کو اسی صفائی سے مار سکیں کہ جیسے ایک قصاب بکری کو ذبح کرتا ہے۔ انکے گوشت اور ہڈی کو مضبوط تر بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ مگر دماغ کیطرف سے دانستہ غفلت برتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ عقلمند سپاہی ناکارہ ہو جاتا ہے۔ تو دنیا میں آجتک فلسفیوں کی فوج تیار نہ ہو سکی۔ جنگ کی خبر پاکر ان سپاہیوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ تمام سکھائی ہوئی بہادری اور ترکیبیں دست بنکر باہر نکل جاتی ہیں۔ ڈاکٹروں کی خوشامدیں ہونے لگتی ہیں۔ جو نہ کبھی سنے گئے اور دیکھے گئے۔ گھر جا کر ماں سے دودھ اور بیوی سے دین مہر بخشواتے ہیں۔ بچوں کو گلے لگا کر روتے ہیں۔ خود بھی روتے ہیں اور اوروں کو بھی رلاتے ہیں۔ رخصت ختم ہونے کے بعد اپنی جگہ پر پہونچ کر دھڑکتے ہوئے دل اور بیٹھے ہوئے قلب سے رائفل صاف کرتے ہیں اور سنگین چمکاتے ہیں۔ روزانہ سونے کے وقت جان کی خیر کی دعا مانگ کر اچٹی ہوئی نیند سوتے ہیں جس میں خوفناک جنگ اور دشمن کی فتح کا خواب دیکھتے ہیں۔

آخر ش ایک دن خلاف مرضی میدان جنگ میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ آجکل بہادری میدان جنگ میں منہ دکھانے میں نہیں بلکہ منہ چھپانے میں ہے۔ ہر سپاہی اپنا سر بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ پھر بھی ان دیکھے ہاتھ اور ان دیکھے دشمن جان لے ہی لیتے ہیں۔ اگر قسمت تیز ہوئی تو بھاگتے وقت کسی مردہ دشمن کی پگڑی پاؤں میں الجھ کر آگئی۔ سپاہی کا یہ کارنمایاں ہوتا ہے جسکے لئے اسے تمغہ ملتا ہے۔ اور مشاہرہ میں ترقی ہوتی ہے۔

فوجی سپاہی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو تنخواہوں کے لالچ میں جا کر لڑتے ہیں۔ یہ بزدل قسم کے کام چور سپاہی ہوتے ہیں۔ جو موقع ملتے ہی میدان سے بھاگ نکلتے ہیں۔ ایسے سپاہیوں کے افسر ہمیشہ خطرے میں رہتے ہیں۔ چونکہ ان سپاہیوں کو جنگ کے

مقصد سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے یہ اپنے کو بچا کر اور اپنی جان کی از حد حفاظت کر کے لڑتے ہیں۔ جس سپاہی کے دل میں مارنے کے بدلے صرف مرنے کا خیال ہو وہ کیا لڑے گا اور کسکو مار سکے گا۔ یہ کرایہ کے ٹٹو فضول ہوتے ہیں۔ اور انکی بہادری پر کوئی حکومت ذرا برابر بھی بھروسہ نہیں کرتی۔ سپاہی کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے ملک اور ملت کے لئے لڑتی ہے۔ اس میں بزدل کم اور بہادر زیادہ ہوتے ہیں۔ انکو چونکہ مقصدِ جنگ سے دلچسپی ہوتی ہے اسلئے آخری دم تک لڑتے ہیں۔ جب سپاہیوں کے دلوں میں خودداری اور حب وطن کا جذبہ پیدا کر دیا جاتا ہے تو پھر لڑائی گھمسان کی ہوتی ہے۔ فریقین خوب خوب کٹتے اور مرتے ہیں گویا میدان جنگ چھوٹے سے میدان حشر کا نقشہ بن جاتا ہے۔ ہوشیار سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے دماغ سے عقل سلب کر لیتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں جوشیلے خیالات بھر دیتا ہے پہلے اس جوش کو ابھارنے کے لئے شاندار باجے بجاتے تھے یا رجز خوانی کرتے تھے۔

ابتدائے آفرینش سے انسان سپاہی ہوتا چلا آ رہا ہے مگر پہلے سپاہیوں کو وردی دیکر اور لوگوں سے الگ نہیں کر دیا جاتا تھا۔ اب تو یہ مستقل سی جماعت ہے۔ جس کو دوسرے آدمیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ انکی دنیا علاحدہ ہے جہاں صبح سے شام تک نئے نئے مشغلے ہیں۔ انسانی تاریخ حیات کا یہ کتنا دردناک واقعہ ہے کہ ہم ان سپاہیوں کا نام تک نہیں جانتے۔ جو میدان جنگ میں مارے گئے ہیں۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی ان شہیدان ملک و ملت کا خیال نہیں آتا جو ایک دن ہماری طرح زندہ تھے۔ ہماری طرح حس و حیات سے لطف لیتے تھے۔ اور آج مر کر ایسے کھوئے گئے ہیں کہ کوئی انکا نام تک نہیں جانتا۔ البتہ ہم انکو جانتے ہیں جنکو انکے بہے ہوئے خون نے لافانی بنا دیا ہے۔ کسی نے نہایت خوب کہا ہے "لڑے سپاہی نام ہو حولدار کا"

محمد نصیر الدین

قطعات تاریخ انتقال خان بہادر سید امیر الحسن صاحب رئیس امیر محل ڈلہا گیا

امیر الحسن خاں بہادر کنوں   کہن داغ را تازگی دادہ اند

بہ پسبت و چہار اولیں ربیع   ازیں دار فانی مسافر شدند

حسن از جناں گفتند آید ہمی

امیر الحسن وارثی آمدند

حسن وارثی

۱۲۵۶ + ۱۰۴ = ۱۳۶۰ھ

شد آہ راہی ملک عدم زدار فنا   رئیس شہر امیر الحسن خجستہ صفات

سنہ بریں ہاتف غیبی بگفت در گوشم   برد خان بہادر امیر سال وفات

(مرسلہ سید انظار حسنین امیر محل ڈلہام)   سر سرکار بری منایئے ۱۳۶۰ھ

تصویر

تصویریں اسے بہت عزیز تھیں
وہ آرٹ کا دلدادہ تھا
دنیا کے ہنگاموں سے پرے ہٹ کر
دلچسپی اگر وہ کسی شے میں پاتا
تو بس تصویریں ——— !
تصویر اسکی حیات تھی
ایسی حیات
جس میں محبت خلش مسرت اذیت سبھی کچھ موجود تھا
وہ چند دنوں سے اپنے جذبات میں ایک ہلچل سی محسوس
کر رہا تھا۔
ایک روحانی مسرت اور جانگداز خلش بھی ——— !
کمرے کی تمام تصویروں پر سے
اسکی نگاہیں ہٹ چکی تھیں۔
اور
صرف ایک ہی تصویر تازہ ترین تصویر
جسکو وہ خدا جانے کہاں چھپائے رکھتا تھا
اسکی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔
دن اور رات کے بیشتر اوقات وہ اسی پوشیدہ
تصویر پر
نظریں گڑائے ہوئے
یکسر کھویا نظر آتا
دنیا و مافیہا سے قطعی بے خبر ——— !
وہ دنیائے ادب میں ایک لافانی شاعر کی حیثیت اختیار کرتا
جا رہا تھا۔
لیکن احباب کی نگاہوں میں وہ پاگل تھا۔ ایک خبطی
فلسفی ——— !!
سماج میں اسکی کوئی اہمیت نہ تھی
کیونکہ
وہ ایک مفلس انسان تھا
جو اس دنیا میں شرافت کے ساتھ زندگی گذارنے کا حقدار
سمجھا ہی نہیں جاتا
بہرکیف
اسے دنیا اور دنیا والوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔
وہ خودی کا قائل معلوم ہوتا تھا۔
وہ خودی
جو انتہائیت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو
یہی وجہ تھی
کہ
وہ نوجوان اپنی ہستی تک سے بے خبر تھا۔
وہ خود کو بھولتا جا رہا تھا ——— !

جو کچھ بھی ہو ——!
اسکا ایک ہی نامعلوم تصویر میں کھویا رہنا
اسکی شریک زندگی کیلئے سوہانِ روح ہو رہا تھا
وہ سوچتی
آخر وہ کسکی تصویر ہوسکتی ہے ؟
شاید کسی حسین دوشیزہ کی ؛
جسے
وہ اپنی اشتیاق بھری غمناک آنکھوں سے دیکھا کرتا ہے۔
جب اس کے پاس کوئی نہیں ہوتا ——!
اسے پوچھنے کی بھی جرأت نہ ہوتی
نہ معلوم کیوں ؟
اسکے دل میں اندر ہی اندر ایک خلش پرورش پا رہی تھی
اور اب ٹھان چکی تھی
کہ وہ اپنے پیارے رفیق کی اس غیر متوقع تبدیلی کا حال معلوم کر کے
رہیگی
آخر اس تغیر کا سبب ؟
کیا وہ اپنی دیرینہ محبوبہ کو رقابت کی آگ میں جلا کر
کوئی خاص کیف حاصل کرنا چاہتا ہے
نہیں نہیں
اسکو ایسی امید نہ تھی
پھر ایسا کیوں ؟
یہ سوچتے سوچتے وہ از حد ملول ہوتی جا رہی تھی
اتفاق ——!!
ایک روز جب وہ اسی تصویر کو کمرے میں بیٹھا
تنہا غور سے دیکھ رہا تھا
کہ
اسکا ننھا بچہ "ابا ابا" کہتا ہوا اسکے گلے سے چمٹ گیا!
اور بالکل غیر ارادی طور پر اسکی ننھی سی معصوم انگلی
تصویر کی طرف اشارہ کرنے لگی ——!
ایک ہی لمحہ میں اسکی تمام تر توجہات منتشر ہو گئیں
اسکے لبوں کو جنبش ہوئی
وہ کہہ رہا تھا
"بیٹا دیکھ یہ کسکی تصویر ہے یہ اچھی سی تصویر!"
بچہ کے مقدس ہونٹ پر "ابا ابا" کا ایک ہی لفظ مچل رہا تھا۔
"ہاں دیکھ یہ تصویر تیرے ابا کی ہے نا ؟
جسے تو دیکھ رہا ہے!
لیکن
تو جانتا ہے
اس میں
مجھے
اپنے ابا کی روح کا انعکاس نظر آ رہا ہے
ایسا محسوس ہوتا ہے
کہ
یہ میں نہیں ہوں
بلکہ
میرے شفیق باپ کی سچی تصویر ہے
دیکھ یہ آنکھیں" اب اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور آواز بھی
گھٹنے لگی تھی۔ وہ کہے جا رہا تھا
معلوم ہوتا ہے کہ تیرے دادا مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں
تیرے دادا ....!!!
بغل والے کمرہ میں اسکی رفیقۂ حیات جا نماز پر بیٹھی دعا کے لئے
ہاتھ اٹھائے ہوئے تھی!!

قیصر عثمانی

دواخانہ معدن الشفا گیا
زیر سرپرستی حکیم سید محمد ظہیر الحسن صاحب سہسوانی
صوبہ بہار میں عموماً اور شہر گیا میں خصوصاً یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ حکیم سید محمد ظہیر الحسن سہسوانی (خلف الرشید ابو الشفا حکیم سید محمد شمس الحسن مرحوم بانی شفائی جنتری دواخانہ معدن الشفا گیا) نے عرصہ تک دہلی میں مطب کرنے کے بعد اب احباب کے اصرار پر مستقل طور پر گیا میں مطب کرنیکا فیصلہ کر لیا ہے چنانچہ ۵ اپریل کو دواخانہ معدن الشفا شعبہ تشخیص و تجویز اور مطب کا افتتاح عمل میں آیا ہمیں امید ہے کہ ہمدردان طب یونانی اور ابو الشفا مرحوم کے عقیدت کیش حکیم سہسوانی سے رجوع کر کے استفادہ حاصل کریں گے۔
شعبہ تشخیص و تجویز بیرونی مریضوں کی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے قائم کیا گیا ہے باہر کے جو مریض اپنے مکمل حالات لکھکر بھیجتے ہیں ان کے تمام خطوط حکیم صاحب کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں حکیم صاحب مریض کے حالات اچھی طرح سمجھنے کے بعد نسخہ تجویز کرتے ہیں اور مجوزہ نسخہ سے مریض کو اطلاع دی جاتی ہے طبی مجلس کے قائم ہونے سے باہر کے مریض بھی حکیم صاحب کے خاندانی مجربات سے اسی طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جس طرح مقامی مریض حاصل کرتے ہیں۔ فارم تشخیص و تجویز ۱/ کا ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کیا جاتا ہے جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ۱/ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے مقامی غریب مریضوں کا علاج مفت ہوتا ہے۔
خط و کتابت اس پتہ پر کیجئے
منیجر دواخانہ معدن الشفا محلہ قصاب ٹولہ شہر گیا
الملتمسین
نور محمد انجم و محمد عبد الرحمن سنبل

پبلک ٹیلیفون پر

اروناپوس نے ایک پس وپیش کے انداز میں ہوڑہ اسٹیشن پر ٹیلیفون بکس کا دروازہ کھولا۔ اسکی عمر میں پبلک ٹیلیفون کے استعمال کرنیکا یہ پہلا موقع تھا۔ سامنے دیوار پر ٹیلیفون استعمال کرنے کی ضروری ہدایات ایک کاغذ پر چھپی ہوئی تھیں۔ اس نے بڑی توجہ سے انکا مطالعہ کیا۔ سب سے پہلے اسے ریسیور اٹھاکر ایکسچنج کو مقام مطلوبہ کا فون نمبر دینا چاہیئے۔ جب اپریٹر اطلاع دے۔ کہ ہاں سلسلہ ملادیا گیا۔ تو اسے دوآنے کا سکہ خانے میں ڈال دینا چاہیئے..........

اس نے دوآنے کا سکہ اپنی ہتھیلی میں دبا رکھا تھا۔ تاکہ جیسے ہی سلسلہ ملے۔ وہ حسب ہدایت اسے خانہ میں ڈال دے اس نے ریسیور کان سے لگاکر اپنے مکان کا نمبر دیا۔ اپریٹر نے اسے دہرایا وہ انتظار کرنے لگی۔ گو وہ جانتی تھی۔ کہ اسے کیا کہنا ہے۔ پھر بھی اس نے دل ہی دل میں اسے دہرایا۔ یکایک اسے کوئی آواز سنائی دی۔

کیا میں مسٹر بوس سے گفتگو کرسکتی ہوں؟ کیا پتاجی یہ آپ ہیں!! میں ارونا ہوں۔ میں فون اس غرض سے کر رہی ہوں۔ تاکہ آپ کو اطلاع کردوں کہ میں آج گھر چھوڑ رہی ہوں۔ ہاں ہاں مجھے اس میں بھلائی نظر آتی ہے۔ میں دور بہت دور جارہی ہوں مفصل حالات بمبئی پہونچکر لکھونگی۔ رخصت ہونے سے پہلے میں نے ضروری سمجھا۔ کہ خط چھوڑنے کے بدلے میں آپکو زبانی اپنے ارادے سے مطلع کردوں۔ میں آج بمبئی جا رہی آپ سے کہنے والی تھی۔ مگر آپ دفتر میں دیر ہوجانے کی وجہ سے جلدی میں تھے۔ اب مجھے روکنا یا باز رکھنے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ کیونکہ میں نے جانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے۔ گاڑی کھلنے میں پانچ منٹ باقی ہیں......

"کیا آپ کو آپ کا مطلوبہ آدمی ملگیا۔؟ ایک آواز اسکے کان میں آئی...

وہ گھبراکر بولی" نہیں نہیں ابھی کہاں ملا!!"

اچھا میں دوبارہ انہیں بلانے کی کوشش کرتا ہوں"

وہ پھر انتظار کرنے لگی۔ مگر ابکی عرصہ انتظار پہلے سے طویل تھا ہزاروں قسم کی بلند ودھیمی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اسکے کانوں میں آرہی تھی۔ ان پریشان کن آوازوں سے اسکا حوصلہ پست ہوا جارہا تھا۔

یکایک ایک خیال اسکے دماغ میں پیدا ہوا اور اس نے چشم تصور سے دیکھا۔ کہ اس کے پتاجی کو معلوم ہوگیا ہے۔ کہ ارونا ان سے فون پر گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ مگر وہ جان بوجھکر ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔ تاکہ وہ اس گاڑی سے جانہ سکے۔ جلدبازی کے وہ شروع ہی سے خلاف تھے۔ وہ سنجیدہ مزاج اور ہر ایک کام کو سوچ بچار کے بعد انجام دینے کے عادی تھے۔ اور انکی یہی عادت ارونا کو پسند نہ تھی۔ وہ جسطرح ہنگامی جذبات سے متاثر ہوکر جلد از جلد کوئی فیصلہ کرلیتی تھی۔ اسی طرح چاہتی تھی۔ کہ اسکے پتاجی بھی ہاں یا نہ کہکر فوراً ہی اپنے ارادے کا اظہار کردیں۔ مگر وہ تو روزمرہ کے معمولی کاموں کو بھی سوچے سمجھے بغیر کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ ارونا

بھتی تہذیب جدید کی دلدادہ تھی۔ اسکے پتا جی باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اتنے ہی اس کے خلاف تھے۔ اس اختلاف طبائع کے باوجود وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی دلداری اور ناز برداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ اسکی معمولی سی فرمائش کو بھی بڑی خندہ پیشانی سے پورا کرتے تھے۔ یہ سوچتے ہی اروناکو اپنے اس فیصلہ پر ندامت سی ہونے لگی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ اشوک سے وعدہ کر چکی تھی۔ وہ اس سے دیوانہ وار محبت کرتی تھی۔ وہ بھی اسے والہانہ انداز میں چاہتا تھا۔ آج اس گاڑی سے دونوں نے کہیں بھاگ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور جانے سے پہلے وہ اپنے پتا جی کو مطلع کر دینا ضروری سمجھتی تھی۔ دوبدو گفتگو کرنے کی ہمت نہ پاکر اسنے ٹیلیفون ہی کو محفوظ ترین اور بہتر ذریعہ سمجھا۔

اس نے دوبارہ رسیور کو اسٹینڈ پر رکھکر گھنٹی بجائی۔

ہیلو؛ کہیئے!" آواز کسی مرد کی معلوم ہوتی تھی۔

ارونانے گفتگو کی غرض سے آلے سے لب ملا دیئے۔ اسکا سینہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ تمام جسم پر رعشہ سا طاری تھی۔ اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی ہمت جواب دئے جا رہی تھی۔ اسنے دل مضبوط کر کے کہا "کیا مسٹر بوس ہیں۔؟ میں ان سے ہمکلام ہونا چاہتی ہوں!! . . . .

"ہیلو! ہیلو!" اسکے لہجے سے بے صبری اور پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

خانے میں دو آنے کے پیسے ڈالئے!" ایکسچینج آپریٹر نے ہدایت کی . . .

یہ سنتے ہی اسنے دونی خانے میں ڈال دی جسکے بکس میں گرنے کی آواز آئی۔

"ہیلو" دوسری طرف سے آواز آئی۔ الفاظ واضح اور لہجہ خوشگوار تھا۔

"کیا میں . . . ." گھبراہٹ اور پریشانی کے مارے باقی الفاظ اس کے حلق ہی میں اٹک گئے۔ "کیا میں اپنے پیارے پتا جی سے . . . ."

کون! تمہارے پتا جی!! . . . . مگر میرا تو کوئی بچہ ہی نہیں۔ میں ہری رامداس جے رامداس کمپنی کے صدر دفتر سے بول رہا ہوں۔ آپکو کس ڈیپارٹمنٹ سے کام ہے۔ کاٹن ملز، اسٹیمر یا اکاؤنٹس برانچ سے ــــ"

مگر اس غیر مربوط گفتگو کا وہ ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکی۔ تاہم اس نے کہا "میں اپنے پتا جی مسٹر بوس سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ ان سے کہیئے۔ کہ انکی لڑکی ارونا بول رہی ہے۔ گاڑی کے کھلنے میں صرف تین منٹ باقی ہیں۔ میں اشوک کے ساتھ کلکتے سے بھاگ رہی ہوں۔ ہاں ہاں میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے . . . ."

"ہاں ہاں: کہیئے آپ نے کس ڈیپارٹمنٹ کا نام لیا۔ ہیلو! یوں کہیئے نہ! کہ آپ کسی نوجوان کے ساتھ بھاگنے کا تہیہ کر چکی ہیں۔ فیصلہ برا نہیں۔ مگر یہ تو کہیئے۔ آپ گاڑی سے جائینگی یا اسٹیمر سے! ہندوستان سے باہر جانیکا تو ارادہ نہیں!!!"

"میں بذریعہ گاڑی اس وقت اشوک کے ہمراہ جا رہی ہوں"

"ہیلو! مگر ہم تو صرف اسٹیمر کے ذریعہ مسافروں کی روانگی کا انتظام کرتے ہیں۔ افسوس ہے۔ گاڑی کے بارے میں تو ریلوے والے ہی آپکو صحیح مشورہ دے سکتے ہیں۔ ناگوار نہ ہو تو ای آئی۔ آر کو فون کر کے مفصل حالات دریافت کر لیں"

" اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو ٹکٹ بھی خرید چکی ہوں، لیکن پتا جی . . . . . .

ہمارے پاس اس لایعنی گفتگو پر برباد کرنے کیلئے وقت نہیں ہے۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا۔ کہہ چکا۔ اس کے بعد ایک "کلک" کی سی آواز اسکے کانوں میں آئی۔

"کیوں بات چیت ختم ہوئی!" ایپریٹر نے ملائمت سے پوچھا۔ اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"ختم! نہیں! میں نے ابھی بات چیت شروع ہی کب کی ہے۔ آپنے مجھے کوئی دوسرا نمبر دیدیا تھا۔ آپ براہ کرم نمبر نارتھ ۱۹۷۳ سے سلسلہ ملا دیجئے۔ دیکھئے بہت دیر ہو رہی ہے۔ ...."

"براہ مہربانی دوآنے اور داخل کیجئے!"

وہ پھر انتظار کرنے لگی۔ دھیمی دھیمی بھنبھناہٹ کی آواز پھر اسکے کانوں میں آنے لگی۔ اس کا ضبط جواب دیتا جا رہا تھا۔ کاش وہ ذرا پہلے سے کوشش کرتی۔ اور اسکے پتا جی فون پر آجاتے تبھی ایکسپریس میں بمشکل دو منٹ باقی تھے۔ ابھی تک حسب وعدہ آشوک بھی نہ پہنچا تھا۔ اور وہ بھی تمام حالات سے اپنے پتا جی کو مطلع نہ کر سکی تھی۔ اور اب اس مختصر سے عرصے میں اُسے اپنے پتا جی کو تمام حالات سے واقف کرنا بھی مشکل تھا۔ اگر وہ بفرض فون پر آبھی جائیں۔ تو دو منٹ کے عرصے میں وہ انہیں کیا کچھ کہہ سکیگی۔ وہ سوچنے لگی۔

"کیا پتا جی یہ آپ ہیں! میں ارونا بول رہی ہوں۔ نہیں نہیں اب ایسا ہونا محال ہے۔ نہیں اب اس سے کام نہ چلیگا.... میں آپکی بیٹی ارونا ہوں۔ میں فون کے ذریعہ آپکو مطلع کرنا چاہتی ہوں۔ کہ میں آپ سے جدا ہو رہی ہوں" وہ بے مدعا ہی زیر لب بڑبڑانے لگی....

ان سے جدا ہونے کا مطلب تھا۔ کہ اسے تمام علائق سے قطع تعلق کر لینا ہوگا۔ اپنا گھر۔ اپنی ہمجولیاں۔ اسکول... غرضیکہ وہ ہر ایک چیز سے جدا ہو جائیگی۔ حتیٰ کہ اسے اپنے بوڑھے پتا جی کو بھی چھوڑ دینا ہوگا۔ خوش قسمتی سے اسکی ماں کو فوت ہوئے عرصہ گذر چکا تھا۔ ورنہ وہ یوں آزادی سے بھاگ نہ سکتی تھی۔ اسکا کوئی بھائی تھا نہ بہن۔ وہ تنہا تھی۔ اپنے بوڑھے باپ کی اکلوتی بچی۔

... کیا اتنی بڑی قربانی....... ان تمام لوازمات سے قطع تعلق کرنا کچھ سودمند بھی ہوگا کہ نہیں۔ وہ سوچنے لگی۔ اسے آشوک کے بارے میں کچھ زیادہ واقفیت نہ تھی۔ ایک دن پارک میں اتفاقیہ طور پر اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اور پھر وہ چند ہی ملاقاتوں میں ایک دوسرے سے اسی طرح گھل مل گئے.... آخری دفعہ جب وہ ملے تو اس نے شادی کی تجویز پیش کی۔ جسے ارونا نے منظور کر لیا اور وہیں بھاگ جانے کی بھی دونوں نے صلاح کر لی۔ کیونکہ اپنے پتا جی کی موجودگی میں اپنے انتخاب کے مطابق شادی کا ہونا مشکل تھا۔ وہاں سے فرار ہوئے بغیر چارہ نہ تھا۔

کیا اشوک کمار اس سے حقیقتاً شادی کرنیکے لئے مستعد ہے! اگر ہے تو وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں!! یکایک اسے خیال آیا۔ کہ وہ اس کے بارے میں بہت ہی مختصر واقفیت رکھتی ہے۔ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں۔ کہ وہ امیر ہے۔ کہ نادار و مفلس۔ اس کا گھر بھی ہے۔ کہ نہیں۔ وہ یقیناً نیک ہے۔ یا کوئی جذباتی نوجوان۔ یہ بہت ہی عجیب و غریب خیال تھا۔ جو اس کے رومان آفریں خوابوں کو منتشر کرنے کیلئے اسکے دل و دماغ میں چکر کاٹنے لگا۔ اور اس پر یہ اچھی طرح واضح ہو گیا۔ کہ اس نے اس کے جملہ حالات سے بے خبر رہکر بہت بڑی حماقت کی ہے۔ ایک جذباتی فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اس نے انتہائی بیوقوفی اور ایک ناقابل تلافی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اسکا پتا اس پر کس قدر مہربان تھا۔ اس غریب کا یہ سنتے ہی دل ٹوٹ جائیگا کہ اس کی بیٹی کسی غیر محرم نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی۔ اسکی بنی بنائی عزت خاک میں مل جائیگی۔ اور وہ کسیکو منہ دکھانے کے قابل

نہ رہیگا۔ اس قسم کے خیالات نے اسے ذہنی اور روحانی کشمکش میں مبتلا کردیا۔ اور اسے رہ رہ کر اپنے بوڑھے باپ کی حالت پر افسوس ہونے لگا۔ اور اپنی حرکت پر ندامت و پشیمانی۔

یکایک اشوک کا خیال آتے ہی اس کے رگ و پے میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اس پختگی کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پارک کا وہ تاریک سا گوشہ پھر گیا۔ جہاں پہلی مرتبہ آشوک نے اظہار محبت کیا تھا۔ ایک بے اختیارانہ انداز میں اس نے اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیکر کہا تھا۔ میں تم سے پریم کرتا ہوں ارونا۔ بے اندازہ اور بے پایاں ...... تو میرے من مندر کی دیوی ہے۔ جس وقت سے میں نے تمہیں دیکھا ہے آنکھیں پھر تمہارا ہی نام جپتا رہتا ہوں۔ اور تمہارے متعلق رات کی تنہائیوں میں سوچتے سوچتے جب کبھی سویا ہوں تو بڑے ہی حسین سپنے دیکھے ہیں ارونا۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔ کیا تم بھی مجھے پریم ......"

ہوش و حواس میں ہونیکے باوجود بولنے کی طاقت مجھ میں نہ تھی۔ اسکے پریم بھرے الفاظ اور دلپذیر لہجے نے میرے لبوں پر مہر سکوت لگادی تھی۔ میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر فرط مسرت سے الفاظ حلق میں آآکر رک جاتے تھے۔ میری نگاہیں اسکے حسین و پروقار چہرے پر جمی ہوتی تھیں۔ اس کی نیلیں آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوتی تھیں۔ اف کستقدر چمکدار اور کشش انگیز تھیں وہ ...... اس نے میرے ہاتھ کو زور سے دبایا۔ پھر اُسے اپنے لبوں سے لگالیا۔ انکے گرم گرم ہونٹوں کے لمس سے میرے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اور میں بے اختیارانہ اس کے سینے سے چمٹ گئی۔ میرا دھڑکتا ہوا سینہ اسکے مردانہ فراخ سینے سے پیوست ہوگیا۔ اور دوسرے لمحے میں اسکے لب میرے تشنہ کام لبوں سے پیوست ہوگئے۔ اور میں دنیا و مافیہا سے غافل ہوگئی۔

جب ہوش آیا۔ تو اپنی اس حرکت پر پشیمانی بھی تھی اور بے چینی بھی...... مجھے گھبرایا ہوا دیکھکر اس نے اپنے بازوؤں میں بھینچکر کہا۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ارونا!"

"مگر میرے پتاجی شائداس پر رضامند نہ ہونگے۔" میں نے جواب دیا تھا۔

"تو بھاگ چلو نہ ارونا! ہملوگ کسی ایسی جگہ جاکر پریم نگری بسائینگے۔ جہاں روک ٹوک کرنیوالا کوئی نہ ہوگا۔"

اور میں نتائج سے باخبر ہونے کے باوجود انکار نہ کرسکی...

میں نمبر ملانے کی کوشش کررہا ہوں! یکایک اس کے کانوں میں آواز آئی۔ اور اسکے خیالات کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس نے اس پر بیٹھ کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ وہ کچھ سوچنا چاہتی تھی۔ کسی خاص فیصلے پر جلد از جلد پہنچنے کے لیئے بیقرار تھی۔ دفعتہً اُسے پھر آشوک کا خیال آیا۔

بس وہ آتا ہی ہوگا۔ اس نے دل میں کہا۔

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھرلی۔ اب پتاجی کو مطلع کئے بغیر چارہ نہیں۔ مگر اس مختصر سے عرصے میں اتنا صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ میں آشوک کے ہمراہ جارہی ہوں۔ اتنے میں کسی نے ٹیلیفون بکس کے کا بیچ دار دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس نے چونک کر منہ گھمایا تو دروازے کے باہر اشوک کھڑا نظر آیا۔ مگر کتنا مختلف۔ اسکے منہ پر ہوائیاں اڑرہی تھیں۔ اور چہرے کا رنگ فق تھا۔ اسکی حرکات سکنات سے گھبراہٹ و پریشانی کا اظہار ہورہا تھا۔ آنکھیں بڑی بے چینی سے اسکی طرف گھور رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھتے ہی مسکرائی۔ مگر اس کے مسکرانے کا اشوک پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح رنج و پریشانی کی تصویر بنا کھڑا رہا۔

ریسیور کو کان سے لگائے ہوئے اس نے آہستگی سے دروازہ کھول دیا اور بولی "اشوک! کیوں کیا بات ہے تم تو بہت گھبرائے

ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ خیریت تو ہے؟ کیا اس گاڑی سے جانیکا ارادہ نہیں؟"

وہ اندر داخل ہو کر دیوار کا سہارا لیکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پہ بدستور وحشت و سراسیمگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر زبان یارانہ دیتی تھی۔ اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں شیشے کے دروازے میں سے باہر اس مقام پر لگی ہوئی تھیں۔ جہاں ایک خوبصورت و نوجوان لڑکی کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوں ارونا!" وہ رک رک کر بولا "کیا تم مجھے معاف نہ کرو گی!؟"

"ہیلو! ہاں ہاں کہئے!" ارونا نے رسیور کو کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"لیجئے بات کیجئے۔ سلسلہ ملا دیا گیا" آپریٹر نے کہا۔

"ہاں پتا جی: یں ارونا بول رہی ہوں۔ میں آپکو ہمیشہ کیلئے چھوڑ رہی ہوں ... ...؟"

"ٹھہر و ارونا" اشوک سلسلہ کلام میں دخل انداز ہوتے ہوئے بولا "ہم لوگ اس گاڑی سے جا نہیں رہے ہیں ..... وہ لڑکی جو بلنگ کے پاس کھڑی ہے میری بیوی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ مگر جا.......؟"

"کیا کہا میری بچی!" اسکے کانوں میں آواز آئی "کیا تمہارے کہنے کا یہ مطلب ہے۔ کہ تم بھاگ جانا چاہتی ہو۔ مگر..... مگر تم ہو کہاں! تمہارے بھاگنے کا مطلب کیا ہے! آخر کچھ کہو۔ تو آخر تمہیں ایسی کیا ضرورت پیش آئی۔ ! ...."

"تم میرے اس شادی کے وعدہ کیلئے معاف کردو ارونا! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں شادی شدہ ہوں مجھیں گھر لوٹ جانا چاہئے۔ میں اپنی وعدہ خلافی پر بہت نادم ہوں۔ امید ہے تم مجھے معاف کر دو گی!" یہ کہکر وہ باہر نکلا۔ اور دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ ارونا حیرت بھری نگاہوں سے کھڑی اسکی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اس کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ اور چہرہ غصے سے تمتمایا ہوا تھا۔ بے اختیارانہ اسکی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہ نکلے۔ وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ اس کے حسین خوابوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

"ارونا! ارونا!! تم کہاں ہو میری بچی۔ کس کے ساتھ جا رہی ہو بھگوان کیلئے کچھ تو کہو!!" اس کے بوڑھے باپ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اب میں کہیں بھی نہ جاؤنگی۔ کار بھیج دیجئے۔ میں اسٹیشن پہ ہوں" یہ کہکر اس نے رسیور رکھ دیا اور ٹیلیفون بکس سے باہر نکل آئی۔

(بنگلہ سے) **رحمت علی صابر**

بہترین کتابت، دیدہ زیب طباعت، وقت کی پابندی
کیلئے ہمیشہ
شمسی پریس گیا
کو یاد کریں

شیطان اور فرشتہ

"بے چارے رحمو کی جان آفت میں پڑی ہوئی ہے۔"

"پیر صاحب کے تعویذ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔"

بڑا زبردست جن ہے۔ سیدھی طرح سے اپنی حرکت سے باز نہ آئے گا۔"

"ارے رحمو کہاں گیا؟"

"کیوں، کیا ہوا؟"

"بیچاری کا بدن اینٹھا جا رہا ہے۔ دانت کچکچا کر سر کے بال نوچ رہی ہے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔"

"رحمو پیر صاحب کو بلانے گیا ہے آتا ہی ہوگا۔"

"وہ کیا آ رہا ہے پیر صاحب کے ساتھ۔"

پیر صاحب بزرگی اور نیکی کے تمام آثار اپنے جلو میں لئے خراماں خراماں تشریف لئے آ رہے ہیں۔ فرشتوں کے پیر کی مانند سفید اور ملائم ریش مقدس جو ہر وقت عطر حسن کی خوشبوؤں میں ڈوبی رہتی ہے۔ سر پر سفید عمامہ مخصوص انداز میں لپٹا ہوا ہے۔ کاندھے پر زعفرانی رنگ کا عربی رومال۔ ڈھیلا اور طویل چوغہ۔ ٹخنوں سے اوپر تک تنگ موری کا پاجامہ۔ پاؤں میں ملتانی جوتے۔ ایک ہاتھ میں زیتون کی تسبیح جسکے دانے انگلیوں کے مسلسل مس سے چکنے اور چمکدار ہو گئے تھے۔ دوسرے ہاتھ کو تھوڑے وقفہ کے بعد اپنی نور سے معمور ریش مبارک پر پھیر کر معرفت و رحمت سے لبریز سینے کو سہلا لیتے ہیں۔ آنکھوں میں عمر فاروق کا جلال اور چہرے پر تابش رسول ہونیکی مہر۔ گویا انکی بزرگی ہر نقطۂ نگاہ سے مکمل ہے اور دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں مرعوب اور معتقد ہو جاتا ہے۔ فرشتے بھی انکے تقدس پر رشک کرتے ہیں۔

قریب پہونچتے ہی معتقدین نے ادب سے سلام اور مصافحہ کیا فیض و کرامات کے حامل ہاتھوں کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور دست بستہ کھڑے رہے۔

پیر صاحب گاؤتکیہ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے "رحمو دیکھتا ہوں کہ یہ مردود (جن) تمہاری لڑکی کی جان کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اب مجھے پوری توجہ سے کام کرنا پڑیگا۔

"حضور میرا سارا کنبہ پریشان ہے۔ رات کی نیند اور دن کا چین ہم پر حرام ہو چکا ہے" رحمو نے غایت عجز و انکسار کیساتھ التجا کی جیسے بارہ عقیدت سے اس کی روح اور آواز دب گئی ہو۔

"میں اس بد معاش کو جلا کر خاک کر دونگا۔ کلام الٰہی کی برکتیں بہت وسیع ہیں۔ مگر دیکھو رحمو!"

"جی حضور۔"

آجکی رات تم اپنے گھر مجلس میلاد منعقد کرو۔ خداوند قدوس اور رسول پاک کے ذکر خیر کے بعد اس مردود پر عمل شروع کر دونگا۔ آج شام ہی سے تم اپنی لڑکی کو حجرے میں بند کر دو۔ صبح تک انشاءاللہ وہ قطعی طور پر ٹھیک ہو جائیگی۔"

"بہت اچھا حضور۔"

مولانا میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے آگے بڑھکر کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" پیر صاحب نے تیکھی نظر سے دیکھتے ہوئے

کہا گویا انکو یقین ہو چکا تھا کہ ان کی تجویز پہ اعتراض کیا جائے گا جسکو سننے کیلیے وہ تیار نہ تھے۔

"میرا خیال ہے کہ رحمو کی لڑکی پر جن کا سایہ نہیں"

"پھر کیا ہے؟" پیر صاحب نے ڈپٹ کر پوچھا

بات دراصل یہ ہے کہ گستاخی معاف، رحمو کی بیٹی ہے جوان اور اس کی شادی کر دیگئی ہے ایک کمسن لڑکے سے۔ اگر طلاق یا خلع کی مدد سے اسکی شادی ہم عمر سے کر دیجائے تو پھر یہ جن ون کبھی ظاہر نہ ہوگا۔

یہ کہکر نوجوان نے جس طرف بھی نظر اٹھائی بھنویں تنی ہوئی تھیں پیر صاحب اپنی بزرگانہ شان کے ساتھ بولے "بدتمیز! کسی کی آبرو پہ اسطرح الزام دھرتے تجھے شرم نہیں آتی۔ کیا تو ان باتوں کو مجھ سے زیادہ سمجھ سکتا ہے؟ تو خود بھی اسوقت شیطان سے کم نہیں جو لوگوں کو فریب دیکر ان کے ایمان خراب کر رہا ہے۔" پیر صاحب کی کشادہ اور نورافشاں پیشانی پر ہر لمحہ ایک نئی شکن ابھرتی جارہی تھی۔

"بجا ارشاد ہوا۔ مگر مولانا صاحب میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے۔ بھلا جن کو کیا پڑی ہے کہ انسان پر سوار ہوتا پھرے۔"

"خبردار جو کچھ آگے بولا" رحمو سے غصہ نہ ضبط ہو سکا اور وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ "دو چار لفظ انگریزی پڑھ لینے سے اپنے کو بہت بڑا قابل سمجھتا ہے۔ عیسائی کہیں کا نکل جاؤ یہاں سے نہیں تو مار مار کر بھرتہ نکال دونگا بیہودہ، بدمعاش، غنڈا......"

بیچارہ نوجوان اپنا سا منہ لئے تصویر حیرت بنا کھڑا تھا اور جب پیر صاحب نے فرمایا "اس موچھ منڈے شیطان کو یہاں گھسنے ہی کیوں دیا۔" تو وہ کھڑے رہنے کی تاب بھی نہیں لاسکا۔ اور خون کے گھونٹ پی کر وہاں سے چلدیا۔

زہرہ (رحمو کی بیٹی) کو شام ہی سے پیر صاحب کے حجرے میں بند کر دیا گیا اور وہ چیخ چیخ کر اعلان کرتی رہی "مجھ پر جن کا سایہ نہیں مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔"

اسوقت پیر صاحب کے مشیر خاص نے کہا "حضرت مرشد کے خوف سے مردود کس طرح جھوٹ بول رہا ہے۔"

مجلس میلاد اور دعوت ولیمہ سے فراغت پاتے ہی پیر صاحب حجرے میں تشریف لے آئے۔ اور مکان ہر طرف سے بند کر دیا گیا۔

آدھی سے زیادہ رات گذر جانے کے بعد پیر صاحب کے ہو و حق کے نعروں نے "موچھ منڈے شیطان" کو چونکا دیا۔ اور وہ گستاخ پیر صاحب کے غور و فکر میں خلل ڈالنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر پیر صاحب نے انسانی شیطانوں کی شرارت سے بچنے کے لئے مکان کی کھڑکیاں تک مسدود کر رکھی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد پیر صاحب کی آواز آنی بند ہو گئی اور اسکی بجائے نسوانی چیخوں کی آوازیں تیرہ و تار شب کے پُر ہول سکوت کے سینہ کو چیر کر فضا میں گونجنے لگیں۔ "مجھے چھوڑ دیجئے۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔ مجھ پر جن ون نہیں ہے۔ میں خدا رسول اور قرآن پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ پر جن نہیں ہے۔ مجھے جانے دیجئے نہیں نہیں چھوڑ دیجئے۔ مجھے گھر جانے دیجئے......"

اسوقت موچھ منڈا شیطان پیر صاحب کے مکان کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ اور اندر گھسنے کیلئے کسی راستے کی جستجو میں تھا۔ زہرہ کے چیخوں کے ساتھ اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ شیطان آخر شیطان ہے۔ اسے ایک ترکیب آخر سوجھ ہی گئی۔ کھڑکی کی سلاخوں کو تھام کر وہ اوپر چڑھ گیا۔ اور روشندان سے اندر جھانکنے لگا۔

شیطان کی نگاہوں کے سامنے ایک عجیب منظر گزر رہا تھا۔ فرشتہ اور جن کے مابین جسمانی کشمکش جاری تھی۔ فرشتہ کی بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا اور جن کی گلابی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ آنکھیں جیسے ابلی جا رہی تھیں۔ بال پریشان، چہرہ پسینہ میں تربتر، پیراہن بے ترتیب اور جا بجا سے مسکا ہوا۔ جن ہر چند کہ فرشتہ سے بہت زیادہ کمزور تھا پھر بھی وہ پوری قوت سے مخالف کے حملوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور ساتھ ہی چیخ چیخ کر اپنی کمزوری، بیکسی اور بیچارگی کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ لیکن فرشتہ بھوکے شیر کی طرح اس پر جھپٹ رہا تھا۔

بالآخر شہزور فرشتے نے کمزور جن کو اپنے بازوؤں کے دباؤ میں قید کر لیا اور جسطرح شیر اپنے کمزور شکار کو لقمہ بنانے سے پہلے اسکے ساتھ کھیل کر جی بہلا لیتا ہے اسیطرح فرشتے بھی اپنے مغلوب کو چوم کر اور گدگدا کر پیار کرنے لگا۔

اس ایک ایکٹ کے ڈرامے کے آخری منظر پر پہونچکر شیطان کو اپنی سچائی کو ثابت کرنیکا خبط سمایا۔ اور وہ دوڑتا ہوا رحمو کے گھر پہونچا اور دروازہ کھٹکھٹا کر رحمو کو آواز دی۔ مگر رحمو اس کی بات سننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔ وہ کتنا ہی چیخا چلایا تب کہیں رحمو باہر نکل کر آیا۔ اور شیطان نے جلد جلد کہنا شروع کیا۔

"چلو، چلو، بہت جلد چلو، دو منٹ چلو اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اپنے پیرومرشد ...."

یہ کہتے ہوئے شیطان نے رحمو کا ہاتھ پکڑ کر ملو گھسیٹ لیا اور رحمو تو یہ سنکر گویا سن ہو گیا تھا اور اس میں کچھ سننے اور سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔ دونوں ہانپتے ہوئے پیر صاحب کے حجرے کے پاس پہونچے۔ رحمو نے روشندان سے دیکھا کہ پیر صاحب کرتے کے دامن سے پسینہ پونچھ رہے ہیں اور زہرہ مخملی قالین پر تکیہ میں منہ گھسیڑے نیم برہنہ پڑی ہانپ رہی تھی .... جیسے کوئی دھڑکتی ہوئی لاش!

بڑھاپے کا یہ کچھ جوانی کا تازہ خون چوس چکا تھا۔ رحمو کا جی چاہا کہ وہ آپ اپنے حلق پر چھری پھیرے۔

دوسری صبح واقعی زہرہ کا جن بھاگ چکا تھا۔

ش مظفرپوری

ایک نظر ادھر بھی

فصلِ خزاں ہو صبر کہ فصلِ بہار ہو
تمباکو کے دھویں کی کرامت تو دیکھئے

سنسان دشت یا چمن لالہ زار ہو
پہنچے جہاں وہاں کی فضا خوشگوار ہو

کیا آپ تمباکو کا شوق رکھتے ہیں تو گیا کے کارخانے کا تمباکو پیجئے جو پینے میں اعلیٰ خوشبو میں نرالا پیتے ہی طبیعت کو مست بنا دے اور جگر و [illegible] دل کو تراوٹ پہنچانیوالا نہایت پائدار خوشبو رکھنے والا جسکی نہایت خوشبو کے سامنے گیا کے کل تمباکو پھیکے پڑ گئے ہیں [illegible] خوشبو سے آپ اور آپکے دوست حیرت میں ہو جائینگے جس نہایت صفائی کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے خوبی تو یہ ہے کہ [illegible] تمباکو کو پیتے ہوئے بھی اُگلنے کا نام نہیں اسی لئے ہندوستان کے کل حصوں سے آرڈر کا تانتا لگا رہتا ہے صرف ایک بار [illegible] کریں فہرست طلب کرنے پر مفت [illegible] بھیجا جاتا ہے۔

تمباکو منگانیکا پتہ:- کرامت میاں تمباکو کارخانہ گیا جہاں آفس پرانی گدام دوا نجم آفس کچہری روڈ گیا۔

تمہیں یاد آتے ہو

(نسوانی نقطۂ خیال سے)

وہ گلشن کا دلکش منظر وہ نکہتِ گل ہنگام سحر
اُف اُف وہ بہار کیف آور اِک چوٹ سی پڑتی ہے دل پر
اُس وقت تمہیں یاد آتے ہو

جب رات کو سب سو جاتے ہیں اور تارے شکل دکھاتے ہیں
مجھ کو ہم راز بناتے ہیں سب اپنا حال سناتے ہیں
اُس وقت تمہیں یاد آتے ہو

خاموش فضا جب پاتی ہوں مضطر ہو کر اُٹھ جاتی ہوں
پھر دھیان میں تم کو لاتی ہوں اور پہروں اشک بہاتی ہوں
اُس وقت تمہیں یاد آتے ہو

جب شب کو چاند نکلتا ہے تب دل سینے میں مچلتا ہے
مشکل سے پھر یہ بہلتا ہے آنکھوں سے اشک اُبلتا ہے
اُس وقت تمہیں یاد آتے ہو

مغموم بہت میں ہوتی ہوں گھبرا کر اکثر روتی ہوں
سرمایہ عمر کا کھوتی ہوں سکھ نیند بھلا کب سوتی ہوں
ہر وقت تمہیں یاد آتے ہو

صورت نہ کبھی دکھلاتے ہو فرقت میں خوب رُلاتے ہو
آتے ہو خود، نہ بلاتے ہو کیوں ناحق مجھ کو ستاتے ہو
پھر کیوں ہردم یاد آتے ہو

تم مجھ سے نفرت کرتے ہو پھولوں سے مذمت کرتے ہو
اختر سے شکایت کرتے ہو رسوائے محبت کرتے ہو
اس پر بھی مگر یاد آتے ہو

اختر کاکوی

بچے کا خواب

دونوں خورد سال بچے فطرت کی طرف سے ایک عجیب دل و دماغ لیکر پیدا ہوتے تھے وہ ہر چیز کو ایک خاص گہری نظر سے دیکھتے تھے قدرت کی لطیف صنعتیں" پھولوں کی رنگینی" نیلگوں آسمان کی بلندی" شفاف پانی کی گہرائی ہمیشہ ان کے لئے تعجب اور مسرت کا باعث ہوا کرتیں۔

وہ اکثر ایک دوسرے سے کہتے: "فرض کرو دوسرے زمین کے تمام بچے مرجائیں تو کیا یہ پھول، یہ سمندر اور یہ آسمان مغموم نہ ہوں گے؟"

انہیں یقین تھا کہ وہ ضرور رنج محسوس کرینگے۔ کیونکہ کلیاں پھولو کے بچے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوش نما ندیاں جو پہاڑوں کے دامن میں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی بہتی ہیں سمندر کی اولاد ہیں اور یہ چمکدار ننھے ننھے جگنو جو تمام رات فضا میں آنکھ مچولی کھیلتے پھرتے ہیں ستاروں کے بچے ہیں۔ جب وہ اپنے ہمجولیوں یعنی انسان کے بچوں کو نہ پائینگے تو یقیناً مغموم ہونگے!

ہر روز سر شام ہی گرجے کی چوٹی کے نزدیک قبرستان کے اوپر ایک صاف جگمگاتا ہوا ستارہ نظر آیا کرتا تھا یہ اوروں کی بنسبت بڑا اور چمکدار تھا۔ دونوں بچے بلاناغہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دئے دریچے میں سے آتے دیکھا کرتے دونوں میں سے جسے پہلے دکھائی دیتا وہ چیخ پڑتا "وہ دیکھو ستارہ" اور کبھی کبھی دونوں ہی بیک آواز انگلیوں سے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے "وہ دیکھو ستارہ"!

انہیں خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کب اور کہاں طلوع ہوگا۔ وہ اس سے اس قدر مانوس ہوگئے تھے کہ سونے سے بیشتر ایک بار اسے ضرور دیکھتے اور جب بستر پر لیٹتے تو کہتے "پیارے تارے خدا تمہیں برکت دے"۔

اتفاق ایسا ہوا کہ بہن بیمار پڑگئی اور اتنی کمزور ہوگئی کہ اپنے بھائی کے ساتھ کھڑکی پر کھڑی ہوکر ستارے کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ بچے کو اسکا بے حد افسوس تھا۔ جب وہ ستارے کو دیکھتا تو بہن کی طرف منہ موڑ کر کہتا "وہ دیکھو ستارہ" یہ سن کر بہن کا کمزور مگر مسکراتا ہوا چہرہ یوں گویا ہوتا۔

"خدا میرے بھائی ستارے کو برکت دے"!

وہ وقت جلد ہی آگیا جب بچہ تنہا رہگیا۔ جب بستر پر بہن کا پیلا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی نہ دینے لگا۔ اور قبرستان میں ایک ننھی سی قبر کا اضافہ ہوگیا۔ اب ستارے نے اپنی لمبی شعاعیں اکیلے بچے ہی پر ڈالیں اور اسے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ اب شعاعیں پہلے کی بنسبت زیادہ روشن تھیں۔ ان کے زمین پر پڑنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان تک ایک روپہلی راستہ بن گیا ہے۔ جب بچہ بستر پر سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے جو اس درخشاں راستے پر روحوں کی معیت میں چل رہے ہیں۔ اور ستارہ نور کی ایک وسیع دنیا ہے۔ جہاں بیشمار روحیں ان لوگوں کے استقبال کو کھڑی ہیں۔ تمام منتظر روحوں نے اپنی نگاہیں آنے والوں پر گاڑ رکھی ہیں۔ بعض جو زیادہ بے تاب تھیں اپنی اپنی قطاروں سے نکلکر ان سے لپٹ گئی ہیں۔ اور ان کی پیشانیوں کو چومنے لگی ہیں!

انکی یہ ملاقات ایسا دل خوش کن نظارہ پیش کرتی تھیں کہ

وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور فرطِ خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے!

لیکن بہت سی روحیں ایسی تھیں جانلوگوں کے ساتھ نہیں جاتی تھیں۔ اور ان میں سے ایک کو وہ پہچانتا بھی تھا۔ ایک کمزور اور زرد چہرہ جو کبھی کبھی بستر علالت پر دکھائی دیا کرتا تھا ــــ یہ اس کی بہن کی روح تھی!

اس کی بہن کی روح دروازہ ہی پر انتظار کرتی رہی۔ اس سے رہنما (جو اسے اس نور کی دنیا میں لایا تھا) سے دریافت کیا "کیا میرا بھائی آگیا ہے؟"

جواب ملا "نہیں۔"!

وہ مایوسانہ پیچھے کو مڑی۔ بچے نے فرطِ اشتیاق سے اپنے بازو پھیلا دئے اور چلایا "پیاری بہن میں یہاں ہوں مجھے بھی لے جاؤ!"

ننھی بچی نے اپنی روشن نگاہیں بھائی پر ڈالیں اور اس کی آنکھ کھل گئی ــــ ستارہ اپنی طویل اور روشن شعاعیں کرے میں ڈال رہا تھا۔ وہ اسے پرنم آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔!

بہن کی وفات کے بعد جب وہ ستارہ کی طرف دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں مسافر کی ان حسرت پاش نگاہوں کی جھلک پائی جاتی تھی جو دشت غربت میں بار بار اپنے وطن کی طرف اٹھتی ہوں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا!

اس نے خیال کیا کہ اس کا تعلق صرف زمین ہی سے نہیں ہے بلکہ ستارے سے بھی ہے۔ اور جب اسے اپنی بہن کی روح کا خیال آتا جو ستارے کی طرف پرواز کر گئی تھی تو اس کے خیال کو مزید تقویت پہونچتی۔

کچھ عرصہ بعد ان کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا جو اس کا چھوٹا بھائی کہلایا۔ لیکن وہ ابھی چھوٹا ہی تھا اور اس نے ایک لفظ بھی بولنا نہ سیکھا تھا کہ دنیا سے سدھار گیا۔

بچے نے دوبارہ خواب دیکھا ــــ ستارے تک شعاعوں کا ایک راستہ بنا ہوا ہے۔ لوگ روحوں کی معیت میں اس پر چلے جارہے ہیں۔ اور اسکی بہن کی روح نے ان سے دریافت کیا ہے "کیا میرا بھائی آگیا ہے ــــ؟"

"وہ نہیں" انہوں نے جواب دیا۔ "لیکن دوسرا۔"

جب بہن نے اپنے ننھے بھائی کی روح کو اپنے پہلو میں لپٹایا تو بچہ چلا اٹھا ــــ "بہن میں یہاں ہوں مجھے بھی لے چلو"

اس نے جواب میں اسکی طرف مڑکر دیکھا اور مسکرا دی۔ ستارہ اسی طرح چمک رہا تھا۔

(۲)

وہ بچہ اب جوان تھا۔ ایک دن اپنے کمرہ میں بیٹھا مطالعہ میں مصروف تھا کہ بوڑھے خادم نے داخل ہو کر عرض کی۔

حضور کی والدہ قضا کر گئی ہیں۔ میں ان کی آخری دعائیں اور برکتیں آپ کے لئے لایا ہوں۔"

رات کو خواب میں اسے پھر وہی منظر نظر آیا۔ اور حسب سابق اس کی بہن کی روح نے رہنما سے دریافت کیا۔ "کیا میرا بھائی آگیا ہے؟"

جواب ملا "بھائی نہیں تمہاری والدہ آئی ہیں"۔

ماں کے اپنے دو بچھڑے ہوئے بچوں سے جا ملنے پر ستارے کی فضا میں ہر طرف مسرت کی لہریں دوڑ گئیں۔ اور ذرہ ذرہ جوشِ مسرت سے رقصاں نظر آنے لگا۔ بچہ اس منظر کو دیکھکر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دئے اور چلا اٹھا۔ "امی جان!

پیاری بہن! پیارے بھائی! میں یہاں اکیلا پڑا ہوں مجھے بھی بلا لو۔
انہوں نے جواب دیا: تمہارے آنے کا ابھی وقت نہیں ہوا ہے ——— ستارہ حسب معمول چمک رہا تھا

(۳)

وہی بچہ اب ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس کے بال روز بروز سفید ہو رہے تھے وہ آتشدان کے سامنے کرسی کے بازو پر کہنی ٹیکے مغموم بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایک بار پھر ستارہ اور اسکی وسیع فضا اس کے سامنے تھی۔

اس کی بہن کی روح نے رہنما سے پوچھا "کیا میرا بھائی آگیا ہے۔؟"

جواب ملا "نہیں تمہاری بھتیجی آئی ہے؟"

اس ادھیڑ عمر کے آدمی نے جو کبھی بچہ تھا اور جس نے تھوڑی دیر ہوئی اپنی شفقت بھری گود سے قضاؤ قدر کے حکم سے اپنی پیاری بیٹی کو جدا کیا تھا' دیکھا کہ وہ متبرک روح ان تینوں کے ساتھ ہے۔ وہ بولنے لگا۔

میری بچی کا سر میری بہن کے سینے پر ہے۔ اس کے بازو میری والدہ کی گردن میں حمائل ہے اور اس کے پیروں کی طرف میرا ننھا بھائی بیٹھا ہے۔ اب میں اس کی جدائی کو برداشت کرونگا

(۴)

ستارہ فضا میں حسب معمول جگمگا رہا تھا۔ وہ بچہ اب ضعیف تھا۔ اس کے صاف خوبصورت چہرہ پر جھریاں پڑ چکی تھیں اسکے قدم ڈگمگانے لگے تھے اور اسکی کمر جھک گئی تھی۔

ایک رات وہ بستر پر پڑا تھا۔ اس کے بچے اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ وہ اپنے بچپن کے لہجے میں چلایا "وہ دیکھو ستارہ!"

اس کے لڑکے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے: "افسوس ابا جان کا آخری وقت آگیا"

پیر مرد نے کمزور آواز میں کہا ———

میں اب مر رہا ہوں۔ میری عمر کا لباس اب اتر رہا ہے اور میں ستارے کی طرف ایک بچے ہی کی طرح جا رہا ہوں۔ میں اب ان سے جا ملونگا۔ جو میرے انتظار میں ہیں۔

——— ستارہ اس وقت بھی چمک رہا تھا اور اب بھی اسکی قبر پر چمکتا ہے ———

ترجمہ

عزیز احمد ارکومی

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰادِقِیْن

کحل الجواہر رجسٹرڈ

مفید اور لاجواب سرمہ ہے دعوے سے کہتا ہوں کہ کمزوری نگاہ جلن و تاریکی چشم' نزلہ' جالا پڑبال' دھند' ناخونہ' پربال و سرخی چشم' آنکھوں کے درد اور نظر آنے کے واسطے بیحد مفید ہے۔ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک کے لوگ بھی استعمال کرکے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ہزاروں ریلوے ملازمین اسکی بدولت امتحان میں کامیاب ہو کر اس کے مداح ہیں' برابر استعمال کرنے سے چشمہ بھی چھڑا دیتا ہے اور موتیا بند کے لئے اس سے بہتر سرمہ نہیں۔ سلائی مفت ایک شیشی کا وی پی ۱۲/ دو شیشی کا ۱۳/ تین شیشی کا تین روپیہ تک

ملنے کا پتہ **بیت الشفا گیا**

دنیائے سیاست کا بین الاقوامی مشاعرہ

(ٹرکی)

شیدائے وطن ہوں میں سرمایۂ عظمت ہوں | آزادی کا خوگر ہوں پیرایۂ حشمت ہوں
انساں ہوں حقیقت میں میں گہ باسطوت ہوں | عزت ہو مری لونڈی میں مالکِ عزت ہوں
صفدر ہوں بہادر ہوں دانا ہوں توانا ہوں | دشمن کی صفوں کو میں دم بھر میں اُلٹتا ہوں
سب دیکھ کے جرأت کو انگشت بدنداں ہیں | حسرت سے یہ کہتے ہیں ترکی بھی تو انساں ہیں
سو بار مجھے جانچا ہے میرے حریفوں نے | ہر بار مگر منھ کی کھائی ہے رقیبوں نے
میں عزم میں کامل ہوں پکا ہوں ارادوں کا | ہے جنگ مرے آگے اِک کھیل تماشا سا

(عرب)

میں شیر دلاور ہوں اصلاً میں حجازی ہوں | در اصل بہادر ہوں فی الواقعی غازی ہوں
مرنا ہے مرا جینا اس مرنے پہ نازاں ہوں | آزادی کی دیوی پر سو جان سے قرباں ہوں
جب چوم کے قبضے کو تلوار اٹھاتا ہوں | افواج کو دشمن کی دم بھر میں بھگاتا ہوں
بجلی ہوں بگولہ ہوں ضیغم ہوں غضنفر ہوں | طوفان ہوں آندھی ہوں مریخ کا ہمسر ہوں
روباہ صفت دشمن کیا آئیں مقابل میں | جرأت ہی نہیں اتنی ہمت ہی نہیں دل میں
تکبیر کے پردے میں ایمان کی دولت ہے | توحید پرستوں کی ٹھوکر میں حکومت ہے

(برطانیہ)

ہاں مشرق و مغرب میں ڈنکا مرا بجتا ہے | گوروں پہ حکومت ہے کالوں پہ بھی قبضہ ہے
خشکی کا بھی مالک ہوں دریا کا بھی راجہ ہوں | صنعت میں بھی ماہر ہوں حکمت میں بھی یکتا ہوں
ہوں پالیسی میں کامل مالک ہوں خزانوں کا | سائنس ہے قبضے میں عالم ہوں زبانوں کا
عاقل ہوں میں دانا ہوں چالاک ہوں سیانا ہوں | میں امن پسندی میں یکتائے زمانہ ہوں

ہٹلر مری پالیسی اب تک نہیں سمجھا ہے
وہ طفل دبستاں ہے ناداں ہے بچہ ہے

سمجھے ہیں غلط نازی لیلیں گے وہ لندن کو
کھائیں گے مگر منہ کی کیا علم ہے دشمن کو

مغرور ہے ہر ہٹلر اور ظالم و سودائی
چیونٹی کے جو پر نکلیں سمجھو کہ اجل آئی

(جرمنی)

ظالم ہوں ستمگر ہوں سفاکی میں کامل ہوں
میں امن کا دشمن ہوں میں جنگ پہ مائل ہوں

چیونٹی سے بھی بدتر ہے انسان مرے آگے
بھنگے سے بھی کمتر ہے ایمان مرے آگے

مطلب پہ جب آؤنگا اک بوند نہ چھوڑوں گا
میں خون کو انساں کی رگ رگ سے نچوڑونگا

انسان ہو حیوان ہو بچہ ہو کہ بوڑھا ہو
مطلب پہ کروں قرباں وہ خواہ فرشتہ ہو

دھوکے میں جو کرتا ہوں بارش کبھی گولوں کی
پروا نہیں کرتا ہوں انسان کی آہوں کی

گیسوں سے کبھی مارا پولینڈ کے بچوں کو
گولوں سے کبھی ڈھایا پیرس کے مکانوں کو

(روس)

چالاک ہوں پرفن ہوں مطلب کا میں بندہ ہوں
غدار ہوں خودسر ہوں اور حرص کا شیدا ہوں

ہمسر ہوں میں جرمن کا گو ظلم پرستی میں
بڑھکر ہوں مگر اس سے میں وقت شناسی میں

جب فتح کیا اس نے یورپ کا کوئی خطہ
ہٹلر سے وہیں جاکر میں نے بھی لیا حصہ

مطلب کے لئے میں نے ہٹلر کو ملایا ہے
سودا مرے سر میں کچھ ایسا ہی سمایا ہے

مشکل سے کہیں لڑکر جرمن تو کرے قبضہ
بے مانگے مگر فوراً مل جائے مجھے حصہ

طالع ہے مرا یاور قسمت ہے مری اچھی
بے جنگ کئے قبضہ ہوتا ہے مرا یونہی

دنیا کے لئے عقبیٰ برباد ہوئی میری
کیا غم ہے مگر دنیا آباد ہوئی میری

(فرانس)

شوکت بھی تھی سطوت بھی آزادی بھی حاصل تھی
دنیا مری عظمت کی ہر رنگ سے قائل تھی

آپس کی عداوت سے اغیار کی بن آئی
بھائی کے مٹانے کو آمادہ ہوا بھائی

ناکامی و محرومی منحوس تھی قسمت میں
معلوم نہ تھا بٹہ لگ جائیگا عزت میں

برگشتہ مقدر ہوں عبرت کا نمونہ ہوں
ہوں خود ہی تماشائی اور خود ہی تماشا ہوں

کب علم تھا اک طاقت ہے میرے مقابل میں
دشمن سے لڑائی کی حسرت ہی رہی دل میں

ماضی کے تصور میں اُٹھتا ہے دھواں دل سے
واماندۂ منزل ہوں بھٹکا ہوا منزل سے

جاپان

اقوام میں عالم کی عزت نہ تھی کچھ میری
یورپ کے ممالک میں وقعت نہ تھی کچھ میری

ادبار کی بدلی تھی جب سر پہ مرے چھائی
اغیار نے سمجھا تھا جب مجھ کو نرا وحشی

سمجھے تھے پرے ہم کو تہذیب کی دنیا سے
یا دن یہ ہمارے ہیں یا دن وہ ہمارے تھے

میں خواب سے غفلت کے بیدار ہوا آخر
جاپان کا ہر بچہ ہشیار ہوا آخر

جاپان کی عزت کو منوا ہی لیا آخر
سر اپنے مقابل کا جھکوا ہی لیا آخر

یورپ کا ہر اک بچہ جاپان سے واقف ہے
دنیا کا ہر اک گوشہ جاپان سے واقف ہے

کرتا ہے وہی قبضہ دنیا کی ترقی پر
پورا جو اُتر جائے محنت کی کسوٹی پر

امریکہ

موجودہ لڑائی کی پروا مجھے کیا ہوگی
دولت کا میں بھوکا ہوں خواہش ہے تجارت کی

سامان لڑائی کا انگلینڈ کو بھیجوں گا
اس جنگ سے دولت کو لندن کی سمیٹوں گا

زردار ہو یا بے زر دولت کا فدائی ہے
بچہ ہو کہ بوڑھا ہو دولت کا پجاری ہے

دولت کی بدولت ہے اقوام کی آزادی
ہر شخص ہے دنیا کا دولت کا تمنائی

دولت کی بھکاری جب ہر قوم ہے دنیا کی
کیا عیب اگر میں بھی دولت کا ہوں شیدائی

دولت مری عزت ہے دولت ہی مری جاں ہے
دولت مرا مذہب ہے دولت مرا ایماں ہے

اطالیہ

ہیں اپنے مظالم میں ہٹلر سے نہیں پیچھے
اے کاش مرا نمبر ہٹلر سے بھی بڑھ جائے

ہر ظالم و ظلم سے آگے میں نکل جاتا
بس میرا اگر چلتا دنیا کو نگل جاتا

مطلب ہے یہی میرا جرمن کی اعانت سے
امداد کے حیلے سے کچھ فائدہ ہو جائے

ہٹلر کو لڑائی میں کمزور اگر پاؤں | خواہش مری پوری ہو جرمن کو دبا بیٹھوں
اے کاش مجھے حصّہ ایشیا کی طرح ملتا | غنچہ مرے دل کا بھی قسمت سے کبھی کھلتا
جو ظلم نہیں کرتا وہ بھی کوئی انساں ہے | جس میں نہیں یہ عادت در اصل وہ حیواں ہے
اگلوں کے مظالم تو سب قصہ کہانی ہیں | گر ظلم کے اٹلی کو سب یاد زبانی ہیں

ہندوستان

مغرور ہوں نازاں ہوں میں اپنی غلامی پر | مسرور ہوں شاداں ہوں اس ہند نژادی پر
گو علم سے عاری ہوں صنعت سے ہوں بیگانہ | افلاس کا شکوہ بھی لیکن ہے دلبرانہ
ہر کام سے نفرت ہے میں سست ہوں کاہل ہوں | ہر عیش کا بندہ ہوں میں جہل میں کامل ہوں
قسمت پہ بھروسہ ہے تدبیر سے نفرت ہے | اپنوں سے شکایت ہے بیگانوں سے الفت ہے
میں طوق غلامی میں اکڑا ہوا پھرتا ہوں | یہ فخر ہی کیا کم ہے اغیار کا بندہ ہوں
احساس نہیں ہوتا انگشت نمائی پر | نادم نہیں ہوتا میں آپس کی لڑائی پر
ہندی ہوں میں ہندی ہوں عزت کی خبر کیا[1] | صدقے میں غلامی کے مل جاتا ہے اک ٹکڑا

[1] سبحان اللہ کیا کہنا! ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند (متفقہ آواز)

عابدی سیمابی

بقیہ "دلنواز" صفحہ ۴۸

پرویا تھا۔ کیونکہ آج اس میں اس قدر سکت نہیں تھی کہ اور ایک بار مکمل کر لیتی۔

شہزادی غضبناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ چند لمحے شہزادے کی طرف بغور دیکھنے کے بعد زمین پر آ رہی۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور اب وہ دونوں کے سامنے بے ہوش پڑی تھی

اس آخری لمحے میں شہزادہ شمشیر بلا ارادہ اس پر جھک گیا اور ہلکے سے اسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کے جسم کو چھوتے ہی وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

افسوس۔

وہاں دلنواز موجود نہ تھی۔ بلکہ اس کا بے جان جسم زمین پر پڑا تھا۔

شہزادے کی آنکھوں سے دو قطرے آنسوؤں کے اس کے رخساروں پر سے موتیوں کی طرح ڈھلک کر زمین میں جذب ہو گئے۔

لیکن ـــــ

شہزادی رضیہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے۔

راحت آرا بیگم

دلنواز

کمسن کنیز کا دل سینے میں دھڑک رہا تھا ــــــ !

اس نے اپنی زندگی کے پندرہ سال اسی محل میں گذارے تھے۔ وہ بیگم کے پچاسوں کنیزوں میں سے ایک تھی۔

اس کا نام تو سلیمہ تھا لیکن کمسنی سے نکلکر جب اس نے جوانی کی آغوش میں قدم رکھا تو نواب کی طرف سے اسے دلنواز کا خطاب دیا گیا تھا۔

یہ کنیز اسوقت اپنی ماں کے ساتھ اس محل میں آئی تھی۔ جبکہ وہ ننھی سی بچی تھی۔ اسکے محل میں آتے ہی بیمار ولی عہد صحتیاب ہونے لگا تھا۔ اور وہ مریض جسکی صحت کی کوئی امید نہ تھی۔ کچھ روز ہی میں بھلا چنگا ہوگیا۔ تو بیگم اسے مبارک قدم سمجھنے لگیں۔ اور دوسری کنیزوں سے الگ رکھکر اسے از حد چاہنے لگیں۔

ولی عہد کے رہنے سہنے کا انتظام اب نواب کے مردانے محل میں تھا۔ اپنی ماں سے ملنے کو تو سنے ہیں وہ کبھی کبھار آجایا کرتا۔

دلنواز جب بچہ تھی تو بیگم اسے گڑیوں کی طرح سجا کر رکھا کرتی تھی۔ ولی عہد جب آتا تو خاص طور پر اسے بلوا کر دیکھتا۔ اسے پیار کرتا۔ اور اسکے سنہرے جیسے ریشم بالوں سے کھیل کھیل کر اس سے ننھی ننھی باتیں کیا کرتا

ــــــ ۲ ــــــ

سمجھ آنے پر کمسن دلنواز شہزادہ شمشیر کا انتظار کیا کرتی تھی۔ دن میں شمشیر کے لئے ایک چبھن سی محسوس کرتی۔

اکثر اپنی ماں سے بیساختہ پوچھ لیا کرتی۔

"امی۔ شاہزادے صاحب کب آئینگے؟"

ماں جھڑک دیتی

"چپ رہ بدتمیز ــــــ تجھے ان باتوں سے کیا غرض ہے؟"

غریب دلنواز ماں کی دھمکی پر خاموش ہوجاتی۔

ــ(۳)ــ

دلنواز نے آہستہ آہستہ بچپن کے ماحول سے نکلکر جوانی کی آغوش میں قدم رکھا۔ محل کی نوعمر کنیزوں کے ذمہ نواب کی طرف سے مختلف قسم کے کام سپرد کئے گئے۔ ان میں سے دلنواز کو مالن کا کام ملا۔ جسے اس نے بخوشی قبول کیا۔ اس کام میں اسکی مدد اور بھی کئی کنیزیں تھیں۔ مگر ان سب پر دلنواز کو فوقیت حاصل تھی وہ دلنواز کے زیر نگرانی باغ کا کام انجام دیتیں۔ دلنواز کو باغبانی سے خاص لگاؤ تھا۔ باغ میں اس نے مختلف طریقوں سے پودوں کو ترتیب دیا تھا۔ پودوں اور کیاریوں کو اس خوبی سے سجایا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہوکر دیکھا کرتے۔ باغ میں نئے سرے سے چمک آگئی تھی۔ جب اس کے اپنے ہاتھوں سے لگائے ہوئے پودوں میں پھول آنے لگے تو اسکی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ جو پھول پہلے کھلینگے ان سے وہ اپنے شہزادے کے لئے ہار پرو کر بطور تحفہ اسکی خدمت میں

پیش کر گئی۔

اس ارمان کو وہ سینے میں لئے ہوئی تھی۔ اور ان کلیوں کی انتہا سے زیادہ حفاظت کرتی تھی۔ جو کہ چند ہی دنوں کے اندر اندر شگفتہ پھولوں میں تبدیل ہونے والی تھیں۔

اور بھی کچھ روز گذر گئے

اب ——— چھوٹے چھوٹے پودے خوشنما پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ انکی دل آویز مہک سے باغ معطر ہو رہا تھا۔ بھینی بھینی خوشبوئیں باغ کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھیں

سہ پہر کا وقت تھا۔

ہر طرف ایک خاموشی سی تھی۔ آج محل کی بیگم اور بہت سی کنیزیں کہیں سیر کو گئی ہوئی تھیں۔ ایسے تنہائی کے وقت کو دلنواز نے غنیمت سمجھا۔ اور درد سر کا بہانہ کر کے گھر ہی میں رہ گئی۔

لوگوں کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی دلنواز ایک چھوٹی سی ٹوکری باغ میں لئے ہوئے داخل ہوئی۔ وہ ان پودوں کے قریب آ کر رک گئی۔ جن میں ابھی نئے پھول کھلے تھے۔ اور آہستہ آہستہ ان پھولوں کو چننے میں معروف ہو گئی۔ ابھی چند ہی پھول اس نے اپنے گلدستے میں رکھے تھے کہ کچھ آہٹ پر چونک پڑی مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

حسین وجمیل نوجوان شہزادہ شمشیر باغ کی روش پر ——— ہاتھ دونوں پیچھے کی طرف کئے خراماں خراماں ٹہل رہا تھا۔ اس کے زربفت کے لباس پر سورج کی آخری کرنیں پڑ رہی تھیں۔ ان سنہری کرنوں میں اس کا لباس جھل ملا رہا تھا۔

وہ تو اس وقت ——— اس چمن کا بادشاہ معلوم ہو رہا تھا۔

نازک دلنواز اس حسن کے دیوتا کو دیکھتے ہی کانپ گئی گلدستہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ رہا۔ اور خود بلا ارادہ سینہ تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔

گلدستہ گرنے کی خفیف آواز پر شہزادہ چونک پڑا۔ اسے مطلق خبر نہ تھی کہ اس وقت اس کے سوا اور کوئی بھی اس باغ میں موجود ہے۔

دلنواز کی نظریں پھر ایک دفعہ اوپر کو اٹھیں۔ شہزادے کی رسیلی اور نشیلی نظروں سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس کا ننھا سا دل دھڑک اٹھا۔ اب اس کی نگاہیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ گلدستہ ایک طرف پڑا تھا۔ اور پھول گھاس پر بکھر گئے تھے۔

نوجوان شمشیر آہستہ آہستہ اس مجسم حسن کے قریب آ گیا۔ اس نے گلدستہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔ اور بکھرے ہوئے پھولوں کو اس میں جمع کرتے ہوئے کہا۔

یہ کیا ——— دلنواز ——— یہ پھول تمہارے ہاتھوں سے گر کیسے گئے۔؟

اس سے تو بہتر تھا کہ تم ان کے ہار پرو کر مجھے دیتیں اور انہیں اپنے سینے کے قریب رکھتا ———"

وہ مسکرا رہا تھا۔

دلنواز خاموش تھی۔

شہزادے نے پھر کہا

"اوہ ——— اب میں سمجھ گیا۔ یہ نازک ہاتھ ان پھولوں کا بوجھ سنبھال نہ سکے ——— ہے نا؟"

اتنا کہکر اس نے دلنواز کا نرم ونازک ہاتھ آہستگی سے تھام لیا۔ دلنواز سہم گئی ——— بمشکل کہا

"شہزادے ——— میری ہمت اس قدر نہ بڑھائیے۔

میں تو آپ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں"۔

شہزادہ اسکے اور بھی قریب آگیا۔ اور ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو ٹھوڑی سے اوپر کی طرف اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالدیں۔

پھر بے ساختہ بول اٹھا

"کنیز ——— ؟ نہیں۔ نہیں دلنواز ——— تم تو میرے دل کی ملکہ ہو"

اتنا کہکر اس نے اس حسین کنیز کو اپنے دل سے لگا لیا

دلنواز کا جسم سن سا ہونے لگا۔

آہ ——— !

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ دل خوش کن لمحہ شاید اسکی زندگی میں دوبارہ نہیں آئیگا۔ وہ چاہ رہی تھی کہ اسے کاش ——— اسے اسی وقت موت آجاتی جبکہ اسکا معشوق اسے محبت بھری نگاہوں سے تک رہا تھا۔ ——— اور ——— اور اسے اپنے سینے سے اس قدر قریب کر لیا تھا۔

شہزادے نے اسے بھینچ لیا۔ عنقریب تھا کہ وہ اپنے ہونٹ اس حسین دیوی کے ہونٹوں میں پیوست کر دے کہ دور سے ایک آواز سنائی دی کوئی اسے پکار رہا تھا۔

دلنواز ——— اری او دلنواز ———"

شہزادہ خود بھی اس آواز سے سہم گیا پھر محبت سے اسکے رخسار پر بوسہ دیتے ہوئے اس نے کہا

میری دلنواز ——— جاؤ۔ کوئی تمہیں بلا رہا ہے۔ میں پھر تم سے ملونگا۔

شہزادہ ایک درخت کی اوٹ میں روپوش ہو گیا۔ اور دلنواز کانپتے ہوئے قدموں سے محل کی طرف جانے لگی۔

چند لمحہ بعد شہزادے نے سنا۔ کوئی دوسری کنیز کہہ رہی تھی

"اتنی دیر یہاں کیا کرتی رہی ری لڑکی ——— چل۔ جلدی چل ——— بیگم واپس آگئی ہیں اور تجھے بلا رہی ہیں۔

——— (۳) ———

شہزادے کا چھوٹا محل آج روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ہر طرف سلیقے کے ساتھ رنگین قمقمے لگائے گئے تھے۔ محل کے سامنے ایک خیمہ لگا تھا۔ جسے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

آج شہزادہ شمشیر کی بیسویں سالگرہ تھی۔

کنیزیں زرق برق لباس پہنے پریوں کی طرح ادھر ادھر گھوم کر اپنے اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں

شام سے پہلے ہی مجرے کی تیاری شروع ہو گئی تھی۔ خیمہ میں اسٹیج بنایا گیا تھا۔ نواب کے خاندانی افراد اور شہزادے کے دوست واحباب قطار در قطار بیٹھے تھے۔

اب ناچ شروع ہونے کا انتظار تھا۔

شہزادہ شمشیر بار بار اسٹیج کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ منتظر تھا ——— ہاں وہ منتظر تھا دلنواز کا ——— اسکا ناچ دیکھنے کو بیتاب سا تھا۔

وہ ——— !

پردہ اٹھا۔ اور ناچ شروع ہو گیا۔ ایک ایک کر کے باری باری حسین و جمیل کنیزیں مجرا کرنے لگیں۔ گانے کی سریلی تان نے فضا میں ایک عجیب مدہوشی پیدا کر دی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے ان حسین مورتیوں کی طرف شہزادے کی توجہ مبذول ہو گئی اور وہ رقص دیکھنے میں محو ہو گیا۔

ٹھیک اسوقت ——— دلنواز عجیب ناز و انداز سے اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ دوسری کنیزیں ایک ایک کر کے سرک گئیں۔ اب

دلنواز تنہا مصروف رقص تھی۔ وہ تو اس وقت اس محفل کی جان معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے ایک چینی کی مورتی اسٹیج پر متحرک ہو یہی انداز تھا اس کا

اسکی آواز۔۔۔۔ اس کے گانے کی دلکش لے نے ایک لمحے میں سب کو مسحور کر ڈالا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ سوائے باجے اور گانے کی آواز کے ہر فرد چپ چاپ اس دلفریب سین کو دیکھنے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

ناچ ختم ہو گیا۔ گانا موقوف کر دیا گیا۔ مجلس وقت مقررہ پر ٹوٹ چلی۔ لیکن شہزادہ بدستور ساکت و صامت اسٹیج کی طرف تکتا رہا۔ اسوقت وہ چونکا جبکہ اسکے ایک دوست نے اسے شانے سے ہلا کر کہا

"اب بھی بیٹھے ہی رہو گے بھائی۔۔۔۔ چلو۔ کھانا تیار ہے"

—(۴)—

محل میں دھوم مچی ہوئی تھی۔

بڑے زور و شور سے شمشیر کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

دلنواز بہت ہی ہشاش و بشاش دکھائی دے رہی تھی۔ اس خوشی میں وہ اپنے کو گویا بھول بیٹھی تھی۔ ہر روز وہ نئے نئے پھولوں کی مالا تیار کر کے اپنے شہزادے کی خدمت میں پیش کرتی۔

شہزادہ متحیر تھا۔

جیسا کہ فطرتی امر ہے۔۔۔۔ وہ ذرہ برابر بھی مغموم نہ تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ اس مسرت کی تقریب میں ہر قسم کے کام وہ خود انجام دے۔

آخر شادی کا دن آپہنچا۔ بڑے تزک و احتشام سے شادی انجام پائی۔ ہر ہر کنیز کو انعام و خلوت عطا کئے گئے۔

جب دلنواز کو خلعت دینے کی باری آئی تو اس نے با ادب اپنی بیگم سے یہ درخواست کی کہ بجائے کسی قسم کے انعام و اکرام کے اسے اجازت دی جائے کہ وہ نئی بیگم کی خدمت میں رہے اور یہی اسکے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔

بیگم نے بڑی خوشی کے ساتھ اسکی درخواست منظور کر لی۔ اور اب

۔۔۔۔ دلنواز۔ نئی دلہن کی کنیز تھی

اب بھی اسکے ذمہ مالن کا کام تھا۔ اور اب بجائے ایک کے اسے دو ہار تیار کرنے پڑتے تھے۔ ایک شہزادے شمشیر کے لئے اور دوسرا۔۔۔۔ نئی شہزادی صفیہ کیلئے۔

پہلے۔۔۔۔ جس مسرت سے وہ ان پھولوں کو شاخوں سے الگ کیا کرتی تھی۔ اب اسکی جگہ حسرت و یاس نے لے لی۔ ہر دفعہ ہار پروتے وقت ایک ٹھنڈی سانس۔۔۔۔ ایک دردناک آہ اسکے سینے کو چیرتی ہوئی نکل آتی۔ ہار تیار کر کے وہ شہزادے کی منتظر رہا کرتی۔ شام تک۔۔۔۔ جبکہ دونوں میاں بیوی سیر کی غرض سے باغ میں داخل ہوتے۔

دل ہی میں اندوہ غم کے جذبات کو دباتے ہوئے وہ مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھتی اور دونوں ہار باری باری دونوں کے گلے میں ڈالکر۔۔۔۔ دو زانو ہو کر ادب سے سلام بجا لاتی۔ یہ اسکا ہر روز کا معمول ہو گیا تھا۔

لیکن اب۔۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اپنے خون جگر کا ایک ایک قطرہ ان پھولوں میں پیوست کرتی گئی تھی۔ جب سے وہ شہزادے کا ہار پرویا کرتی۔

اور۔۔۔۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب تک یہ ہار شہزادے کے گلے میں پڑا رہتا اسے ایک عجیب بے چینی سی رہتی۔ اس کے سینے

میں دھڑکتا رہتا۔ اور اکثر تو وہ ایسا محسوس کرتا کہ خود دلنواز اس کے سینے کے کسقدر قریب موجود ہے۔ اس کی بے کلی اس حد تک بڑھ جاتی کہ آخر وہ مجبور ہو کر اپنے گلے سے ہار اتار ڈالا کرتا۔ تب اسے کچھ سکون ہوتا تھا۔

—(۵)—

دلنواز اب دن بدن گھلتی جا رہی تھی

محبت کی سوزش نے ——— اندر ہی اندر اسکی صحت کا خاتمہ کر کے اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا۔

عشق کی آگ اس کے دل و دماغ کو جلا کر خاکستر کر رہی تھی ——— پھر بھی ——— پھر بھی وہ شہزادے اور شہزادی کی خدمت میں بدستور مصروف تھی۔

ہاں ——— اس میں اسکی خوشی تھی ——— اور کچھ تسکین تھی تو اس میں ——— کہ جہاں تک ممکن ہو وہ اپنے شہزادے کی خدمت کرتی رہے۔ تمام عمر ——— اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک ——— اب اس میں کچھ سکت نہیں تھی ——— ہار پروتی تو ہاتھ کانپنے لگتا۔ کچھ کام میں تیزی سے جانا چاہتی تو قدم ڈگمگا نے لگتے۔ شہزادہ اکثر اسکی طرف اداس نظروں سے دیکھا کرتا۔ لیکن پوری نگاہ پڑتے ہی پرے ہٹ جاتا۔ وہ اپنی اس پوشیدہ محبت کا اظہار شہزادی کے سامنے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نہیں ——— اسکے اظہار سے وہ اپنی زندگی کو شاید بے لطف بنانا نہیں چاہتا تھا۔

آج ——— جبکہ حسب معمول دلنواز ہار پرو رہی تھی۔ رنگ برنگ کے پھول اس کے پاس بکھرے پڑے تھے۔ دفعتاً اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا ——— دل سینے میں تڑپ اٹھا۔

اے کاش ——— !

اگر ایک دفعہ ——— صرف ایک دفعہ شہزادہ اسے اپنے سینے سے لگا لیتا۔ ایک دفعہ اسے اپنے سینے پر سر رکھنے کی اجازت دیتا۔ ہاں صرف ایک دفعہ ——— !

جس کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی ——— اپنی عمر کو جس پر سے اس نے قربان کر دیا۔ اے کاش ——— وہ ایک نظر اس کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ اتنے طویل عرصے سے وہ شہزادے کے کسقدر قریب ہے مگر آہ ——— !

کسقدر دور ——— اس قربت سے تو یہ کہیں بہتر تھا اگر وہ شہنشہ سے کوسوں دور رہتی۔

اس قربت کی تمازت تو اب اس کے دل و دماغ کو جھلسا رہی ہے۔ اس کے خون کا ہر ہر قطرہ اس تمازت و سوزش کی نذر ہو چکا ہے۔ اب رہ گیا ہے صرف ایک پوست استخوان کا ڈھانچہ ——— مگر ہاں۔ کچھ تسکین ہے تو اس خیال سے کہ اس نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے معشوق کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ وہ کچھ سوچ نہ سکی۔

اب اسکی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ کمزوری و ناتوانی سے دونوں ہاتھ کانپنے لگے۔ آخری چند پھول پرو دینے کی اب سکت نہیں تھی۔

عین اسی وقت بادستور شہزادہ اپنی بیگم کو ساتھ لئے ہوئے باغ میں داخل ہوا۔

دلنواز کو ایسا محسوس ہوا کہ ایک بجلی اس کے دل و دماغ و رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ آنکھیں چھپا ... ہمت نہ پڑی کہ شہزادے کی طرف نظر پھیر کر دیکھے

پھر بھی ——— اس نے ایک دفعہ کا ... اٹھا کر مالا شہزادے کے گلے میں ڈالدیا۔ آج اس سے ... ہی ہار

زمانہ قدیم کی عورت اپنے شوہر کو میدان جنگ میں مسلح کرکے بھیجتی تھی
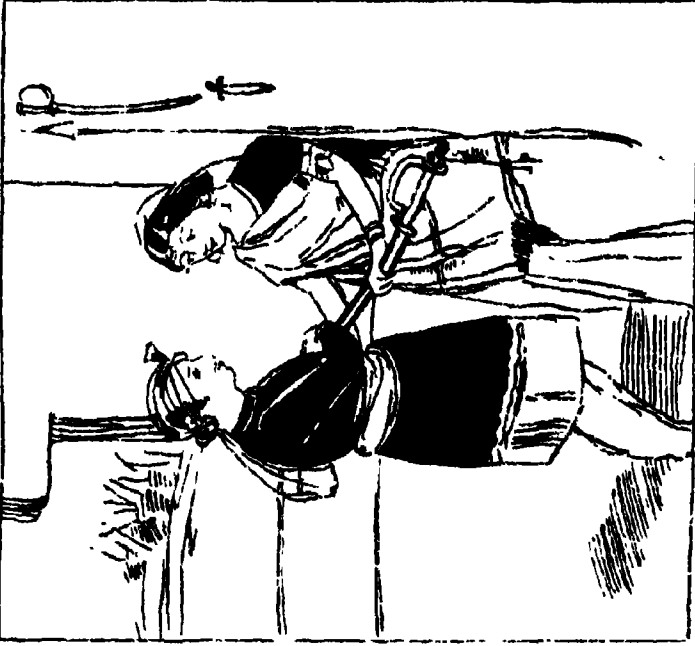
زمانہ حال کی عورت اپنے شوہر کے معمولی سفر پر بھی ٹسوے بہا رہی ہے

چار سو رباعیوں کا مجموعہ
(خزینۂ رباعیات)
۱۳۵۶ھ
ہر قسم کے عنوانوں پر اُردو کا اتنا بڑا مجموعۂ رباعیات شاید ہی شائع ہوا ہو جس پر استاذ السلطان حضرت جلیل کا یہ تاریخی مصرع صادق آتا ہے
ہر رُباعی تازگی میں فرد ہے
حمد نعت منقبت۔ اخلاق تصوف فنا بقا۔ دنیا پیری۔ موسمی رباعیاں۔ رنگ خیام کی رباعیاں وغیرہ
مکالمے کی رُباعیاں ایک خاص صنف ہے جو ابتک اُردو میں نہیں چھوٹے قطعے میں نہیں بڑے قطعے میں
آسکتا ہو وہ چار مصرعوں میں آگیا ہے المختصر حضرت علامہ شفیق رضوی نے یہ ایک قابل قدر شایان تحسین
جواہرات سخن کا اضافہ اُردو ادب میں کیا ہے۔ چھپائی لکھائی سب دیدہ زیب ہر صفحے پر ایک رباعی
جلی قلم چار سو سے زیادہ چھوٹے صفحوں کو مزین کئے ہوئے مقدمہ وغیرہ علاوہ۔
قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ) محصول علاوہ۔
المشتہر
منیجر شمسی پریس بکڈپو محلہ گھسیا ٹولہ گیا

ہمیشہ نکٹائی مارکہ زردہ کھائیں
دوسرے مارکہ کو ہاتھ نہ لگائیں
تمام زردوں کا بادشاہ ؟ نکٹائی مارکہ زردہ
تمام زردہ پتیوں کی رانی ؟ نکٹائی مارکہ زردہ پتی زعفران
تمام زردہ قواموں کا امام ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی قوام
تمام مشکی دانوں میں یگانہ ؟ نکٹائی مارکہ سیاہ مشکی دانہ
تمام زعفرانی گولیوں کی دل و جان ؟ نکٹائی مارکہ مشکی زعفرانی گولیاں
تمام الائچی دانوں کا تاج شاہانہ ؟ نکٹائی مارکہ خوشبودار الائچی دانہ
اس مارکہ کی دھوم یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے
ہر جا بھی مدح خواں ہر ہندوستاں بھی ہے
مفصل نرخنامہ اور فہرست اندر ملاحظہ ہو
محمد مصطفےٰ حسین کا شہرۂ آفاق کارخانہ
نکٹائی مارکہ
کی بہترین عمدہ ترین و ملذذ ترین چیزیں مغرب اور مشرق کی جدید ترین فیکٹریوں کے طریقہ پر تیار کی جاتی ہیں بلکہ خوبصورتی خوشنمائی اور پاکیزگی میں اس کارخانہ کا نمبر اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے اور بہتر سے بہتر اور خوش نما سے
خوشنما فینسی پیکٹوں اور خوش وضع شیشوں میں اپنے جوہر دار مال کو جوہر شناس مشتریوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے ضرور آزمائش کیجئے۔
شرط یہ ہے کہ خریداری کے وقت نکٹائی مارکہ کا نشان اور محمد مصطفےٰ حسین کا نام لیبل پر ضرور دیکھ لیا کریں ورنہ جعلی مال کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں
ہیڈ آفس: نکٹائی مارکہ زردہ فیکٹری ۱۴۱ ہوڑہ روڈ۔ ہوڑہ
برانچیں: کلکتہ بمبئی رنگون
کیننگ اسٹریٹ
۲۷۱ ارسکین روڈ بمبئی

زردہ طلائی

یہ ہندوستان کے تمام زردوں کا بادشاہ ہے
نہایت قیمتی نفیس مقوی اور مفرح اجزاء سے مرکب ہے
زردہ طلائی مشکی دانہ اکسیر کی ڈبیاں فی تولہ پانچ روپیہ
" " " تولہ بتی ۱ عہ

زردہ نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
" سوم " " " ۱۸ "
سادہ دانہ خشکی چہارم قیمت فی سیر ۸ "
" پنجم " " " ۴ "
" ششم " " " ۲ عہ "
" ہفتم " " " ۱ عہ "

پیلی پتی نقرئی و زعفرانی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ روپیہ
" سوم " " " ۸ "
" چہارم " " " ۴ "
(سادہ) پنجم " " " ۲ "

زردہ موہنی نقرئی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
" دوم " " " ۱۶ "
سوم " " " ۸ "

زردہ نقرئی سرخ زعفرانی پتی

قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
(سادہ) قسم ششم " " " ۱ عہ

زردہ براؤن زعفرانی پتی

سادہ قسم اول قیمت فی سیر ۳۲ روپیہ
قسم چہارم قیمت فی سیر ۱ عہ

قوام تمباکو مشکی خوشبودار نقرئی

قسم اول قیمت فی تولہ ۳ روپیہ
(ایلاچی) قسم اول " " عہ
" " چہارم " " ۴ "

پیکڈ زردہ

بکسوں میں جو زردہ بند کیا جاتا ہے وہ بہترین قسم کا زردہ ہے ذیل میں آدھ سیر کے بکسوں کی قیمت دی گئی ہے۔

پیکڈ زردہ خوشبودار

سیاہ پتی سرخ بکس یکدانہ قیمت ۱ عہ
" سبز بکس " ۱۲ ار
براؤن پتی سیاہ لیبل " ۱ عہ
" سبز لیبل " عہ ر
" سرخ لیبل " ۱۰ ار
براؤن زعفرانی پتی سبز لیبل ایکدانہ کا بکس
قیمت ۹ ر
سرخ لیبل " ۶ ر

ہوائی جہاز مارکہ زرد بکس آدھ سیر کے بکس
قیمت عہ ر
ہوائی جہاز مارکہ گلابی بکس آدھ سیر ۱۲ ار
سانپ مارکہ زرد بکس " ۸ ر

پان کے مسالے (نکٹائی مارکہ)

گل بہار ملاس گلاب پھول مارکہ فی ڈبہ ۴ ر
" " " فی گروس ۳ روپیہ
پان ملاس نقرئی گولیاں فی شیشی ۶ ر
" " " فی گروس ۵ روپیہ
گل بہار یعنی ایسنس لاپان فی شیشی ۴ ر
تمبل بہار نکٹائی مارکہ قسم اول فی درجن عہ ر
فی گروس ۱۰ ہے
نقرئی شیشی سلور زردہ فی شیشی ۴ ر
بیٹل چپس بڑی ڈبیہ قیمت ۶ ر
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی (دانہ یک)
فی سیر ۴۰ روپیہ
سیاہ چمکیلا خوشبودار نقرئی و طلائی دانہ
قسم دوم فی سیر ۲۰ "
" سوم " " ۱۰ "
سیاہ چمکیلا سادہ خوشبودار دانہ قسم اول
فی سیر ۴ روپیہ
" قسم دوم " " ۲ "

بیوٹی کریم سگندھ مالتی (نکٹائی مارکہ)

اسکے استعمال سے چہرے کے داغ دھبے چھائیاں اور مہاسے بالکل دور ہو جاتے ہیں جلد صاف ستھری نکل آتی ہے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے مردوں کے علاوہ عورتوں کیلئے نہایت مفرح ہے
قیمت فی درجن ۸ ر فی گروس ۱ عہ

جہاز مارکہ خضاب (نکٹائی مارکہ)

سول ماٹری جہاز مارکہ خضاب فوراً دو منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ چمکیلا اور نرم کر دیتا ہے بالکل بے ضرر اور بہت سستا ہے
قیمت فی شیشی ۸ ر فی درجن ۱ عہ

نکٹائی مارکہ

روغن پیپرمنٹ
روغن دارچینی
روغن الائچی
روغن کافور
روغن لونگ
روغن لیموں
روغن صندل
روغن نورجہاں، روغن تل رنگین اور دیگر تیل ایسنس سینٹ اور عطر بھی بازار میں اپنا جواب نہیں رکھتے

محمد مصطفٰے حسین کا نام اور نکٹائی مارکہ کا لیبل

مال کی عمدگی پاکیزگی اور ارزانی کا سرٹیفکیٹ ہے

تالیفات جناب خواجہ عشرت لکھنوی

شاعری کا مکمل سٹ۔ چار جلدوں میں بے مدد استاد شعر کہنا سکتا ہے قیمت عہ
تذکرۂ آب بقا۔ شعرائے حال کا کلام منتخب اور حالات زندگی قیمت عہ
ہندو شعرا۔ ہندوستان کے مشہور ہندو شاعروں کا کلام اور حالات ۵۰ شعرا کی لکھنؤ
لغات اردو مکمل سٹ۔ چار جلدوں میں مع مصادر و معانی الفاظ الحروف ہے
مضمون نویسی۔ اردو عبارت لکھنے کا قاعدہ مع قواعد علم بیان ۸ر
ترجمان پارس۔ اردو سے فارسی بنانیکا قاعدہ مع جدید فارسی ۶ر
ہجولی۔ لڑکیوں کی تعلیم کی کتاب ترمیم و اضافہ کیساتھ دو جلدوں میں قیمت ۶ہ
قواعد میر۔ میر تقی میر دہلوی کے سینہ بسینہ قواعد قیمت ۶ر
اصلاح زبان اردو۔ متروک محاورات و الفاظ کی تحقیق مع نسخ دیگر تک ۶ر
زبان دانی۔ اردو کے مستند قواعد فصیح کی تحقیق قیمت ۶ر
جان اردو۔ اردو ہندی کی حقیقت الفاظ کا فرق استعمال محاورات کی تحقیق ۶ر
اصول اردو۔ صرف و نحو کے چھوٹے چھوٹے قاعدے ۶ر

المشتہر منیجر عشرت بک ڈپو احاطہ خانساماں کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ تمام بیماریاں اندرونی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں اور ان

خرابیوں کا اصلی سبب

"ناموافق غذا کا ناموافق استعمال ہے"

اگر نقشہ

قیمت ایک عدد ۶ر
۱۱ عدد چار روپے
معہ محصول ڈاک

کے مطابق غذا استعمال کیجائے
تو مریض کا صحت یاب ہوجانا اور تندرست کا بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے
رہنمائے صحت عام فہم اردو زبان میں ایک دلکش نقشہ ہے جس سے ہر شخص کو فائدہ حاصل ہوسکتا ہے
نوٹ:۔ وی پی کسی حال میں نہیں کیا جائے گا۔ قیمت منی آرڈر یا ٹکٹ کی صورت میں آنا چاہیئے
جواب کیلئے جوابی خط آنا چاہیئے

ڈاکٹر ایم۔ وائی۔ نظری
نمبر ۲۴ زکریا اسٹریٹ کلکتہ

پان کھانیوالوں کیلئے ایک قیمتی تحفہ

جیون مالتی

پان کو خوشبو اور خوش ذائقہ بنانیوالا مصالحہ

جیون مالتی جو مشک زعفران اور قیمتی و مفید مصالحوں سے تیار کیا جاتا ہے۔
جیون مالتی بیحد خوشبودار اور خوش ذائقہ ہے۔ اور لطف یہ کہ تمباکو کے جز سے قطعی پاک ہے۔
جیون مالتی منہ میں ایک خوشگوار خوشبو پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے پاس بیٹھے ہوئے حضرات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے

قیمت فی شیشی صرف ۱۲؍

ملنے کا پتہ: دہلی کیمیکل ورکس رام ساگر روڈ گیا

قیمت فی درام ۱؍ قیمت فی ڈرام ۱؍

دی کوئین ہومیو فارمیسی

کلکتہ کا واحد مسلم دواخانہ

ہمارے یہاں ہومیوپیتھک یا بائیوکیمک کی بہترین خالص ادویات ارزاں قیمت سے مل سکتی ہیں۔ امریکہ کے مشہور بورک اینڈ ٹیفل کمپنی سے دوائیں براہ راست منگوائی جاتی ہیں۔ اور تمام ڈسٹرکٹ میونسپلٹیوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ خالص ادویات ہی ہمارے نیک نامی کی ضمانت ہیں۔ آرڈر کا خاص انتظام اسکے علاوہ ہومیوپیتھک کی کتابیں بھی ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ آرڈر دیکر آپ اپنی پوری تشفی کر سکتے ہیں

پروپرائٹر۔ ڈاکٹر عبداللہ

هیڈ آفس نمبر ۳ بنیا پوکھر لین کلکتہ

تمام قسم کے بندوق رائفل اور کارتوس کیلئے

ان۔ سی۔ ڈاؤ

کی دوکان میں ایک مرتبہ تشریف لاکر آزمائش کیجئے

هیڈ آفس

ان سی ڈاو اینڈ کو نمبر ۹ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

بطرف جانب
برانچ: رانی گنج۔ ای۔ آئی۔ آر ہیڈ ایجنسی بہار

عرق اکسیر اعظم
رجسٹرڈ
پیٹ کے بیماری کی دوا
مثلاً پیٹ درد کرنا پیٹ پھولنا پیٹ میں میٹھا میٹھا
درد رہنا۔ پیٹ میں گڑگڑاہٹ بے چینی ہونا قبض رہنا
پتلا دست آنا۔ کلیجہ میں درد اٹھنا معدہ کی کمزوری
کی وجہ سے غذا نہ ہضم ہونا بھوک نہ لگنا سینہ کا جلن
معلوم ہونا۔ ورم جگر ہونا۔ تلی کا بڑھ جانا پیشاب
زیادہ آنا۔ بارہ بار آنا (جسکو ذیابیطس کہتے ہیں) دست
اور متلی کے ساتھ قے آنا (جسکو ہیضہ کالرا کہتے ہیں)
موسمی بخار کا آنا۔ یا معدہ کی خرابی سے کوئی دوسری
بیماری ہو جانا۔ مرض نیا ہو یا پرانا، خدا کے فضل
سے عرق اکسیر اعظم استعمال کرنے سے بالکل اچھا
ہو جاتا ہے۔ قیمت۔ فی شیشی۔ ایک روپیہ
تین شیشی کی قیمت۔ دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ
جناب ڈاکٹر صاحب کی رائے ملاحظہ فرمایئے
جناب ڈاکٹر ممتاز حسین صاحب پٹنہ سے تحریر فرماتے ہیں۔
جناب کی دوا اکسیر اعظم چند مریضوں کو استعمال کرایا۔
پیٹ کے مختلف امراض کے مریض اس سے برابر صحت یاب
ہو رہے ہیں۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔
نسوانی
رجسٹرڈ
عورتوں کے پرسوت کے بیماری کی مفید دوا
آجکل ہر گھر میں عورتوں کو سفید رطوبت مثل دھات
یا مٹیالے رنگ گاڑھی لیس آتے رہنے کی شکایت
ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے بدن کمزور رنگ پیلا۔ ہاتھ
پیر میں جلن۔ دماغ میں چکر۔ آنکھ تلے اندھیرا
آ جایا کرتے ہیں۔ ٹانگ میں درد۔ کمر میں درد۔ بھوک نہ
لگنا۔ طبیعت میں سستی رہتی۔ حمل گر جانے۔ مردے
گھبرانے۔ کمزور اولاد پیدا ہونے کی شکایت رہتی ہے
نسوانی ایسی مجرّب آزمائی ہوئی لاثانی دوا ہے
کہ عورتوں کی جملہ بیماری کی شکایت
انشاءاللہ دور ہو جائیگی۔ قیمت۔ فی شیشی۔ ایک روپیہ
تین شیشی کی قیمت۔ دو روپیہ بارہ آنہ محصول علاوہ
نسوانی سے حیرت انگیز فائدہ ہوا
جناب مرتضیٰ حسین صاحب۔ اورنگ آباد (گیا) سے رقمطراز ہیں
جناب کی دوا نسوانی واقعی تیر بہدف دوا ہے۔ میں نے اپنی اہلیہ
کو استعمال کرایا جس سے حیرت انگیز فائدہ ہوا۔ براہ نوازش
۳ شیشی نسوانی اور روانہ فرمایئے۔ مشکور ہونگا۔
(فرمائش لکھتے وقت "سہیل" کا حوالہ دیجئے)
ملنے کا پتہ: ایس۔ اے۔ بی بخشی کمپنی۔ ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ
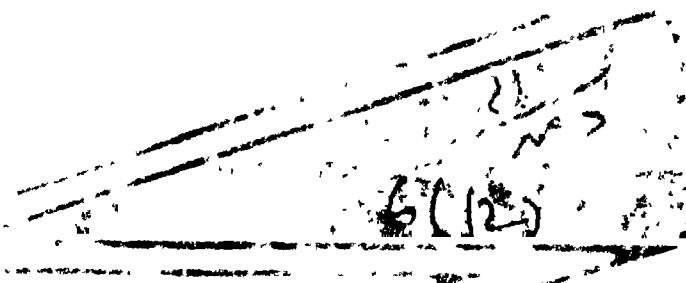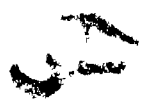
قواعد و ضوابط رسالہ سہیل گیا

۱۔ رسالہ سہیل ہر انگریزی مہینہ کی ۵ تاریخ کو پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔
۲۔ سہیل میں وہ مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں جو معیارِ ادب پر پورے اترتے ہیں۔ ناقابلِ اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے
۳۔ سہیل کی سالانہ قیمت مبلغ ۲ روپے، ششماہی ۱۲؍ فی پرچہ ۴؍ نمونہ کا پرچہ ۴؍ کے ٹکٹ آنے پر ارسال کیا جاتا ہے۔
۴۔ سہیل میں کم از کم ۴۸ صفحات کے مضامین ہر ماہ شائع ہوتے ہیں۔
۵۔ جواب طلب امور کیلئے ٹکٹ کا آنا ضروری ہے ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔
۶۔ رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر مہینہ کی ۵ تاریخ تک آنے پر دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

اشاعتِ اردو کی ایک نادر اسکیم

سلسلہ اردو لائبریری

جس کی سرپرستی اردو کے سب سے بڑے محسن

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

نے ان الفاظ کے ساتھ قبول فرمائی

آپ نے جو سلسلہ اردو لائبریری کا قائم کیا ہے اور جن اصول پر آپ اسے چلانا چاہتے ہیں وہ اردو زبان نیز ملک کے حق میں نہایت مفید ہوگا۔ اور میں سے بہت سی ملکی و قومی خدمت خیال کرتا ہوں۔ اس معاملہ میں میری پوری ہمدردی آپ کے ساتھ ہے

اس سلسلے کی پہلی کتاب

ہماری زبان

از ڈاکٹر مولوی عبدالحق

تفصیل کیلئے ایک کارڈ لکھئے

نیا سنسار (کتاب گھر) بانکی پور پٹنہ

منظور شدہ محکمۂ تعلیمات صوبۂ ممالک متحدہ ... مورخہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء

رسالہ سہیل گیا

ادارہ
عارف سنسہاوی
قیصر عثمانی

پروپرائٹر
محمد زین العابدین احمد
سنسہاوی

سرپرست: جناب مولوی حافظ محمد عبدالرحمن صاحب بسمل سنسہاوی

نمبر ۱۲ | دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء مطابق ذیقعدۃ المعظم سنہ ۱۳۶۰ھ | جلد ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سال رواں اپنی آخری ہچکیاں لے رہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ ہمیشہ کیلئے دم توڑ کر ہم سے جدا ہو جائیگا۔ ہمیں اسکے جدا ہونے کا قطعی افسوس نہیں۔ کیونکہ یہ سال دنیا کیلئے بہت ہی خونریز ثابت ہوا۔ کتنے ملکوں کی آزادی چھین گئی۔ وہاں کے باشندے غلام بنائے گئے۔ اورانہیں طرح طرح کی مصیبتیں جھیلنی پڑ رہی ہیں۔ اور ملکوں کی طرح ہندوستان بھی اس کے دستبرد سے نہ بچ سکا۔ سب سے زیادہ نقصان یہاں کی ادبی دنیا نے اٹھایا۔ بہت سے اخبار اور رسالے بند ہوئے۔ چوٹی کے ادبا اور شعرا ہم سے جدا ہو گئے۔ احسن مارہروی عظیم بیگ چغتائی۔ رابندر ناتھ ٹیگور۔ فانی بدایونی۔ آرزو جلیلی سے کون واقف نہیں۔ کچھ دن پہلے ادبی دنیا میں ان سے دھوم مچی ہوئی تھی۔ لیکن آج ہم ان کا ماتم کر رہے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ مگر اب ہم انہیں نہیں پا سکتے کیونکہ سال رواں ان پر اپنا خونی نقاب ڈال چکا ہے۔ اور اب موت اس پر اپنا نقاب ڈالنے والی ہے

مقالہ نواب غلام حسین خاں اور انکی کتاب کا پایہ کی دو قسط سہیل کے دو گذشتہ نمبروں (ستمبر و اکتوبر اور نومبر) میں چھپ چکی ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ کافی احتیاط کے باوجود بھی اسمیں کتابت کی چند غلطیاں رہ گئیں۔ قارئین اسکی مندرجہ ذیل تصحیح فرمالیں۔

سہیل ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۱ء

نمبر	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۳۸	۲	بلکہ سابقہ غیر ذمہ دارانہ	بلکہ ساتھ غیر ذمہ دارانہ
۲	۳۸	۲۰	انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت سے واقعات اسکے بالکل صداقت اور حقیقت پر مبنی ہیں اسلئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب غیر مستند ہے۔	انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کتاب سرے سے غیر مستند ہے
۳	۳۹	۱۳	اقتباسات اخذ نہ کئے ہوں	...... اخذ کئے ہوں

سہیل نومبر ۱۹۴۱ء

نمبر	صفحہ	سطر	صحیح	غلط
۱	۴۲	۲	خود اپنی جگہ پر	خود اپنی پر
۲	۴۲	نوٹ ۱	معنی میں کتنا فرق پیدا ہو جاتا ہے	معنی میں کیا فرق پیدا ہو جاتا ہے
۳	۴۳	۲۸	ذلیل کر کے طعنہ دیا ہے	...... طعنہ دیا ہے۔
۴	۴۴	۱۰	معزول ہونے کی خبر	مستعفی ہونے کی خبر
۵	۴۴	۱۸	[illegible]	بجا لانیکو تیار ہوں راجہ رام نرائن کیساتھ
۶	[illegible]	۱	[illegible] یا کبھی ...	صرف فکر ہی فکر کرتا یا کبھی ...

عہد

اے وطن کی سرزمیں کتنی نشاط افزا ہے تو
کس قدر مرغوب ہے تیری بہارِ رنگ و بو

تیری ہر موجِ ہوا کتنی طرب انگیز ہے
تیری نازک گود میں ہستی تبسم ریز ہے

دفن ہیں مٹی میں تیری رہبرانِ نامور
حریت کے دیوتا، تہذیب کے پیغام بر

روحِ آزادی کے شیدائی وہ مردانِ جواں
دشمنِ جہل و غلامی قومیت کے پاسباں

موت خود جنکی نگہبانی پہ کرتی تھی غرور
جنکی خودداری کی پھیلی حکمرانی دور دور

تیرے ہر ذرے میں گویا اک جہاں آباد ہے
کیا تجھے وہ داستانِ عہدِ ماضی یاد ہے؟

جب سرور و کیف سے آباد تھی تیری فضا
اور ستمِ اغیار سے آزاد تھی تیری ہوا

جب تری کالی گھٹا وجہِ حیاتِ عیش تھی
ہم کنارِ کیف و مستی تھی بہارِ زندگی

تیری ندیوں کے رسیلے گیت کا حسنِ اثر
آج تک باقی ہے تاروں کی جبینِ ناز پر

کس قدر ہمت شکن اب تیرا حالِ زار ہے
تیری گردن پر غلامی کی اُپلی تلوار ہے

فطرتاً ہو جاتا ہے لیکن دوائے خوش اثر
درد جب اپنی معین حد سے جاتا ہے گزر

روحِ فطرت کی قسم جوشِ شرافت کی قسم
باغِ جنت کے شہیدوں کی شجاعت کی قسم

جنگلوں میں گیت گاتے آبشاروں کی قسم
روئے گردوں پر چمکتے ماہ پاروں کی قسم

اب تو دم لیں گے بجھا کر ہم غلامی کا چراغ
دھوئیں گے خونِ جگر سے تیری پیشانی کا داغ

زندگی ہاتھوں میں لیکر باندھ کر سر سے کفن
عہد کرتا ہوں کہ مر جاؤنگا تجھ پر اے وطن

جمیل مظہری

ابن یمین

(۵)

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

امیر محمود ابن یمین سربداران (سربدالان) کے متوسلین میں سے تھے۔ آپ کے ہمعصر شعراء خواجہ کرمانی، کمال خجند، مغربی، حافظ شیرازی اور سلمان ساوجی بہت مشہور ہیں۔

آپکے نام و تاریخ پیدائش و وفات میں تذکرہ نگاروں کو اختلاف ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ تاریخ میں ابن یمین کے نام سے مشہور ہیں۔ آپکے والد امیر یمین الدین (یمین الدولہ) ترکستان کے باشندہ تھے۔ اور ایک صاحب فضل اور معقول پسند شاعر تھے۔ آپ یمین الدولہ ترکستان سے سلطان محمد خدابندہ کے عہد میں خراسان آئے اور ملک فرومد میں مقیم ہو گئے۔ اور اپنے گذارے کے لئے تھوڑی بہت جائداد خرید لی ——

—— ابن یمین ۶۸۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت میں آپ نے اپنے والد بزرگوار کی شاگردی کی۔ اور انہیں سے فن شعر بھی حاصل کیا۔ آپ نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں شعر و شاعری میں کافی استعداد حاصل کر لی تھی۔ علاوہ شعر و سخن کے آپ نے دوسری زبان کے لٹریچر (ادب) پر بھی کافی دستگاہ حاصل کی تھی۔ عربی و ترکی لٹریچر پر بھی آپ کو کافی سے زیادہ عبور حاصل تھا۔

جب آپ ۲۷ سال کے تھے آپکے والد بزرگوار اس دارِ فانی سے کوچ کر کے واصلِ ملک بقا ہوئے۔ آپ نے علاءالدین (فرمانروائے وقت) کی شان میں ایک بہت ہی شاندار لیکن لغویات سے پاک قصیدہ لکھا ہے۔ جس میں آپ نے ممدوح کی ہمت و استقلال، مردانہ اولوالعزمی، انسیت اور ہمدردی پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے اس قصیدہ میں ان پری تمثال لڑکیوں کی بھی خوب تعریف کی ہے۔ جنہوں نے ممدوح کی ایجاد کئے ہوئے شفاخانے میں نرس کا کام انجام دیا تھا۔

ابن یمین کا دورِ شباب بھی تاریخی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ آپ شباب کی اولین منزل طے کر رہے تھے سلطان ابوسعید کا انتقال ہوا۔ اور ایران میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ یہ زمانہ بہ لحاظ فائنٹ سال ۷۳۶ھ تھا۔ اسی سال ایران میں تیمور بھی پیدا ہوا۔

ابن یمین اپنے زمانہ کے بہادر سپاہی بھی تھے۔ اور ساتھ ہی ایک شہرۂ آفاق شاعر بھی ——— یعنی آپ بہ ایک وقت یکتائے علم و ادب بھی تھے اور بساط سیاست کے شاطر بھی۔ آپ نہ صرف صاحب قلم بلکہ بڑی حد تک صاحب سیف بھی تھے۔ ۷۴۳ھ میں جب امیر مسعود سربدار نے ہرات پر فوج کشی کی تو آپ بھی جنگ میں شریک تھے۔ ایک بہادر اور جنگجو سپاہی کی طرح اسوقت تک ڈٹے رہے جبتک آپکی ساری فوج شکست کھا کر بھاگ نہ گئی۔

اب یہاں سے آپ کا دور تصوف اور پند و نصائح کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ جب آپ اپنی عمر کی ترسٹھویں منزل پر پہونچے تو آپ نے خود بخود محسوس کیا کہ دنیا سراب ہے اور یہاں کی ساری لذتیں فانی ہیں۔ یہاں کسی شئے کو بھی ثبات نہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ دنیا گھر ہے ہزاروں جھگڑے اور مضمون کا۔ اور یہ سبق آپنے سپاہیانہ زندگی سے حاصل کی۔ آپ نے ہزاروں ملک برباد اور ہزاروں صحرا آباد ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے بہت سی سلطنتوں کا عروج بھی دیکھا۔ ہبوط بھی۔ آپ نے بہتوں

کا کمال بھی دیکھا۔ اور زوال بھی۔ اسی طرح روزمرہ کی خونریزیوں خانہ جنگیوں اور ہنگاموں سے دنیا کو بھرا پایا۔ انہیں جذبات کے ماتحت آپ نے دنیا سے منہ موڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور درباروں سے اپنے تعلقات منقطع کر لیئے۔ اور فقر و قناعت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ جسکا نقشہ آپ اپنے اس مشہور قطعہ میں چھوڑ گئے ہیں۔

قطعہ

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو — دو تای جامہ اگر کہنہ است یا از نو

دو ٹکڑے روٹی کے خواہ گیہوں کی ہوں یا جو کی، دو جوڑے کپڑے نئے ہوں یا پرانے

چہار گوشہ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو

اپنے گھر کا سکون ——— جہاں کوئی نہ کہہ سکے یہاں سے اٹھ وہاں جا

ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو . . . .

ابن یمین کے نزدیک قباد و خسرو کی سلطنت سے یہ ہزار بار بہتر ہے۔

یہ قطعہ صرف لفظی نہیں، بلکہ آپ نے اسے عملی جامہ بھی پہنا کر دکھا دیا۔ اسی طرح آپ کے اکثر و بیشتر مشاہدات و نصائح عملی جامہ پہنے ہوئے سامنے ہیں جنکا ذکر آگے ہوگا۔

یہ میں قبل ہی ذکر کر چکا ہوں کہ آپ درباروں سے اپنے تعلقات چھیر کر سادگی اور عاجزی کی زندگی گذارنے لگے تھے۔ آپ کے اس فقر و قناعت کا واحد ذریعہ زراعت تھی۔ تھوڑی سی زمین جو آپ کے قبضہ میں تھی آپ خود ہی اسکی کاشت کرتے اور اسکی پیداوار سے اپنے خورد و نوش کا سامان بہم پہونچاتے۔ نیرنگئ فطرت کے آپ پرستار تھے۔ محنت و مشقت سے روزی حاصل کرنے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ زراعت آپ خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اپنے شیریں کلام کے ذریعہ زراعت کرنے کا سبق اور اس کے فوائد بتاتے۔ اس ماحول میں رہتے ہوئے بھی آپ نے شاعری کا دامن نہ چھوڑا۔ ہاں، اتنا ضرور کہونگا کہ اب ان کی شاعری کے ساز پر گل و بلبل کے ترانے نہ تھے۔ برعکس اس کے۔ آپ کے اکثر و بیشتر قطعات فلسفہ اور تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ آپ کی شاعری میں عمر خیام کی شاعری کا پرتو نمایاں ہے۔ اب میں اپنے مضمون کو زیادہ طول دیکر ناظرین کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ ہاں مگر اتنا وقت ضرور چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا بیانات کے ثبوت میں شاعر موصوف کے چند قطعات و رباعیات آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔

قطعات و رباعیات

1 It is a curse to think over the past and worry for the future.

وقت را دان کہ در آن و غنیمت شمرش — زانکہ از پیش تو آنہم گذران است چو باد

زمانہ تو بس حال ہے، اسکو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھی تیرے سامنے سے گذرا چلا جا رہا ہے۔

گر بدین نکتہ کہ گفت یمین، کار کنی — نکند دہر تو زمانے کہ نباشی دل شاد

اگر تو یمین کے اس نکتہ پر عمل کرے، تو تجھ پر کوئی ایسا وقت نہ آسکے کہ تجھے غم کھانا پڑے

2 If you do aspire to gain Success in every afairs nely upon God.

خواہی کہ خدا کار نکو با تو کند ارواح و ملائک ہمہ رو با تو کند

اگر تو چاہتا ہے کہ خدا تیرا سب کام بناتا رہے اور عالم بالا تجھ پر مہربان رہے

یا ہر چہ رضائے او در آں است بکن یا راضی شو ہر آنچہ او با تو کند

تو یا تو اپنا ہر کام خدا کے حکم کے مطابق کر یا خدا کے ہر حکم پر سر اطاعت خم کر

The world is a fleeting show, do not entangle yourself, but estimate the value of time.

باخبر باش کہ دنیا گذراں است اے دل خیز کہ ایں خوابگہ بیخبراں است اے دل

ہوشیار رہ کہ دنیا آنی جانی ہے۔ اور اٹھ کہ یہ جگہ غافلوں کی خواب گاہ ہے۔

ہر ایک دانہ برگ بنفشہ کہ دمد از دل خاک خال مشکیں رخ سیمبراں است اے دل

بنفشہ کا جو پتہ مٹی سے اگتا ہے شاید وہ کسی خوبرو کے عارض مشکیں کا حسین تل ہے جو مرنے کے بعد مٹی میں مل کر سبزہ ہو چکا ہے

وقت دریاب کہ بس کاسۂ سرہائے ملوک نقش در کوزۂ گر کوزہ گراں است اے دل

وقت کی قدر کرو کیونکہ سینکڑوں شاہان وقت کی کھوپڑیاں کمہار کی بھٹی میں جو تکی جا چکی ہیں۔

Nothing can hide the reality and truth.

دوں نوازی مکن کہ می نشود در ضیا ہیچ ذرہ چوں خورشید

کمینوں اور کم اصلوں کو نوازنا چھوڑ دے (اور ان سے کوئی توقع نہ رکھو) کہ سورج کی روشنی سے ذرہ سورج نہیں بن سکتا۔

بید را گر ز بپرورند چوں عود بر نیاید نسیم عود از بید

بید کے درخت کی اگر عود کی طرح حفاظت کی جائے تب بھی اسمیں سے عود کی سی خوشبو نہیں آ سکتی

زانکہ ہرگز بجہد نتواں ساخت زاغ سیاہ باز سفید

اس لئے کہ کتنی کوشش کی جائے سیاہ کوّے کو سفید باز نہیں بنا سکتے

Rise and fall, wealth and poverty, honour and disgrace — every thing occurs with the command of God the Almighty.

ای دل اگر زمانہ صد غم نشاند اوست بنشیں و صبر کن کہ صبوری دوائے اوست

اے دل اگر تجھے زمانہ نے سینکڑوں غم پہنچائے ہیں، تب بھی صبر سے کام لے کہ اسکا علاج صرف صبر ہی ہے

با جور روزگار نشاید ستیزہ کرد آں کس کہ کرد ایں مثل خویش برائے اوست

زمانہ کیساتھ لڑنا نہ چاہیئے اگر تو ایسا کرے گا تو تیری مثال یہ ہے۔

بلبیل زندہ پیشہ جو پہلو ہمی زند ... گر جاں بباد بر دہد الحق سزائے اوست

کہ زندہ ہاتھی کے ساتھ اگر مچھر لڑنے لگے تو یقیناً اسکو جان سے ہاتھ دھونا پڑے

کز کار نیک و بد نشو دست و مضطرب واندکہ ہر چہ ہست بحکم خدائے اوست

نیک و بد سے پریشان نہ ہو، یہ سمجھ کر جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے

Donot stretch your hands — the dignity of rank and dignity will remain thine

بر ہر کہ عطا پاشی باشی تو امیر او — ور ہر کہ عطا جوئی گشتی تو اسیر او

تو جس کسی پر احسان کریگا اس کا سردار بن جائے گا، اور اگر کسی کا احسان لے گا تو اسیر ہو جائے گا۔

وانکس کہ نیاز خود بردی نکنی عرضہ — گر شاہ جہاں باشد باشی تو نظیر او

اگر تو اپنی حاجت کسی کے نزدیک پیش نہ کرے تو پھر تو روئے زمین کے بادشاہ کے برابر ہے۔

گر ترا گنج سیم و زر باید — من بگویم کہ چیست تدبیرش

اگر تو سونے چاندی کا خزانہ چاہتا ہے تو میں تجھے بتاؤں

دہقنت پیشہ گیر و قانع شو — تا ببینی کہ چیست تاثیرش

کھیتی باڑی کر اور خدا پر قانع رہ پھر دیکھ اس کی برکتیں۔

To earn fortune by dint of tillage is worth thine to stand before the Emperor with hands folded.

از قسمت چو از خزانہ خالق مقدر است — دون ہمتی بود ز در خلق خواستن

جب تیرا رزق خدا کی طرف سے مقرر ہے، تو پھر اس کے لئے در در پھرنا پست ہمتی ہے۔

بنشیں بہ عزت از پی کاری و صبر کن — تا پیش کس نبایدت ز پائے خاستن

عزت سے ایک جگہ بیٹھو اور صبر سے کام لے تاکہ تجھے کسی کے سامنے کھڑا ہونا پڑے

رہ معنی بپر کہ در صورت بہم مانند دو نئے — از یکے ریزد شکر واں یک زہر بوریاست

حقیقت کو پانے کی کوشش کرو ورنہ یوں دیکھنے میں تو بانس اور گنے دونوں کی شکلیں مشابہ ہیں لیکن ایک سے شکر نکلتی ہے اور دوسرے سے صرف چٹائی تیار ہوتی ہے۔

آپکا انتقال ۸ جمادی الثانی ۷۴۵ھ کو ہوا۔ مرتے وقت کا سماں قابل نظارہ تھا۔ یکطرف تو آپ جا نماز پر بیٹھے ہوئے مصروف تسبیح وتہلیل ہیں۔ اور ایک طرف اپنے معشوق حقیقی کے قاصد سے (فرشتۂ اجل) اشارے کنارے کر رہے ہیں اور سخت بے چینی کے ساتھ وصل کی مسرتوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ مرتے وقت جا نماز پر بیٹھے بیٹھے آپ نے یہ رباعی لکھی ؎

منگر کہ دل ابن یمین پر خون شد — بنگر کہ ازیں سرائے فانی چون شد

یہ نہ دیکھ ابن یمین کا دل خون آلود ہے بلکہ یہ دیکھو وہ اس جہاں سے کیسے رخصت ہوا۔

مصحف بکف و چشم برہ روئے بدوست — با پیک اجل غمزہ زناں بیروں شد

وہ اسطرح رخصت ہوا کہ اسکے ہاتھ میں قرآن تھا۔ آنکھیں جمال یار کی منتظر تھیں۔ اور موت کے فرشتہ سے اشارے کنائے کر رہا تھا۔

انیس الرحمن

سہیل میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

ایک خستہ حال شاعر سے

گفتگو تیری سنی اک شاعرِ خوشحال سے
مجھ کو کیوں شک ہے غمِ مزدور کے اظہار پر
کیا کوئی تحدید ہے انسان کے جذبات پر
شاعری کیا ہے فقط جذبات کا اظہار ہے
کہتے ہیں شاعر جسے ہے دردِ انساں کا امیں
شمع پہ پروانوں کا جلنا سکھاتا ہے یہی
درسِ ہمدردی یہی دیتا ہے خاص و عام کو
اُس نے ہی تعلیم دی صبر و قناعت کی ہمیں
فارغ البالی کے معنی اُس نے سکھلائے ہیں
یہ بچاتا ہے جہاں کو گردشِ ایام سے
اُس کے منہ سے بات جو نکلے وہی الہام ہے
ہے وہ تلمیذ الٰہی یہ ہے اُس کا مرتبہ
درد مندوں سے ابھی خالی نہیں ہے یہ جہاں
کون دنیا میں نہیں آلامِ دنیا کا شکار
کیا نہیں غم آشنا اس دہر میں شاہ و گدا
قیمتی کپڑے پہننے والوں کو کیا غم نہیں؟
جیب میں سکے ہوں جسکے اُس کو غم کوئی نہیں؟
تو سمجھتا ہے کہ ہے شاعر فقط معجز بیاں
یہ جو کچھ کہتا ہے بیکار اور بے تاثیر ہے
وہ ہے ایسا پھول جس میں مطلقاً خوشبو نہیں
درد سے جو بھی نہ جسکے دل میں وہ شاعر نہیں
تا ہم مشفق ہے شاعر واعظ کامل بھی ہے
شاعر وقت [illegible]
اس سے پو[illegible]

کس نتیجہ پر تو پہنچا اپنی قیل و قال سے
آج میں تنقید کرتا ہوں ترے افکار پر
کیا کسی ناظم کا ٹھیکہ بھی ہے احساسات پر
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے
اُس کا دل ہے جذبۂ ہر فردِ انساں کا امیں
خاک سے پروانوں کی شمعیں بناتا ہے کہیں
یہ سمجھتا ہے مزاجِ گردشِ ایام کو
ہے تمیز اُس کے ہی دم سے آدمیت کی بہار
مفلسی کے راز کیا کیا اُس نے بتلائے ہیں
نطق کی عزت ہے باقی آج اُسکے نام پر
اس کی ساری گفتگو اللہ کا پیغام ہے
اُس کو کیا سمجھے ہے جس کی عقل پر پردا پڑا
اور اس کا ترجماں ہے شاعرِ شیریں بیاں
کون رنج و غم سے دنیا میں نہیں ہوتا دوچار
کیا تکالیفِ جہاں سے ہے کوئی اب تک بچا
صاف ستھرے رہنے والوں کیلئے ماتم نہیں؟
چین سے رہتا ہو جو اُسکو الم کوئی نہیں؟
اِس کے دل میں قوم کا مطلق نہیں ہے [illegible]
اِس کے ترکش میں نہ پیکاں ہے نہ کوئی تیر ہے
ہے وہ کب گلشن کہ جس گلشن میں رنگ و بو نہیں
بے اثر شیریں زباں بھی ہے کوئی شاعر کہیں
[illegible] منزل بھی ہے شاعر [illegible]
[illegible]

معرکے کتنے لڑے فردوسیؔ فوشِ فکر نے | ہضم آخر کر لئے حافظؔ نے کتنے میکدے
ہاں بتائے کس قدر پی تھی عمرِ خیامؔ نے | کتنا گرویدہ بنایا سب کو اُسکے نام نے
دردؔ نے چھیڑی تصوف کی جو رنگیں داستاں | کھُل گئے سب اُس پہ اسرارِ زمین و آسماں
فلسفہ کے راز سمجھا غالبؔ معجز بیاں | جانتی ہے اس لئے دنیا اُسے شیریں زباں
ہستی شاعر کسی کے واسطے ہے اک بلا | اور اسی شاعر کی ہستی ہے کسی کی ناخدا
درد اس کے دل میں تھا ہمدرد کہلانے لگا | ہر کس و ناکس سے یہ عز و شرف پانے لگا
مختصر یہ ہے کہ کہتے ہیں سبھی اہلِ نظر | شاعروں کے عیب میں بھی ہیں نہاں سو سو ہنر
اک طرف تعریف خوشحالوں کی کرتا ہے اگر | دوسری جانب یہ ہے خستہ دلوں پر نوحہ گر

مل گیا اب تو تجھے تیرے سوالوں کا جواب
سُن کہ شاعر آپ ہی اپنے کمالوں کا جواب

اے۔ بی فلپس صابر سیمابی

میں آؤنگا

تری ہر صبح میں صبحِ گلستاں بنکے آؤنگا
تری ہر شام میں شامِ فروزاں بنکے آؤنگا
حریمِ حسن میں شمعِ شبستاں بنکے آؤنگا
تری آنکھوں میں میں خوابِ پریشاں بنکے آؤنگا
میں آؤنگا میں آؤنگا، میں آؤنگا میں آؤنگا

میں آؤنگا پیامِ دردِ دل آہ و فغاں لے کر
فراقِ حسن کی آؤنگا رنگیں داستاں لیکر
میں آؤں دردِ دل داغِ جگر کو ارمغاں لیکر
میں آؤنگا تمناؤں کا اک سیلِ رواں ہوکر
میں آؤنگا، میں آؤنگا، میں آؤنگا میں آؤنگا

درِ جاناں پہ آؤنگا قسم ہے مجھ کو فطرت کی
نگاہِ شوق مضطر ہے قسم ہے حسنِ صورت کی
ہوں شامِ ہجر سے عاجز قسم ہے تیری الفت کی
قسم تیری محبت کی، قسم تیری محبت کی
میں آؤنگا میں آؤنگا، میں آؤنگا میں آؤنگا

آنسہ خورشید جہاں مینا

ادھوری کہانی

میں کہانیاں لکھتا ہوں اور یہ سب کہانیاں پرچوں میں چھپتی ہیں جب سے اکرام نے یہ سنا ہے اپنی ایک کہانی لکھ دینے کیلئے نہ معلوم کتنی بار مجھ سے کہا ہوگا۔ اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی کے پیراہن کا ایک ایک بند میرے سامنے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ لیکن ان سب کو مفصل اور واضح طور پر افسانے میں کیسے بیان کروں ——— یہ میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔

اکرام مقامی ڈاکخانہ میں پوسٹ ماسٹر ہے۔ ایکبار میں نے اسکی کہانی کو اسطرح سے شروع کیا تھا ———

"اکرام کی زندگی کی ناؤ بری طرح آفات و مصائب میں پھنسی ہے۔ لیکن خیر سے وہ تعلیمیافتہ ہے جو اپنی خودداری اور پوزیشن کو اجلے کپڑوں میں چھپائے پھرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسکا سارا بھرم کھل جائے۔ اور سماج پرست دنیا میں اسکا راہ چلنا دوبھر ہو جائے۔ بعض اوقات وہ اپنی مفلسی پر آنسو بہانے کے بدلے بوکھلا سا جاتا ہے ——— ٹھیک ایک پاگل کی طرح!"

یہیں تک سنکر اکرام ناراض ہو گیا۔ اور مجھے ہاتھ سے اشارہ کر کے روکتے ہوئے کہا۔

"بس کرو، میں تم سے کہانی لکھوانا نہیں چاہتا۔ جھوٹی باتیں بنا بنا کر تم لوگ کہانیاں کسطرح لکھتے ہو یہ میں جانتا ہوں۔"

"لیکن ———"

"جاؤ جی، اسوقت تنگ نہ کرو۔ میرا حساب غلط ہو جائیگا۔ جاؤ یہاں سے" اکرام نے بات کاٹ کر کہا۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو" میں نے کہا "کہانی ختم تو ہونے دو"

"ہاں، بہت سن لیا۔ اب بس کرو۔" اتنا کہہ کر اکرام نے قلم کو اپنے ناک کے اوپر رکھکر سیدھے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "جانتے ہو پاگل کسکو کہتے ہیں۔ پاگل تو نہیں لکھا ہے" میں نے کہا "ٹھیک پاگل کیطرح"

"وہ ایک ہی بات ہے۔ جانتے ہو پاگل کسکو کہتے ہیں؟ پاگل ہے تمہارے مڈل اسکول کا ماسٹر فرید۔ میں نے اسدن کہا "ماسٹر صاحب ذرا بیٹھ تو جاؤ۔ حقہ پی لو" اس نے کہا "نہیں، دوپہر ہو گئی ہے دورہ سے واپس آرہا ہوں۔ بیوی گھر میں اکیلی ہوگی۔" انہیں لوگوں کو پاگل کہتے ہیں۔ سمجھے؟" اتنا کہکر پھر اکرام نے کان پر سے قلم ہاتھ میں لیکر بکھرے ہوئے کاغذ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

اگر تم لوگ بغیر جھوٹی باتیں لکھے کہانی نہیں لکھ سکتے تو رہنے دو نہ لکھو میں جھوٹی باتیں پسند نہیں کرتا۔

اسدن سے میں نے اسکی کہانی میں اور کچھ نہیں لکھا

دھان کے کھیتوں پر سے دو میل چلکر ایک نہر پار کر کے گاؤں کے آخر میں آم کے درختوں کے نیچے اس چھوٹے سے ڈاکخانہ میں مجھے اکثر ہی جانا پڑتا تھا۔

ایک دن جا کر دیکھا کہ دروازہ بند کر کے ایک چٹائی پر بیٹھ کر اکرام حساب میں پریشان ہو رہا ہے۔ اسکے چاروں طرف کاغذات کا جیسے انبار لگا ہوا ہے۔ اڑ جانے کے ڈر سے کسی پر مٹی کا ڈھیلا کسی پر اینٹ کا ٹکڑا اور کسی کو پیروں کے نیچے دبا رکھا ہے۔ اور قلم کے ساتھ ساتھ زبان بھی چلا رہا ہے۔ جو کچھ منہ میں آرہا ہے بک رہا ہے اور قلم کو بار بار سر کو کھجاتا بھی جا رہا ہے۔

یہ دیکھکر میں اپنی ہنسی نہ روک سکتا تھا۔ مگر اس کے بگڑ جانے کی وجہ سے ہنسی روکنی ہی پڑی۔ کچھ دیر کے بعد میں نے کہا

"پوسٹ ماسٹر، دروازہ نہیں کھولیئے گا؟"

"نہیں کھولوں گا، جاؤ یہاں سے۔ آنے جانے کا کوئی وقت بھی تو ہونا چاہیئے۔" اکرام نے کاغذات پر نظریں جمائے ڈپٹ کر کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ کھس کھس کے سوا اور کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ کچھ دیر

کے بعد سوچا کہ ایکبار اور پکاردوں۔ لیکن پکارنے کی ضرورت ہی نہ ہوئی کھڑکی کھلتے ہی اکرام کو کمر پر ہاتھ رکھکر کھڑے دیکھا۔ آنکھیں ملتے ہی بول اٹھا۔

ساڑھے تیرہ آنے پیسے کا حساب نہیں مل رہا ہے۔ سمجھے۔ آنے دو پوسٹ مین کو۔ اسے نوکری سے علیٰحدہ نہیں کروادیا تو میرا نام اکرام نہیں"

اکرام کی یہ فضول بات سننے کیلئے میرے پاس وقت نہیں تھا پھر شام ہورہی تھی۔ اتنی دور اکیلا جانا تھا۔ یہ سوچکر میں نے کہا

"ایکبار دروازہ تو کھولو میں اپنی چٹھیاں دیکھکر چلا جاؤں گا۔"

اس بار معلوم نہیں کیوں بغیر کچھ کہے دروازہ کھول دیا۔ میں اندر چلا گیا۔ اسدن کی ڈاک کی چٹھیاں میز کے نیچے رکھی تھیں۔ اکرام نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہاں چٹھیاں ہیں۔ لیکن کسی دوسرے کی چٹھیاں نہ لے لینا۔

"میں کسی دوسرے کی چٹھیاں کیوں ہی لینے لگا۔ آج تک تو لی نہیں"

نہیں نہیں یہ بات نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر کتنی ہی مزیدار چٹھیاں رہتی ہیں۔ اگر کبھی کوئی لفافہ کھلا رہتا ہے تو میں پڑھ لیتا ہوں۔ پڑھنے کے بعد پھر بند کردیتا ہوں

"آج بھی پڑھی تھی کوئی چٹھی۔؟"

"ہاں آج ایک کھلی چٹھی مل گئی۔ میں نے ——"

"آج رہنے دو۔ تمہاری یہ بات کسی اور دن سن لونگا۔ میری صرف دو چٹھیاں آئی تھیں۔ انہیں لیکر میں نے اٹھتے ہوئے کہا جسپر اس نے برا مان کر کہا۔

ہاں جاؤ گے کیوں نہیں۔ اپنا کام تو پورا ہو گیا نا؟ اچھا جاؤ جی لیکن پان تو کھالو"

یہ کہکر اندر پہونچا ہی تھا کہ جھگڑنے کی آواز آئی —— میاں بیوی لڑرہے تھے۔ مگر کس بات پر جھگڑا ہورہا تھا باہر سے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اکرام بار بار اپنے کو ایماندار ثابت کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ اور بیوی کہہ رہی تھی کہ ایسی ایمانداری کا بھی کیا کہ شام کو چولھا نہ جلے۔

مجھے ان پر تعجب ہورہا تھا کہ آخر کیا ہوا جو آپس میں جھگڑنے لگے۔ بہت کچھ سوچا مگر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو آخر اکرام کو پکارا۔

"پوسٹ ماسٹر صاحب رہنے دو اس وقت پان نہیں کھاؤنگا۔

دونوں کا جھگڑا اسی وقت بند ہو گیا۔ اور دوسرے لمحہ میں اکرام دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اور آتے ہی مجھ سے کہا

"تم نے تو ہم لوگوں کا جھگڑا سنا ہی ہوگا۔؟

"ہاں سنا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آسکا"

"سمجھ نہیں سکے؟ تو پھر تم کہانیاں کیا لکھتے ہو۔ یہ تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے وہ مجھ سے روز ایسے ہی جھگڑتی رہتی ہے۔ اگر میرا بس چلے تو میں اس چڑیل کا منہ جلا دوں۔

"بہت اچھا" اکرام کی بیوی کی آواز آئی۔ منہ تو جلا ہی دوگے۔ کتنا نیک شوہر ہے میرا۔

"وہ سنو" اکرام نے انگلی سے ادھر اشارہ کرتے ہوئے کہا" سنا؟

"ہاں سنا لیکن بات کیا ہے۔؟

تم بات دریافت کرنا چاہتے ہو" اکرام کہنے لگا۔ اصل بات یہ ہے کہ آج ایک لفافہ ایسا ملا جو اچھی طرح بند نہیں تھا۔ میں نے اسے الگ رکھ دیا۔ اسی گاؤں کی وہ چٹھی تھی۔ یہاں کا انور خاں گیا کی میونسپلٹی میں منشی ہے اسی نے اپنی بیوی کو خط لکھا تھا —— اسکی بیوی کی عمر انور خاں سے کہیں کم ہے۔ بس یوں سمجھو کہ ابھی جوان ہورہی ہے۔ میں نے سوچا دیکھوں کیا لکھا ہے۔ کیا بتاؤں بس یوں سمجھو محبت کے سارے الفاظ ایک جگہ جمع کردئے گئے تھے۔ ہر سطر محبت سے لبریز اور ہر جملہ پیار میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ ازدواجی زندگی میں محبت ہی محبت ہے۔ رومان ہی رومان۔ اس نے کیسے مزے سے خط لکھا تھا۔ مگر میں —— میں بیوی کو کبھی ایسا خط نہ لکھ سکا۔ کیا لکھوں جب سے اس سے شادی کی ہے میری زندگی بیکار ہو گئی ہے۔ یہ جیسی بدصورت ہے ویسی ہی اس کے انداز بھی ہیں۔ ایک دن کہتی تھی میری بدقسمتی تھا اگر اس ڈاکخانہ کے پوسٹ ماسٹر کے ساتھ شادی نہیں

ہوئی تو میری زندگی طویل ہو جاتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہی سمجھ رکھا ہے تو جہاں جی چاہے چلی جائے۔ جس سے مرضی ہو شادی کر لے۔ لیکن وہ اس کے باوجود نہیں جاتی۔ کہتی ہے کہ ہاں ہاں کیوں چلی جاؤں۔ عورت کے جانے کا کوئی راستہ بھی ہے۔؟ ہم تو مرتے دم تک یہیں رہیں گی ——— [illegible] اس طرح وہ مجھ سے بات کرتی ہے۔ خیر ——— سنو اب اصل بات صفیہ! اکرام نے باہر ادھر ادھر دیکھا [illegible] کہنا شروع کیا۔ صفیہ کے اندر ایک دس روپیہ کا نوٹ بھی تھا۔ سوچا نوٹ غائب کر دوں۔ کون مجھ پر شبہ کرے گا۔ اسوقت ذرا تنگی ہے۔ واقعی یقین کرو ان دنوں فاقے ہو رہے ہیں [illegible] روپیہ تنخواہ [illegible] اس میں سے دس روپے کو پڑھنے کے لئے دیتا ہوں۔ پانچ اماں کو بھیجتا ہوں۔ باقی بچے چند۔ وہ اسمیں کتنے دن گذر سکتے ہیں۔ یہی کچھ سوچ کر خیال آیا کہ نوٹ رکھ لوں۔ پھر ایسی بے ایمانی کرتے دل نہ چاہا اور میں نے لفافہ سالم کرا کے بھجوا دیا۔ وہ پھر کو [illegible] کھانے کے لئے گیا۔ بیوی کی آنکھوں میں محبت [illegible] اور وہ اسوقت ذرا دلچسپ معلوم ہوئی۔ میں نے یہ سارا واقعہ سنا دیا۔

"پھر [illegible] کہا" میں نے دریافت کیا۔

"پھر تم کہانی کیا لکھتے ہو۔ کیسے افسانہ نگار ہو تم؟" اکرام نے [illegible] ہوئے کہا "سنو اس نے کہا روپیہ کیوں نہیں لے لیا۔ آج اگر [illegible] پیسے بھی نہیں تھے [illegible] اس کے بعد جھگڑا شروع ہو گیا۔ اسوقت میں یہاں لانے گیا وہ بھی [illegible] ایک بات [illegible] تو پڑی سمجھے"

"ہاں"

"تم کیا خاک سمجھو گے۔ کچھ بھی نہیں سمجھ سکے سمجھکر بھی کیا تم مجھے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کیلئے کہتے ہو؟"

"کیا کہوں؟"

"کہو کہ ایسی بیوی کو گھر سے نکال دو"

فوراً ہی مکان کے اندر سے سسکنے کی آواز آئی۔ جیسے کوئی کراہتی ہوئی زندگی لرز رہی ہو!

اکرام اٹھ کھڑا ہوا پھر ادھر ادھر نظریں گھما کر کہا

"چلو۔ چوبیس گھنٹے یہ جو بچلے کہاں تک برداشت کروں۔ چلو تمہیں کچھ دور چھوڑ آؤں۔"

اسوقت سورج افق مغرب میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی کرنیں ٹیلوں کی چوٹیوں پر لرز رہی تھیں۔ اور آسمان میں چند پرندے بڑی تیزی سے چکر لگا رہے تھے۔ سامنے ہرے ہرے کھیت دیہات کا حسین منظر پیش کر رہے تھے۔ پھلوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی درختوں کی شاخیں جھوم رہی تھیں۔ اور اس کے پتے تالیاں بجا رہے تھے دور کھیتوں میں بیل ہانکتے ہوئے کوئی گا رہا تھا۔ "ساتھی جنم مرن کا تو" کھیتوں سے پرے ایک اور گیت تھا۔ اس [illegible] ایک گلی کسی دیہاتی منچلے نوجوان کی [illegible] مانگ کی طرح بل کھاتی ہوئی وہی راستہ ہمارے گاؤں کی طرف چلا گیا تھا۔ ہم لوگ کھیت پار کر کے اس گلی میں بھی آ گئے۔ مگر اکرام راستہ بھر خاموش رہا۔ میں نے کہا

"کیوں جھگڑے کے متعلق سوچ رہے ہو کیا؟"

"نہیں بھائی کہانی کے متعلق کچھ لکھا یا نہیں؟"

"نہیں" میں نے کہا "میں تمہاری کہانی نہیں لکھوں گا"

"کیوں نہیں لکھو گے؟ سچ تھوڑے ہی کہا ہے۔ میں نے تو جھوٹ بات لکھنے کیلئے منع کیا۔ ہاں لکھنا تو بیوی کے متعلق پہلے ہی لکھنا کہ اسکی طرح خراب عورت دنیا بھر میں نہیں ہے اور ——— تم سے کیا کہوں تم ہی آنکھوں سے تو سب دیکھ ہی آئے۔"

"اچھا اب تم جاؤ نہیں تو لوٹنے میں رات ہو جائیگی۔" میں نے اسکی بات کاٹ کر کہا۔

"اچھا" کہکر اکرام لوٹ جانے کو پیچھے مڑا۔ لیکن مڑتے مڑتے پھر کہا۔

"میں جا رہا ہوں لیکن لکھنا سمجھے!"

"اچھا خدا حافظ" کہکر میں تیز تیز قدم ڈالتا ہوا اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے اکرام کی کہانی لکھنے کی کوشش کی اور لکھا —

اکرام کی زندگی آنسوؤں کا ایک عمیق سمندر ہے جسکی سطح پر کبھی
لہریں اٹھتی ہیں۔ پہلے کبھی اس کی زندگی میں حقیقی مسرت کی لہریں دوڑتی
تھیں باپ نے بڑے شوق سے اسے انٹرمیڈیٹ تک پڑھایا۔ لیکن ترقیک
لیکر وہ چند ہی روز تک ملازمت کے لئے ویران و پریشان پھرتا رہا۔
باپ کا سایہ انہیں دنوں سر سے اٹھ گیا۔ اس نے ٹیوشن کا سہارا
لیا جس سے گذر اوقات کے نظام میں کچھ سہولت ہوئی۔ مگر یہ ٹیوشن
بھی زیادہ دن تک نہ چل سکی پھر سے روزگاری کے چکر میں پھنستا رہا
اس کی تمام امیدیں ختم ہو چکی تھیں ——— اس کی امیدوں
کے حسین محل کو تو خداوند ملازمت نے توڑ مروڑ کر چکنا چور کر دیا تھا۔
کچھ دنوں تک دنیا میں جینے کا سہارا ڈھونڈتا رہا آخر اسے جینے
کا سہارا مل گیا۔ ڈاکخانہ میں اسے کلرک کا کام ملا۔ اور پھر وہ اپنی مسلسل
محنت سے پوسٹ ماسٹر بن گیا۔

جینے کا جب سہارا مل گیا تو دور دراز کے رشتہ داروں نے
اسے سہارے کیلئے ایک اور سہارا دیدیا۔ اسکی شادی کر دی گئی۔ مگر
جسکی زندگی روتی ہوئی گذری ہو اسی روح کو اطمینان کہاں! شادی کے
بعد اس کی زندگی کو ایک دردناک لگا۔ اس کی زندگی اس کے لئے مسرت
آگیں نہ بن سکی۔ بیوی بدصورت تھی اور زبان دراز بھی تھی
اکرام خود بھی کہتا ہے

میری بیوی مجھ سے محبت نہیں کرتی اگر وہ محبت کرتی تو
میری زندگی کو روگ نہ لگتا۔ اور لڑائی بھی کبھی نہ ہوتی۔

مسلسل روحانی پریشانیوں اور الجھنوں نے اکرام کی صحت پر اثر
انداز ہونا شروع کر دیا۔

یہاں تک اکرام کی کہانی لکھ چکا تھا۔

کہانی کا مسودہ میں روز ڈاکخانہ لیکر جاتا تھا۔ سوچتا مزاج اچھا
رہے تو پڑھکر اکرام کو سنا دونگا۔ لیکن کسی دن بھی اسکا موقع نہ ملا جس
دن جاتا سنتا کہ وہ پریشان ہے۔ کوئی اسے بہت دق کر گیا ہے
دق کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ کسی نے پوسٹ کارڈ خریدے
پھر اگر پیسے واپس دینے میں دیر ہوئی تو وہ بگڑنے لگا۔ اکرام بھی اسے
مارنے کیلئے اٹھتا۔

گاؤں کا ہر شخص اس سے نالاں تھا۔ سب یہی کہتے کہ ایسا بدمزاج
پوسٹ ماسٹر ابتک یہاں نہیں آیا۔ بہت سے اس کے خلاف کئی درخواستیں
بھی اوپر بھیج چکے تھے۔

یہ سنکر مجھے بہت افسوس ہوا ایک دن اکرام سے کہا
"اکرام، ڈاکخانہ کے کام سے جو لوگ آئیں ان سے تم ایسا
سلوک نہ کیا کرو۔ اس سے تمہارا نقصان ہوگا"
"نقصان؟ کیا کہا نقصان" اتنا کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا
"نہیں کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکیگا۔ تم دیکھ لینا۔ میری
خلاف کتنی درخواستیں پڑ چکی ہیں۔ لیکن میرا کچھ نہیں ہوا"
"نہیں تمہارا خیال غلط ہے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے
اکرام سے کہا

"بری ہی بات تم کس طرح اپنے کو افسانہ نگار کہتے ہو؟"
"میں نے تو کچھ غلط نہیں کہا" میں نے کہا
"وہ میرا کیا نقصان کر سکتے ہیں۔ اگر خداوندگار ہے تو میرا کچھ
نہیں ہو سکتا۔ مجھے جو نقصان پہنچا رہی ہے وہ گھر میں موجود ہے
یہ تو میری زندگی کو ڈس رہی ہے"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ رہا۔ لیکن اکرام خاموش
نہیں رہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔ آسمان پر گھٹا جھوم جھوم کر
چھا رہی تھی۔ آج پھر بارش ہوگی۔ بارش ہونے لگی تو کیسے
جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں نے پوچھا
"میرے خطوط آئے ہیں؟"
"آج تمہارے نام کی بہت سی چٹھیاں ہیں"
مہینہ کا پہلا ہفتہ تھا۔ سب کے سب اڈیٹروں کے خطوط تھے۔
میں انہیں لیکر اٹھنے لگا۔ تو اکرام بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا
"بیٹھو بھی، کہاں تکلیف کرو گے"
"نہیں" اکرام نے کہا "چلو آج بھی کچھ دور چھوڑ آؤں۔ باتیں
کرنے کیلئے کوئی آدمی ملتا ہی نہیں ہے۔ جسے دیکھو وہ آپ ہی چڑا
بنا پھرتا ہے"
ہم دونوں ایک ساتھ ڈاکخانہ کے باہر آگئے۔ بیا ہر چند قدم

کے پاس دیکھا کہ ایک مچھلی والا سر پر ٹوکری لئے کھڑا تھا۔ مچھلی والے کو دیکھ کر اکرام کا چہرہ جیسے زرد پڑ گیا۔ اکرام نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا

"کون پھمنوا۔ تو آج بھی آ گیا" اور پھر دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہوا اکرام کچھ سوچنے لگا۔

"بت تیری کے جیب آؤ پیسے نہیں ہیں۔ پھر کیوں لانے کو کہو ہو؟"

ان دونوں کی مختصر گفتگو سے میں معاملہ کی تہ تک پہونچ گیا۔

اور اس سے پوچھا

"کیا لوگے؟"

پھمنوا کے قیمت کہنے سے پہلے ہی اکرام بول اٹھا

تم لوگ مچھلی بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ میری بیوی کو بہت پسند ہے۔ ایک ڈیڑھ مہینے سے وہ مجھے کہہ رہی ہے لیکن پھمنوا ایسے وقت آتا ہے جب پاس میں پیسے نہیں رہتے۔ اس مہینے میں یہ دوبار آیا لیکن پیسے نہیں رہے۔ قیمت؟ قیمت کیا چار آنے سیر دیگا۔

جیب سے ایک اٹھنی نکال کر پھمنوا کے ہاتھ میں دے کر میں نے کہا۔

"دو جگہ برابر تول دو"

پھمنوا نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اٹھنی کو ہاتھ بڑھا کر لے لیا۔

"ٹھیک سے تاڑ کے پتہ میں باندھ دینا" اکرام نے مچھلی والے کو کہا "بابو ہاتھ میں ٹنکا کر لے جائینگے۔"

پھمنوا مچھلی وزن کر کے تاڑ کا پتہ لانے گیا۔ اکرام نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دیکھ لی نا ہماری زندگی کیسی مفلسی میں بسر ہو رہی ہے۔ کبھی ہمارے بھی دن تھے۔ زندگی کی عشرت سامانیاں ہمیں میسر تھیں۔ جس چیز کی آرزو کرتا تھا۔ مجھے والد کی عنایت سے سب کچھ مل جاتی تھی۔ مگر اب آہ ــــ ــــ ــــ۔ اکرام نے یہ کہکر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور نہ جانے کیا سوچنے لگا۔

اسکی کہانی میری جیب میں تھی۔ سوچا ٹھیک وقت ہے جیب سے نکال کر کہا

تمہاری کہانی تھوڑی سی لکھی ہے سناؤں۔؟

منہ پر سے ہاتھ ہٹا کر اکرام نے کہا

"سناؤ"

میں پڑھنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد اس نے گردن ہلا کر کہا

"تم لوگ کہانی لکھنا نہیں جانتے"

"وہ کیسے؟"

"تم نے خود کبھی دکھ کی زندگی نہیں گزاری اس لئے تم دکھ کی باتیں نہیں لکھ سکتے۔ میں افسانہ نگار ہوتا تو اپنے غم پر سے پٹی ہٹا کر ایک ایک جھلک دکھا دیتا۔ خیر پڑھو آخر تک سن لوں۔" آخر تک سن کر وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھمنوا پر اسکی نظر پڑی جو اس وقت مچھلی وزن کر کے دو حصوں میں تقسیم کر رہا تھا۔

یہ کیا؟ دو حصہ کیوں کر رہا ہے؟

"کرنے دو" میں نے کہا۔ ایک تمہارے لئے اور ایک میرے لئے علیحدہ علیحدہ باندھ رہا ہے۔" اس وقت پھمنوا باندھنے لگا تھا۔

"واقعی تم بیوقوف ہو" اکرام نے کہا "نہ جانے تم کیسے افسانہ نگار بن بیٹھے۔ بتاؤ اب پیسے میں کہاں سے لاؤں۔ جو تھے وہ آج صبح چاول والے کو دیدیا۔"

"تمہیں پیسے نہیں دینے پڑینگے"

یہ سنکر اکرام نے غور سے میری طرف دیکھا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا

"صرف چار آنہ بھی میں خرچ نہیں کر سکتا۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔

پھمنوا دونوں حصہ مجھ کو دیکر چلا گیا۔ ایک حصہ میں نے اکرام کو دیا وہ لیکر اندر چلا گیا۔ میں اپنا حصہ لیکر آگے بڑھا۔ کچھ ہی دور آیا تھا کہ پیچھے سے پکارنے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو اکرام دوڑتا ہوا میری طرف

آرہا تھا۔ اتنی دور دوڑنے سے وہ پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ پاس آکر بولا

"بھاگ کیوں آئے؟"

"دیر جو ہو رہی تھی"

"ہو نے دو لیکن اسوقت پھر مثنب واپس چلنا ہو گا"

"کیوں؟"

"یونہی"

نہیں رات ہو جائیگی۔ آسمان پر گھٹا بھی چھا رہی ہے"

"نہیں چلنا ہی ہو گا" اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اکرام کے اصرار پر ناچار لوٹنا پڑا۔ ڈاکخانہ کے اندر پہونچتے ہی اکرام نے کہا

"ابھی آتا ہوں" اور یہ کہکر اکرام دروازے کا پردہ اٹھا کر اندر چلا گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے اندر مترنم قہقہے بلند ہو رہے ہیں تھوڑی دیر کے بعد اکرام رکابی میں شب برات کا کچھ حلوہ لیکر آیا۔ اور بولا "کچھ کھاؤ"

میں انکار نہیں کر سکا

وہ پھر اندر گیا اور چائے لے آیا۔ میں حیران تھا کہ آخر آج یہ کیا بات ہے۔ آتے جاتے دروازہ پر پڑا ہوا نیلے رنگ کا میلا پردہ تھوڑا سا اٹھ جاتا تھا۔ اتنی خاطر مدارات آخر کیوں؟ میں نے موٹے کپڑے کے پردے کو نظروں سے چاک کرنیکی کوشش کی مگر بے سود۔ اس دن اس پردے سے مجھے خاصی دلچسپی محسوس ہوئی۔ مگر اپنی اس کوشش کے بعد بھی میں کسی خاص چیز کو بے نقاب نہ کر سکا۔

اس درمیان میں ہم چائے پی چکے تھے۔ اکرام پان لینے کیلئے اٹھا۔ ابھی اس نے پردہ اٹھایا ہی تھا کہ اسکی بیوی پان لئے کھڑی نظر آئی۔ پردہ اٹھتے ہی اسکے ہونٹوں پر پرکار کا تبسم نمودار ہوا اور ہونٹوں کے دونوں کناروں تک آہستہ آہستہ پھیل گیا۔ وہ صرف حسین ہی نہیں بلکہ حسن کا شاہکار تھی۔ مصنوعی غازوں سے بے نیاز چہرہ، دبلے پتلے خدوخال، گورا رنگ، اداس اداس آنکھیں۔ مگر دلکش۔ پتلے پتلے ہونٹ مگر جاذب توجہ۔ تابدار پیشانی گو شکن سے بیگانہ۔ میں نے نگاہوں کو بار بار روکا۔ لیکن کمبخت اٹھتی ہی گئیں۔

اکرام پان لیکر آچکا تھا۔ چلتے وقت میری نگاہیں پھر پردہ کی طرف اٹھیں مگر پردہ کے زیریں حصے کے پاس صرف ایک خوبصورت سینڈل نظر آیا اور کچھ نہیں۔

کہانی میں جس جگہ میں نے اسے بدصورت لکھا ہے اسے کاٹ دونگا یہی سوچتے سوچتے میں باہر نکل آیا۔ اکرام بھی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کچھ دور آکر اکرام نے مسکراتے ہوئے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہا

"کہانی تو تم لکھ ہی چکے ہو مگر جس جگہ یہ لکھا ہے کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی وہ کاٹ دینا۔ اور لکھنا وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے"

مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اور غیر ارادی طور پر میری نگاہیں اس کے گھر کی طرف گھوم گئیں۔ اس نے قہقہہ لگا کر میرے شانہ کو ہلاتے ہوئے کہا

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی" میں نے اسکو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہ مجھ سے تمہاری کہانی مکمل نہیں ہو سکتی"

(پلاٹ مستعار) **نثار اکبرآبادی**

آپریشن مت کراؤ

گنٹھ مالا کاربنکل، ناسور، زہرباد، آتشک پھوڑے غرض ہر قسم کے زخموں کا علاج بغیر نشتر کے ہوتا ہے۔ آزمائش شرط

ڈاکٹر علی مظہر۔ ماہر امراض زخم گھسیارٹولہ گیا۔

لمعاتِ نجم

دلربا کہئے ، جانفزا کہئے / اور اُن کی ادا کو کیا کہئے

میرے منہ پر مجھے بُرا کہئے / ہو بھی کہئے وہ برملا کہئے

عشق کا نام جس سے زندہ ہے / کیوں اسے دشمنِ وفا کہئے

دل اسیرِ شبِ فراق سہی / دل سے کیا سُنئے دل سے کیا کہئے

اللہ اللہ وہ بت بھی رام ہوا / شکر کیجئے خدا خدا کہئے

یا یہ حسرت تھی ان سے کچھ کہتے / یا یہ حسرت ہے ان سے کیا کہئے

مختصر کیجئے فسانۂ دل / ابتدا کہئے، انتہا کہئے

دیجئے دل سے ہر ستم کی داد / حبذا کہئے مرحبا کہئے

آئے بھی تو کھڑے ہیں پا بہ رکاب / ان کی کیا سنئے اپنی کیا کہئے

زندگی بھر تو موت موت کہا / مرتے دم تو خدا خدا کہئے

ہم سمجھتے ہیں آپ کو اچھا / بندہ پرور ہمیں بُرا کہئے

بحرِ غم میں ہر اک تمنا کو / کشتیِ دل کا ناخدا کہئے

ہر غزل میں ہے آہ آہ کا لطف / آئیے سُنئے واہ وا کہئے

آبروئے نجم خاک میں نہ ملے / سوزِ دل کا نہ ماجرا کہئے

قیس سے دشت میں اگر ملئے
نجم ندوی کی بھی دعا کہئے

نجم ندوی بی۔ اے

کیڑا

اس نے اپنی گردآلود الماری سے ایک موٹی سی کتاب نکالی اور لیمپ کو تیز کر کے ٹیبل کے سامنے بیٹھ گیا۔ کتاب کی جلد میں اسے ننھے ننھے چھید سوراخ نظر آئے۔ اس نے لیمپ کو اور قریب کر لیا۔ اور ان ننھے ننھے سوراخوں کی گہرائی کا اندازہ کرنے لگا جو کتاب میں کافی دور تک چھید کرتے ہوئے غائب ہو گئے تھے۔ لیکن جب کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو اس نے جلدی جلدی ورقوں کو الٹنا شروع کیا اور قریب قریب کتاب کا تہائی حصہ الٹنے کے بعد اسے وہ [illegible] چھوٹے ننھے ننھے کیڑے مختلف جگہوں پر بیٹھے ہوئے اس [illegible] کو چاٹنے میں مصروف تھے۔ اس نے ان کیڑوں سے گہری دلچسپی محسوس [illegible] انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ وہ کتاب کے سیاہ حرفوں پر بھورے رنگ کے دھبوں کی طرح بے حس و حرکت چپکے ہوئے تھے اس کے مسکراتے ہوئے لبوں کو [illegible] ہوئی۔۔۔

"میرے دوست! تم نے بہت دیر کی۔ یقین جانو تم سے بہت پہلے میں اس کتاب کو چاٹ چکا ہوں۔ اور پھر اس کتاب پر کیا منحصر ہے۔ تم نے تو میری الماری دیکھی ہی ہے۔ کتنی کتابیں ہیں شاید تم انہیں صدیوں میں کبھی نہ چاٹ سکو گے۔ لیکن میں سب کو چاٹ چکا ہوں سب کو۔ سمجھے۔ اچھا اب تم اپنا کام کرو اور میں اپنا ہیں نا ۔۔۔ ہا ہا ہا ۔۔۔۔۔"

اس نے ایک قہقہہ کے ساتھ آہستہ آہستہ کتاب کو بند کر دیا اور ٹیبل پر رکھ کر گھڑی کو دیکھنے لگا۔ بارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں تو گویا پندرہ منٹ کے بعد ٹرین آئے گی اور اسٹیشن سے یہاں آنے میں قریب قریب پندرہ منٹ لگیگا۔ جانے یہ کتاب اسے پسند آتی ہے یا نہیں۔؟ یقینی آئے گی۔ میری پسند کوئی معمولی ہے تھوڑی اس نے جیب سے فونٹین پن نکالا۔ اور کوپی کھول کر ادھورا لکھے ہوئے افسانہ کو مکمل کرنے لگا۔

یہ اس کا چوتھا افسانہ تھا۔ اس سے پہلے اس نے تین افسانے اور لکھے تھے۔ جو ملک کے ایک معیاری رسالے میں چھپکر قریب قریب تمام رسالوں میں نقل کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد اسکی افسانہ نگاری کی دھاک بیٹھ گئی۔

بی اے کرنے کے بعد جب وہ شہر سے واپس لوٹ رہا تھا۔ تو ٹرین میں ملک کے ایک مشہور افسانہ نگار سے ملاقات ہوئی۔ اور تھوڑی دیر کی گفتگو نے بے تکلفی پیدا کر دی اس کے دوست نے اسے اپنے دو تین افسانے سنائے۔ اور اسی کے بعد جب وہ اپنے گھر آیا تو اس کے دل میں افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہوا۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت بھی افسانے لکھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ مناسب نہ سمجھا اور فیصلہ کر لیا کہ جب تک وہ فن افسانہ نگاری پر کافی عبور حاصل نہ ہو جائے گا خود کو ادبی دنیا میں روشناس نہ کرائیگا۔ چنانچہ اسی وقت سے اس نے مطالعہ شروع کر دیا۔ اچھے اچھے افسانوں کا مجموعہ خریدا۔ فن افسانہ نگاری سے متعلق کتابیں منگوائیں۔ دوسری ترقی یافتہ زبانوں کے افسانوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ اور پھر تقریباً پانچ سال کے بعد جب اس کو اپنے آپ پر کامل اعتماد ہو گیا تو خود کو ادبی دنیا میں روشناس کرا دیا۔ اور اس زور شور کیساتھ روشناس کرایا کہ پڑھنے والے دنگ رہ گئے۔ ایک نو وارد بھلا کسطرح اتنا مکمل افسانہ لکھ سکتا ہے۔؟ بہتوں نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیدی کہ ضرور کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔

صبح ہوتی اور وہ بغیر منہ ہاتھ دھوئے مطالعہ کی کرسی پر بیٹھ جاتا نوکر آتا اور منہ دھونے کے لئے کہہ کر تھک جاتا۔ بہنیں ناشتہ کیلئے تنگ کرتیں۔ اور جب وہ اپنی دلچسپی کو کھو کر وہاں سے اٹھا نظر نہ آتا۔ تو وہیں ٹیبل پر لا کر رکھ دیتیں۔ لیکن اکثر وہ بھی یونہیں ٹیبل پر پڑا

رہ جاتی۔ ماں نے تنگ آکر کئی بار اسے کوسا۔ اور تاکید کی کہ زیادہ مطالعہ نہ کیا کرے۔ لیکن ان سب کا جواب ہمیشہ وہ مسکراہٹ سے دیتا رہا۔ گھر کا ضروری سے ضروری کام پڑا رہ جاتا لیکن وہ بھولے سے بھی ان کی طرف توجہ نہ دیتا۔ سینہ دو پیار بھی کتابیں اسکے پاس ضرور آتیں۔ اور جب وہ ان کے مطالعہ کے لیے الماری میں جاتیں۔ تو ان کے محلات میں سے نشان اور اس کے اپنے خیالات سے رنگے ہوئے ہوتے تھے۔۔

پچھلے ہی دنوں رسالوں میں اس کے افسانے شائع ہوئے اس نے اسکی دو کاپیاں منگوائیں۔ ایک تو فائل میں رکھا اور دوسری کو بھیج دیا نزہت کے پاس ---- نزہت اس کی چچا زاد بہن تھی بہت حسین بالکل شبنم کی طرح۔ جب اس نے میٹرکولیشن پاس کیا تو اسی وقت سے اس کی نسبت نزہت کے ساتھ ٹھیک ہو گئی تھی۔ اسے بھی نزہت بہت پسند تھی۔ اور وہ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے خدا نے اسے اسی کے لئے بنایا ہے۔

ایک مرتبہ شام کو جب وہ مطالعہ سے بہت گھبرا گیا تو کپڑے پہن کر سنیما ہال میں جا بیٹھا۔ -- ر ہو رہا تھا۔ شبنم ہیروئن کا فرض انجام دے رہی تھی۔ شروع میں تو وہ کافی لطف اٹھاتا رہا۔ لیکن آخیر میں جب شبنم اپنے ناکام محبوب کی آغوش میں دم توڑنے لگی تو اس کا دل دھک سے ہو گیا اور بھاگا بھاگا گھر پہنچ کر فوراً ایک خط لکھا ---- "بہت دنوں سے آپ لوگوں کی خیریت معلوم نہیں۔ چچی نے آپ خط کیوں نہیں لکھیں۔ اگر آپ کو فرصت نہ ملے تو نزہت ہی کو کہ دیجئے۔ دو قلم لکھ دیا کرے۔ اماں جان کہتی ہیں نزہت کا حرف دیکھے بہت دن ہو گیا ہے۔ جانے اب وہ کیسا لکھتی ہے؟ ذرا جلدی جواب دیجئے۔"

خط کو لفافہ میں بند کر کے فوراً اسٹیشن چھوڑ آیا۔ اور اس وقت تک اسکی گھبراہٹ اور پریشانی میں کمی نہ ہوئی جب تک نزہت کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط نہ آیا۔

خط پڑھکر خوشی میں اس نے چار کتابیں نزہت کے پاس بھیجیں اور شام کو جب ٹہلنے کیلئے نکلا تو سات آنے خیرات کر دیے۔

گذشتہ سال اس نے اپنی شادی کے لئے ماں کو زور دیا۔ اور ماں بھی راضی ہو گئی۔ لیکن نزہت کی ماں تیار نہ ہوئی۔ کیونکہ نزہت کے والد الہ آباد میں پروفیسر تھے۔ اور ایک سال کے بعد وہ نوکری سے علیحدہ ہونے والے تھے۔ اسلئے طے یہ کیا گیا کہ جب وہ اطمینان کر گھر آ جائینگے تو پھر شادی رچائی جائے گی اور اب نزہت کے والد آ رہے تھے۔ آج کی ڈاک سے لفافہ آیا تھا "میں پٹنہ جا رہا ہوں میرے ساتھ ایک صاحب اور ہیں۔ اسلئے تمہارے یہاں زیادہ قیام نہیں کر سکتا پھر بھی دو گھنٹہ وقت ملتا ہے۔ اگر مل جاؤنگا"

گھڑی بارہ کب کو بجا چکی تھی اور وہ ٹیبل کے سامنے کرسی پر بیٹھا لیمپ کی تیز روشنی میں اپنے خیالات کو کاغذ پر بکھیر رہا تھا۔ افسانہ کے ختم ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ باہر سڑک پر تانگہ کی گھڑ گھڑانے کی آواز آئی۔ اور وہ چونک پڑا۔ جلدی سے کاپی کو بند کر کے لپکا ہوا دروازہ کے نزدیک پہونچا۔ اس کے چچا گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آ رہے تھے۔

"آداب چچی جان"۔ اس نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھکر کہا

"آداب۔ آداب۔ خوش رہو" اس کے چچا نے اسے دعائیں دیں اور اس کے شانہ پر ہاتھ رکھکر کمرہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولے

"اچھے ہو نا بیٹا؟"

"جی۔ ہاں آپکی ۔۔۔۔"

دونوں کمرہ میں پہنچے لیمپ روشن تھا۔ اس نے اسے اور تیز کر دیا۔

"ارے بیمار ہو کیا خورشید؟" اس کے چچا نے لیمپ کی تیز روشنی میں اسے گھورتے ہوئے کہا

"نہیں ۔۔۔۔ ہاں ۔۔۔ نہیں تو" تو اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"تو پھر یہ چہرہ پیلا کیوں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔ لیکن خورشید مسکراتا ہوا خاموش رہا۔

"اچھا ذرا تمہاری ماں سے مل لوں۔ اندر ہی تو ہونگی"

خوابِ پریشاں

اک ذرا جھپکی پلک آنکھوں سے پنہاں ہوگئیں ۔ کیسی کیسی صحبتیں خوابِ پریشاں ہوگئیں

کون سی صحبتیں وہی جنکے اگلی شاعری کا دھندلا سا خاکہ نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔ راقم کی عمر ستر سے بڑھی بچپن کی دیکھی ہوئی تصویروں کے خط و خال ابتک نظر میں ہیں۔ کیا ساٹھ برس آگے کا مرقع کھینچوں، کاغذی خانقاہوں میں بسنے والی روحیں پیکرِ جسمانی میں اب کہاں کہ ان کے فوٹو شائع کئے جا سکیں۔ سہیل کا کوئی ممبران خاص ہستیوں کی تھوڑی سی جھلک دکھا سکتا ہے جو برجستہ مصرع لگا دینے میں طاق تھیں۔ تذکروں کے زندہ جاوید کارنامے جامِ آبِ حیات پلا چکے ہیں۔ کچھ جرعات نوشیں ایسے بھی ہیں جو بل قلم کے منتخبات تک نہیں پہونچے۔ دستبردِ نسیاں سے جو جواہر دل و دماغ کے خزانے میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ کہیں مجھ نا چیز ہی تک نہ رہ جائیں، لہٰذا باوصف قلیل الفرافی وضعیف الدماغی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

رسم است کہ مالکانِ تحریر ۔ آزاد کنند بندۂ پیر

(۱)

گل و بلبل کی شاعری والے جو برجستہ گل افشانیاں کرجاتے تھے نادرات ادبیہ سے ہیں اگر مل سکیں۔
نصیر الدین حیدر شاہ اودھ نے بہ تجویز خود یا کسیکے اشارے سے ناسخ کو ایک مصرع دیا اور کہا کہ مطلع بناؤ

کیا عجب بیضۂ فانوس سے بلبل نکلے

بیضۂ فانوس تو تشبیہ ہوا۔ مگر پروانے کے بدلے اس سے بلبل کا نکلنا عجیب ہے۔ ناسخ کی گلتراشی ملاحظہ کیجئے

شجرِ سوختۂ شمع سے جب گل نکلے ۔ کیا عجب بیضۂ فانوس سے بلبل نکلے

اس گل کو کون نہیں جانتا جو شمع سے نکلتا ہے پھر بیضۂ فانوس سے بلبل کا نکلنا محال عقلی بھی محال ادبی تو نہیں۔ شاعر کی روشنی طبع چمن سے ہو یا انجمن سے کوئی نہ کوئی گل کھلا ہی دیتی ہے۔

(۲)

منیر شکوہ آبادی جب ناسخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو ناسخ نے کہا ایک مصرع کہتا ہوں دوسرا مصرع کہکر مطلع بناؤ۔

ناسخ :۔ وہ زلف ہوا سے مجھے برہم نظر آئی۔

منیر :۔ " " " " " ۔ اڑتی ہوئی ناگن قدِ آدم نظر آئی

ناسخ نے شاباش دی اور کہا "قدِ آدم کا قافیہ خوب ہاتھ لگا" اور زلف برہم کے ساتھ اچھا بندھا۔
رہ گیا ہے ناگن کا قدِ آدم اڑنا جوانی کی نشانی ہے اس لئے لطف دوبالا ہو گیا۔

(۳)

ابن عم برادر معظم مولوی سید مظہر حسین مرحوم سابق وکیل عدالت الہ آباد غدر سے پہلے کچھ دنوں نواب علی بہادر باندہ کی ریاست میں تھے۔ اور منیر شکوہ آبادی کے ملنے والوں سے تھے۔ انہیں سے سنی ہوئی پہلی روایت بھی ہے اور یہ بھی منیر مغفور نے حضرت مظہر برادر مرحوم سے کہا ایک مصرع ہے اس پر مصرع تو لگاؤ۔

منیر ——— پھینکا تراش کر ورقِ آفتاب کو
مظہر بازی میں گننے کے مرے رشکِ ماہ نے " " " "

منیر نے کہا، تراش کر پھینکنے کی توجیہہ وہی نکالی جسکو ذہن میں رکھکر میں نے مصرع دیا تھا۔

برادر مرحوم نے باندے کے ترک تعلق اور صحبت شعر و سخن سے جدا ہونے کے بعد پیرِ وکالت شروع کر دی۔ شاعری ان سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی۔ غیر مرتب دیوان کی صورت میں ایک قلمی بیاض تھی جو کتاب کے دھوپ دکھانے کے وقت بچپن میں دیکھی تھی۔ برادر زادہ سے معلوم ہوا کہ ورقِ آفتاب تراش کر پھینکنے کے صلے میں کیڑوں نے اسکے ورق ورق تراش ڈالے۔ تقویم پارینہ کا ایک ورق بھی نہ مل سکا۔ سرِ دیوان کا مطلع اگر یاد نہ خطا کرتی ہو تو یہ تھا۔

جب قصد کیا حمد الٰہی کے رقم کا سرِ لوح پر جھکنے لگا سجدے میں قلم کا

دورِ حاضرہ میں منتہی سے زیادہ مبتدی اپنے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اگلے زمانے میں مبتدی کیا منتہی اپنے کو کیا سمجھتے تھے ملاحظہ ہو تسلیم فخرِ مومن و نسیم کہتے ہیں

ابھی سے کیا کریں دعوائے شاعری تسلیم یہ کام وہ ہے کہ جو عمر بھر نہیں آتا

اشاعت و طباعت کے سامان کم کیا تھے ہی نہیں۔ اسپر شان بے نیازی کا اضافہ تھا۔ اچھے اچھے کہنے والوں کے کلام بے نام و بے نشاں ہو گئے۔

(۴)

سلسلہ بیان کی کڑیاں ملانے کو راقم بھی اپنا ایک واقعہ لکھتا ہے۔ امتحان دینے والا نہ سہی امتحان لینے والا تو اگلوں میں تھا۔ وہی برادر معظم مرحوم جب بقیدِ حیات تھے تو بضرورت دو چار دن کے لئے ضلع گیا سے انکی خدمت میں حاضر ہوا فرمانے لگے۔ تم کو بچپن سے شعر و سخن کا ذوق ہے۔ اب تو جوان ہوئے ہو۔ جب تک کچہری سے واپس آؤں ایک غزل لکھ رکھو۔ ناسخ کا یہ مطلع تو سنا ہوگا۔

ہے ناز کی سے قامتِ جاناں چمن کی شاخ میں سوزِ عشق سے ہوں چنار کہن کی شاخ

بس یہی زمین ہو۔ ہرن کی شاخ۔ کفن کی شاخ۔ یہ دونوں شاخیں ضرور نکلیں۔ بعد فراغ طعام حضرت مرحوم کچہری روانہ ہو گئے۔ اور ادھر بندہ نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دئے۔ شاخیں کون باندھتا؟ دو بجے آنکھیں کھلیں تو قلم دوات کی تلاش ہوئی۔ دوات خشک ایسی ملکی کہ جسکی سیاہی میں پانی سے روانی آگئی۔ قلم کہاں؟ صحن خانہ میں ایک انار کہن کا درخت تھا۔ چنار کہن والی زمین میں انار کی شاخ قلم ہو کر کچھ پیوند لگانے لگی چار بجے برادر معظم تشریف لائے تو غزل سنا دی گئی۔ غزل کیا ہزل کہئے۔ ہرن کی شاخ۔ کفن کی شاخ دونوں شاخیں غنیمت نکلیں اور پسند آگئیں۔

شفق جو اصل میں ہے نقل میں وہ ناز کی کہاں دیکھی کبھی نہ ہوتے پھلتے ہرن کی شاخ
نخلِ حیات قطع ہوا اس پہ بعدِ مرگ یاروں نے گور میں بھی لگا دی کفن کی شاخ

(۵)

اب مختصر سے مضمون کا آخری حصہ دورِ متاخرین کا ایک چشم دید واقعہ ہے آپ پڑھکر جذبہ دلکشی سے متاثر ہونگے۔ الہ آباد میں مرزا اعظم علی بیگ اعظم تخلص حضرت آتش کے تلامذہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے والے درویش سیرت بزرگ تھے۔ راقم کا بچپن نو سالہ و دہ سالہ کے درمیان ہوگا۔ دو تین متقدر حضرات کے ساتھ محفل مکتب بھی زیارت سے محروم نہ رہا۔ کاشانۂ اعظم پر حاضر ہوتا تھا کہ ایک لڑکے نے دروازے میں چٹائیاں ڈال دیں اور انپر ایک مرگ چھالا یعنی (ہرن کی کھال) اور لوگ بوریا نشینی سے مشرف ہوئے۔ اعظم مغفور کو مرگ چھالا پر جگہ دی گئی۔ سامعہ نوازی کی

درخواست پر مرحوم نے سر جھکا یا آنکھیں بند کیں۔ چند منٹوں میں حسب حال دو مطلع ارشاد فرمائے

(۱) زمیں پہ بیٹھ... ہے پڑ رہے پر مرگ چپ ہے　　فقیر مست بھی سر منزل کا رہنے والا ہے

(۲) یہی کہہ کے ہم نے رات بھر فاقے کو ٹالا ہے　　سحر ہونے تو دے رزاق روزی دینے والا ہے

پہلے مطلع میں کیا فقیرانہ سر منزل طیار ہوا ہے۔ دوسرا مطلع کتاب توکل کا نہ بھولنے والا سبق ہے

(۶)

مولانا وحید الزماں الہ آبادی، آتش و مصحفی کے تلامذہ سے تھے۔ انکے بعد الہ آباد میں کوئی غزل گو شاعر ویسا پیدا نہ ہو سکا۔ نئی زمینیں نکالنا، پاکیزہ جذبات و دلکش خیالات کو بہترین سانچے میں ڈھال دینا انکے خصائص شاعری میں سے تھا۔ وہ سراپا شاعر تھے۔ ایک بار ریل کا سفر آیا۔ دور جانا تھا۔ یہ اثنائے راہ ہی کے اسٹیشن پر اتر پڑے۔ ساتھیوں نے کہا ابھی آپ کہاں اتر رہے ہیں۔ فرمایا کوئی قابل دید منظر یا دلکش سماں سامنے آتا ہے یہ سواری وہاں بغیر ٹھہرے اڑی چلی جاتی ہے۔ میرے جذبات کو ٹھیس لگ جاتی ہے اس سے پیادہ چلنا اچھا۔ تنہا و گم کردہ کتنے منزلوں کی ٹھوکریں کھاتے آخر وہاں پہونچ ہی گئے جہاں پہونچنا تھا۔ مگر صورت حال یہ تھی۔ پاؤں میں آبلے تھے۔ آبلوں میں کانٹے۔ خستہ حال شکستہ پال۔ چشم براہ لوگ یہ حال زار دیکھکر چارہ سازی و غمخواری پر مائل ہوئے یہ کہنے لگے یار زندہ صحبت باقی پھر دیکھا جائیگا۔ ایک مطلع کا مصرع تھا سہ خراب ایک دشت مغیلاں میں ہم تھے۔ بیاباں میں ہم تھے۔ گلستاں میں ہم تھے خدا جانے کیا کیا کہاں کہاں تھے۔ حسب حال جو تھا وہ یہ تھا۔

(وحید الہ آبادی) جو ہیں پاؤں میں آبلے ان سے پوچھو　　ہمیں کیا خبر کس بیاباں میں ہم تھے۔

شاعر میں اتنی محویت تو ہو۔

یار زندہ صحبت باقی۔ ممکن ہے آئندہ اور مرقعے پیش کر سکوں۔ مگر مجھ ایسے فانی ہستی رکھنے والے کو باقی کا انتظار کرانا زیبا نہیں۔ اس لئے وعدہ کم نہ زیادہ کو حد تعمیل سے زیادہ سمجھئے۔

شفق رضوی مینائی

کحل الجواہر رجسٹرڈ

مفید اور لاجواب سرمہ ہے۔ دعویٰ سے کہتے ہیں کہ کمزوری نگاہ جلت و تاریکی چشم، تیل، جالا، ڈھلکا، دھند، ناخونہ، پربال و سرخی چشم، آنکھوں کے درد اور ... کے لئے بیحد مفید ہے۔ علاوہ ہندوستان کے دیگر ممالک کے لوگ بھی استعمال کرکے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ہزاروں ریلوے ملازمین اسکی بدولت امتحان میں کامیاب ہو کر اس کے مداح ہیں۔ برابر استعمال کرنے سے چشمہ بھی چھڑا دیتا ہے۔ موتیا بند کیلئے اس سے بہتر سرمہ نہیں۔ سلائی مفت، ایک شیشی کا دام ...، محصول ... تین شیشی کا ... ہے۔

ملنے کا پتہ
بیت الشفاء گیا

بہترین کتابت
دیدہ زیب طباعت مناسب نرخ
کیلئے آپ ہمیشہ
شمسی پریس گیا، گیا کو
یاد فرمائیں

غزل

شہ حسن رنگیں ادا آپ ہی ہیں
خدائی کے بس آئینا آپ ہی ہیں

جہاں آپکا، آپ ہیں جانِ عالم
نہ کیوں کہہ اٹھے دل خدا آپ ہی ہیں

بڑا دردِ دل مجھکو سرکار ہی سے
سُنا ہے کہ اسکی دوا آپ ہی ہیں

نہیں اس سے اغیار کو کوئی نسبت
وفا آپ ہی ہیں جفا آپ ہی ہیں

ہر انداز میں ایک دلکش ادا ہے
سمجھتا ہوں تیرِ قضا آپ ہی ہیں

اٹھا کرتی ہیں جس سے الفت کی موجیں
وہ دریائے مہر و وفا آپ ہی ہیں

اداؤں سے اپنی جو مطلوبِ کل ہو
وہ مطلوب وہ مدّعا آپ ہی ہیں

ہوئی ختم سب آپ پر دلربائی
ہزاروں میں بس دلربا آپ ہی ہیں

نمونہ کہیں جسکو حسنِ ازل کا
حسینوں میں وہ مصطفا آپ ہی ہیں

کماؔل آپ کی یہ گدائی ہے شاہی
امیر آپ ہی ہیں گدا آپ ہی ہیں

محمد طٰہٰ کماؔل حسینی ندوی

آپا نجمہ کی موت

جاڑے کی ایک برفانی رات تھی ٹھنڈک سے ساری دنیا عالم سکوت میں سانس لے رہی تھی۔ کمرہ کے باہر ایسی زناٹے دار ہوا چل رہی تھی کہ الامان والحفیظ۔ کبھی کوئی دروازہ کھل جانے سے ہوا کا جو جھونکا آجاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بدن میں چھریاں چبھنے لگیں۔ سردی سے بدن ٹھٹھر رہے تھے۔ اور دانت سے دانت بج رہے تھے۔ کمرہ کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ تاہم درختوں کی پتوں کی سرسراہٹ کافی طور پر سنی جا رہی تھی۔ رہ رہ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ طوفان بپا ہے۔ رات کی سیاہی۔ جاڑے کی ٹھنڈک۔ طوفان کا شور ہنگامہ کچھ ایسا منظر پیش کر رہا تھا کہ گویا دنیا اب اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہی ہے۔ ہم سب دبکے بیٹھے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا خوف و ہراس دلمیں بیٹھتا جا رہا تھا۔

ہم سب رات کے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ کھانے کے کمرہ میں شمعیں ابھی تک روشن تھیں۔ اس لئے کہ جتنی موم بتیاں روزانہ شام کے کھانے کے وقت روشن کیجاتی تھیں وہ گل نہیں ہوتیں۔ خانساماں اور گھر کے نوکر غالباً سردی سے دبکے اسی ہال میں بیٹھے تھے۔ قصہ کہانیاں کہی جا رہی تھیں۔ بعض مرتبہ انکی آواز اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ جوش بیان میں گھر کی مالکہ کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔ کبھی ایسا بھی معلوم ہوتا کہ کامران جو گھر کا سب سے کمسن اور نوجوان حبشی غلام تھا۔ وہ اپنے دیگر ساتھیوں پر اپنی واقفیت کا رعب داب جمانا چاہتا ہے۔ جب یہ کچھ بولنے لگتا تو سب دم سادھ لیتے تھے۔ یہ بات گھر میں مستقل طور پر مانی جا چکی تھی کہ ان نوکروں میں سب سے عقلمند ہوشیار اور حاضر دماغ نوکر کامران ہی تھا۔ کھانے کے وقت یہی کامران خفا جو ٹیبل کے سامنے رہتا۔ سمجھ ایسی اعلیٰ تھی کہ کبھی کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملا کہ آج میز پر مچھلی کیوں نہیں۔ بھبھزی اچھی طرح ابالی کیوں نہ گئی؟ انڈے کیوں پکائے گئے؟ روغن زیادہ میٹھا دی گئی۔ پوڈنگ ایرانی طرز پر کیوں نہ پکی۔ کافی کیوں بنی۔ کوکو کیوں نہ تیار ہوا۔ گویا ہر روز کے کھانے نئے طرز کے پکے ہوئے ہوتے تھے۔ اور وہ بھی اتنی مقدار میں کہ اگر ایک دو مہمان آ گئے تو انہیں کھانے میں شریک کر لینے میں پس و پیش کی ضرورت نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گھر کا ہر شخص کامران کو چاہنے لگا تھا۔ اس نے اپنی جگہ ایسی استوار کر لی تھی کہ گھر کا کام اس کے بغیر چلنا مشکل ہی نہیں بلکہ غیر ممکن تھا۔

کامران اپنے ماں باپ سے سنے سنائے غیر ملکی قصے اس طرح دہرا رہا تھا گویا یہ سارے واقعات اس کے چشم دید ہیں۔ اور وہ خود ان کہانیوں کا ہیرو رہ چکا ہے۔ اس کی ان کہانیوں کا اثر دیگر نوکروں پر ایسا جما ہوا تھا کہ سب ساکت ہمہ تن گوش بنے سن رہے تھے۔ یہ تو ہم نے بھی غور کیا تھا کہ کامران کا رعب ان ملازموں پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ کبھی ان کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس کے سامنے لب کشائی کرتے۔ ان کا کوئی کام کامران کی رائے کے بغیر انجام پانا مشکل تھا۔ لہذا اس وقت بھی حسب معمول کامران کا رعب داب ان بوڑھے بوڑھے نوکروں پر چھایا ہوا تھا۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ میرے خاندان والوں کی خدمت میں گذار دیا ہے۔

[illegible] مضحکہ خیز اور رلاؤ بالی باتوں کو سنکر میں ہنس رہی تھی۔ اس وقت [illegible] رہیں میں تھی۔ دادی اماں تھیں اور آپا نجمہ۔ کمرہ طرز نو کے سامان سے آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز موٹی ایرانی قالین بچھی ہوئی تھی۔ دو طرف دیوار سے لگے ہوئے موٹے موٹے دبیز صوفے پڑے تھے۔ تین طرف کونوں میں نازک حسین میز پر چینی آرٹ کے گلدستے رکھے تھے۔ جنہیں مالن نے تازہ خوشنما پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ ایک طرف میز پر شمعدان روشن تھی۔ جس میں دس موم بتیاں

جل رہی تھیں۔ دکھن طرف دیوار سے لگی ہوئی پیتل کی مسہری لگی ہوئی تھی جس پر آپا نجمہ دبیز رضائی اوڑھے پڑی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر مغل اور ایرانی آرٹ کی بیش بہا پینٹنگ خوشنما چوکھٹے میں جڑی ہوئی آویزاں تھیں۔ ان تصویروں کو دادا ابا نے سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں بڑی کدوکاوش کے بعد جمع کیا تھا۔ انہیں پینٹنگ سے بڑا لگاؤ تھا۔ ان تصویروں کی فراہمی میں انہوں نے زر کثیر خرچ کئے تھے۔ ان میں تو بعض تصویریں ایسی تھیں کہ گویا اب بول اٹھیں۔

اس سلسلہ میں مجھے ایک قصہ یاد آگیا۔ ایک یوروپین سیاح کی دادا ابا سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اسے ایک روز شام کی چائے پر مدعو کیا۔ یہ سیاح آرٹ اور آثار قدیمہ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اسی سلسلہ میں اس نے دنیا کے بے شمار ممالک کی سیر و سیاحت کی تھی۔ آدمی تھا قدردان۔ دادا ابا نے اسے ان تصویروں کو دکھایا تو اس نے ان کی بڑی تعریفیں کی تھیں اور کہا تھا کہ ہر تصویر اعلیٰ ہنرمندی کا شاہکار ہے۔ ان تصویروں میں ایک تصویر ایسی تھی جو مجھے بے حد پسند تھی یہ جہانگیر اور نورجہاں کی پینٹنگ تھی۔ جس میں کبوتر اڑانے کی کہانی نہایت حسن و خوبصورتی کے ساتھ دکھائی گئی تھی۔ اس کے متعلق اس نے کہا کہ اکبر کے دربار میں غیاث بیگ ایک بڑا آرٹسٹ تھا جسے اکبر نے اس کی شہرت سنکر قندھار سے ہندوستان بلوایا تھا۔ یہ اسی کی پینٹنگ ہے۔ اور شاید دنیا میں ایک ہی ہے۔ اس نے اسے خریدنے کی بھی خواہش ظاہر کی اور ایک بڑی رقم دینے کے لئے تیار تھا۔ مگر دادا ابا نے یہ کہکر ٹال دیا کہ اسکی ضرورت نہیں۔ دروازے اور کھڑکیوں پر اونی کے ایرانی پردے لٹک رہے تھے۔ آتشدان میں آگ روشن تھی۔ اور کوئلے کے چٹخنے کی آواز رہ رہ کر سنی جا رہی تھی۔ اور دادی اماں سردی سے بیکل ہو کر ایک کرسی کو آتشدان کے قریب کھینچکر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا نحیف جسم سفید رنگ کے کشمیری دوشالہ میں لپٹا ہوا تھا۔ جس پر عنابی رنگ کی نہایت خوشنما بیل کاڑھی گئی تھی۔ باوجودیکہ دادی اماں کے سر کے بال برف کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ مگر ذوقِ لطیف ہنوز کم نہیں ہوا تھا۔ کپڑوں کے سلسلہ میں بڑی وضعدار تھیں۔ ہمیشہ اٹھارہ کلیوں کی چوڑی کا بڑے پائینچے کا پاجامہ پہنتیں۔ دوپٹہ گرمی میں ہمیشہ ڈھاکہ کے ململ کا اور سردی میں سفید نیتھینہ کا۔ پیروں میں کابلی طرز کی کامدار جوتی ہاتھوں میں مہندی اور کانوں میں ہیرے یا موتیوں کے آویزے۔ بغیر ابٹن مالش کئے انہوں نے غسل نہ کیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ حمام کیوڑے اور گلاب کے عرق سے معطر رہتا تھا۔ غسل کے بعد لوا روغن ملتا بالائیں۔ آئینہ آیا اور گھنٹوں بالوں میں کنگھی کی گئی۔

رات بالکل سناٹی تھی۔ ہوا ابتک اسی طرح فراٹے بھرتی ہوئی چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشہ سے باہر املی کا درخت حد درجہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔ رہ رہ کر الو کے بولنے کی آواز فضا کو مزید خوفناک بنا رہی تھی۔ دادی اماں اسی طرح آتشدان کے قریب بیٹھی تھیں۔ کمرہ میں موت کی خاموشی طاری تھی۔ صرف آتشدان کے کوئلے کے چٹخنے کی آواز تھی جو سنی جا رہی تھی۔ یا آپا نجمہ کے کراہنے کی آواز سے کمرہ گونج اٹھتا تھا۔ انہیں جب کھانسی اٹھتی تو بیدم ہو جاتیں۔ دم حلق میں اٹکنے لگتا چہرے اور گردن کی رگیں ابھر آتیں۔ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ آپا نجمہ کی یہ حالت دیکھکر دادی اماں ایکدم گھبرا اٹھتیں۔ اس کے علاوہ بغل کے کمرہ سے ملازموں کی آواز ابتک رہ رہ کر آ رہی تھی۔ انکی یہ مدھم آواز ایک مرتبہ بلند ہوگئی۔ دادی اماں چونکیں اور مجھ سے کہا "فردوس! دیکھو نالائق ابتک شور مچا رہے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہ مریضہ کا کمرہ ہے۔ انکی عقل ماری گئی ہے۔ کہو اپنے جا کر سو رہیں۔ ضرورت ہوگی تو آواز دے لیجائیگی۔" میں سردی کی وجہ سے باہر نہ نکلی اور وہیں سے انہیں ڈانٹ کر کہا۔ کامران یہ بدتہذیبی کیوں ہے اسقدر۔ معلوم نہیں کہ آپا نجمہ اسی کمرہ میں ہیں؟ اتنا کہنے پر سب خاموش ہو رہے۔ اور پھر انکی آواز سنائی نہ دی اس رات کو آپا نجمہ کو آخری پہر کچھ سکون ہوا۔

جب میں تین سال کی تھی تو اماں جان کا انتقال ہو گیا تھا آپا نجمہ اس وقت دس سال کی تھیں۔ اور بھائی نعیم آٹھ سال

کے۔ اماں کے انتقال کے بعد ابا جان نے دوسری شادی نہ کی۔ گھر میں ہم تین بھائی بہن تھے۔ اور دادی اماں، جنہوں نے ہم لوگوں کی پرورش دیرداخت کی۔ گھر پر اتالیق رکھکر ہم لوگوں کو تعلیم دلوائی۔ جب اردو فارسی کی تعلیم ختم ہوئی تو ایک کرسچین اسکول کی ہیڈ مسٹرس سے ہم دو بہنوں کو انگریزی تعلیم دلوائی گئی۔ اور بھائی نسیم اسکول اور کالج کی تعلیم ختم کر لینے کے بعد انگلستان روانہ کر دیے گئے۔

چھ سال گذر گئے تھے کہ آپا نجمہ کی شادی ہو چکی تھی۔ اس چھ سال میں خدا نے انہیں ایک بچہ اور ایک بچی دے رکھی تھی۔ دو سال ہوئے تھے کہ ابا جان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اب مکان میں مردانہ صورت کوئی نہ تھی۔ مگر دادی اماں نے گھر کے تمام نظم و نسق کو اس خوبصورتی سے انجام دیا کہ کبھی ہم لوگوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ ماں کے بدلے میں نے دادی اماں کو ماں سمجھا۔ مگر ابا کے گذر جانے سے اپنی زندگی سے مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میری پیش نظر دنیا میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔ جو کبھی پر ہونیوالا نہیں۔ مگر آپا نجمہ کے پیار و محبت نے پھر مجھے ڈھارس دی۔ اور میں آہستہ آہستہ زندگی کی راہ پر قدم رکھنے لگی۔ وہ مجھ سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ مگر بدنصیبی یہی کہ یہ محبت اور پیار بہت دن قائم نہ رہا۔ ابا جان کی موت کا صدمہ ہم لوگوں کے لئے کچھ کم نہ تھا کہ دو سال کے اندر آپا کے دونوں کھلونے گھر کو بے رونق کرتے اور سکون قلب کو مٹاتے ہوئے چل بسے۔ انکی میٹھی سریلی آوازوں سے مکان کی گونج ختم ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے گھر کا اجالا چھین لیا۔ اس صدمہ عظیم سے آپا نجمہ مستقل بیمار ہو گئیں۔ ان کی شوخی چینچل اور چہرے کی ہنسی اڑ چکی تھی۔ گالوں کی سرخی و سپیدی زردی سے بدل رہی تھی۔ آنکھوں میں حلقے پڑ رہے تھے۔ اور توانائی آہستہ آہستہ کافور ہو رہی تھی۔ انکی تمام شرارتیں ختم ہو گئیں۔ وہ اب کھوئی کھوئی سی رہنے لگیں۔ ضعف رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ پلنگ سے لگ گئیں۔ انکی یہ حالت دیکھکر دادی اماں کو سخت پریشانی ہوئی۔ انہوں نے آپا نجمہ کی دلجوئی کی ہر ممکن طور پر۔ ان کے غم کو بھلانے کی صورتیں پیدا کیں۔ ان کے لئے مسرت بخش فضا تیار کی گئی۔ مگر اس اللہ کی بندی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دل کا زخم نہ بھرنے والا تھا نہ بھرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بروز ان کی حالت نازک ہوتی گئی۔ ان کی بیماری کے ساتھ ہم لوگوں کی بیماری بھی بڑھتی گئی۔ میرا دل اب دھڑکنے لگا۔ برے برے خیالات پیدا ہونے لگے۔ موت کا بھیانک منظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ اکثر پریشان ہو کر میں رونے لگتی۔ اور اللہ میاں سے آپا نجمہ کی زندگی کے لئے دعا کرتی۔

ایک روز شب کے وقت میں کھڑکی پر کھڑی تھی۔ صنوبر اور آخروٹ کے درختوں کے نیچے چاند چمک رہا تھا۔ جس کی لطیف کرنیں نازک ٹہنیوں کے چلمنوں سے چھنتی ہوئی فرش زمین پر پڑ رہی تھیں۔ اس صاف اور شفاف چاندنی میں کبھی کوئی پرند چہچہاتا ہوا ایک درخت سے اڑکر دوسرے پر جا بیٹھتا۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ بیلے اور جوہی کے پھولوں کی خوشبو آرہی تھی۔ اور باغ کے کسی گوشہ میں مالی کا لڑکا بانسری بجا رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے آسمان ابر آلود ہو گیا۔ وہی درخت جو چاندنی کی روشنی میں جھومتے ہوئے خوبصورت نظر آرہے تھے اب ڈراؤنے ہو گئے۔ ہوا تیز ہو گئی۔ بانسری کی آواز کی جگہ درخت کی کھڑکھڑاہٹ دل کو ہلانے لگی۔ ایک درخت سے ٹٹیری چیختی ہوئی اڑی اور سامنے سے گذر گئی۔ ساتھ ہی ساتھ آپا نجمہ کو کھانسی اٹھی۔ کھانستے کھانستے منہ سے خون آیا۔ یہ دیکھ کے ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ میں نے سمجھا کہ آپا نجمہ بھی اماں سے جا ملیں۔ دادی اماں نے فوراً ایک ملازم کو ڈاکٹر لانے کو بھیجدیا۔ ڈاکٹر آیا۔ دوائیاں دیگیا۔ اس روز رات بھر بارگاہ خداوندی میں ہم آپا جان کی زندگی کے لئے دعا کرتے رہے۔

آپا نجمہ کے سرہانے کھڑی ہوئی انگور کا عرق نچوڑ رہی تھی۔ دادی اماں شاید کسی دوسرے کام میں مشغول تھیں۔ آپا نجمہ کی آنکھیں ضعف سے بند تھیں۔ اسوقت جو میں نے ان کے چہرے کی رنگت دیکھی تو دل رو اٹھا۔ یہ وہی چہرہ تھا جس پر کبھی ہنسی اور

شوخی نظر آتی تھی۔ ابھرا ابھرا گال اور گالوں پر خون کی دوڑتی ہوئی سرخی بڑی بڑی تیرتی ہوئی آنکھیں۔ گول گول بازو۔ مگر چہرے سے حسرت و اداسی ٹپک رہی تھی۔ سرخی مٹ چلی تھی۔ غم نے دل میں ایک ناسور پیدا کر دیا تھا۔ اور روگ گھن کی طرح جسم کو کھائے جا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا۔ اور آہستہ آہستہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جب عرق کا فی پھوڑ چکی تو آپا بجمہ کو جگایا۔ ایک ہاتھ میں عرق کا گلاس لئے اور دوسرے ہاتھ سے انہیں سہارا دیکر بیٹھ گئی۔ گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے انہوں نے کہا "فردوس! اب میں بھی تم لوگوں سے جدا ہو رہی ہوں"

میں نے کہا "ایسا نہ کہو آپا۔ جدا ہوں تمہارے دشمن"

"جانتی ہو نا اس مرض کا مریض بچتا نہیں" آپا نے جواب دیا۔ یہ بیماری جان کے ساتھ ہوتی ہے"

"تم تو خواہ مخواہ اس طرح کے بیہودہ خیالات سے اپنے دماغ کو پریشان کئے رہتی ہو" میں نے کہا "آج ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ تم اچھی ہو رہی ہو"

"اچھی ہو رہی ہوں۔ ڈاکٹر مجھ سے زیادہ میری حالت کو نہیں سمجھ سکتا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ میرا کلیجہ کٹ کٹ کر گر رہا ہے"

"توبہ تم بھی کیسی ہو۔ دنیا میں مرض کی دوا بھی تو ہے۔ اچھی ہو جاؤ گی گھبراؤ نہیں آپا"

بڑی ناسمجھ ہے تو فردوس! ارے میرے ہاتھ کیوں بھیگ گئے ــــــ تو رو رہی ہے۔ بھولی۔ ناسمجھ۔ اس میں رونے کی کونسی بات ہے۔ تو ہی کہہ رہی ہے کہ میں ضرور اچھی ہو جاؤں گی۔ آج ڈاکٹر نے بھی کہا تھا۔ اب اچھی ہو رہی ہوں۔ چپ رہ روتی کیوں ہے۔ ناداں کہیں کی

میں نے باتوں کا رخ پلٹتے ہوئے کہا "آج لفافہ دولہا بھائی کا آیا تھا؟"

"ہاں انہیں کا تھا۔ لکھا ہے فرصت نہیں ملی مجبور ہوں۔ یہ ملازمت قید سے کم نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ چھٹی ملنے پر فوراً روانہ ہوں گا۔ اور اگر ملاقات نہ ہوئی تو میرے قصور کو معاف کرنا"

"توبہ ایسی ملازمت پر جو انسان کو لاچار کر دے"

"اب شاید مرنے سے پہلے ان سے ملاقات نہ ہو سکیگی" آپا نے کہا "میری موت کے بعد وہ تمہارے پاس آئینگے ان سے کہنا کہ میں نے انہیں معاف کر دیا۔ پھر انہوں نے خطا ہی کونسی کی ہے۔ وہ میرے آقا ہیں۔ ان کی خوشنودی میرے لئے بخشائش ہے۔ اگر وہ راضی ہے تو خدا بھی مجھ سے راضی رہا۔ وہ سرتاج ہیں نا معلوم مجھ سے کتنی خطا گستاخی عدول حکمی ہوئی ہوگی۔ ان سے کہنا وہ اپنی بجمہ کے قصور کو معاف کر دیں۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور معاف کر دینگے۔ موت تو اب سر پر کھیل رہی ہے۔ مگر مرنے سے پہلے ایک مرتبہ انہیں دیکھنے کی حسرت تھی۔ شاید یہ بھی سوگ مناتی ہوئی اب ساتھ ہی جائیگی۔

"آپا۔ تم نے پھر وہی ناامیدی کی باتیں شروع کر دیں" میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا "مریض کو اپنے متعلق اتنا نہیں سوچنا چاہیئے۔"

"اچھا اب مجھے لٹا دو۔ پیٹھ میں درد ہونے لگا"

آپا بجمہ لیٹ رہیں اور ضعف سے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں بھی وہاں سے اٹھکر ایک صوفہ میں دھنس گئی۔ دل پھٹ پڑا اور آنکھوں سے آنسو اسطرح بہنے لگے کہ گھنٹوں نہ تھمے۔

رات حد درجہ بھیانک ہو گئی تھی۔ رعد کی کڑک اور بجلی کی چمک سے کلیجہ دہل رہا تھا۔ موسلا دھار بارش اور تند و تیز ہوا کے جھونکوں سے ایک خوفناک منظر طاری ہو رہا تھا۔ کھڑکی کے شیشہ پر بارش کی بوندیں اس طرح جم جم کر ڈھلک رہی تھیں گویا کمسن بیوہ کی آنکھوں سے آنسو کے چھلکتے ہوئے قطرے رخسارہ پر ڈھلک رہے ہوں۔ پائیں باغ کے اونچے اونچے درخت حسرت و یاس کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ کمرہ کے دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ شمعدان میں کافوری موم بتیاں روشن تھیں۔ آتشدان میں صندل کی لکڑیاں جل رہی تھیں۔ جسکی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ آپا بجمہ کی مسہری کے قریب ایک چھوٹی سی میز رکھی تھی۔ جس پر دوائیوں کی چھوٹی بڑی درجن سے زائد شیشیاں تھیں۔ کتنی قیمتی دوائیاں تھیں یہ سب مگر بے اثر۔ ایک مرتبہ

تھوڑا کڑکا ہوا۔ بجلی چمکی۔ آپا نجمہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہوں نے نحیف آواز میں پوچھا "فردوس کیا ہے یہ"

میں نے کہا "طوفان ہے یہ۔ بارش ہو رہی ہے"

کچھ دیر کے بعد بارش تھمی۔ بادل کی کڑک بند ہو گئی۔ آسمان پر چاند بھی ابر کے پردے سے جھانکنے لگا۔ سناٹے میں گھڑی کی ٹک ٹک ٹک ٹک کی آواز سنی جانے لگی۔ ٹن ٹن ٹن ٹن بارہ بجے آپا نجمہ کو بارہ بجے پھر کھانسی کا دورہ شروع ہوا۔ اس شدت کا دورہ کہ کھانستے کھانستے بیجان ہو گئیں۔ آج منہ سے بہت خون گرا۔ دادی اماں سخت پریشان ہو گئیں۔ میں گھبرائی ہوئی کبھی دادی اماں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آپا نجمہ کو۔ ضعف سے ان پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ نبض ڈوبنے لگی۔ میں چلا اٹھی۔ دادی اماں نے کہا کہ جلد کسی کو بھیج کر ڈاکٹر نوری کو بلا لائے۔ میں نے کامران کو آواز دی اور کہا موٹر لیکر جاؤ اور ڈاکٹر نوری کو بلا لاؤ۔ ان سے کہنا کہ آپا نجمہ کی حالت اس وقت بہت خراب ہے۔۔ خدا کیلئے جلد چلیں۔ دیکھو دیر نہ ہو۔ کامران کو بھیجکر میں آپا نجمہ کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اور سر پر ایڈی کلون کی پٹیاں رکھنے لگی۔ دادی اماں مسہری پر بیٹھ گئیں۔ آپا نجمہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔ شاید وہ نبض کی رفتار دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر موٹر آ کر رکی۔ کامران نے آکر ڈاکٹر نوری کے آنے کی اطلاع دی۔ میں نے کہا "اندر آنے دو"

ڈاکٹر نوری لمبے چوڑے قد کا ایک وجیہ آدمی تھا۔ نہایت مخلص اور دردمند۔ سینے میں ڈاکٹر کے دل کی جگہ ایک رحم دل انسان کا دل تھا۔ ہفتوں سے انہیں کا علاج ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کمرہ میں داخل ہوئے۔ سیاہ رنگ کا سوٹ زیب تن تھا۔ اسی سیاہ رنگ کا موٹا سا اسٹر اوڑھے ہوئے تھے۔ سردی کے باعث سٹر کا کالر اونچا کر لیا تھا۔ سر پر بھورے رنگ کی ہیٹ اور ہاتھ میں جلتا ہوا سگریٹ یا پائپ۔

میں نے کہا "ڈاکٹر صاحب دیکھئے آپا کی نبض ڈوب رہی ہے۔۔۔ یہ دیکھئے پیلچی میں اسقدر خون اسوقت منہ سے گرا ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب۔ آپا اب اچھی نہیں ہونگی" اتنا کہہ کر میں رونے لگی

ڈاکٹر نوری نے کہا "گھبرائیے نہیں۔ خون آنے سے ضعف بڑھ گیا ہے۔ مریضہ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ رویئے نہیں مریضہ آپکو دیکھکر اور پریشان ہونگی"

اس کے بعد ڈاکٹر نوری نے اپنے ہینڈ بکس سے ایک بڑا سا آلہ نکالا اور اسے سینے پر رکھکر ایک طرف سے ہوا بھرنے لگے۔ شاید یہ آلہ جسم میں گرمی پہنچانے کا تھا۔ کچھ دیر کے بعد آپا نجمہ کی آنکھیں کھلیں۔ انہوں نے ادھر ادھر حسرت سے دیکھا اسوقت کمرہ میں تمام ملازمین کھڑے تھے۔

ڈاکٹر نوری نے پوچھا "کہئے طبیعت اب کیسی ہے؟"

آپا نجمہ نے دھیمی آواز میں کہا "زندگی کے آخری لمحے ہیں ڈاکٹر نوری"

میں نے آپ سے کہا نا کہ اپنے متعلق اتنا نہ سوچئے: ڈاکٹر نوری نے کہا "جانتی ہیں آپ پہلے سے بہت اچھی ہیں ضعف کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہے۔ اس پر آپ کچھ کھاتی پیتی بھی نہیں۔ انگور کا عرق لینگی"

"معاف کیجئے گا ڈاکٹر صاحب" آپا نے جواب دیا۔ "میں اپنی حالت کو خوب سمجھتی ہوں۔ اسطرح کی ڈھارس بچوں کو دیجاتی ہے"

"اچھا یہ لیجئے۔ یہ دوا پی لیجئے۔ ڈاکٹر نوری نے اپنے بیگ سے ایک دوا نکال کر آپا کو دیتے ہوئے کہا۔

لائیے پی لوں۔ آپکی بھی تشفی ہو جائے۔ یہ خیال نہ رہجائے کہ شاید اس دوا کے نہ پینے سے ہی نجمہ مر گئی۔

"اب آپ سو رہیں" ڈاکٹر نوری نے کہا۔ جاگیئگا تو پھر زیادہ سوچیئگا۔

آپا نجمہ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ میں کھڑی بت بنی ان کے چہرہ کو دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر نوری نے شاید میرے دل کی کیفیت کو تاڑ لیا۔ انہوں نے کہا "فردوس بیگم! زیادہ پریشان نہ ہوئیے: خدا نے چاہا تو نجمہ بیگم بہت جلد صحت یاب ہو جائینگی۔ گھبراتی آپ کیوں ہیں"؟

"سچ کہتے ہیں ڈاکٹر نوری! آپا نجمہ اچھی ہو جائینگی۔؟

دادی اماں نے کہا "ڈاکٹر نوری اگر چند گھنٹے یہاں ٹھہر تے تو بڑی نوازش ہوتی۔ تکلیف تو ہوگی آپ کو ضرور مگر کیا کروں۔ تنہا میں کیسے سنبھالوں گی۔ آج حالت اچھی نظر نہیں آتی"۔

"تکلیف کیسی میں ٹھہر جاؤنگا۔ ڈاکٹر نوری نے جواب دیا۔

"چائے تیار کراؤں آپ کے لئے۔ سردی کافی پڑ رہی ہے۔ اور پھر جاگنا ہے۔ دادی اماں نے کہا

تھوڑی دیر کے بعد چائے آئی۔ ہم تینوں نے چائے پی۔ ڈاکٹر نوری تھوڑی تھوڑی دیر پر آپا نجمہ کی نبض دیکھتے۔ اور ہم لوگوں کو ڈھارس دے رہے تھے۔ آسمان پر جب ہلکی ہلکی سپیدی پھیلنے لگی تو ڈاکٹر نوری نے کہا کہ مریضہ کو تو نیند آچکی ہے۔ اب آپ لوگ کچھ آرام کریں۔ صبح کی چائے کے بعد میں پھر حاضر ہوں گا۔ ڈاکٹر نوری بھی چلے گئے۔ دادی اماں بھی چند راتوں سے مسلسل جاگ رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا "دادی اماں اب آپ بھی آرام کریں میں جاگ رہی ہوں۔ دادی اماں وہیں ایک صوفہ پر دراز ہوگئیں۔ اور میں نے ایک رسالہ اٹھا کر دیکھنا شروع کیا۔ اسلئے کہ کہیں مجھ پر بھی نیند کا غلبہ نہ ہونے لگے۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد آپا نجمہ نیند سے چونکیں رسالہ کو پھینک انکی مسہری پر آگئی پوچھا "کیا ہوا آپا نجمہ۔ کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟"

آپا نجمہ نے کہا "خواب دیکھ رہی تھی۔ کیوں تم ابھی تک جاگ رہی ہو"

"کیسا خواب تھا۔"؟

"دیکھا ایک نہایت خوشنما باغ ہے۔ ہر طرف ہریالی ہے۔ رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے جنکی خوشبو سے ہوا معطر ہے۔ سارے باغ میں دودھ جیسی سفید چاندنی پھیلی ہے۔ تیلی تیلی لہرتی پھر رہی ہیں۔ میں باغ کے پھاٹک پر کھڑی باغ کی بہار کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ سوچنے لگی کس کا ایسا خوشنما باغ ہے۔ اسی اثنا میں دیکھتی ہوں کہ اماں فرزان اور برجیس کا ہاتھ پکڑے جہل قدمی کرتی ہوئی پھاٹک کیطرف آرہی ہیں۔ میں زور زور سے انہیں پکارنے لگی۔ جیسے قریب ہوگئیں۔ انہوں نے مجھے کہا نجمہ بیٹی تم آگئیں۔ میں تو تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ اندر آجاؤ میں نے کہا جاگ رہی ہوں۔ اتنے میں ایک سفید ریش ولی شخص آیا اسکا چہرہ ماہتاب کی طرح دمک رہا تھا۔ اسنے پھاٹک کھولدیا۔ اور میں اندر چلی گئی پھاٹک پھر بند ہوگیا۔ اس شخص کو دیکھکر میں بہت ڈری اماں سے پوچھا یہ کون شخص تھا انہوں نے کہا یہ فرشتہ ہے۔ ہماری خدمت کیلئے مقرر ہے۔ میں نے مڑکر پھاٹک کیطرف جو نگاہ ڈالی تو پھاٹک بند اور فرشتہ غائب میں نے کہا اب میں جاؤنگی کیسے اماں۔ انہوں نے جواب دیا بیٹی یہاں آنے کے بعد کوئی پھر باہر نہیں جاتا۔ سنا تم نے فردوس! کیسا اچھا خواب تھا"؟

"جانتی ہیں خواب حقیقت نہیں۔ جو کچھ انسان سوچتا ہے غفلت میں وہی خیال تصویر بنکر سامنے آتی ہے۔ آپ ہر وقت سوچتی رہتی ہیں"۔

"نہیں فردوس! بعض اوقات خواب بھی حقیقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے"۔

"ان خیالوں کو دماغ سے نکالو ڈاکٹر نوری آپکو آرام کیلئے کہہ گئے ہیں"۔

"فردوس! مجھے یقین ہے کہ اب میرا آخری وقت ہے۔ تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لوں انہیں دیکھنے کا ارمان تھا سو پورا نہ ہوا کاش وہ اسوقت آجائے۔

"تم بھی کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو آپا نکالو ان باتوں کو دماغ سے"۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آپا نجمہ کی آنکھیں ٹنگ گئیں ہچکی آنی شروع ہوگئی میں چیخ اٹھی۔ دادی اماں! دادی اماں! آپا کو دیکھو انکی آنکھیں الٹ گئیں۔ دادی اماں اٹھ گئیں گھر میں کہرام مچ گیا۔ میں نے فوراً ایک نوکر کو کہا جاؤ ڈاکٹر سے کہو آپا کی حالت اچھی نہیں۔ میں آپا کے سرہانے ایک بیکس کیطرح آنسو بہانے لگی۔ دادی اماں نے کامران کو کہا کہ قرآن پڑھے اور خود مسہری کی پٹی پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئیں۔ ڈاکٹر نوری فوراً آگئے۔ انہوں نے نبض دیکھی اور یہ کہکر ہاتھ چھوڑ دیا کہ جیسے خدا کی ہی مرضی تھی۔ دادی اماں نے آنکھوں کے پپوٹے گرا دئے اور آپا کی لاش کو چھپا دیا۔

دوسرے روز رات کو کمرہ میں خوشبو جلانے آئی تو کمرہ میں حسرت ویاس برس رہی تھی ایسی اداسی تھی کہ جی گھٹنے لگا۔ کمرہ کی تمام چیزیں آپا کی یاد میں سوگ منا رہی تھیں منجھو کی تصویریں تھیں جو نشتر بنکر کلیجہ کو چھیلی ہی تھیں میں آنسو پونچھتے ہوئے کھڑکی پر آگئی۔ ایسا معلوم ہوا گویا باغ کے نیچے نیچے درخت گل و بوٹے سب آپا کی یاد میں مدہوش ہیں رات کی سیاہی نے ان پر ماتمی لباس ڈال لیا۔ دور کسی درخت پر الو ٹیٹانول رہا تھا اور ماتم کدہ کی بھیانک رات سامنے کھڑی سن سن کر رہی تھی۔ اس وحشتناک منظر سے مجھے ہول اٹھنے لگا اور میں کمرے سے باہر نکل آئی۔

آپا نجمہ تو کب کو چھوڑ کر اماں کے پاس چلی گئیں اب تمہاری زندگی رہ گئی ہے۔ زندگی بھر کی اداسی کا نے کھاتی ہے دادی اماں بھی صدمہ سے نیم مردہ ہوگئیں۔ آج بھائی نسیم اور دولہا بھائی کا تار آیا ہے۔ آخر وہ منجھو کو دیکھنے لوگ ہوائی جہاز سے آرہے ہیں وہ لوگ آپا نجمہ کو پوچھیں گے تو کیا جواب دونگی اس سوچ سے کلیجہ منہ کو آیا جاتا ہے۔

رضا آرزو (؟)

پژمردہ کلی

ہائے طفلی سے جوانی ہے ابھی تک ہم کنار — گفتگو تک سے لڑکپن کی ادائیں آشکار
عہدِ طفلی کی ابھی معصومیت موجود ہے — اُس کی دنیائے تمنّا کھیل تک محدود ہے
یہ کلی ہے آج تک ناواقف دورِ خز ا ں — اس نے دیکھا ہی نہیں اندازِ جورِ آسماں
دستِ گلچیں سے ابھی ناآشنا اس کی نگاہ — اس کے دامن سے کبھی لپٹی نہیں ہے گردِ راہ
چاند سے اکثر کیا کرتی ہے باتیں رات کو — کچھ سمجھ سکتی نہیں چرخِ کہن کے گھات کو
باپ، ماں، بھائی، بہن اسکے لئے یک کائنات — کیا خبر اسکو اجل کیا چیز ہے کیا شئے حیات
رنج و غم کا خواب تک اُس نے ابھی دیکھا نہیں — غیظ و نفرت کی شکن سے پاک ہے اُسکی جبیں
ازدواجِ زندگی سے یہ ابھی کوسوں ہے دور — کچھ نہیں معلوم کیا شئے ہے جوانی کا سرور
ہاں! مگر یہ غنچۂ نوخیز اب کھلنے کو تھا — آمدِ فصلِ بہاری کا مزا ملنے کو تھا
ہو چلا تھا بارور نخلِ گلستانِ شباب — پانیوالی تھیں تمنائیں کلیدِ فتحِ باب
اَوج پر اب آچلا تھا مہرِ صُبحِ زندگی — روز افزوں تھی فروغِ حُسن کی تابندگی
جذبۂ خفتہ میں پیدا ہو رہی تھی لہر سی — مائلِ شعلہ فشانی تھی تجلّیِ عشق کی
ہائے! لب تک آچکا تھا بادۂ عشرت کا جام — ماہِ نو اب ہو چلا تھا حلقۂ ماہِ تمام
اُف ری نیرنگیِ طلسمِ گردشِ تقدیر کی — خاک میں ملتی ہے امیدِ بہارِ زندگی
وقفِ برقِ بیوگی ہوتا ہے کمسن کا شباب — حسرتیں سر پیٹتی ہیں۔ آرزو خانہ خراب
دیدۂ سحر آفریں سے اشکِ خونی ہے رواں — گرمیِ سوزِ دروں سے ہر نفس آتش فشاں
سر برہنہ۔ بال بکھرے۔ رنگ کمہلایا ہوا — فرطِ غم سے پھول سا رخسار مرجھایا ہوا
ہائے یہ عالم نمو کا۔ اُسپہ یہ شوہر کا غم — شیشۂ نازک پہ دل کے یہ گراں کوہِ الم
یہ بہارِ زندگی۔ اور بیوگی کا اُسپہ داغ — شام ہی سے بجھ گیا اُس کی مسرت کا چراغ

ہو گی ہے زندگیٔ نا امیدی کا پیام — عقد ثانی رسمِ باطل کی شریعت میں حرام
یہ وہ شام بیکسی ہے موت ہے جسکی سحر — یہ وہ زنداں ہے کہ جسمیں کوئی روزن ہے نہ در
رسم کا مغرور بت! اور مالکِ طاقِ حرم — یہ قیامت - یہ غضب - یہ جور - یہ ظلم و ستم
ایک تو شوہر کا مرنا - اُسپہ ظلمِ اقربا — ہائے یہ کیسی قیامت پر قیامت ہے بپا
ایک تو زخمی کیا تھا خنجرِ تقدیر نے — دل کے سو ٹکڑے کئے رسمِ کہن کے تیر نے
کاش اسی آفت پہ ہوتا ختم یہ روزِ سیاہ — کاش کھل جاتی کسی صورت سے اس بیکس کی راہ
کاش اس کے لوگ بنتے مرہمِ زخمِ جگر — کاش اس بیچارگی میں کوئی ہوتا چارہ گر
کوئی کرتا بخیۂ چاکِ گریبانِ امید — کاش یہ تاریک شب ہوتی پیامِ صبحِ عید
وہ جو کہلاتے ہیں وارث انبیائے پاک کے — جو بیان کرتے ہیں وعظوں میں رموز افلاک کے
جن کو دنیا جانتی ہے دینِ حق کا پاسباں — جن کے ہاتھوں میں کلیدِ بابِ گلزارِ جناں
جن کے آگے سرنگوں ہر پیرو دینِ مبیں — جن کے رتبے کی بلندی رشکِ چرخِ بریں
جن کے لب کی جنبشوں پر کفر و دیں کا فیصلہ — جن کی ہر آواز ربّ العالمیں کا فیصلہ
کاش میدانِ عمل میں آج وہ رکھتے قدم — اور لیتے اپنے ہاتھوں میں شریعت کا علم
رسمِ کہنہ کو مٹاتے عالمِ اسلام سے — قوم کو آزاد کرتے جاہلوں کے دام سے
صنفِ نازک کو چھڑاتے رسم کی زنجیر سے — شمعِ محفل کو بچاتے پنجۂ گلگیر سے
عورتوں کو حق جو بخشا ہے خدائے پاک نے — اُنکے بارے میں جو فرمایا شہِ لولاک نے
جتنی آزادی انہیں حکمِ شریعت سے ملی — جو رعایت انکی راحت کیلئے مذہب نے کی
قولِ حق - فرمانِ پیغمبر شریعت کے اصول — جن کے سایہ میں کھِلے اسلام کے گلشن کے پھول
فرض تھا ان پیشواؤں کا خدا کے سامنے — حق پرستی کے لئے اپنی کمر کو باندھتے
کاش میدانِ سیاست کی مدبر رہنما — ہوتے ان بیوا اسیروں کیلئے عقدہ کشا
عقدِ ثانی کی گرہ کو - ناخنِ تدبیر سے — یا بہ نوکِ خنجرِ تنظیمِ ملّت کھولتے
کاؤنسل کے ہال میں کرتے ہیں باتیں عرش کی — کچھ خبر انکو نہیں دنیا کے اہلِ فرش کی

سیّد عبد الحفیظ سہروردی بزم

یاسمینہ

نہ معلوم کیوں؟ مجھے بجّی سے بڑی چڑ تھی۔ ویسے تو ان میں کوئی برائی نہ تھی —— اچھی شکل پڑھنے میں بلا کے تیز —— اور ہر دلعزیز بھی تھے۔

لیکن ان کا ہر وقت کا مذاق سچ پوچھئے تو مجھے ذرا بھی نہیں بھاتا۔ ہر وقت ہی ہی ہا ہا۔ . . ہمیشہ دانت نکلے ہوئے ... یہ بھی کوئی بات ہوئی ؟!

وہ گھر میں آتے تو جیسے زلزلہ ہی آ گیا —— کسی کو چپت رسید کی کسی بچے کے کان پر شامت آئی —— کسی کی چوٹی دم بن گئی۔ اور کسی کو سگریٹ سے جلا دیا گیا۔

عجیب طرح کے آدمی ہیں وہ بھی! شاید زندگی ... مستقل قہقہہ ہے ——!

ہر وقت ہر وقت ہنستے رہنا بھی عجیب عجیب چیز ہے . . . . .

لیکن مجھے تو انکی ہنسی بالکل بے معنی معلوم ہوتی ہے . . —— ... بھی کوئی زندگی ہے نہ فکر —— نہ ... غم . . .

ہمیشہ ایک ہی طرح ——؟

نزہت سیما ناہید سب ہی ان سے نالاں تھیں۔ تھیں بھی وہ تو بری طرح تنگ کیا کرتے ... اس دن انہوں نے سیما کا کلپ ... نہ جانے کہاں چھپا دیا تھا آخر وہ بیچاری یونہی کھلے بال ہی سینما چلی گئی تھی۔ بھی یہ بھی کوئی مذاق ہیں مذاق ہوا ؟!

ہاں انہیں اپنے پر ... ناز بھی تو ہے۔ سمجھتے ہیں جیسے دنیا بھر میں وہی تو ایک حسین ہیں —— اس روز بیچارے شاطر کو کتنا بنا رہے تھے ؟ کہہ رہے تھے کہ تیری آنکھیں چوہوں کی طرح ہیں —— اور ناک؟ ارے باپ رے باپ بالکل پیالہ ہے پیالہ —— تو وہ بیچارہ کیسا کھسیا گیا۔ سچ کہتی ہوں یہ بنانے کی عادت کتنی بری ہے!

ناھید آپا بھی تو عجیب قسم کی ہیں۔ بجّی کی تعریفیں انکے منہ ہی پر کیا کرتی ہیں اسیلئے تو انکا دماغ اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ سمجھتے ہیں بس جو میں ہوں وہ کوئی نہیں ——!

اس شام ناہید آپا کہہ رہی تھیں۔ دیکھتی ہے ری ریحانہ بجّی کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں۔؟ اور اس کے بال کتنے خمدار ہیں ——

یہ انکا کہنا تھا کہ وہ اچک کر آئینہ لیکر دیکھنے لگے اور بولے اونہہ آپا میرے بال صرف خوبصورت نہیں بلکہ ریشم کی طرح ہیں بالکل ریشم کی طرح —— اور آنکھیں؟ تم نے یہ آنکھیں نہیں دیکھیں کتنی پیاری پیاری ہیں —— توبہ جی! کتنے بے باک ہیں بجّی: اپنی تعریف کرتے شرم بھی نہیں آتی . . . . ؟ میں نے جل کر کہا جی ہاں آپکے بال ڈی۔ ام۔ سی کی جھاڑو کی طرح ہیں —— اور پلکیں سوئیاں —— تو پیار کر لیجئے بہت سارے "میز پوش" وہ ایک طویل قہقہہ کے ساتھ بولے ——

اور میں لاجواب ہو گئی . . . سچ کہتی ہوں مجھے انکی بے حیائی اور اس قدر شرارت سے سخت نفرت ہے۔ آخر وہ اپنے کو سمجھتے کیا ہیں۔؟

یہ تو اور بات ہوئی کہ ناہید آپا کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ ہر کسی کی خوبصورتی یا بدصورتی پر خواہ مخواہ تنقید کیا کرتی ہیں —— ایک دفعہ وہ کہہ رہی تھیں کہ زیدی کا قد بہت اچھا ہے اور جسم بھی متناسب ہے یہ سنتے ہی وہ بیچارہ الٹے پاؤں باہر ... ہو گیا تھا ——!"

اور یہ بجّی؟ انہیں تو اپنی خوبصورتی پر غرور ہے ——!

ویسے تو وہ ہر کسی کو چھیڑتے رہا کرتے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کی نظر عنایت زیادہ تر مجھ ہی پر رہا کرتی ہیں ——!

جب کبھی میرے کمرے میں جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ میری ساری چیزیں انہیں کی ہیں۔ کوئی تکلف نہیں کوئی غیرت نہیں ہر چیز الٹ

پلٹ کبھی تو کمرہ بند کرکے شام تک وہیں ڈٹے رہتے ہیں۔ جیسے کہ میرے کمرے کے مالک وہی تو ہیں۔ اس پر ہر چیز بھی دعویٰ میری چیزوں کو مصرف میں لاتے شرم بھی نہیں آتی انہیں ؟

ایک دن جو میں اپنے کمرے میں پہونچی تو کمرہ کا عجیب حال تھا۔ ہر چیز الٹی ہوئی ـــــ تصویریں کلینڈر اور جاپانی تصویریں جنہیں میں نے بھیا کی خوشامد کرکے دہلی سے منگوا کر نہایت محنت سے سیاہ کاغذ کا بورڈر بنا بنا کر آویزاں کی تھیں۔ سب کی سب الٹی جھوم رہی تھیں ـــــ !

میز کرسی حتیٰ کہ مسہری تک انہوں نے الٹ دی تھی۔ اور اسی طوفان بدتمیزی میں میرا چینی کا حسین گلدان بھی شہید ہو گیا تھا۔ جسے میں بیحد عزیز رکھتی تھی۔ اور جسے تازے تازے پھولوں سے بھرنا میرا عزیز ترین مشغلہ تھا! سچ کہتی ہوں کمرے کی یہ

سچ کہتی ہوں کمرے کی یہ حالت اور شکستہ گلدان کو دیکھ کر مجھے بیحد افسوس ہوا۔ اور بجی پر بے انتہا غصہ آیا۔ لیکن میں کر ہی کیا سکتی تھی۔ جب سے وہ یہاں آئی تھی ہر روز میری چیزوں کو غارت کر رہے تھے کبھی تو قلم توڑ دیا تو کبھی کاپیاں پھاڑ ڈالیں ـــــ !

اس دن جان کر انہوں نے میرا اسارا کا سارا پیڈ جلا کر خاک کر دیا تھا۔ اور شعلوں کو دیکھ کر کتنا بے معنی طریقہ سے ہنستے رہے ـــــ مذاق کیا ہوا پیسے کی بربادی ہوئی ـــــ !

تو آخر میں کب تک چپ رہوں۔ اب تو چچی جان سے ضرور کہدونگی۔ بتائیے تو یہ بھی کوئی انسانیت ہے ـــــ ؟

میں غصہ میں بڑبڑا رہی تھی کہ آپ نہایت شاندار طریقہ سے آموجود ہوئے۔ بہت ہمدردی سے بولے ـــــ ارے ... یہ کیا ہوا ریحانہ ؟ ؟

میں ایکدم چپ تھی۔

تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے ؟ یہ سب چیزیں کیوں اس حال میں ہیں ...... مطلب کیا ہے ؟ ...... مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی نہ الٹ جاؤ ـــــ بجی ہنس رہے تھے ـــــ انکی باتوں اور ہنسی سے میرا غصہ اور بھی بڑھ رہا تھا!

جی میں آیا کہہ دوں کہ تمہارا ہی دماغ الٹا ہوا ہے ـــــ ! لیکن نہایت معصوم بن کر بولی خود ہی یہ شرارت کرکے مجھے بنا رہے ہیں آپ ؟ !

میں ـــــ میں ؟ کون کہتا ہے کہ میں نے تمہارا گلدان توڑا ہے۔ عجیب طرح کی لڑکی ہو تم بھی ـــ

ارے ایمان سے کہتا ہوں ایمان سے ابھی ابھی نسیم بھائی میاں تھے یقیناً وہی ہوں گے ـــــ کیا سمجھتی ہو انہیں بڑے گرو ہیں گرو ـــــ !

میں ہنس پڑی ـــــ بجی کی باتیں بڑی دلچسپ ہوا کرتی ہیں ٹھیک کہتی ہیں ناہید ی آپا ـــــ

نسیم بھیا مولوی نما انسان سے ایسی حرکت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ اونہہ نسیم بھائی ایسی بدتمیزی کبھی کر ہی نہیں سکتے۔ میں نے کہا

بدتمیزی ـــــ ؟ تم تم مجھے بدتمیز بنا رہی ہو نہ ! اوہ نسیم بھائی جیسے بہت نیک ٹھہرے ـــــ وہ وہ یہ حرکت کر ہی نہیں سکتے ہیں کہہ کس وثوق سے رہی ہیں محترمہ ـــــ ہاں ـــ ارے اب سمجھا۔ ان سے اب تمہاری شادی ہوگی نہ ! جب ہی تو یہ توقع ہے بیچاری کو ـــــ لیکن منہ دیکھو ـــــ ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے ـــــ سچ کہتا ہوں یکدم مہمل ہیں۔ بالکل بوگس ہیں بوگس ..... لیکن تم نہ جانے کیا سمجھتی ہو ـــ سچ کہتا ہوں پرسوں ٹینس میں جو شکست ہوئی تو بلبلانے لگے ـــــ میں نے اپنے معطر رومال سے آنسو پونچھے تھے۔ نسیم بھائی تو مجھے بالکل بھونڈے معلوم ہوتے ہیں۔ قسمت پھوٹ جائیگی اگر شادی ان سے ہوئی تو ـــــ

میں منہ بنائے بالکل چپ تھی ـــــ وہ ذرا قریب آکر بولے ایمان سے ان سے اچھا تو میں کھیل لیتا ہوں ـــــ ویسے بھی شکل صورت اور ہاں ہر چیز میں میں ہی ان سے اچھا ہوں ایمان سے !

بولو اچھا ہوں نا ! اوں بولو پسند ہوں ـــــ ؟!

توبہ توبہ ! کتنی بے دھڑک باتیں کرنے لگے بجی ! میں تو مارے شرم کے کٹی جا رہی تھی۔ بھاگی وہاں سے تو سیدھے تمیا کے کمرے

میں جاکر رکی ——— نہ جانے اور کیا کیا بک جاتے؟

ویسے بھی میں نجمی سے ہمیشہ دور ہی دور رہی ہوں۔ لیکن اب تو دن بھر کمرے بند کئے پڑی رہتی۔ مجھے خود پر بڑا غصہ آتا۔ میں یہاں آئی ہی کیوں جب ایک بلا سر سے یہاں موجود تھی ——؟ کیسا اچھا ہوتا جو ابھی روحی کے پاس رانچی گئی ہوتی۔ رانچی کی خوبصورت جھیل۔ کانکے کی سیر ——— حسن منافریاد کر کے آنکھیں پرآب ہوگئیں ——— اور نہیں تو عیا کے یہاں چلی جاتی۔ کتنی محبت سے بلا رہے وہ؟ لیکن چچی جان کے اصرار آپا ناہید کی محبت آگیں بلاوا سے متاثر ہوکر میں نے کہا کہ ساری چھٹیاں یہیں گزار دوں ——!

کمرہ بند بیٹھے میں بھی دیکھتی کہ کھڑکی دروازوں سے نجمی کی شوخ آنکھیں جھانک رہی ہیں ——— اور کبھی تو یہ کہ سے کنکر کنکروں کی اس قدر بارش ہوتی کہ مجھے مسہری کے نیچے چھپ جانا پڑتا ——— اور کوئی ہوتا تو بچے ایسے ہی بری طرح انتقام لیتی۔ لیکن نجمی خدا کی پناہ ——— نہ جانے کیوں میں بری طرح ان سے کانپتی تھی ——

بارہا جی میں آیا کہ کاش مجھے بھرا تھ سے اس گستاخ آنکھوں پر تھوک دے لیکن میں سہیا کر رہی [illegible] مجھے چچی کے سا تو سا تھ ڈر بھی معلوم ہوتا۔ کیونکہ میرے بزرگ ادا و میت و رسم اخلاق کے عادی ہیں —— اور اگر چچی جان سے میری شکایت کر دیتے تب؟؟ میں چچی جان کا بیحد ادب کیا کرتی تھی۔ ہمیشہ انکے سامنے مودبانہ طریقے سے رہا کرتی۔ انہیں بھی تو یہ یقین ہو گیا تھا کہ واقعی میں بہت نیک اور شرارت وغیرہ سے بالکل مبرا ہوں

پھر نجمی سے بدلہ لیکر یہ بزرگ پر پانی پھیر دینا کسقدر بہت طلب بات تھی۔؟

اسی لئے تو میں ابتک خاموش تھی۔ اور ویسے بھی میں ان سے جلتی بری طرح ———!

ایک روز ہم سب لوگ تالاب پر گئے۔ ہم سب بالکل کنارے پر کھڑے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پودوں کو دیکھ رہے تھے جو کنارے پر اگے ہوئے بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے نجمی کی ایک شوخی یہ دیکھی سے چٹ توڑ کر پانی میں پھینک دی ——— اور

نزہت میرا بازو تھامے کہہ رہی تھی۔ چلو بھئی امرود توڑ لیں یہ کیا بکھیڑ کررہی ہو؟ کہ معاً ایک پتھر آکر نزہت کے ہاتھ میں لگا اور وہ بسورنے لگی۔

— سوائے نجمی کے اور ہو ہی کون سکتا ہے۔ ناہید کی آپا بولیں

— اور وہ ایک طرف سے حسب معمول نمودار ہوئے —— اور میں انہیں دیکھتے ہی بھاگی وہاں سے ——— دور تک انکی پکار کان میں گونجتی رہی۔ لیکن میں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

کمرے میں جو پہونچی تو میرا آفس بکس ایک کونے میں کھلا ہوا بے ترتیب پڑا تھا ——— اور میری منتخب اشعار والی کاپی ایک اچھی سی تصویر ——— ایک عمدہ سا پیڈ دو تین عمدہ قیمتی پنسلیں اور دو ایک نا تمام نظمیں —— ——— سب کی سب چیزیں بالکل لاپتہ تھیں۔

نجمی نے میری عدم موجودگی سے کافی فائدہ اٹھایا تھا۔ اب تو میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ چاہے جو کچھ ہو اب اس چوری کا بدلہ ضرور لوں گی ——!

اس رات قریب بارہ بجے تک میں شیلے کی نظمیں پڑھتی رہی ——— یک لخت دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی ساری چیزیں نجمی کی رانچی سے لے آؤں۔ موقع بھی خوب ہے۔ ہر شخص سویا ہوا ہے ——— اور نجمی؟ وہ بھی غافل پڑے ہونگے۔ لیکن جاؤں تو کیونکر؟ یہ ایک سوال تھا جو بار بار میں اپنے دل سے کر رہی تھی۔ آہستہ سے اٹھی اور دبے پاؤں ان کے کمرہ تک پہونچ ہی گئی۔ دروازے کے پردے گستاخ ہواؤں سے متحرک ہو رہے تھے ——!

لیکن پھر بھی میں ڈر رہی تھی۔ اگر پکڑی گئی تب؟ جی میں آیا کہ سیما کو اٹھالاؤں لیکن وہ شریر ذری ذری بات میں اسقدر ہنستی ہے کہ سب کھیل ہی بگڑ جاتا ——— اور نزہت؟ وہ تو چچی جان کے قریب ہی سو رہی تھی ——— پھر ناہید کی آپا وہ تو نجمی کی طرفدار تھیں۔ انہیں مجھ سے کیا ہمدردی تھی۔ اور اپنی چیزیں لانی بھی ضروری تھیں۔ پھر اگر میں نے اسوقت بدلہ نہ لیا تو نجمی اور بھی سر چڑھ جائیں گے آخر میں ہمت کر کے وہاں پہونچ ہی گئی ——!

نجمی بے خبر سو رہے تھے۔ [illegible]

ہوتی تھیں ـــ ۔ ۔ جلے ہوئے سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے بے شمار ٹکڑے ناخوشگوار سی بو کمرے میں پھیلا رہے تھے ـــ!

میز پر شیشہ کی خوبصورت سی ذرا بڑا سا کانچ گل دان شعلہ وشبنم نقش ونگار ۔ خاتم ۔ اور بہت سارے ڈائجسٹ سب آپس میں آماد پیکار ـــ ہر چیز گرد میں اٹی ہوئی ـــ ۔ ـــ میری نظر کلنڈر پر پڑی۔ اوہ دہ ابھی مئی کا لگا ہوا تھا ـــ ہوگئی اس خود فراموشی کی ـــ شاید انہیں ہنسنے کے سوا کچھ آتا ہی نہیں ہے ـــ جب ہی تو کمرہ کی یہ حالت ہے جیسے کوڑا گھر ایک طرف ایک بڑا سا سوٹ کیس دھرا تھا۔ جسکے اندر سے کپڑے جھانک رہے تھے۔ ٹی والی میز پر چھوٹی اٹیچی تھی۔ جسے دیکھکر میرے دانت نکل پڑے ـــ ـــ میں اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھی۔

میں نے لپک کر اٹیچی کھول دی ـــ وہ تین اچھی اچھی جلد والی کاپیاں ۔ شیو کا سامان ۔ ایوننگ ان پیرس کی شیشیاں کریم اخبار سینٹ وغیرہ وغیرہ اور مختلف قسم کے رومال ـــ آج بہت ساری چیزیں چراؤں گی ۔ میں نے دل میں کہا ـــ اور چیزوں کو آنچل میں ڈالنے لگی ـــ لیکن میری منتخب اشعاروں والی کاپی ـــ تصویر وغیرہ تو کہیں نظر نہ آئی ـــ بڑے چالاک ہیں بھی نہ جانے کہاں چھپا رکھی ہیں میری چیزیں ـــ ۔ ۔ ۔ ؟ مجھے بجی کی ڈائری نظر آئی ـــ اور اسے تو ضرور کچھ پڑھوں گی چاہے کچھ ہو۔ واقعی ڈائری پڑھنا بھی کتنا لطیف شغل ہے ـــ ایک دفعہ میں جمالی بھائی کی کی ڈائری بھی چرا کر لے گئی تھی ـــ ۔ لیکن انکی ڈائری زیادہ رنگین جذبات سے پر تھی ۔ مہمل مہمل باتیں ـــ خالی شاعری ہی شاعری ـــ سچ میں اتنی رنگینی بھی نہیں اچھی ـــ ہاں البتہ بھیا کی ڈائری تھی ۔ کتنے سادہ طریقہ سے لکھتے ہیں بھیا ـــ؟ میں اور سمیا نے کیسے ڈر ڈر کر پڑھا تھا ؟ اور پھر بجی کی ڈائری کو میں نہ پڑھوں ۔ یہ تو ناممکن بات ہے ـــ ضرور ضرور لے جاؤں گی اور خوب خوب چڑھاؤں گی بجی کو ـــ آخر وہ کاہے میری کاپیاں لے بھاگتے ہیں ۔؟ پھر ناتمام افسانے غیر مکمل نظمیں سب جانے نہ کہاں چھپا دیتے ہیں ، کتنی خراب عادت ہے یہ ؟

اب تو میں بھی خوب بدلہ لوں گی ـــ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر یہ اپنے کو سمجھتے کیا ہیں ۔؟ میں نے بجی کی طرف دیکھا ۔ ارے وہ تو بالکل جاگ رہے تھے ۔ اب کیا ہوگا ؟ کیسے بھاگوں ؟ میں یکدم سے گھبرائی ـــ اتنے میں وہ زور زور سے پکارنے لگے ـــ ـــ ناہید ی آپا ـــ آپا ـــ سمیو ـــ نزہت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے جلدی سے خود کو بڑے ٹیبل کے نیچے چھپا لیا ـــ فوراً ہی وہ سب کمرے میں پہونچ گئیں میز کے نیچے سے میں نے دیکھا کہ چچی جان ہانپتی ہوئی چلی آرہی ہیں ـــ میرے اللہ اب کیا ہوگا ـــ ؟ سمیا نزہت ناہیدی آپا نے سارا معاملہ سمجھ لیا تھا ـــ چچی جان دور ہی سے بولیں کیا ہوا بیٹا بجی ؟ کہیں کوئی خراب خواب تو نہیں دیکھا تم نے بیٹا ؟ کچھ نہیں ـــ کچھ نہیں ـــ تھا ۔ بجی نہ معلوم کیوں گھبرا کر بولے ۔ اور وہ یہ کہتی ہوئی کہ تم تو اب بھی بچوں کی طرح ڈرا کرتے ہو ۔ واپس چلی گئیں ۔ ان کے جاتے ہی کمرہ میں قہقہوں کی آواز گونجی ۔ اری تو تو بکی چور نکلی رجو آ ! ناہیدی نے مجھے میز کے نیچے سے گھسیٹتے ہوئے کہا ـــ ۔ اوہ اتنی ساری چیزیں ـــ سمیو نے کہا ۔ اور میں نے جلدی سے ڈائری کو اچھی طرح چھپا لیا ـــ نزہت اپنی بوجھل نظروں سے تک رہی تھی ـــ دیکھو بجی ۔ یہ رہا رومال ۔ یہ سینٹ ۔ یہ پیڈ ۔ اور یہ اسنو ۔ اور ۔ کیا کیا ہے جی ؟ میں نے ساری چیزوں کو زمین پر پھینک دیا ۔ لے لیجئے مجھے اسکی ضرورت ہی کیا ہے ۔ جی ہاں پھر ۔ پھر یہ زحمت ہی گوارا کیوں کی تھی آپ نے ۔ بجی میری طرف آتے ہوئے بولے ـــ !

سینٹ کی شیشی ٹوٹ چکی تھی ـــ اور سگریٹ کی ناخوشگوار بو ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر ایک لطیف خوشبو میں ڈوب گئی تھی ـــ ۔ ۔ ! بجی کو آتے دیکھکر میں دوڑ کر وہاں سے بھاگ آئی ۔ میں بہت خوش تھی کہ میں نے انتقام لے لیا ـــ !

اسی وقت میں اپنا کمرہ بند کر کے لیمپ کی دھیمی روشنی میں ڈائری پڑھنے لگی ۔ جو یاسمین کے نام معنون کی گئی تھی ـــ ۔ اور زیادہ تر حصہ یاسمینہ ہی کے حسین نام سے پر تھا ـــ کسقدر خوبصورت نام تھا یہ یاسمینہ ـــ!! مجھے یہ نام بیحد پسند آیا ۔ میری نظروں کے سامنے یاسمین کے نازک نازک

بے شمار پھول کھل گئے ـــــ اور انکی بھینی بھینی جاں بخش خوشبو جیسے سارے ماحول پر چھا گئی ـــ !

یاسمینہ۔ ؟ لیکن یہ ہیں کون ؟ ناہید ی آپا یا چچی جان نے تو ان کا ذکر تک نہیں کیا تھا وہ تو بہت سی گئی گذری اور آنے والی باتیں کرتی رہتی ہیں ـــ جمالہ۔ زہرہ۔ شہنا یہ سب نام تو میں بار بار ان کی زبانوں سے سن چکی ہوں۔ مگر یہ یاسمین ! میں نے لاکھ سمجھنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی نہ سمجھ سکی۔ کل سے بجی کو خوب چڑھاؤں گی۔ اسقدر یاسمینہ یاسمینہ کی رٹ لگاؤں گی کہ دماغ ہی خراب ہو جائیگا حضرت کا ـــ سچ کہتی ہوں اگر میں پہلے کی طرح اب بھی جنگلی بی بی بنتی تو یقیناً میرا دیوالہ نکل جاتا۔ بیہودہ نئی نئی شرارتیں۔ بھلا کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ میں تو ایکدم تنگ آگئی تھی۔ افوہ اس دن میرا ایک دم نیا ایبڈی سوٹ کیچڑ پر پھینک دیا۔ اور کسی کو اسنے کبھی ہتیں دیتے تھے۔ آخر وہ بارش سے جھینگ کر بالکل پاڈر روٹی بن گیا تھا۔ اس روز مجھے اپنے جوتے کا بڑا افسوس ہوا تھا۔ دن بھر کمرہ بند کرکے روتی رہی تھی۔ آخر کرتی بھی کیا مجبور تھی۔ اور ویسے شرمانی بھی بہت تھی۔ لیکن اب ـــ ؟ اب دیکھوں تو کہ کس کی مجال ہے جو میری چیزوں کو بگاڑے۔ ؟ !

دوسرے روز بجی سے ملاقات ہی نہیں ہوئی نہ جانے کہاں گئے ہوئے تھے : میں دن بھر سوچتی رہی کہ کس طرح انہیں چڑھاؤنگی ؟ ! جب وہ سب لوگ کے ساتھ بیٹھے ہوں گے جا کر کہونگی کہ یاسمینہ آرہی ہیں ؟ نہیں نہیں یہ ٹھیک نہ ہوگا۔ ایک پرزہ پر لکھکر بھیجدونگی کہ ذرا یاسمین سے تو تعارف کرائیں ـــ ! لیکن بجی افوہ میرے حرفوں کو بناتے ہیں وہ تو پرزہ لیکر سب کو بتاتے پھرینگے کہ ان حرفوں کو دیکھو ذرا آنکھو۔ جیسے بہرانی کیڑے رینگ رہے ہیں ـــ ایسے تو میں ہی الو بن جاؤں گی ـ آخر کیا اگر دن میں رہ رہ کر چڑھانے کا پروگرام بناتی رہی ـــ !

شام کو اپنے کمرے میں میں تنہا بیٹھی ایک خط لکھ رہی تھی یک بیک میرے پرسکون کمرے میں جیسے زلزلہ ہی تو آگیا۔ بجی نے حسب معمول ایک قہقہہ کیساتھ اپنا کوٹ مجھ پر پھینکا پھر زور زور سے خواہ مخواہ کھا نستے ہوئے بولے کیا کر رہی ہیں محترمہ ؟ اوہ خطوط لکھے جا رہے ہیں ؟ نہ جانے کن بدنصیب آنکھوں پر شامت آئیگی ـــ تو یہ حرف کیسا ہوتا ہے جیسے ـــ ہا سے میرے حرف کیسے ہی ہوں آپ کے تو ہیں نا جیسے ـــ ! میں نے چل کر کہا۔

تو اسمیں بھی شک ہے وہ اترا کر بولے ـــ اچھا دیکھونگی کہ ان کا حرف کیسا ہوتا ہے۔ کس کا انہوں نے گھبرا کر سوال کیا ـــ بتاؤں۔ بتادوں ـــ ؟ یاسمینہ کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یاسمینہ ؟ کیا فضول بک رہی ہو ـــ ؟ وہی یاسمین آپ سمجھ گئے شاب ـــ ؟ کہاں دیکھا تم نے اسکو ـ کہو اچھی لڑکی ہے نا ؟

میں کیا جانوں ـــ ! تمہیں سچ بتاؤ تمنے یہ نام کہاں سنا۔ بتاؤ ـــ ! لیکن میں کیا جانوں ؟ ! نہیں ریحانہ سچ بتاؤ۔ تم نے کہاں سنا ؟ پہلے آپ بتائے یہ ہیں کون ـــــ ؟ ؟

بتاؤں ـ بتاؤں ؟ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے میری بڑی میز پر اچک کر کھڑے ہوگئے میں حیران نگاہوں سے تک رہی تھی۔ ! یہ کیا کر رہے ہیں آپ میں نے اپنی بڑی تصویر کو اتارتے ہوئے دیکھکر کہا ـــ !

کیا سمجھتی ہو کہ توڑ ڈالونگا۔ ؟ واقعی کوئی تو قیمت رکھا لونگی میں نے شرارت سے کہا۔ لیکن آپ یہ فضول تصویر کیوں اتار رہے ہیں۔ پہلے بتائیے نہ یاسمینہ کون ہیں ـــ ؟ ؟ یاسمینہ کون ہیں ؟ وہی تو بتا رہا ہوں عجیب لڑکی ہو دماغ چاٹ جاتی ہو یاسمینہ کون یاسمینہ کون ہیں ـــ دیکھو تو ادھر ـــ میں نے دیکھا۔ میری تصویر کے پیچھے موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا ـــ "یاسمینہ" میری نگاہیں فوراً جھک گئیں۔ اور میں ترے سے ایکدم پسینے پسینے ہوگئی۔ میرے اللہ کتنے شریر ہیں یہ بجی ! ؟

دوسرے کمرے میں سمینہ بیدآپا زبرہب ہنس رہی تھی ہاہا۔ ہاہا۔ ۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا دھک دھک دھک ۔ ۔ ۔ ۔ بڑے دریچہ میں سے جھانکتے ہوئے زیدی نے پکارا ـــ یاسمینہ ـــ پھر دو تین مختلف آوازیں بیک وقت کمرے میں گونجیں ـــ یاسمینہ یاسمینہ ـــ یاسمینہ

لبنیٰ سوز (اردول)

پیامِ زندگی

(۱)

اے دل اُداس کیوں ہے
اتنا ہراس کیوں ہے
مانا کہ آرزوئیں پامال ہو چکی ہیں
تیری تمام امیدیں قسمت کو رو چکی ہیں
پر اتنی نا امیدی
اے دل نہیں ہے اچھی
ممکن ہے جاگ اُٹھیں سوئی ہوئی امیدیں
اے دل اداس کیوں ہے
اتنا ہراس کیوں ہے

—(۰)—

(۲)

منزل کی جستجو کر
جینے کی آرزو کر
تو اے دلِ پریشاں روتا رہیگا کب تک
یہ زندگی کی گھڑیاں کھوتا رہیگا کب تک
یہ آگ زندگی کی
ہے کیوں بجھی ہوئی سی
اُٹھ لو نئی لگا کر پھر حوصلہ بڑھا کر
منزل کی جستجو کر
جینے کی آرزو کر

—(۰)—

(۳)

ہاں اے دلِ فسردہ!
اے حوصلہ شکستہ!
یہ چاند یہ ستارے سورج کی یہ شعاعیں
جینے کے ہیں اشارے جینے کی ہیں مثالیں
پھر تیری زندگی کا
یہ ساز کیوں ہے چپ سا
پھر آج چھیڑ اسکو پھر کردے مست مجھکو
ہاں اے دل فسردہ!
اے حوصلہ شکستہ!

—(۰)—

(۴)

قول و قرار کرکے
عہد استوار کرکے
آ ہمنشیں جگائیں سوئی ہوئی محبت
پھر آج ڈھونڈ لائیں کھوئی ہوئی مسرت
پھر پی کے جام ہستی
پھر لے کے نام ہستی
اس بزم زندگی میں ہم بھی شریک ہولیں
قول و قرار کرکے
عہد استوار کرکے

—(۰)—

—(۵)—

کیف گیاوی

سایہ

بیچارا غریب بوڑھا رامو اور اس کی بیوی منیا ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بیٹھے کسی اہم بات پر گفتگو کرتے کرتے خاموش ہو گئے تھے۔ دونوں کے جھری پڑے ہوئے بوڑھے چہرے متفکر تھے۔ قریب ہی ایک دھندلی سی لالٹین ٹمٹما رہی تھی جسکی مدھم روشنی دونوں کے اداس چہرے پر پڑ رہی تھی۔

بڑی دیر بعد رامو کی بیوی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا "کچھ بھی ہو لیکن راگنی کی شادی جلد ہی کر دیجائے تو اچھا ہے۔ جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو یہی کہتی ہیں کہ راگنی سیانی ہو گئی ہے لیکن اس کے ماں باپ کو اسکی شادی کی کوئی فکر ہی نہیں۔ میں انلوگ کا طعنہ سنتی ہوں۔ اور غم کھا کر رہجاتی ہوں۔" رامو نے کچھ سوچکر کہا "یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ بیاہ کا جلدی ہو جانا اچھا ہے لیکن تلک کا کیا علاج، پانچ سو روپیہ کہاں سے لاؤں جو گنگا رام کی نذر کر دوں۔ اس کی طبیعت جیسی روپیہ پیسہ کے بارے میں لالچی ہے تمکو معلوم ہی ہے۔ وہ بھلا کسی سے کم تلک کیوں لینے لگا۔ اور جب سے گلاب سنگھ نے کپڑے کی نئی دوکان کھولی ہے میری دوکان پر جلدی کوئی گاہک آتا ہی نہیں۔ اور کپڑے پر دام اتنا چڑھ گیا ہے کہ نیا مال منگانا بہت مشکل ہے۔ دوکان پستی کی حالت میں ہے۔ دیکھو آئندہ پرماتما کیا کرتا ہے۔" بوڑھی منیا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ہاں آجکل آمدنی بھی تو بہت کم ہو گئی ہے۔ بلکہ اور گھر ہی کا جا رہا ہے" کچھ دفعہ کے بعد اس نے چین بجبیں ہو کر کہا "میں کہتا ہوں کیا صرف رتیش ہی راگنی کیلئے رہ گیا ہے۔ ہم گنگا رام کی خوشامد کرنے کے بجائے کیوں نہ دوسرا بر کھوجیں۔" رامو نے متانت سے کہا "تم نہیں سمجھتیں رتیش جیسا نیک چلن اور اچھی سیرت صورت کا لڑکا کھوجنے سے نہ ملیگا۔ اسی سال اس نے آئی۔ اے پاس کیا ہے اور ریلوے میں تیس روپیہ کی نوکری بھی مل گئی ہے۔ ہم نے اکثر اسکی تعریفیں سوہن بھیا کی بیٹھک پر سنی ہیں۔" منیا نے کہا "یہ سب کچھ صحیح لیکن جب گنگا رام راضی ہوں تب تو! بڑا ظالم ہے کمبخت۔ معلوم اس نے اتنا روپیہ کتنے غریبوں اور بیکسوں کا خون چوس چوس کر جمع کیا ہے۔ اسی ظلم کی وجہ سے تو سب لوگ اس سے کھینچے کھینچے رہتے ہیں۔" غرضکہ دونوں میاں بیوی راگنی کی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

راگنی رسوئی گھر میں بیٹھی اپنے تھکے ہوئے باپ کے لئے جو ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔ کھانا گرم کر رہی تھی۔ وہ چپ چاپ غمگین چولھے کے پاس بیٹھی دہکتے ہوئے سرخ انگاروں کو کھوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ خود بھی اپنی شادی کے معاملہ میں بہت فکرمند تھی۔ جب وہ تھالی لئے دالان میں پہونچی تو اس کو اندر والی کوٹھری سے آہستہ آہستہ بات کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازہ کے اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ اسکی ماں کہہ رہی تھی "میں نے سوچا تھا کہ کرن کو کچھ روپیہ کے بارے میں لکھوں۔ وہ ضرور اپنی بہن کی مدد کرتی۔ اگر اس کے پاس روپیہ ہوتے۔ لیکن اس بیچاری کی گھر کی حالت تو خود ہم سے چھپی نہیں۔ بڑے مشکل سے تو اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ غریب دوسروں کو کیا ٹیک دیگی۔ ان باتوں پر غور کرتے ہوئے مجھے اسکو خط لکھنے کی ہمت نہ پڑی۔" رامو نے جمائی لیتے ہوئے کہا "ہاں تم نے اچھا ہی کیا جو اسے خط نہ لکھا۔" اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئے۔ لالٹین کی دھیمی روشنی دروازہ سے ہو کر دالان میں پڑ رہی تھی۔ کھمبے کے دراز سائے ساکت کھڑے تھے۔ ماں باپ کی موجودہ پریشانی دیکھ کر راگنی کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسو جھلک پڑے بہن کو چپ چاپ اکیلا کھڑا دیکھکر اسکا پنج سالہ بھائی کرشن اس کے قریب آ گیا اور پوچھنے لگا۔ کیوں کیا ہوا دیدی؟ ایں روتی کیوں ہو۔ کیا اندھیرے

میں ڈر لگتا ہے؟ اچھا چلو میں تم کو کمرے تک پہونچا دوں" راگنی نے ضبط کرتے ہوئے کہا "نہیں کشنو۔ ارے تو ابھی تک جاگ رہا ہے سویا نہیں؟ اتنے میں اسکی ماں کی بڑی افسردہ آواز آئی۔ وہ کہہ رہی تھی بھگوان مجھے معلوم نہ تھا کہ میری راگنی پر اس وقت کی اتنی بڑی ابھاگن ہوگی۔

اس جملہ سے راگنی کے دل کو سخت دھکا لگا۔ اس کے ہاتھ ہل گئے۔ اور تھالی زمین پر گر گئی۔ سناٹے میں ایسی جھنا کے کی آواز سے دونوں میاں بیوی چونک پڑے۔ اور لالٹین لئے ہوئے دالان میں نکل آئے۔ راگنی کو دیکھ کر رامہ نے بیساختگی سے پوچھا۔ کیا ہوا بیٹی کیا گر گئی۔؟ ماں نے جواب کا انتظار کئے بغیر گھبرا کر پوچھا رو رہی کیوں ہے راگنی؟ کیا سخت چوٹ لگی ہے؟ راگنی کہنے لگی "ہاں ماں میں . . . . میں پتا جی کا کھانا لا رہی تھی کہ کھمبے سے ٹھوکر لگ گئی" کرشن نے بہن کا منہ دیکھتے ہوئے کہا "لیکن دیدی تم تو پہلے ہی سے رو رہی تھیں۔

ایک روز رمیش دس بجے رات تک ادھر ادھر بیٹھک میں پڑا رہا۔ لوگ راگنی اور اسکی شادی کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ طعن و طنز کی بوچھار بھی کرتے جاتے تھے۔ جب رمیش بیٹھک سے لوٹا تو اس کے دماغ میں خیالوں کا ہجوم تھا۔ انہیں خیالوں میں کھویا ہوا وہ گھر پہونچا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک آرام کرسی پر گرا دیا۔ اور گہرے سوچ میں غرق ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچنا شروع کیا غریب راگنی کی ضرور کچھ مدد کرنی چاہئے۔ بیچارے راموچچا اسکل کتنے پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ پتا جی کی بھی عجیب طبیعت ہے۔ اگر غریب آدمی سے تلک نہ لیتے تو کیا نقصان ہوتا۔ بلکہ اور پن ہی ہوتا۔ مگر راگنی کی مدد کس طرح کی جائے۔ سب سے اچھا تو یہی ہوتا کہ میں خود اسکو بیاہ کے سے کچھ پیچھے دے آتا۔ لیکن اول تو اس تک میری رسائی بہت مشکل ہے۔ دوسرے اگر پتا جی کو ذرا بھی بھنک لگ گئی تو میری اور غریب راگنی کی شامت ہی آجائیگی۔ یہ بوڑھے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں جوان لڑکے لڑکی کو ہنستے بولتے دیکھا خواہ مخواہ جل اٹھے۔ اور جب کچھ بس نہیں چلتا تو انکو بدنام کرنے کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ انہیں خیالوں کے ادھیڑبن میں نیند آگئی۔

رمیش اور راگنی بچپن کے بے تکلف دوست اور ساتھ کے کھیلے ہوئے تھے۔ لیکن اب بڑے ہونے پر ایک دوسرے سے ملتے شرماتے تھے۔ اور سب سے بڑا ڈر تو لوگوں کے انگلی اٹھانے کا تھا۔ جب راگنی قریب کی دوکان سے کوئی سودا لانے جاتی تو اور کبھی رمیش کو دیکھ لیتی تو اس کی طرف سے کترا جاتی۔ اور جب کبھی اتفاقاً مڈبھیڑ ہو ہی جاتی تو دونوں ایک دوسرے کو دعا کئے ہوئے دل کے ساتھ نمستے کہہ کر نکل جاتے۔

رمیش کو سوئے مشکل سے کچھ دیر ہوئی ہونگی کہ اسکی آنکھیں پریم چندر اور کمار کے آنے کی وجہ سے کھل گئیں۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا اور بولا۔ آؤ بیٹھو۔ اتنی رات گئے کیسے آنا ہوا؟ چندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ چلتے ہو؟ رمیش نے پوچھا "کہاں؟" چندر نے جواب دیا۔ کشتی کی سیر کو۔ رمیش نے حیرانی سے کہا اسوقت؟ تب اور کیا۔ پریم نے ہنستے ہوئے کہا "ایسی ہی چاندنی رات میں تو کشتی کا لطف ہے۔ دیکھو تو کیسی دلفریب رات ہے اور کیسی اچھی چاندنی ہے۔ حیرت دلکو تو دریا کی سیر کے خیال ہی سے فرحت ہوتی ہے" رمیش نے مسکرا کر کہا۔ خوب باتیں بنانا سیکھتے ہو پریم۔ یہی وجہ ہے کہ کالج کے سب پروفیسر تم سے خوش رہا کرتے ہیں۔ چندر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا "اچھا چلو بھئی بڑی دیر ہوتی ہے۔ چاروں دوست اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور سیڑھیوں سے اترنے لگے۔ پریم نے رک کر کہا "رمیش ذرا اپنی بانسری ساتھ لے لینا۔ ایسی حسین رات میں کشتی کی سیر تو بغیر بانسری کے ادھوری ہی رہتی ہے" غرض سب کے سب ہنستے بولتے دریا کی طرف چلے لیکن رمیش کی آواز میں افسردگی اور ہنسی میں پژمردگی پنہاں تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے اپنے کو دوستوں میں ملانے کی کوشش کرتے ہوئے کمار سے پوچھا۔ کیوں جی تم چپ چپ ہو اور کچھ غمگین سے بھی؟

خیریت تو ہے؟ "خیریت کہاں کی رمیش بھائی" پریم نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا اور چندر نے جملہ کو پورا کیا۔ "میں مریض عشق ہوں میری دوا

پڑھتی ہو؟"

اسکے بعد دونوں نے قہقہہ لگایا۔ رمیش نے ہنسکر قدرے تعجب سے پوچھا۔ ارے خدا بھی تو تم سنوں حقہ کیا ہے۔؟ نیندر نے کہا: اور نیدرہ، وزمے اشوکا کالج نہیں آتی ہے۔ بس تب ہی سے حضرت کی یہ کیفیت ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ اب وہ نہیں پڑھیگی۔ اور ہاں یہ تو بتانا میں تم سے بھول گیا کہ آپ آجکل نیم شاعر بھی ہوگئے ہیں۔ پریم نے کمار کی طرف دیکھکر رمیش سے کہا: اور تم جانتے ہی ہو دوست کہ نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان اور نیم شاعر خطرۂ انسان۔ اس جملہ پر سب ہنس پڑے۔ کمار نے کھسیار کر کہا۔ بس یہی بات تو تمہاری اچھی نہیں لگتی۔ رمیش کو جھوٹی سچی خبریں سنا کر مجھے اسکے سامنے شرمندہ کرتے ہو۔ پریم نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ یوں نہ کہو جی کہ شرمندہ بھی کرتے ہو اور بھانڈا بھی پھوڑتے ہو۔ الغرض سب ایک دوسرے کو چھیڑتے اور بھانڈا پھوڑتے دریا کے کنارے پہونچے تو عجیب دلکش سماں تھا۔ چمکیلے اور شفاف آسمان پر چاند پھلریں دے رہا تھا۔ اور چاندنی کی سفید چادر دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی اور لطیف ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور گھومنے والوں کو دریا کے سیر کی دعوت دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک سب اس نظارہ سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر کشتی پر بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔ چپو چلانے کی آواز دور سے ایک گیت کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کشتی آہستہ آہستہ چاندنی پر روشنی میں گم ہوگئی۔

پرنماشی کی رات تھی۔ چاند کی روشنی جالی دار کھڑکی سے چھن چھن کر راگنی کے حسین چہرے پر پڑ رہی تھی۔ بڑی دیر تک بستر پر کروٹ بدلنے کے بعد ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی تھی۔ اس کی لمبی لمبی جھکی ہوئی پلکوں کا عکس اس کے رخساروں پر پڑ رہا تھا۔ وہ یکایک خواب سے چونک پڑی تھی اور اسکی خمار آلود نرگسی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر وہی سب پریشان کرنیوالے خیالات شادی۔۔۔ تلک۔۔۔۔۔ عزت۔۔۔۔۔۔۔۔ سماج اور اس کے پہاڑ کے چٹان جیسا مضبوط اور اٹل قانون۔۔۔۔۔۔۔ ماں باپ کی بڑھتی ہوئی فکر و پریشانی۔ اسکا دماغ دھونکنی کی طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آہستہ سے دہلیز کا دروازہ کھولکر باہر نکل آئی۔ رات نصف سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اور چاندنی پورے نکھار پر تھی۔ ساری دنیا محو خواب تھی۔ نیند کی خاموش دیوی اپنے لمبے دامن میں سارے عالم کو لپیٹے ہوئے تھی۔ ایسی مدھ بھری اور سنسان رات میں راگنی گاؤں کی کچی سڑک پر جا رہی تھی۔ خیالوں میں کھوئی ہوئی۔ گاؤں کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں اور مکان اس کے سامنے سے اس طرح گذر رہے تھے جیسے بہا لیجانے والی کشتی کے سامنے پانی کی خاموش لہریں۔

چاند کی سیمیں شعاعوں اور دریا نیلگوں پانی سے نہاتی ہوئی کشتی کنارے کی طرف آتی نظر آئی۔ بانسری کی مدھ بھری آواز خاموش فضا میں ایک عجیب ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ کنارے کے درخت دھندلے آسیبوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ اور ان کے پیچھے سے ڈاک بنگلہ کی روشنی حضرت کی آتشیں نگاہوں کی طرح جھانک رہی تھی۔ دو چار کشتیاں اور بھی سطح آب پر تیر رہی تھیں۔ لیکن ان پر کوئی شور ہنگامہ نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ کشتی کنارے سے آلگی۔ اور چاروں نوجوان زمین پر آگئے۔ ان کے آتے ہی پاس کے درخت سے ایک الو چیختا اور شور مچاتا ایک دوسرے درخت کی تاریکیوں میں جا کر چھپ گیا۔ رمیش نے بانسری کو جیب میں ڈالدیا اور سب آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ ان سے کچھ دور کنارے پر ایک سایہ لپکتا ہوا نظر آیا۔ اور پانی میں اترنے لگا۔ غیر ارادی طور پر سب کے سب اس طرف دوڑ پڑے۔ لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ صرف چند لہریں کنارے سے ٹکرا رہا تھا۔ سب نے ایک دوسرے کو استفسارانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اور کسی فیصلہ کا انتظار کئے بغیر پانی میں چھلانگ مار کر کود پڑے۔ تیز لہریں کنارے سے پھر بڑے زور شور کے ساتھ ٹکرائیں۔ اور کچھ دیر کے بعد اس طرح خاموش ہوگئیں جیسے موت کے بھیانک

دیوتا نے ان پر بھی اپنا سایہ ڈال دیا ہو۔ ایک اور الّو پہلے درخت سے چیختا اور شور مچاتا ہوا دوسرے درخت کی تاریکیوں میں گم ہوگیا۔ اور اس کے بعد کائنات پر ایک گہرا سکوت ایک مکمل خاموشی چھا گئی۔

دوسرے روز آس پاس میں یہ خبر نہایت تیزی سے پھیل گئی کہ رمیش۔ چندر۔ پریم اور کمار راموکی لڑکی راگنی کو لیکر کہیں بھاگ گئے۔ تقنا منہ اتنی باتیں۔ خوب خوب چہ میگوئیاں ہوئیں .... لیکن حقیقت حال سے سوائے دریا کی چند لہروں کے اور کوئی بھی واقف نہ تھا۔

جمال آرا

مفلس

جناب منظور حسن منظر بہاری

ایک تنگ سی گلی میں تھی کسی کی جھونپڑی / جو زبانِ حال سے کہتی تھی اپنی بیکسی
اسکی ہر دیوار تھی کمزور اور خستہ خراب / ہر گھڑی اس سے لگی رہتی تھی دونی کی جھڑی
ایک فاقہ مست مفلس اس مکاں میں تھا مقیم / جسکا حالِ زار ہی تھا کائنات زندگی
بھوک کہتی تھی کہ ہاتھ پھیلا بھی اب سن سوال / جھڑکیاں غیروں کی کہتی تھیں ہے بہتر بھوک ہی
لڑکھڑاتا بھوک کی شدت سے اٹھتا بیٹھتا / مانگنے میں اس نے گھر گھر صبح کی تھی شام کی
آخرش آیا مکاں واپس وہ ہمت ہار کر / جھڑکیاں کتنوں کی سنکر ساتھ لیکر جانکنی
ہوگیا کچھ دیر میں وہ راہیٔ ملک عدم / چھوڑ کر دنیا میں تنہا یادگار اک جھونپڑی
دیکھ اے دولت کے اندھے اسکا حالِ زار دیکھ / کیا نہیں تھا یہ بھی تیری ہی طرح اک آدمی
اک طرف تو اپنی عشرت گاہ کے سامان دیکھ / بے کفن ہے لاش یونہی دوسری جانب پڑی

تو ہی کر سکتا ہے منظر حال کچھ اسکا بیاں
قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

عورت

سیلان الرحم

لیکوریا

[illegible] کے مرض میں اکثر مبتلا رہتی ہے سفید رطوبت [illegible] ہو جاتی ہے [illegible] مریضہ بہت کمزور ہو جاتی ہے [illegible] میں ہمیشہ کیلئے گھن لگ جاتا ہے چہرہ پیلا ہو جاتا ہے [illegible] کمزوری کی علامت [illegible] اعصابی کمزوری [illegible] نمایاں احساس ہوتا ہے لایکوریا ایسی عورتوں کیلئے بہت خوب اور تیر بہدف دوا ہے۔ لایکوریا ایسی عورت کو تندرست [illegible] نہیں کرتی بلکہ ان میں استعداد بڑھاتی ہے۔ [illegible] ایک روپیہ چار آنہ۔ محصول [illegible] فہرست مفت

منیجر سہسوانی دواخانہ ایس۔ جے۔ سہسوان۔ یوپی

دو غزلیں

(۱)

کروٹ بدل نہ سکتے تھے دِل سرد سرد تھا
مرنے کے بعد بھی مجھے احساسِ درد تھا
وہ یہ سمجھ رہے تھے نشانے پہ تیر ہے
میں یوں تڑپ رہا تھا کلیجہ میں درد تھا
کس درجہ بے ثبات تھی سرگرمیٔ حیات
آئی جو موت جسم کا ہر عضو سرد تھا
سمجھا رہا تھا دل کو میں اندازِ ضبطِ عشق
آنسو نہ تھم سکے کہ تقاضائے درد تھا
میں فرضِ عشق سے نہ سُبکدوش ہو سکا
ہر چند بعدِ مرگ مرے دل میں درد تھا
ناکامِ التفات کی حسرت نہ پوچھئے
ہر اک نفس بجائے خود اک آہِ سرد تھا
یہ امتیاز ہو نہ سکا عشق میں کبھی،
دِل میں تھا درد یا کہ کلیجہ میں درد تھا
مانا کہ حدِ ضبط سے باہر تھا دردِ دل
پھر بھی تو مجھکو حوصلۂ ضبطِ درد تھا
جس وقت ذرّہ ذرّہ ہوا بیخود جمال
اس وقت کوئی بھی نہ مرا ہم نبرد تھا
وہ ناسپاس درد کی دھمکی میں مر گیا
جو ناشناسِ لذتِ ایذائے درد تھا
اخفائے رازِ عشق تو مشکل نہ تھا جمیل
مشکل اگر تھا کام تو اخفائے درد تھا

جمیل ایوب قریشی لکھنوی

(۲)

یہ بھی سمجھ سکے نہ ہم کیسے فریب کھا گئے
حُسن کی جلوہ گاہ میں ہوش و خرد لٹا گئے
آنکھ میں آنکھ ڈال کر رازِ وفا بتا گئے
خانۂ دِل کو میرے وہ نور سے جگمگا گئے
آج وہ مسکرا کے یوں برق نظر گرا گئے
خرمنِ زندگی مرا پھونک گئے جلا گئے
دوش پہ میکدہ لئے کالی گھٹا میں آئی ہیں
اور غضب ہوا کہ وہ ایسے میں یاد آ گئے
بعدِ فنا بھی وہ یونہیں باقی رہیں گے حشر تک
اپنی متاعِ زندگی عشق میں جو لٹا گئے
مجھ کو نجات مل گئی کشمکشِ فراق سے
بن کے وہ جانِ آرزو دل میں مرے سما گئے
میرے دلِ تباہ کا اور جنوں سوا ہوا
تشنۂ دید کو فقط ایک جھلک دکھا گئے

باقیؔ نامراد کو جن سے وفا کی تھی امید
اس کی تمام آرزو خاک میں وہ ملا گئے

باقی اعظمی ..

نواب سید غلام حسین خاں اور اُن کی کتاب کا پایہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

کچھ کامگار خاں کے متعلق بھی

میں نے اپنے سابقہ مضمون مطبوعہ سہیل جنوری سنہ ۱۹۴۱ء میں کامگار خاں کی کرتوتوں اور بے ہودہ پن کے سلسلے میں جو تاریخی حوالے پیش کئے تھے انہیں میرے محترم جناب حکیم صاحب نے بغیر کسی معتبر تاریخی حوالے کے محض یہ کہہ کر کہ یہ سب کے سب مصنف سیر المتاخرین کی خوشہ چینیاں ہیں جو اہلِ علم سے مخفی نہیں، رد کر دیے ہیں۔ مگر سخت تعجب ہے کہ میرے لائق دوست کو بعض موقعوں پر صاحب سیر کی تحریریں مستند نظر آتی ہیں جہاں اُس نے اپنی اور اپنے خاندان کی ہمہ دانیاں، اُن کی باتیں اور کمزوریاں حوالۂ قلم کی ہیں۔ سبحان اللہ کیا انصاف ہے یہ انصاف نہیں ہے جس پر عدلِ نوشیروانی بھی صدقے ہے۔ الغرض مقصد موصوف کے اس مقالہ سے بھی بہت کم نکلتا ہے کیونکہ اگر صاحب سیر راست گو اور بے لوث مورخ نہ ہو تو اُس کی تحریریں مستند سمجھی جائیں اور مورخین اُس سے اتنی ساتھ اتفاق کیوں کرتے! گورنمنٹ ریکارڈز (Govt. Records) اُس کی تحریر کی بنا پر ترتیب کیوں دیئے جاتے جیمس بیس T. James اس کی تقلید کیوں کرتا۔ بقول :-

چھپتی نہیں چھپائے سے خوشبوئے مشکِ ناب ہرگز کب چھپائے سے چھپتا ہے آفتاب

(وفا حسین آبادی)

جناب حکیم صاحب موصوف کو تردید کی شاید یہی ایک آسان ترین صورت نظر آئی اگر وہ بھی اُن کے خلاف ہو گئیں، اور صاحب سیر کے مسلم الثبوت مورخ ہونے کی اپنی جگہ پر دلیل ہو گئی۔ کامگار خاں کو بر سرِ افلاک پہنچانے کے لئے خواہ آسمان اور زمین کے قلابے ملائے جائیں، ہزار ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے مگر نہ تو تواریخ کی تحریریں بالخصوص سیر المتاخرین صفحۂ قرطاس سے مٹائی جا سکتی ہیں، اور ارباب نظر زبانی جمع خرچ کو بدون معتبر تاریخی شہادت اور کاغذی ثبوت (Documentary Evidence) کے ماننے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ بقول میرے محترم اگر صاحب سیر نے کامگار خاں کی مٹی پلید کی ہے تو میں اُن سے یہ استدعا کروں گا کہ تواریخ کے اوراق اُلٹ کر مجھے بتائیں کہ آخر کس مورخ نے کامگار خاں کی مٹی پاک کی ہے؟ بلکہ سب سے بہتر تو یہ ہوگا کہ وہ خود ایک ایسی تاریخ مرتب فرما کر شائع کرا دیں جس میں موصوف کے زورِ قلم کے ذریعہ کامگار خاں کی شخصیت سپہرِ اوج کمال کے آفتاب کی مانند درخشاں نظر آئے اور غالباً میرے لائق دوست کے لئے یہ ایک بہترین ذریعہ اُن کی صحیح تاریخ دانی کے اظہار کا ہوگا

کامگار خاں کے منصب ہشت ہزاری کے متعلق بھی میں اپنے مضمون مطبوعہ سہیل ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء میں صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۲۰ پر کافی بحث کر چکا ہوں اور حکیم صاحب موصوف نے جس تحریر کا حوالہ دیا تھا اُسی کی رو سے اُسے غلط ٹھہرا چکا ہوں۔ لہٰذا میں اسے نظر انداز کرتا ہوں، مگر ضمناً اتنا عرض کرنا خلاف موقع نہیں سمجھتا کہ ابتک کامگار خاں کے منصب ہشت ہزاری اور اُن کے خطابات کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ پیش نہیں کیا گیا ہے لہٰذا بصورت عدم حوالہ میں اُسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ خطاب کے متعلق غور کرنے کی بات ہے کہ کبھی تو میرے محترم، نواب اعتماد الدولہ لکھتے ہیں، کبھی مہاراجہ کے نام سے یاد کرتے ہیں کہیں کسی عنوان نگار کی عبارت سے عمدۃ الدولہ کا پتہ چلتا ہے۔ عقل حیران ہے کسے صحیح مانا جائے اور کسے غلط! کامگار خاں کی ذات گویا جامع خطابات و مناصب کا مجموعہ تھی۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہی وجہ ہے جب ہی تو میرے محترم السدہ جگر دلدہ نظر آتے ہیں۔ بفرض اگر چند لمحوں کے لئے میں اپنے محترم حکیم صاحب کا ہم نوا بھی بن جاؤں اور اُن کی خود ساختہ روایتوں پر بادلِ ناخواستہ یقین بھی کر لوں تو کیا کسی منصب ہشت ہزاری رکھنے والے کا اس منصب کے ساتھ جمیع عیوب و نقائص سے منزہ و مبرا ہونا بھی لازمی ہے؟ اور یہ منصب ہشت ہزاری انسان کو طبقۂ بشری سے طبقۂ ملکوتی میں پہنچا دیتا ہے؟ کیا کسی نواب یا مہاراجہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی

(۲) "کامگار خاں ہم چنیں مشہور بہ بنی زمیندار ترہت و تمامی بجوف رفاقت بادشاہ از اطاعت (میر قاسم) سرباز زدہ
خود را بکوہستان راگڑہ در کشید"

(ملاحظہ ہو تاریخ شرف مصنفہ الحاج قاضی سید محمد نور الحسنین خاں بہادر شیر گھاٹوی صدر سابق عظیم آباد صفحہ ۴۸ و صفحہ ۵۱)

ان تاریخی شواہد کے پیش نظر میری عقل اس معمے کو حل کرنے میں قاصر ہے کہ محترمی حکیم صاحب کامگار خاں کو "حکمران" کے لفظ سے کیونکر اور کس بنا پر یاد کرتے ہیں۔ کامگار خاں کب اور کہاں سریر آرائے سلطنت تھا جو اُسے حکمران کا خطاب مرحمت فرمایا گیا؟ کیا اس علیہ خطاب کے ثبوت میں کوئی تاریخی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر محض ایک زمیندار کو "حکمران" کہنا یا لکھنا کہاں تک حق بجانب ہے؟ اگر کامگار خاں کی شخصیت بڑھانی ہی منظور تھی تو قلم اپنے ہاتھ میں تھا اُسے بلا کسی لیت و لعل کے "سلطانِ ہند" یا "فرماں روائے اقلیم ہندوستان" لکھ دیا گیا ہوتا۔ تاکہ اس بحث و تمحیص کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ اگر کامگار خاں کسی صوبہ کا صوبہ دار یا ناظم یا فوجدار بھی ہوتا تو حاکم کے معنی میں فاضل مقالہ نگار کا حکمران لکھنا کسی حد تک صحیح ہو سکتا تھا۔ مگر یہ بھی واقعہ نہیں ہے پھر کوئی کیونکر حکمران تسلیم کرے۔

(۳) "نمکخوار" لغوی معنی کے اعتبار سے ایک نہایت ہی کریہہ لفظ ہے۔ کسی بزرگ ہستی کا کیا ذکر معمولی سے معمولی شخصیت کیلئے بھی اس لفظ کا استعمال تہذیب سے گرا ہوا اور حد درجہ مذموم ہے۔ مگر مجبوراً مجھے بھی اس لفظ کا اعادہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ جس کے لئے میں بری الذمہ ہوں۔ اگر "نمکخوار" کے معنی "نمک کھانیوالے" کے بھی لے جائیں تو یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یوں تو کامگار خاں ایک محکوم۔ ایک ماتحت اور رعیت ہونے کی عمومی حیثیت کی بنا پر شاہ عالم کا یقینی نمکخوار تھا۔ لیکن بالخصوص شاہ عالم کے ہمراہ اُس کے دوران قیام میں[1] مہینوں ساتھ رہ کر بھی طعام دسترخوان شاہی سے یہ کب ممکن ہے کہ اُس کی زبان تر نہ ہوئی ہوگی۔ لہذا حکیم صاحب محترم کے اصول کی بنا پر اُس کا نمک خوار ہونا ثابت اور اُس کی طوطا چشمی اور غداری مسلّم اور قابل ملامت قرار پاتی ہے۔ تعجب ہے اور لبا تعجب ہے کہ نواب اسد جنگ کو نوشاہزادہ عالی گوہر شاہ عالم کا محافظ۔ اتالیق اور مربی ہونے کی حیثیت سے نمکخوار اور خادم کہکر اُن کی مصلحتاً عارضی علیحدگی بھی طوطا چشمی اور غداری پر محمول کیجائے اور قابل ملامت قرار پائے۔ مگر برخلاف اس کے کامگار خاں کی مستقل[2] طوطا چشمیوں، خود غرضیوں[3] اور دغابازیوں کو خلاف واقعہ "حکمران" اور "با اختیار" کہہ کر پردہ ڈالا جائے اور لائق صد ستایش و صد آفرین تصور کیا جائے

ع بہ ایں عقل و دانش بباید گریست

میرے پیش کردہ جوابوں (مطبوعہ سہیل ماہ فروری ۱۹۴۱ء) سے کامگار خاں کی ذات پر اچھا اثر پڑتا ہے یا بُرا اس کا جواب فاضل مقالہ نگار ذرا اپنے دل سے پوچھیں یا ارباب ذوق سے دریافت فرمائیں۔ بلاشک صاحب موصوف کا یہ تجاہل عارفانہ اُن کے ذوق سلیم اور منصف مزاجی کی روشن دلیل ہے۔ نہ ماننے والوں سے کسی بات کو منوانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ بقراط ہو سقراط ہو جالینوس ہو یا ارسطو کوئی بھی ہو ایسے موقعوں پر یقینی ناکامیاب رہیگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص نعوذ باللہ وجود باری تعالیٰ ہی سے انکار کر اور لاکھوں عقلی دلائل اور ہزاروں شواہد دینے کے باوجود اُسے نہ مانے تو کیا کوئی اُسے منوا سکتا ہے۔ یا اُسے اقرار کرنے پر مجبور

---

[1] کیونکہ نواب اسد جنگ اس کے بعد دوبارہ شاہ عالم کی دعوت پر اُس کے پاس گئے تھے۔

[2] اسلئے کہ کامگار خاں نے اپنے ولی نعمت اور محسن کو صلح عظیم آباد کے بعد پھر کبھی صورت بھی نہ دکھائی۔

[3] حکیم صاحب محترم کو معلوم ہونا چاہئے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی طوطا چشمی اور غداری کے لئے یہ عمومی الفاظ ہرگز موزوں نہیں۔ بلکہ زبان میں واضعین نے ان مواقع کے لئے کچھ اور ہی الفاظ وضع کئے ہیں۔ (وفا حسین آبادی)

(۲) ادھر قتل کی خبر ملی، ادھر یہ واپس آئے۔ یہ بالکل واقعہ کے خلاف ہے۔

(۲) کیا اس ٹکڑے سے فاضل مقالہ نگار کی صداقت نہیں ظاہر ہوتی؟

(۳) سید غلام حسین کی شادی اُن کے خالو کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ عبد العلی خاں سید غلام حسین کے ماموں تھے۔

(۳) کیا صاحب مضمون کی تاریخ دانی کا ثبوت اس جملہ سے نہیں ملتا؟

(۴) مجمع میں غلام حسین خاں کے سر سے سر پیچ جواہر چھینا گیا بالکل غلط ہے۔ یہ تاج نہ مجمع میں ملی تھی اور نہ سر سے اتار لیا گیا تھا۔

(۴) کیا اس اقتباس سے میرے محترم کے خلوص نیت کا پتہ نہیں ملتا؟ کیا اس سے رنگ خصومت نمایاں نہیں ہوتا؟

(۵) یہ دعویٰ کہ سیر کے سوا ایک ہی دو کتابیں آخری عہد میں لکھی گئیں یہ بھی عجیب ہے۔ صاحب مضمون کم از کم سرجدو ناتھ سرکار ہی کی کتاب دیکھ لیے ہوتے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ سیر المتاخرین کی سی کتاب سے غلط حوالہ دینے کی لوگوں کو کیونکر ہمت پڑتی ہے۔

(۵) کیا ان حملوں سے صاحب مضمون کی بیانی کا پول نہیں کھلتا۔ اور واقعات کو توڑ موڑ کر خلاف واقعہ پیش کرنا ثابت نہیں ہوتا؟؟

آخر میں میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ فاضل مقالہ نگار کے مضمون کے جزوی واقعات پر اگر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو متعدد واقعات کی لاتعداد رکیک غلطیاں منظر عام پر آجائیں گی اور اُن کے مضمون کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ اس لاطائل بحث میں پڑ کر رسالہ سہیل کے قیمتی اوراق سیاہ کروں۔ بقول غالب مرحوم

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے   سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کیلئے

تمت بالخیر

وفا طباطبائی حسین آبادی

کحل الجواہر

ہمارے محترم بزرگ جناب حکیم سید ننھے نواب صاحب بیت الشفا گیا نے کحل الجواہر کی ایک شیشی اظہار رائے کیلئے ہمارے پاس بھیجی ہے۔ یہ سرمہ کمزوری نگاہ۔ حدت و تاریکی چشم۔ پروال و ضعف۔ غبار فساد۔ نزلہ۔ جالہ۔ ردہ۔ ناخونہ سرخی چشم کیلئے بہت مفید ہے۔ ایک مرتبہ ہم بھی سرمہ کے استعمال سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ اور اسوقت ہمارے بزرگ اسکے استعمال سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ جو حضرات آنکھ کی مندرجہ بالا بیماریوں میں مبتلا ہوں اُنسے پر زور سفارش ہے کہ اس سرمہ کو ضرور ضرور استعمال کریں۔

"مدیر"

نقد و نظر

(تبصرہ کیلئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے)

آغاز و انجام

مصنفہ :۔ جناب جمیل احمد کندھاپوری ایم ۔ اے

کاغذ کتابت وطباعت عمدہ ۔ صفحات ۱۶۲ قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتا :۔

جناب جمیل احمد کندھاپوری ایم ۔ اے ۔ ہمارے ملک کے ان منتخب ادیبوں میں ہیں جن پر اردو ادب بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ افسانہ نگاری سے آپ کو خاص شغف ہے ۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں فن افسانہ سے متعلق آپ کے دو گرانقدر مقالے پیش کئے جا سکتے ہیں جو وقتاً فوقتاً ملک کے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہوئے اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے گئے ۔ اس سلسلہ میں غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اردو افسانہ نگاری میں ترقی پسندی کی لہر دوڑائی ہے ان کے دوش بدوش ہیں

"آغاز و انجام" آپ کے آٹھ افسانوں کا مجموعہ ہے ۔ اور قریب قریب یہ تمام افسانے ہماری موجودہ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں ۔ ہماری نگاہیں بہت سی ایسی چیزوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں جو دیکھنے میں تو معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انہیں ہماری زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ جمیل اس سلسلہ میں چابکدست ہیں ۔ وہ زندگی کے ہر خط کو کامیابی کے ساتھ نمایاں کرتا ہے ۔ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا ۔ اور یہ صرف فن افسانہ نگاری کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے ۔

کتاب کا تعارف جناب مرزا ادیب بی ۔ اے اڈیٹر مصور بمبئی کے قلم کا مرہون منت ہے ۔ اور اسکے بعد مصنف نے فن افسانہ نگاری پر خود ایک ایسا طویل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے ۔ جس کا مطالعہ فن افسانہ نویسی کا ایک مختصر خاکہ ہمارے ذہن پر ہمیشہ کیلئے چھوڑ جاتا ہے ۔

افسانوی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں سے میری پرزور درخواست ہے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کریں ۔ اور اس کے بغیر اپنی لائبریری کو مکمل نہ چھوڑیں ۔

"ع ۔ س"

ادبی تاثرات

مرتبہ جناب مرزا قدرت اللہ بیگ ایم ۔ اے

ناشر :۔ ادارہ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن ۔ جلد مضبوط و خوشنما کاغذ کتابت طباعت عمدہ ضخامت ۲۴۰ قیمت عہ

یہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ایم ۔ اے پی ۔ ایچ ڈی (لندن) کے اہم مختصر مقالوں اور تبصروں کا دلکش مجموعہ ہے ۔ جسے جناب مرزا قدرت اللہ بیگ ایم ۔ اے نے بڑی محنت سے مرتب کیا ہے

پروفیسر زور نے اپنی مسلسل علمی و ادبی کارگزاریوں کے ذریعہ وہ نام پیدا کر لیا ہے ۔ جسے ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے ۔ زیر نظر کتاب میں یوں تو ممدوح موصوف کے وہ تمام تبصرے شامل ہیں ۔ جو وقتاً فوقتاً رسائل و جرائد میں یا تو باب قدر تصانیف کیساتھ شائع ہو چکے ہیں پھر بھی لائق مرتب نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ جناب زور کے نقادانہ کمال کو اجاگر کرنے کیلئے کافی ہے ۔ جناب زور کی نکتہ رسی ۔ زبان کی چاشنی اور فن تنقید نگاری کی چابکدستی آپکے ہر ہر تبصرے سے ظاہر ہو کر ادیبوں سے تسلیم کرا لیتی ہے کہ نقاد نے موضوع کتاب کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے خیالات نہایت دیانتدارانہ طریقہ پر ظاہر کئے ہیں ۔

مقدمات "پریم سوگ" "سریلے بول" اور مکتوبات شاد خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں ۔ ان میں منشی پریم چند آنجہانی عظمت اللہ خاں مرحوم اور شاد عظیم آبادی مرحوم کی زندگیوں کا بڑے لطیف پیرایہ میں نقشہ کھینچا ہے ۔

کتاب دلچسپی سے خالی نہیں اہل ذوق حضرات اسکا ضرور مطالعہ فرمائیں ۔

"قدرت"

اداریہ

ڈھوڑھا مکسچر

جاڑا بخار اور ملیریا بائی بخار یا ہر قسم کے بخار طحال و ورم جگر وغیرہ سے بچنے کے لئے ڈھوڑھا مکسچر پیجیے۔ ڈھوڑھا مکسچر ان تمام بیماریوں کی اکسیر دوا ہے۔ جو چوبیس گھنٹہ میں اثر کرتی ہے اور ان تمام بیماریوں کو جڑ سے کھو دیتی ہے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ عہ

ملنے کا پتہ

ہر ایک دوکاندار یا ڈاکٹر ضمیر احسن

"سنٹرل میڈیکل ہال" گیا

REG. N.P. 487

وقت کی قیمت دولت ادا نہیں کر سکتی

اسکے لئے ایک ہمہ خوبیوں کا محافظ رہنا چاہئے

یعنی

فور ایس کلاک ہردلعزیز ہے
فور ایس کلاک مضبوط ہے
فور ایس کلاک دیرپا ہے
فور ایس کلاک خوبصورت ہے
فور ایس کلاک [illegible] ہے
فور ایس کلاک سچا ہے
فور ایس کلاک معتبر وقت ہے
فور ایس کلاک سستا ہے

فور ایس کلاک پرانا خدمت گذار ہے
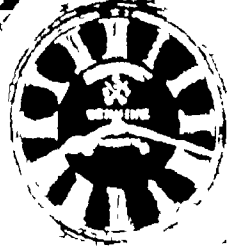
اس سے زیادہ خوبیاں آپکو اور کیا مل سکتی ہیں جو ایک جا ہوں

یہ فخر صرف ہمارے فور ایس کلاک کو حاصل ہے
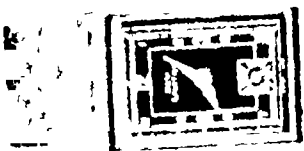
ہم نے

ملک کی ضرورت کو مدِنظر اور مالی مشکلات کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اور جیب کی گھڑیاں تیار کرکے منگوائی ہیں جو کم قیمت، مضبوط، خوبصورت اور سچا وقت بتلاتی ہیں

سول ایجنٹ :- لمٹن وایچ کمپنی نمبر ۴ ڈلہوزی اسکوائر - کلکتہ